جو دردِ دل سے اور آہوں سے اور اشکوں سے منبر پر
کرے شرحِ محبت پھر نہ کیوں جادو بیانی ہو
(حضرت والا دامت برکاتہم)

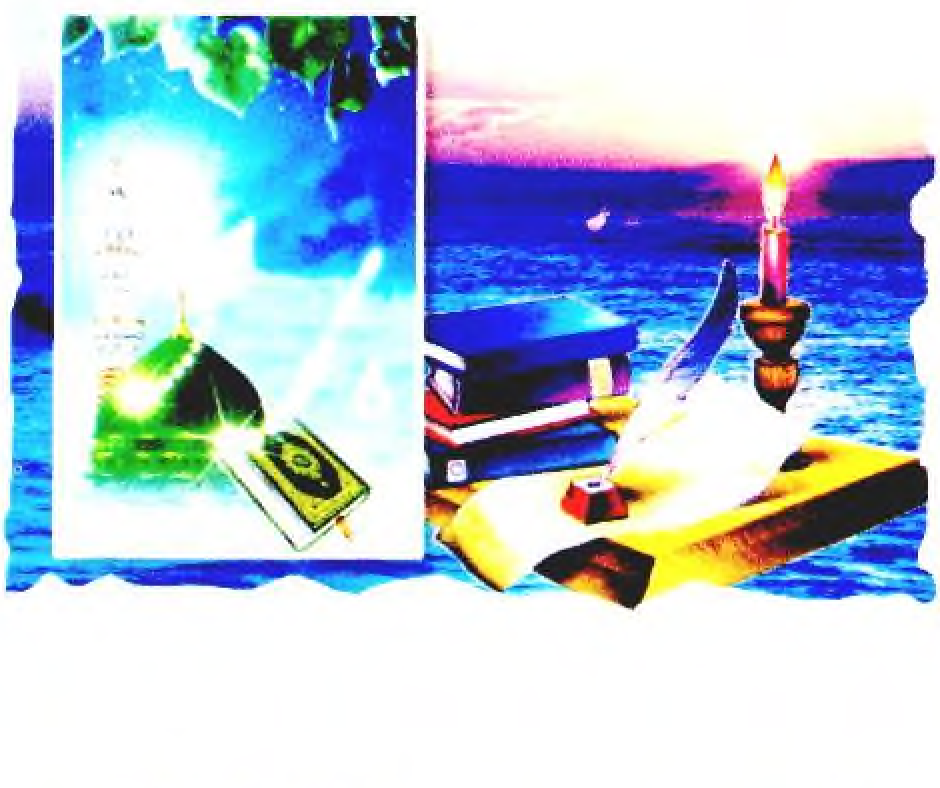
حضرت والا کے سامنے مجلس میں کی گئی اشعار کی تشریحات وتقریرات کا مجموعہ

عرفانِ محبت

شرح

فیضانِ محبت

جلد سوئم



مجموعہ کلام

شیخ العرب والعجم
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

شارح

حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب فاضل دیوبند
استاذ الحدیث دار العلوم آزادول جنوبی افریقہ

خلیفہ ومجاز بیعت
شیخ العرب والعجم
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

جو دردِ دل سے اور آہوں سے اور اَشکوں سے منبر پر
کرے شرحِ محبّت پھر نہ کیوں جادو بیانی ہو

(حضرت والا دامت برکاتہم)

حضرت والا کے سامنے مجلس میں کی گئی اشعار کی تشریحات وتقریرات کا مجموعہ

عِرفانِ محبّت

شرح

فیضانِ محبّت

جلد سوئم



مجموعہ کلام

شیخ العرب والعجم

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

شارح

حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب فاضل دیوبند

استاذ الحدیث دار العلوم آزادول جنوبی افریقہ

خلیفہ ومجاز بیعت

شیخ العرب والعجم

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

فہرست

انفاس زندگی کے جواُن پر فدا ہوئے

انفاس زندگی کے جو اُن پر سلوک میں
جو منزلِ مجاز سے بالکل جدا ہوئے

جس نے اٹھایا شیخ کے نازِ طریق کو
راہِ فنا سے راہبرِ راہِ خدا ہوئے

دیکھا اسی کو فائزِ منزل سلوک میں
جو منزلِ مجاز سے بالکل جدا ہوئے

پالا پڑا ہے جن کو تلاطم کی موج سے
گمراہ کشتیوں کے وہی ناخدا ہوئے

تقریر میں اگر نہیں شامل ہے دردِ دل
صدہا صدا کے ساتھ بھی وہ بے صدا ہوئے

راہِ وفا میں آہ جو فانی نہ ہوسکے
کہلا کے باخدا بھی نہ وہ باخدا ہوئے

اہلِ جنوں کی صحبتیں اختر جنہیں ملیں
اہلِ خرد کو دیکھا کہ اُن پر فدا ہوئے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **انفاس:** نفس کی جمع یعنی سانس۔ **شمس وقمر:** سورج اور چاند۔ **گدا:** فقیر۔ **نازِ طریق:** اللہ تعالیٰ کے راستے میں شیخ کے ناز اٹھانا۔ **راہِ فنا:** نفس کو مٹانے کے ذریعے۔ **فائز منزل:** کامیابی سے منزل کو پہنچنا۔ **منزلِ مجاز:** نامحرم عورتوں اور لڑکوں کے عشق سے۔ **تلاطم:** سمندر کے تھپیڑے۔ **ناخدا:** کشتی چلانے والا۔ **صدھا:** سینکڑوں۔ **صدا:** آواز۔ **باخُدا:** اللہ والے۔ **اھلِ جنون:** اللہ والے۔ **اھلِ خرد:** عقل کے غلام۔

اللہ پر فدا ہونے والے انفاس کے سامنے شمس وقمر بھی گدا ہیں

انفاس زندگی کے جو ان پر فدا ہوئے
شمس و قمر بھی سامنے ان کے گدا ہوئے

انسان کی زندگی کے وہ لمحات جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے اوپر خرچ ہوتے ہیں اور وہ حصۂ حیات جو حق تعالیٰ پر فدا ہوتا ہے وہ اتنا قیمتی بن جاتا ہے اور ایسا چمک اُٹھتا ہے کہ شمس وقمر بھی اُس کے سامنے گدا ہو جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے کہ اللہ تعالیٰ اُن انفاسِ زندگی کو اتنا قیمتی بنا دیتے ہیں اور اس قدر منور اور چمکا دیتے ہیں کہ جن کی روشنی قیامت کی ظلمات اور اندھیروں میں کام آئے گی۔ جہاں دنیا کے چاند وسورج کارگر ثابت نہ ہوں گے۔

اور اسی طرح یہ انفاسِ زندگی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر قیمتی اور پاکیزہ ہو جاتے ہیں کہ جن کے نتیجے میں انسان کا دل و دماغ چمک اُٹھتا ہے اور نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ جبکہ دنیا کے شمس وقمر ظاہری کائنات کو صرف روشن کر سکتے ہیں باطن کو نہیں۔ اور باطن ہی اصل ہے، اور مدارِ حیاتِ دنیاوی اور اخروی ہے۔

نازِ شیخ اُٹھانا مرید کے اپنے فائدے کے لیے ہے

جس نے اٹھایا شیخ کے ناز طریق کو
راہ فنا سے وہی رہبر راہ خدا ہوئے
دیکھا اسی کو فائز منزل سلوک میں
جو منزل مجاز سے بالکل جدا ہوئے

لیکن جو شخص حقیقی طور پر اپنی زندگی کے لمحات کو قیمتی بنانا چاہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل کر اُس کی مرضیات پر قربان کرنا چاہے اُس کے لیے سنت اللہ یہ جاری ہے کہ کسی شیخِ کامل سے جڑ کر اور اُس کی صحبت و خدمت میں رہ کر اس راہِ خداوندی کے سلسلے میں پیش آنے والے مجاہدوں سے گزرنا پڑتا ہے اور وقتاً فوقتاً اپنے شیخ اور مصلح دینی کے نازوں کو اُٹھانا پڑتا ہے جو کہ درحقیقت اپنے اندر مرید ہی کی اصلاح اور بھلائی لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جو اپنے کو شیخ کے سامنے فنا کر دیتا ہے تو وہی حقیقت میں راہِ خدا کا رہبر بنتا ہے۔ کیونکہ شیخ مرید کو کسی آزمائش اور ابتلاء میں اور ڈانٹ ڈپٹ میں اپنے نفس کی ہوس پورا کرنے کے لیے نہیں ڈانٹتا ہے بلکہ اپنے مرید کو مقامِ بلند پر پہنچانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ بقول حضرت والا ؎

سختیاں شیخ کی ہیں فنا کے لیے
مت سمجھ مت سمجھ اِن کو ہر گز ستم

تلاطمِ امواج سے گذر کر گمراہ کشتیوں کے ناخدا بنے

پالا پڑا ہے جن کو تلاطم کی موج سے
گمراہ کشتیوں کے وہی ناخدا ہوئے

ہاں شیخِ کامل کے ہونے کے ساتھ گناہوں کا چھوڑنا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے لازمی اور ضروری ہے ورنہ پھر اصلاح وتزکیہ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اور خاص طور پر اس زمانے میں مجازی محبتوں کے سیلاب اور طوفان سے اپنے کو پورے طور پر بچا کر رکھنا ہی واحد راستہ ہے کہ جس پر چل کر منزلِ سلوک میں کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اور جن لوگوں کو گناہوں اور معصیتوں میں ابتلاء رہا ہو یا وہ حسنِ مجازی اور حرام عشق ومحبت کی راہوں سے گزر کر اللہ کی طرف بڑھے ہوں اور انہوں نے توبہ کے راستے کو اختیار کیا ہو تو پھر حق سبحانہ وتعالیٰ اس توبہ کی برکت سے اور گناہوں کو چھوڑنے کے مجاہدہ اُٹھانے کے سبب اپنا خاص فضل فرما کر اُن کی ایسی اصلاح وتزکیہ فرماتے ہیں

کہ جس طرح وہ اِن گناہوں اور معصیتوں کے سمندری طوفان میں اُٹھنے والی موجوں کے تلاطم سے ٹکرا کر ساحل تک بسلامت و عافیت نکل آئے تو مستقبل میں اُن کو اللہ تعالیٰ ایسا ہنر اور کمال عطا فرماتے ہیں کہ بے شمار خلقِ خدا جن کی کشتی گناہوں کے سمندر میں پھنسی ہوتی ہے اُن کشتیوں کے وہ ناخدا بنتے ہیں۔ اور اس طوفان سے بچانے کے لیے اُنہیں ایسے طریقے اور تدبیریں سکھلا دیئے جاتی ہیں کہ وہ بآسانی اپنے مریدین و متعلقین کو ساحل تک پہنچا دیں۔ اور منزلِ مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور حقیقی محبت کا لطف پیش کرسکیں۔

تقریر میں اگر نہیں شامل ہے دردِ دل
صدہا صدا کے ساتھ بھی وہ بے صدا ہوئے

حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے کا غم اُٹھا کر دل میں دردِ محبت حاصل کیے ہوئے نہیں وہ اگرچہ اپنی تقریر میں کیسا ہی جوش و بیان رکھتے ہوں اور خاص فصاحت و بلاغت کے انداز میں گفتگو کرنا جانتے ہوں لیکن اگر تقریر و بیان میں دردِ دل شامل نہیں ہے تو صدہا صداؤں اور بلند و بانگ نعروں کے باوجود سامعین کی زندگیوں میں کوئی خاص انقلاب نظر نہیں آتا۔ اور صدہا صدا کے باوجود وہ بے صدا معلوم ہوتے ہیں۔

راہِ فنا میں جو آہ فانی نہ ہوسکے
کہلا کے باخدا بھی وہ باخدا نہ ہوئے
اہلِ جنوں کی صحبتیں اختر جنہیں ملیں
اہلِ خرد کو دیکھا کہ ان پر فدا ہوئے

اسی طرح جو لوگ اللہ کی راہ میں فنا ہونا نہ جانتے ہوں انہیں ہر وقت اپنی بقا، نام و نمود اور جاہ و شہرت کی فکر دامن گیر رہتی ہو اور دنیا کے عہدے اور منصب، مال و دولت اُن کے دل و دماغ پر چھائے رہتے ہوں تو پھر ایسے لوگ بظاہر باخدا ہونے کے باوجود حقیقت میں باخدا نہیں ہوتے۔ یعنی گو کہ شکل وصورت میں وہ علماء وصلحاء نظر آتے ہوں لیکن اُن کا اندر خالی ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو آہ وزاری کا تعلق ہوتا ہے وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ اور مقربینِ بارگاہِ خداوندی کی صفوں میں ایسے لوگ شامل نہیں ہو پاتے، کیونکہ فنا نہ ہونے کے سبب وہ پورے طور پر لا الٰہ الا اللہ کا مصداق نہ بن سکے جس کا تقاضا یہ ہے کہ سب کچھ فنا کرو پھر میں ملوں گا۔ یہی وہ راز ہے جس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے ''فضائلِ اعمال'' میں اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے کئی مقامات پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب تک کسی صاحبِ نسبت اللہ والے کی جوتیاں سیدھی نہیں کی جاتیں تب تک یہ فنا کا مقام حاصل ہونا تو دور کی بات اس کی ہوا بھی نہیں لگتی اور اپنی حقیقت سے آشنائی ہی نہیں ہوتی۔

اس لیے جو اس نسبت کو حاصل کرنا چاہے اُس کو حضرت نصیحت فرماتے ہیں کہ اہلِ جنوں یعنی اللہ کے

دیوانوں کی صحبتیں اُٹھاؤ پھر دیکھو کہ دنیا کے اہلِ خرد کہلانے والے کس طرح تمہارے غلام بنتے ہیں اور کیسے دنیا قدموں میں آتی ہے کیونکہ پوری تاریخ کا تجربہ یہی ہے کہ جنہوں نے اپنے اہلِ جنوں مشائخ کی صحبتیں اُٹھائیں تو اہلِ خرد کو اُن پر فدا ہوتے دیکھا گیا۔ اور دنیا میں عقلمند اور دانشمند کہلانے والے اُن کی خدمتوں میں عاجزانہ اور نیازمندانہ حاضری دیتے ہوئے نظر آئے۔

ذرۂ دردوغم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

میری زبان حال بھی میرے بیاں سے کم نہیں
میرا سکوت عشق بھی میری زباں سے کم نہیں

یادِ خدا کا ہر نَفَس کون و مکاں سے کم نہیں
اہلِ وفا کا بوریا تخت شہاں سے کم نہیں

ان کے حضور میں مرے آنسو زباں سے کم نہیں
عشق کی بے زبانیاں لفظ و بیاں سے کم نہیں

دامن فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرّۂ درد و غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

فاش کیا ہے آہ نے زخمِ جگر کو بزم میں
لیکن ہماری آہ بھی زخمِ نہاں سے کم نہیں

کاشفِ رازِ دردِ دل یعنی یہ آہِ عاشقاں
رہبر و دیگراں ہے جب راز نہاں سے کم نہیں

میری ندامتیں رہیں کبر سے پاسباں مری
یعنی مرا نیاز بھی نازِ شہاں سے کم نہیں

اہلِ نفاق پر گنہ جیسے مگس ہو ناک پر
مؤمن کے دل پہ ہر گنہ کوہِ گراں سے کم نہیں

رندوں کی آہ و زاریاں اخترؔ خدا کو ہیں پسند
ان کا شکستِ دل بھی پھر کرو بیاں سے کم نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **سکوت**: خاموشی۔ **نَفَس**: سانس۔ **مکاں**: دنیا۔ **اھلِ وفا**: اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے۔ **تخت شھاں**: بادشاہوں کا تخت۔ **تاجِ قیصری**: قیصر روم کا تاج۔ **فاش**: ظاہر کرنا، کھولنا۔ **بزم**: محفل۔ **زخمِ نھاں**: چھپا ہوا زخم۔ **کاشف**: ظاہر کرنے والی۔ **رھبر دیگراں**: دوسروں کے لیے رہبر۔ **رازِ نھاں**: چھپا ہوا راز۔ **کبر**: تکبر۔ **پاسباں**: حفاظت کرنے والی۔

نیاز: عاجزی انکساری۔ **نازِ شہاں**: بادشاہوں کے ناز۔ **نفاق**: منافق۔ **مگس**: مکھی۔ **کوہِ گراں**: بڑا پہاڑ۔ **رندوں**: اللہ کی محبت کی شراب پینے والے۔ **آہ و زاریاں**: رونا۔ **شکستہ**: ٹوٹا ہوا۔ **کروبیاں**: فرشتے۔

صحبت کی تاثیر مثلِ برف سمجھو

میری زبانِ حال بھی میرے بیاں سے کم نہیں
میرا سکوتِ عشق بھی میری زباں سے کم نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی زیارت اور ملاقات یا اُن کے ساتھ رہنے ہی میں ایسا نفع اور اثر رکھ دیتے ہیں کہ اگر وہ لوگ نہ تقریر و بیان کریں، نہ تو کوئی وعظ ونصیحت کریں تب بھی اُن کے پاس بیٹھنے والا نہ صرف یہ مطلق نفع اُٹھاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس کے اوپر اُن کا رنگ چڑھنا شروع ہوجاتا ہے۔ احقر نے خانقاہ میں رہتے ہوئے بعض بڑے پڑھے لکھے دانشمندوں سے یہ سنا کہ ہم کو بیان سے زیادہ حضرت والا کی زیارت اور دیدار سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ صحبت کی خاص تاثیر ہے جس کے مطابق حضرت مفتی زین العابدین رحمہ اللہ کا واقعہ احقر کو یاد آیا کہ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے ریل کے ایک ڈبے کے اندر جس میں خود تشریف فرما تھے، برف کی ایک سِلی (بڑا ٹکڑا) رکھی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد جب وہ ڈبہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوا تو حضرت مفتی صاحب نے متعلقین سے یہ پوچھا کہ بتلاؤ اس برف نے کوئی تقریر و بیان کیا ہے؟ لیکن دیکھو ہم سب اس کی صحبت سے کیسا نفع اُٹھا رہے ہیں کہ ٹرین کے پورے ڈبے میں عمدہ اور خوشگوار ماحول ہوگیا ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اہل اللہ تقریر و بیان کیے بغیر ہی سامعین کو اپنا اندرونی پیغام پہنچاتے رہتے ہیں۔

میرا بوریہ شاہوں کے تختِ شاہی سے کم نہیں

یادِ خدا کا ہر نفس کون و مکاں سے کم نہیں
اہلِ وفا کا بوریا تختِ شہاں سے کم نہیں

حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرنے والا میرا ایک ایک سانس ساری کون ومکان اور کائنات کی تمام چھوٹی بڑی اشیا سے زیادہ قیمتی اور باحیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بوریا جس پر کچھ اہل دل اللہ والے بیٹھے ہوں اُس کی حیثیت بادشاہوں کے تخت سے کم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے سینے میں احکم الحاکمین، شہنشاہِ دوجہاں ربِ کائنات کو لیے ہوئے ہوتے ہیں تو اگر وہ بادشاہ اپنی چھوٹی سی حکومت پر نازاں ہے تو یہ اہلِ دل اللہ والے بھی اپنے مولا کی لقا و رضا مل جانے پر اُس سے زیادہ راضی اور خوش رہتے ہیں کیونکہ خود اس بادشاہ کو بادشاہت کی بھیک دینے والا اور اس کو تختِ شاہی پر بٹھانے والا وہی اللہ ہے۔ اس لیے اہلِ دل اللہ والوں کا

بوریا کسی بادشاہ کے تخت سے کم نہیں۔

اور بلکہ میں اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ بادشاہ کو تو بکثرت ایسی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے کہ ناگواریوں اور ناموافق حالات کی وجہ سے اور بہت سے دنیاوی پیش آمدہ مسائل کا سامنا کرنے کی وجہ سے اُس کے دل ودماغ بے چینی اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں اور تختِ شاہی پر رہ کر بھی نہ وہ چین وسکون کی نیند سوسکتا ہے، نہ عافیت وسلامتی کی زندگی گزار سکتا ہے بلکہ اُس کے دل ودماغ میں ہروقت فکریں لاحق ہوتی ہیں۔ بقول حضرت والا دامت برکاتہم ؎

شاہوں کے سروں پہ تاجِ گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اہلِ وفا کے سینوں میں ایک نور کا دریا بہتا ہے

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اہلِ دل اللہ والے جو محبتِ خداوندی کا درد اپنے سینوں میں رکھتے ہیں اُس درد وغم کا ایک ذرّہ بھی نہ صرف شاہوں کے تختِ شاہی سے اور قیصر وکسریٰ کے تاجوں سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ اس ذرّہ کی قیمت وحیثیت دونوں جہاں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ دونوں جہاں مخلوق ہے اور اس درد وغم کا اثر دل میں اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا ہے اور اللہ خالق ہے اور خالق کے برابر مخلوق کیسے ہوسکتی ہے۔

عشق کی بے زبانیاں لفظ وزباں سے کم نہیں

ان کے حضور میں مرے آنسو زباں سے کم نہیں
عشق کی بے زبانیاں لفظ وبیاں سے کم نہیں
دامنِ فقر میں پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرہ دردِ وغم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

اس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جب میں آنسو بہاتا ہوں تو وہ اُس سے کم نہیں ہے کہ جس طرح کوئی زبان سے بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش کرتا ہے، کیونکہ درحقیقت آنکھوں سے نکلنے والے آنسو محض اتفاقی آنسو نہیں ہوتے بلکہ اندر دل میں اُٹھنے والا اللہ تعالیٰ کی محبت کا غم کچھ ارمان اور حسرتیں لیے ہوئے، کچھ خاص فریادیں اور لجاجتیں لیے ہوئے ہوتے ہیں جو کہ اللہ علیم وخبیر کے لیے اپنی ترجمانی اس طرح کردیتے ہیں کہ وہ اُس طرح لغت بھی ترجمانی کرنے پر قدرت نہیں رکھتی، کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ جس طرح ہمارے الفاظ کے معنی سن کر ہماری فریاد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح دل کے نہاں خانوں پر گزرنے والی ہر دھڑکن اور آہ وفغاں اور گریہ وزاری کی شکل میں ظاہر ہونے والے اُس کے اثرات ونتائج کے جملہ احوال وکوائف سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں میرے آنسو زبان سے کم نہیں ہیں، اس لیے کہ عشق کی بے زبانیاں بھی اپنے مقصد کی تعبیر وترجمانی میں الفاظ وبیان سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔

آخر بے زبان بچہ ماں کے سامنے روتا ہی تو ہے کہ ماں کی نیند اُڑ جاتی ہے اور جوشِ محبت میں اُٹھ کر اُس کو گلے لگاتی اور اپنے سے چمٹا لیتی ہے۔ اور اپنے دُکھ درد کو بھول کر اُس کی محبت اور ممتا میں اپنے نرم و نازک بستر سے پوری پوری رات جدا اور علیحدہ رہتی ہے۔ یہ کیا چیز ہے کہ جس نے ماں کے اندر ایسی حالت پیدا کر دی وہ ایک بے زبان بچے کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو ہیں جس کو مولانا رومی نے مختلف انداز سے جا بجا سمجھایا ہے۔

میری آہیں رہبرِ دیگراں ہیں

فاش کیا ہے آہ نے زخمِ جگر کو بزم میں
لیکن ہماری آہ بھی زخمِ نہاں سے کم نہیں
کاشفِ رازِ دردِ دل یعنی یہ آہ عاشقاں
رہبرِ دیگراں ہے جب رازِ نہاں سے کم نہیں

حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب میں نے آہیں بھری ہیں تو اُس نے اہلِ مجلس پر یہ راز فاش کر دیا ہے کہ میں اپنے سینے میں ایسا دل رکھتا ہوں جو اللہ کی محبت میں گھائل ہے اور اُس میں عشقِ خداوندی کا زخم لگا ہوا ہے۔ یہی آہیں اُس زخمِ جگر کی ترجمانی کرتی ہیں لیکن اگر ہم بغور دیکھیں تو خود آہ وفغاں کی قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس زخمِ نہاں سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی اپنے اللہ کی یاد میں تڑپنے کا ایک خاص درد بھرا انداز ہے جو رحمتِ خداوندی کو جوش دلانے والا ہے۔ اور بندہ کی صحیح حالت کی ترجمانی بڑے خوبصورت انداز سے پیش کرنے والا ہے۔

اور یہی بار بار نکلنے والی آہ اللہ کے عاشقوں کے دردِ دل کے راز کو کھولنے والی اور ظاہر کرنے والی ہے اور اہلِ مجلس کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف قدم بہ قدم بڑھا کر لے جانے والی ہے۔ اور اُن کے عشق و محبت کا صحیح رُخ اور قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کی جانب کر دینے والی ہے۔ اس لیے اگر اندر چھپا ہوا دردِ دل اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت قیمتی ہے تو یہ آہ بھی رہبرِ دیگراں ہونے کے لحاظ سے بہت ہی قیمتی اور مفید ہے۔ اس لیے کہ رازِ دردِ دل تو مخفی ہے جس کا جاننے والا صرف اللہ ہے مگر آہوں کو سن کر سامعین کے دل تڑپ اُٹھتے ہیں اور وہ عشقِ خداوندی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔

میری ندامتیں رہیں کبر سے پاسباں مری
یعنی مرا نیاز بھی نازِ شہاں سے کم نہیں

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں ہر لمحہ اپنے اعمال پر نادم اور شرمندہ رہتا ہوں اور جو بھی کچھ مجھے اللہ تعالیٰ طاعات کی توفیق دیتے ہیں اُس کو صرف حق تعالیٰ کا کرم بلا استحقاق سمجھتا ہوں اور پھر بھی کماحقہٗ ادا نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ڈرتا رہتا ہوں جس کے سبب حق سبحانہ وتعالیٰ کبر سے میری حفاظت فرماتے ہیں کیونکہ

جب بندہ ہر وقت اپنے کیے پر نادم ہو اور ملنے والی توفیق کو بلا استحقاق اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھتا ہو تو پھر تکبر کے قریب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس زاویہ اور نقطۂ نظر سے بندے کی نیازمندی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اُس کا نادمانہ اپنے مولا کے سامنے حاضر ہونا یہ بادشاہوں کے ناز سے کم نہیں بلکہ مقاماتِ قرب دلانے کے اعتبار سے اس بندے کی نیازی مندی کی حیثیت شاہوں کے ناز سے کئی گنا زیادہ بڑھ کر ہے کیونکہ وہ محض ایک دنیاوی ظاہری عزت و بڑائی کی چیز ہے۔

گناہ کے وقت مؤمن اور منافق کی حالت

اہلِ نفاق پر گنہ جیسے مگس ہو ناک پر
مومن کے دل پر گنہ کوہِ گراں سے کم نہیں

اس شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو لوگ دل سے اللہ پر ایمان نہیں رکھتے صرف ظاہری طور پر مؤمن اور مسلم نظر آتے ہیں اور دل سے وہ منافق ہیں تو وہ لوگ گناہ کرتے ہوئے نہ ڈرتے ہیں نہ اللہ سے خوف کھاتے ہیں۔ نہ گناہ کی اُن کی نگاہ میں کوئی شدت و اہمیت ہوتی ہے بلکہ اُن کے لیے گناہ اتنا معمولی ہے جیسا کہ ناک کے اوپر مکھی بیٹھ جائے جبکہ وہ شخص جس کے دل میں ایمان موجود ہو اُس کے لیے چھوٹا سا گناہ کرنا بھی پہاڑ کے برابر معلوم ہوتا ہے اور اُس کی طبیعت کے لیے وہ کسی کوہِ گراں سے کم نہیں ہوتا۔

یہ درحقیقت ایک حدیث شریف کی ترجمانی ہے جس میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ کافر و منافق کے لیے گناہ کرنا بالکل معمولی بات ہے اور مؤمن کے لیے بہت دشوار ہوتا ہے۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثَیْنِ أَحَدُھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَفْسِہٖ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَأَنَّہٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَخَافُ أَنْ یَّقَعَ عَلَیْہِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی أَنْفِہٖ فَقَالَ بِہٖ ھٰکَذَا قَالَ أَبُوْ شِھَابٍ بِیَدِہٖ فَوْقَ أَنْفِہٖ﴾

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التوبۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا دیکھتا ہے کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا اور اس بات سے ڈر رہا ہے کہ وہ اس پر گر جائے گا اور فاسق و فاجر اپنے گناہوں کو ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسا مکھی اُس کی ناک کے اوپر بیٹھ گئی ہو۔ یعنی مؤمن کے لیے گناہ کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے اور کافر بہت جلد آسانی سے گناہ کر گزرتا ہے۔

حضرت والا کے اس شعر میں اُن مسلمانوں کے لیے بہت بڑی عبرت و نصیحت بھی ہے کہ جو بآسانی گناہ کر گزرتے ہیں اور اُن کو گناہوں کی ایسی عادت ہو چکی ہے کہ نہ کوئی خاص ڈر اور خوف محسوس ہوتا ہے اور نہ اُن کی طبیعت میں گرانی محسوس ہوتی ہے۔ کرنے سے پہلے ڈرتے نہیں اور کرنے کے بعد رجوع ہونے کی فکر نہیں کرتے

بلکہ یکے بعد دیگرے مسلسل بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ گناہوں پر دلیر رہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے غور کرلینا چاہیے کہ وہ کس کے راستے کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ وہ کافر ہیں اور ایمان سے خالی ہیں مگر اُن کو اس سے ضرور ڈرنا چاہیے کہ یہ خصلت و عادت غیر مسلم و بے ایمان والوں کی ہے کہ گناہوں کو بلا کسی ڈر و خوف کے جرأت و جسارت سے کرتے چلے جانا جبکہ اس کے برخلاف مؤمنانہ شان یہ ہوتی ہے کہ اول تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے نہیں بلکہ اُس کے تصور سے بھی ڈرتا ہے اور اگر اتفاق سے نفس و شیطان کے چکر میں پھنس کر کبھی گناہ صادر ہو جاتا ہے تو فوراً رجوع ہو کر اپنے اللہ سے توبہ کرتا ہے۔ ورنہ تو اصلاً وہ گناہ کے تصور سے ہی کانپتا رہتا ہے کہ کس طرح یہ ممکن ہو کہ میں اپنے پالنے والے اللہ کو گناہ کر کے ناراض کردوں۔

رندوں کی آہ و زاریاں اخترؔ خدا کو ہیں پسند
ان کا شکستہ دل بھی پھر کروبیاں سے کم نہیں

اس شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ مؤمن بندہ خواہ کیسا ہی گناہ گار ہو مگر جس وقت وہ حق تعالیٰ کے سامنے نادمانہ حاضر ہوتا ہے اور گریہ وزاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں تائب ہوتا ہے تو پھر اُس کا یہ ٹوٹا ہوا دل اتنا پیارا اور محبوب بن جاتا ہے کہ وہ مقرب فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے کیونکہ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ان فرشتوں کے پاس مختلف نوع کی عبادات تو ہیں لیکن ندامت کے آنسوؤں کی نعمت سے یہ خالی ہیں۔ یہ عظیم نعمت صرف حق تعالیٰ نے انسانوں ہی کو عطا فرمائی ہیں۔

عشق کا کفن

میں نے جن کو سجن بنایا تھا
جن کو میں نے بھجن سنایا تھا
میرؔ ان کے سفید بالوں نے
عشق کا مرے کفن بنایا تھا

مشکل الفاظ کے معنیٰ: سجن: محبوب۔ بھجن: گانا۔

وسعت قلب عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

اشک روانِ عاشقاں نجم السما سے کم نہیں
ان کا یہ خونِ آرزو عہدِ وفا سے کم نہیں

جو ہے ادائے خواجگی پنہاں اسی میں ہے کرم
ان کی رضا بھی دوستو ان کی عطا سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعت قلب عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

یاربّ یہ دردِ دل ترا سارے مرض کی ہے دوا
ہے یہ مرض تری عطا جو کہ شفا سے کم نہیں

نفس کو کردے تو فنا باقی رہے نہ کچھ اَنا
راہ میں ان کی ناز و کبر جور و جفا سے کم نہیں

یہ بھی کرم ہے آپ کا جس کا میں اہل بھی نہ تھا
یعنی جو دردِ دل دیا دونوں سرا سے کم نہیں

ان کی عطائے خواجگی میری ادائے بندگی
لیکن مرا قصور بھی میری ادا سے کم نہیں

جلوۂ حق کے سامنے حیرت سے بے زباں سہی
پھر بھی سکوت عشق کا اس کی صدا سے کم نہیں

اختر ہمارا دردِ دل بزم میں بے نوا سہی
لیکن کسی کی چشم نم اس کی نوا سے کم نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **اشکِ رواں**: بہتے ہوئے آنسو۔ **نجم السما**: آسمان کے ستارے۔ **عہدِ وفا**: اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا عہد۔ **ادائے خواجگی**: بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔ **اُن کی**: اللہ تعالیٰ عاشقوں کی۔ **ارض و سما**: زمین اور آسمان۔ **ناز**: اکڑنا۔ **کبر**: تکبر کرنا۔ **جور**: ظلم۔ **دونوں سرا**: دونوں جہاں۔ **عطائے خواجگی**: اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا۔ **بے نوا**: بے آواز۔ **چشم نم**: روتی ہوئی آنکھ۔

اشکِ روانِ عاشقاں اور نجم السماء

اشک روانِ عاشقاں نجم السما سے کم نہیں
ان کا یہ خونِ آرزو عہدِ وفا سے کم نہیں

اللہ کے عاشق جب اس زمین کے اوپر روتے ہیں اور اُن کے آنسو زمین پر گرتے ہیں تو جس طرح آسمان ستاروں سے چمکتا ہے اسی طرح یہ زمین بھی آنسوؤں (یعنی زمین کے ستاروں) سے چمک اُٹھتی ہے۔اور جیسے پہلے عرض کیا گیا کہ بعض اعتبارات سے وہ ستارے وقت وحیثیت میں اِن آنسوؤں کے ساتھ کوئی درجہ ہی نہیں رکھتے کیونکہ اُن سے ظاہر چمکتا ہے اور اِن آنسوؤں سے باطن یعنی قلب چمک اُٹھتا ہے۔اسی طرح آسمان میں جو ستارے ہیں وہ محض نفع کائنات کا ایک حصہ ہے لیکن زمین کے یہ ستارے پوری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا سبب ہے۔

اور اس پہلو سے بھی کہ آسمان ندامت کے ان آنسوؤں اور ستاروں سے خالی ہیں اور خوش نصیبی اس زمین کی ہے کہ اسی زمین کو یہ تحفہ یعنی گریۂ ندامت کے آنسو منجانب اللہ عطا کیا گیا ہے۔اس لیے یہ بات اپنی جگہ بالکل درست اور بجا ہے کہ یہ آنسو کسی بھی لحاظ سے آسمان کے ستاروں سے کم نہیں ہیں۔اور جب اللہ کا عاشق اُس کے راستے میں اپنی حرام تمناؤں اور خواہشات کا خون کرتا ہے اور اُن کو چورا چورا کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ سے اپنی وفا نباہنے والا ہے اور یہ اُس عہدِ وفا کی تکمیل کر رہا ہے، محض نفلوں اور تسبیحات اور ذکر واذکار ہی سے عہدِ وفا کی تکمیل نہیں بلکہ جب اللہ کے حکم پر اپنی خواہشات پر بریک لگا کر دل کے ٹکڑے کیے جاتے ہیں تو یہ بندۂ مؤمن خدا کی بارگاہ میں بہت بڑا وفادار قرار پاتا ہے۔

جو ہے ادائے خواجگی پنہاں اسی میں ہے کرم
ان کی رضا بھی دوستو ان کی عطا سے کم نہیں

حضرت والا فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا جو بھی معاملہ بندے کے ساتھ ہو اُسے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اُس کی مصلحت اور خیر اُسی میں مضمر ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اگر کبھی خوشگوار حالات ڈال کر بندہ سے راضی رہتے ہیں اور اُسے عمدہ نعمتیں اور راحت وآرام عطا فرما کر اُس سے راضی رہتے ہیں تو اسی طرح کبھی ناموافق حالات میں جب بندہ اللہ کے فیصلے کو اپنے لیے خیر سمجھ کر اُس پہ راضی رہتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ اُس بندے سے بہت ہی خوش اور راضی ہوتے ہیں۔اور مؤمن کی نظر اصل اسی پر رہنی چاہیے کہ میرا مولیٰ راضی رہے۔یہی حق تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا ہے پھر وہ چاہے جس حال میں رکھے وہی حال بندے کے لیے صحیح اور درست ہے۔یہ مضمون بھی میں کئی مقامات پر تفصیل سے گزر چکا ہے۔

وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

اس شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں اللہ کے عاشق جس زاویے اور نقطۂ نظر سے اللہ پر فدا ہوتے ہیں اور جو حوصلہ اور ہمت اُن کو عطا ہوتی ہے وہ اتنی عظیم الشان ہے کہ اِن کائنات کے بادشاہوں کے حوصلے اور ہمت کی اُس کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے بڑے نفس کے تقاضوں اور دل کی چاہتوں کو اپنے مولیٰ کی رضا کے لیے پامال کرنے میں ایسے حوصلے رکھتے ہیں کہ بادشاہ بھی جلدی سے اس طرح کے فیصلے کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اور اُن کو بھی بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے لیکن یہ اہلِ دل اللہ کے عشاق مرضیٔ مولا پر اپنی سب خواہشات یکدم بغیر سوچے سمجھے قربان کر ڈالتے ہیں۔

اس لیے جو دل اللہ کے عاشقوں کو عطا ہوتا ہے اُس کی وسعتیں بھی زمین و آسمان سے بڑھا دی جاتی ہیں۔ یہ جملہ سن کر بعضوں کو تعجب ہوسکتا ہے، مگر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مَاوَسِعَنِیْ ارضی ولاسمأی ولکن وسعنی قَلْبُ عبدی المؤمن" کہ مجھے زمین و آسمان کی وسعتیں اپنے اندر نہیں سما سکتی لیکن میرے مؤمن بندہ کے دل نے مجھے اپنے اندر سما لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عاشقوں کے دلوں کی وسعتیں زمین و آسمان سے بڑھ کر ہیں۔

دردِ دل کا مرض ہی شفا ہے

یاربّ یہ دردِ دل ترا سارے مرض کی ہے دوا
ہے یہ مرض تری عطا جو کہ شفا سے کم نہیں

حضرت والا فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ملتا ہے اور مولا کو راضی کرنے کی فکر دل و دماغ پر سوار ہوجاتی ہے تو یہ ایسی عجیب و غریب فکر ہے اور یہ ایسا دردِ محبت ہے کہ یہ فکر ساری فکروں کا علاج ہے اور یہ درد سارے دردوں کی دوا ہے۔ سبحان اللہ! کاش کوئی غور کرنے والا غور کرے اور سمجھنے والا سمجھے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود مختلف فکروں اور مرضوں میں مبتلا کر کے بیمار بنا کر ڈال رکھا ہے وگرنہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کر کے اُس کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جاتے تو ہمیں تمام بیماریوں سے شفا مل جاتی اور ہمارے تمام غموں کا علاج ہوجاتا۔ اب رہا یہ سوال کہ ایسا کیسے اور کیونکر ہے؟ تو اس کا جواب کتاب کے مختلف حصوں میں تفصیل سے دیا جاچکا ہے، مگر یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ شہنشاہِ دوجہاں جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات اور اس کا ہر ہر

ذرّہ، ہر گھڑی کی نقل و حرکت، ہر مرض و صحت، ہر فکر و راحت، ہر عافیت و مصیبت، اسی کے اذن اور حکم کے تحت روئے زمین پر وجود میں آتی ہے تو پھر بھلا وہ شخص جس نے اُس ربِ کائنات کی مرضی کو اپنی حمایت اور فیور (Favour) میں لے لیا ہو تو پھر اُسے کیا غم اور فکر لاحق ہو سکتا ہے۔ اور اس کی بیماری کیسے بیماری رہ سکتی ہے؟

مخلصانہ رائے فنا فنا نہ کرنا اَنا ہے

نفس کو کردے تو فنا باقی رہے نہ کچھ اَنا
راہ میں ان کی ناز و کبر جور و جفا سے کم نہیں

حضرت فرماتے ہیں کہ اے سالک! جب تک تیرے اندر اَنا اَنا رہے گی "میں ایسا ہوں"، "میں نے ایسی تقریر کی"، "میں نے ایسا درس دیا"، "میری ایسی تصنیف و تالیف ہے"، "میرا لوگوں کی نگاہ میں ایسا مقام ہے"، "مجھے یہ مرتبہ ملنا چاہیے"، "مجھے فلاں جگہ موقع ملنا چاہیے"، "میری طرف لوگ متوجہ ہونے چاہیے"، "میرا احترام ہونا چاہیے"، "میں خلق خدا میں خوب بڑا شمار ہوں"، "میری طرف لوگوں کا رجوع ہو"، "لوگ مجھے حضرت جی کہنا شروع کریں"، "میرا امتیازی شمار ہو"، "ہر جگہ میرے ساتھ امتیازی سلوک اور برتاؤ ہو"، "جہاں میں جاؤں تو مجلس میں، میں ہی میں چھایا رہوں"، "لوگوں کی نگاہیں میری متلاشی رہیں" اور بے شمار میں، میں، میں ہیں۔

صاحبو! میرے بھائیو! اور بالخصوص سالکو! بہت دردِ دل سے خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنا چاہتے ہیں اور اُسے پانا چاہتے ہیں اور منازلِ سلوک سے گزر کر مقصدِ حقیقی یعنی رضائے مولیٰ کے حصول کے متمنی ہیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب تک فنائیت اور اپنے کو مٹانا اور اللہ کے لیے اپنے کو گمنام کرنا نہ ہو اور اپنی ساری عرفی حیثیتوں اور مقامات سے صرفِ نظر نہ ہو اور صرف اور صرف اپنے خالق و مالک کی رضامندی اور اُسی کی محبت کے حصول پر نہ ہو جائے تب تک اس راستے کو طے کر کے کچھ حاصل ہو جانے کی تمنا کرنا فضول اور لغو ہے۔ سارے ناز کو نیاز میں بدلنا پڑے گا، ساری ظاہرداری کو مٹا کر خاک میں ملانا پڑے گا اور ہر موقع پر، ہر معاملے میں اپنے کو گمنام کرنا اور اپنی اَنا کو ختم کرنا پڑے گا، یہاں تک کہ گمنامی اپنی چاہت ہو جائے اور مرضئ مولائے حقیقی اپنی آخری تمنا ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم محبوب اور مقرب بنا لیے جائیں گے اور آسمانوں سے زمین پر لوگوں کے دلوں میں ہماری عزتیں اُترنا شروع ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ آپ کہیں گے میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں اور میں کچھ نہیں اور لوگ آپ سے کہیں گے کہ آپ یہ بھی ہیں اور وہ بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں اور ویسے بھی ہیں پھر جینے میں جینا ہے اور زندگی میں زندگی ہے۔ بس یہی وہ سبق ہے جو ہمارے سارے اکابر اور اسلافِ اُمت نے اپنے اپنے متعلقین کو سکھایا۔ خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی کتابوں سے احقر کو واسطہ پڑا تو یہی اندازہ ہوا جتنا جو اپنے کو مٹانے پر لگتا ہے اُتنا اللہ اُسے چمکانے پر لگ جاتے ہیں۔

بہت بڑا ظالم ہے وہ شخص جو خود اپنے ہی اوپر ظلم کرنے میں لگ جائے اور اُس کے ظلم و جفا کے شکار خود اُس کی ذات ہو رہی ہو کیونکہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ناز و تکبر اور اپنی اَنانیت اور بڑائی یہ اپنے اوپر اتنا بڑا ظلم ہے کہ نہ صرف یہ کہ جو انسان کو ترقی سے روکتا ہے بلکہ اتنا تنزل پر لے آتا ہے کہ ابلیس اتنا بڑا عابد و زاہد ہونے کے باوجود اسی کی وجہ سے مکمل طور پر دربارِ خداوندی سے مردود کر دیا گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے مخلد فی النار قرار پایا۔ اس لیے الحذر کل الحذر بچیئے اور بہت بچیئے کہ تکبر رائی کے دانے کے برابر بھی ہمارے دل میں جگہ نہ پالے۔ اور اس کے لیے خاص طور پر طبیبِ روحانی کو اپنا دل چیک کرانا چاہیے کہ پتہ لگ جائے اُس میں یہ مرض موجود تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

یہ بھی کرم ہے آپ کا جس کا میں اہل بھی نہ تھا
یعنی جو دردِ دل دیا دونوں سرا سے کم نہیں
ان کی عطائے خواجگی میری ادائے بندگی
لیکن مرا قصور بھی میری ادا سے کم نہیں

حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دردِ دل دیا ہے میں قطعاً اس کا اہل نہیں تھا یہ صرف اُن کا کرم ہے اور میں اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتا ہوں کہ میری نگاہوں میں دونوں جہاں اور اُن کی لذتیں اور فرحتیں سب اس کے اوپر قربان۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جس طرح بھی رکھیں بندہ اُسی حال میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور یہ تسلیم کرتا رہے کہ اے اللہ! مجھ سے جیسا ہونا چاہیے تھا ویسا نہیں ہوسکا اور جیسی عبادت کرنی تھی نہ ہوسکی، جیسی اصلاح کرنی تھی میں پوری نہ کرسکا، جیسی آپ کی بندگی کرنی چاہیے تھی اُس میں، میں قصوروار رہا۔

بس یاد رکھنا کہ یہ اپنے قصور کا اعتراف بندہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی جانے والی اتنی بڑی ادا ہے کہ اسی پر حق تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں کہ سب کچھ کر کے یہ کہہ دینا کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور اپنے قصور کو مان لینا، اس کے برخلاف جو یہ کہے کہ میں نے ایسا کیا ویسا کیا یہ خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

جلوۂ حق کے سامنے میری بے زبانی

جلوۂ حق کے سامنے حیرت سے بے زباں سہی
پھر بھی سکوتِ عشق کا اس کی صدا سے کم نہیں
اخترؔ ہمارا دردِ دل بزم میں بے نوا سہی
لیکن کسی کی چشمِ نم اس کی نوا سے کم نہیں

میں جب حق تعالیٰ کے جلوؤں کا مشاہدہ کرتا ہوں تو ایسے عالمِ تحیر میں ہوتا ہوں کہ میرے دل و دماغ پر اللہ کی عظمتوں کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور میں ایسے عالمِ تحیر میں ہو جاتا ہوں کہ زبان میں کچھ بولنے کی سکت اور طاقت نہیں رہتی۔ یہ کوئی مصنوعی اور فرضی بات نہیں بلکہ ہم دنیا کے معمولی عشاق اور محبت کرنے والوں کی داستانوں کو سن کر اور پڑھ کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ جب اپنے معشوق کے سامنے ہوتے ہیں تو ایسے عالمِ حیرت میں ہو جاتے ہیں کہ نہ پورے طور پر اُن کی آنکھیں اُٹھتی اور نہ اپنے سوچے ہوئے مضامین کو دل کھول کر بیان کر پاتے ہیں، بلکہ ایک عجیب سکتے کے عالم میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس خاک کو اُس ذاتِ پاک سے کیا نسبت؟ اُس کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ اور عارف کا مقامِ حضوری میں ہونے کا عالم اتنا عجیب وغریب ہوتا ہے کہ پھر زبان بولنے سے قاصر ہو جاتی ہے لیکن عاشق اپنی اداؤں سے اور ہر حالت سے ہی ایک ایسی پکار لگا دیتا اور ایسی صدا سنا دیتا ہے کہ اُس کی یہ بے زبانی زبان اور بے کلامی کلام سے زیادہ بااثر قرار پاتی ہے۔ یہ درحقیقت ایسا عجیب وغریب مضمون ہے کہ جس کا صحیح ادراک اور فہم عشاقِ باری تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے ورنہ بظاہر لغت میں یہ دم نہیں ہے کہ اُس کو تعبیر کر سکے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگرچہ میرے سینے میں جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہے اُس کے بیان کی قدرت و طاقت تو مجھ میں نہیں ہے اور نہ وہ الفاظ ہی موجود ہیں لیکن آنکھ سے نکلنے والے آنسو اُس کی ترجمانی اور بیان کے لیے کافی ہیں اور عشاق اپنے اس درِ محبت کی صدا کے لیے انہی اشکبار آنسوؤں کو کافی و وافی سمجھتے ہیں۔ اس لیے حضرت والا فرمارہے ہیں کہ ہمارا دردِ دل ہماری بزم میں اگرچہ بے نوا ہے لیکن جب اشکبار آنکھیں اس درد کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں تو پھر یہ چشمِ نم اُس کی نوا سے کم نہیں ہوتی۔ یعنی اسی سے دل میں اُٹھا ہوا اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد جان اور پہچان لیا جاتا ہے اور اس کی چشمِ نم اس کی ہم نوا بن جاتی ہے۔

محبت کا جنازہ

ان کے سر پر سفید بالوں کا
ایک دن تم تماشہ دیکھو گے
میر اس دن جنازہ اُلفت کا
اپنے ہاتھوں سے دفن کردو گے

قبروں میں جا کے دیکھ تو نقشِ بتانِ آب وگل

دونوں جہاں تباہ ہیں جس نے دیا ہے ان کو دل
ظالم نہ کر حیات کو نذرِ بتانِ سنگ دل

قیمت حیات کی نہ تھی جب تک محض تھی آب وگل
لذتِ زندگی نہ پوچھ جب سے ملا ہے دردِ دل

خالق دل پہ دوستو جس نے فدا کیا ہے دل
کہتے ہیں اس کو اہلِ دل سارے جہاں کے اہلِ دل

قیمتِ زندگی مری تیری خوشی پہ منحصر
ورنہ ہے خاک تن مری ننگِ جہانِ آب و گل

دیکھ کسی کی خاک پر، ہستی نہ اپنی خاک کر
قبروں میں جا کے دیکھ تو نقشِ بُتانِ آب وگل

شمعِ مجاز بجھ گئی عشق میں تاب و دَم نہیں
غارت گرِ حیات پر غارت نہ کر حیاتِ دل

فانی بتوں کا غم نہ کر دیکھ یہ غم ہے عارضی
فرحت دو جہاں جو ہے اس غمِ جاوداں سے مل

رہتا ہے بدگمان کیوں جہل سے اپنے دُور دُور
جا کے کبھی تو ایک بار حضرتِ اہلِ دل سے مل

دل کو ملا ہے دردِ دل صحبتِ اہلِ درد سے
ورنہ تھا ناشنائے درد اختؔر ہمارا آب و گل

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **بُتانِ سنگِ دل**: پتھر جیسے دل والے۔ **ننگِ جہانِ آب و گل**: پانی اور مٹی کے جہان یعنی دنیا کو شرما دینے والی۔ **شمع مجاز**: عشق مجازی کی شمع۔ **غمِ جاوداں**: ہمیشہ کے انعامات دلانے والا غم۔ **جہل**: انجان ہونے کی وجہ سے۔ **ناشنائے**: ناواقف۔

اس پوری نظم کے اشعار میں وہی مضمون مذکور ہے جو ماقبل میں مختلف نظموں کے تحت گزر چکا ہے۔ صرف قدرے انداز مختلف ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ ذکر ہے کہ حسنِ مجازی پر دل دے کر اُن سے عشق لڑانا یہ دونوں جہان کی تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت والا نے یہ بتایا کہ اسی آب وگل میں دردِ دل شامل

ہوجانے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ انسان بڑا قیمتی ہوجاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب زندگی اُسی نے دی ہے اور دل بھی اُسی نے دیا ہے تو اس حیات کو خالقِ حیات پر اور اس دل کو خالقِ دل پر ہی قربان کرنا چاہیے جس کا انعام یہ ملے گا کہ ساری دنیا ایسے شخص کو اہلِ دل اللہ والا اقرار دیتی ہے۔ اور پھر اخیر تک حسنِ مجازی کی فنائیت اور اہل اللہ سے بدگمانی کا نقصان اور صحبتِ اہلِ دل سے اس نعمت کا حصول کا ذکر ہے اور یہ کہ زندگی بس اللہ کی رضا کے مطابق گزارنا ہی ہمارا مقصدِ حیات ہے یہ مضامین مذکور ہیں جو کتاب میں کئی جگہ تفصیل کے ساتھ ذکر کردیئے گئے۔

انجامِ حسنِ فانی

کسی گلفام کو کفنا رہا ہوں
جنازہ حسن کا دفنا رہا ہوں
لگانا دل کا ان فانی بتوں سے
عبث ہے، دل کو یہ سمجھا رہا ہوں

عمر بھر حاملِ دردِ پنہاں رہے

سینکڑوں زخم حسرت میں شاداں رہے
سینکڑوں غم میں بھی ہم غزل خواں رہے

کیا یہ تسلیم سر کی کرامت نہیں
صد خزاں میں بھی رشک گلستاں رہے

خالقِ گل سے جن کو نہیں ربط تھا
وسطِ گلشن میں بھی وہ پریشاں رہے

ہو خزاں یا بہار چمن دوستو
عاشقِ مرضیِ جانِ جاناں رہے

حسن فانی پہ برباد کی زندگی
عمر بھر آہ ایسے بھی ناداں رہے

حسن رفتہ سے ہر اہلِ دل خوش ہوا
خوب رخصت ملی جو پریشاں رہے

اخترِ ارض ہو اخترِ آسماں
عمر بھر گر بتوں سے گریزاں رہے

دردِ دل کی کرامت سے یہ اہلِ دل
منزلِ قربِ حق میں نمایاں رہے

چشمِ غمازِ اسرارِ نسبت رہی
عمر بھر حاملِ دردِ پنہاں رہے

اخترِ بے نوا کی نصیحت سنو
اپنی لغزش پہ ہر دم پشیماں رہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ شاداں: خوش۔ **غزل خاں:** خوش وخرم۔ **تسلیمِ سَر:** اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا اور نفس کی بات نہ ماننا۔ **ربط:** تعلق۔ **وسط:** درمیان۔ **مرضیِ جانِ جاناں:** اللہ تعالیٰ کی مرضی کا عاشق۔ **حُسن رفتہ:** بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے چلا جانے والا حسن۔ **اخترِ ارض:** زمین کا ستارا۔ **اخترِ آسماں:** آسمان کا ستارا۔ **گریزاں:** بچنے والا۔ **چشمِ غماز:** آنکھ سے چھلکنا۔ **اسرارِ نسبت:** اللہ تعالیٰ سے تعلق کے راز۔ **لغزش:** بھول چوک۔ **پشیماں:** نادم۔

خالقِ گل سے ربط نہ ہوتو وسطِ گلشن میں بھی پریشانی

سینکڑوں زخمِ حسرت میں شاداں رہے
سینکڑوں غم میں بھی ہم غزل خواں رہے
کیا یہ تسلیمِ سر کی کرامت نہیں
صد خزاں میں بھی رشکِ گلستاں رہے
خالقِ گل سے جن کو ربط نہ تھا
وسطِ گلشن میں بھی وہ پریشاں رہے
ہو خزاں یا بہارِ چمن دوستو
عاشقِ مرضیِ جانِ جاناں رہے

پہلے، دوسرے اور چوتھے شعر میں حضرت والا نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ خوشی ہو یا غم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اور اُسے تسلیم و رضا کی دولت مرحمت فرما دیتے ہیں یعنی وہ خود اپنی تجویز نہیں رکھتا بلکہ اپنے تمام اُمور اور معاملات اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے۔ اور پھر اُس کی طرف سے جو بھی فیصلہ آ جائے اُس پر راضی رہتا ہے۔ تو وہ کیسے ہی ناموافق و ناگوار حالات یعنی کہ بظاہر موسمِ خزاں میں بھی رشکِ گلستان بنا رہتا ہے کہ اُس کے دل کو بے چینی اور پریشانی چھو ہی نہیں سکتی۔ جیسا کہ تفصیل سے یہ مضمون دوسرے مقام پر ذکر ہوا۔

اور تیسرے شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو شخص خالقِ گل سے رابطہ نہ رکھتا ہو وہ اگرچہ گلشن کے وسط اور بیچ میں ہو تو بھی وہ پریشان رہے گا۔ اس لیے کہ گل کو گل بنانے اور اُس کو خوشبو بخشنے والا اللہ جب اُس شخص سے ناراض ہو تو اُسے گلشن میں پہنچ کر بھی گل کا مزہ نصیب نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ کہ جو یہ چاہتا ہو کہ وہ اسبابِ راحت و فرحت اور عیش و عشرت میں سکون و چین سے زندگی گزارے اور اس کا دل پُر کیف و مسرت رہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے دل میں تعلق رکھنا پڑے گا۔ ورنہ سب کچھ ہوتے ہوئے اور سارا سامانِ راحت ہوتے ہوئے اُسے راحت نصیب نہیں ہوتی۔

اخترِ ارض ہو کر اخترِ آسماں کیسے؟

حسن فانی پہ برباد کی زندگی
عمر بھر آہ ایسے بھی ناداں رہے
حسن رفتہ سے ہر اہلِ دل خوش ہوا
خوب رخصت ملی جو پریشاں رہے
اخترِ ارض ہو اخترِ آسماں
عمر بھر گر بتوں سے گریزاں رہے

حضرت والا نے ان تین شعروں کے اندر حسنِ فانی پر مرنے والوں کی زندگی تباہ و برباد ہونے والی گفتگو فرمائی اور اُن کی نادانی کا تذکرہ کیا۔ اور اہلِ دل کی خوش نصیبی اور سعادت مندی کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا کہ وہ لوگ ان آنے جانے والے حسن کے چکروں میں پڑتے ہی نہیں بلکہ وہ باقی رہنے والے ہمیشہ کے حسن و جمال پر فدا ہوتے ہیں۔ تو وہ تو اس حسنِ رفتہ سے دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں کہ پریشانی کا ایک سامان جاتا رہا۔ اور اُس سے نجات حاصل ہوگئی۔ اور اُن سے نجات اور دوری کی صورت میں اخترِ ارض اخترِ آسماں بن جائے گا۔ یعنی حقیقی سعادت اور قلب کا منور ہونا حاصل ہو جائے گا اگر بتوں اور نامحرم حسینوں سے مکمل دوری اختیار کر لی جائے تو زمین پر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب نصیب ہوتا ہے کہ یہ بیچ کے سارے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا مشاہدۂ قربِ حق میں مشغول ہوں۔ مگر شرط یہی ہے کہ غیر اللہ سے دل بالکل صاف کر لیا جائے۔

دردِ دل کی کرامت سے یہ اہلِ دل
منزلِ قربِ حق میں نمایاں رہے
چشمِ غمازِ اسرارِ نسبت رہی
عمر بھر حاملِ دردِ پنہاں رہے

ان دو شعروں میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ اہلِ دل کو جو دردِ دل حاصل رہتا ہے اُس کا خاص اثر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزل میں بہت ہی نمایاں اور باحیثیت ہو جاتے ہیں۔ اور یہ دردِ دل جو سینے میں چھپا ہوتا ہے اللہ والوں کی آنکھیں اُس کی ترجمانی کر لیتی ہیں اور خاص نسبت مع اللہ کے اسرار و رموز آنکھوں سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بعض اولیاء اللہ زبان سے اُس دردِ پنہاں کا بیان نہ کریں اور ساری عمر حاملِ دردِ پنہاں رہیں مگر آنکھوں سے اُس کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔

اخترؔ بے نوا کی نصیحت سنو
اپنی لغزش پہ ہر دم پشیماں رہے

اخیر میں حضرت نے بہت اہم نصیحت کی ہے کہ اے لوگو! میری نصیحت سن لو کہ مرتے دم تک اپنی ہر لغزش پر پشیمان اور نادم رہنا یہی پشیمانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو حد درجہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور اسی پر اُس کی رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہ مضمون ابھی ماقبل میں گزرا ہے۔

بے ثباتی حسنِ مجاز

بال کالے، سفید ہوتے ہیں
کچھ بھروسہ نہیں جوانی کا
کھا کے کیڑوں نے خاک کر ڈالا
کیا بھروسہ ہے حسنِ فانی کا

غنچہ تسلیم کا شگفتہ ہے

قلب عارف اگر شکستہ ہے — پھر بھی رشکِ گلِ شگفتہ ہے
گرمی بزم و دوستاں ظاہر — گرمی دل مگر نہفتہ ہے
ان کی مرضی سے ہے بہار و خزاں — غنچہ تسلیم کا شگفتہ ہے
جو بھی کوئے مجاز سے گذرا — اس کو دیکھا کہ حال خستہ ہے
روح سے سیرِ عالمِ بالا — جسم سے خاک پر نشستہ ہے
ان کو پایا ہے صاحبِ نسبت — اہلِ نسبت سے جن کو رشتہ ہے
نفس ظالم سے بدگماں رہنا — گرچہ لگتا ہو یہ فرشتہ ہے
دوستو اب ہو فکر مستقبل — جو گزشتہ ہے وہ گزشتہ ہے
حسنِ فانی سے بھاگ نکلے گا — عشق جو آج دست بستہ ہے
حسن فانی پہ جو مرا اخترؔ — ہو کے عالی بھی سخت پستہ ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **شکستہ**: خوش۔ **گلِ شگفتہ**: کھلا ہوا۔ **گرمی بزم**: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی محفل کا جوش وخروش۔ **نہفتہ**: چھپا ہوا۔ **غنچہ**: کلی۔ **کوئے مجاز**: عشق مجازی میں مبتلا ہونا۔ **خستہ**: خراب۔ **عالمِ بالا**: اوپر کے عالم کی سیر۔ **نشستہ**: بیٹھا ہوا۔ **دست بستہ**: جو آج ہاتھ باندھے کھڑا۔ **عالی**: بلند۔ **پستہ**: گرا ہوا۔

قلب شکستۂ رشکِ گل شگفتہ ہے

قلب عارف اگر شکستہ ہے
پھر بھی رشکِ گلِ شگفتہ ہے
گرمی بزم و دوستاں ظاہر
گرمی دل مگر نہفتہ ہے

اللہ والے کا دل اُن غموں کی وجہ سے جو راہِ خداوندی میں اُس کو اُٹھانے پڑتے ہیں عام طور پر ٹوٹا رہتا ہے، لیکن یہ شکستہ اور ٹوٹا ہوا ہونے کے باوجود کھلے ہوئے پھول کے لیے باعثِ رشک ہے۔ اس لیے کہ کلی کے چٹخنے کے بعد یہ پھول کھل کر جسمانی اور ظاہری خوشبو پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت میں جب دل ٹوٹتا ہے اور معرفت وقربِ خداوندیٔ کا پھول اس میں کھلتا ہے تو پھر اس کی خوشبو صرف ظاہر کو ہی نہیں بلکہ دلوں کو معطر کر دیتی ہے اور اس دنیا جہاں کو نہیں بلکہ یہ خوشبو آخرت تک انسان کو معطر اور خوشبو میں مہکا ہوا لے کر چلتی ہے۔ اور یہ پھر ایسا مہکتا ہے کہ سارے عالَم میں دور دور تک اس کی خوشبو سونگھ کر لوگ اطرافِ عالَم سے اس کے اردگرد جمع ہوتے ہیں اور اپنے دل و دماغ کو معطر کرتے ہیں۔ اس لیے اس کو رشکِ گلِ شگفتہ کہنا بالکل صحیح تعبیر اور حقیقت کی ترجمانی ہے۔ جیسے ایک موقع پر حضرت والا نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

صدمہ و غم میں میرے دل کے تبسم کی مثال
جیسے غنچہ گھرے کانٹوں میں چٹخ لیتا ہے

اس کے بعد حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ دوستو! میں جب کوئی اہلِ دل ہوتا ہے تو اُس کے دل کی ترجمانی اُس کے بیان وتقریر سے ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے، مگر اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ کی گرمی جو دل کے نہاں خانے میں لگی ہوتی ہے وہ چھپی ہوئی چیز ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔ البتہ وہ حاملِ دردِ محبت کو آہ وفغاں پر مجبور رکھتی ہے۔

جسم سے خاک پر مگر روح سے عالمِ بالا پر

ان کی مرضی سے ہے بہار و خزاں
غنچہ تسلیم کا شگفتہ ہے

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہتے ہیں اور اپنے سب معاملات حق تعالیٰ کو سونپ دیتے ہیں تو وہ ایسی بہار کے عالَم میں رہتے ہیں کہ اُن کی خزاں بھی بہار بن جاتی ہے اور یہ تسلیم ورضا کا غنچہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ یہ کبھی نہ مرجھاتا ہے نہ خزاں اس کے قریب گزرتی ہے۔ جیسا کہ کئی مقام پر یہ مضمون آیا ہے۔

جو بھی کوئے مجاز سے گذرا ہے
اس کو دیکھا کہ حال خستہ ہے

ارشاد فرمایا کہ مجازی محبتیں انسان کے دین و دنیا کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں اور اس راہ سے گزرنے والا بڑی پریشانیوں اور غموں کو اُٹھا کر گزرتا ہے۔ اس لیے جب وہ راہِ سلوک طے کرتا ہے تو اُس کی خستہ حالی بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی ہے، مگر جب وہ مجاہدے کر کے اُن سب کو چھوڑنے کی ہمت کرتا ہے اور اس کے لیے ہر غم سہنے کو تیار ہو جاتا ہے تو پھر اُسے اللہ تعالیٰ یہ مقام عطا فرماتے ہیں کہ جسم اُس کا خاک پر ہوتا ہے مگر روح سے وہ عالَم بالا کی سیر کرتے ہوئے ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے خاص مقربین بارگاہ کی صفتِ خاص ہے جو صرف اُنہی کو عطا ہوتی ہے کہ جسم سے وہ فرشی ہوتے ہیں مگر روح سے وہ عرشی بنے رہتے ہیں۔ اور ظاہر اُن کا زمین پر ہوتا ہے مگر باطن عرش پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا لطف اُٹھاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں بڑی بصیرت اور اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ ہنسی اور خوشی کے موقعوں پر اور تبسم اور مزاح کی صورت میں بھی وہ لوگ اس سے غافل نہیں رہتے۔

مگر شرط وہی ہے جس کو بار بار دہرایا جا رہا ہے کہ یہ ایسی نسبتِ خاصہ انہی کو نصیب ہوتی ہے اور وہی صاحبِ نسبت بنتے ہیں جن کو خود اہلِ نسبت سے واسطہ و رشتہ ہوتا ہے۔

نفس فرشتہ بھی معلوم ہو مگر اس سے بدگماں رہنا

ان کو پایا ہے صاحب نسبت
اہل نسبت سے جن کو رشتہ ہے
نفس ظالم سے بدگماں رہنا
گرچہ لگتا ہو یہ فرشتہ ہے

اس کے بعد حضرت والا خاص نصیحت فرماتے ہیں کہ سالک کو ہمیشہ اپنے نفس سے بدگمان رہنا چاہیے۔ اگر یہ بظاہر فرشتہ لگنے لگے اور ستر اسّی سال کا عابد و زاہد بھی ہو جائے مگر اپنے نفس پر کبھی اعتماد نہ کرے۔ چنانچہ ہمارے اکابر اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی جیسا مجددِ زمانہ کسی بے ریش لڑکے کو اپنے کمرے میں آنے سے سختی سے منع فرماتے تھے۔ اور ایک بار ایسا واقع ہو جانے کی صورت میں اپنے متعلقین احباب کو بہت جوش اور غصے کے ساتھ سخت تنبیہ فرمائی کہ تم نے کیا مجھے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں اپنے نفس پر اعتماد کر بیٹھوں۔ یہاں تک کہ حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اُس کا نفس جوان رہتا ہے اور پھر ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک ہسپتال میں عمر رسیدہ شخص بیماری کی حالت میں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ نرس نے اس کی طبیعت پوچھنے کے لیے

سوال کیا کہ اب موشن (Motion) کیسے ہیں؟ جس کا منشا یہ تھا کہ تمہارا ہضم کا نظام جو بگڑا ہوا تھا اب اُس کی کیا صورتحال ہے؟ تو اس کے ذہن میں یہ آیا کہ شاید یہ میری طرف محبت کا ہاتھ بڑھا رہی ہے اور مجھ سے یہ پوچھتی ہے کہ موسم اور ماحول کیسا ہے؟ تو وہ ہاتھ آگے گردن کی طرف بڑھا کر اس طرح اشارہ کر کے کہتا ہے کہ موسم بہت اچھا ہے۔ جس سے اُس کے نفس کی خباثت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ گناہوں اور اسبابِ گناہوں سے مکمل دوری اختیار کرنی چاہیے۔ جو لوگ اسبابِ گناہ سے احتیاط نہیں کرتے تو اُن کے نفس کو موقع مل جاتا ہے اور وہ گناہ میں منہ ڈال بیٹھتے ہیں۔

گزشتہ گزشتہ ہے اب فکرِ مستقبل کیجئے

دوستو اب ہو فکرِ مستقبل

جو گذشتہ ہے وہ گذشتہ ہے

حسنِ فانی سے بھاگ نکلے گا

عشق جو آج دست بستہ ہے

حضرت والا قیمتی نصیحت فرما رہے ہیں کہ اے میرے دوستو! جبکہ تم توبہ اور ندامت کر کے سلوک طے کرنے لگے ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہے ہو تو اب اپنے ماضی کو بار بار یاد نہ کرو، اُس کو بھول جاؤ، کیونکہ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رجسٹر سے سب کچھ صاف کر دیتے ہیں۔ اور بلکہ اُس کی جگہ حسنات کو لکھ دیتے ہیں۔ تو پھر بار بار اُس کو یاد کرنا اور دل میں سوچ سوچ کر بغیر وجہ کے دل کو تکلیف میں ڈالنا مؤمن کی شان نہیں ہے۔ بس اب آگے کی فکر کرنی چاہیے اور بچنے کا پورا عزم رکھنا چاہیے اور جو موانع اور رکاوٹیں درپیش ہیں اُن کو ہمت کے ساتھ دور کر کے منزلِ مقصود اپنے خالق و مالک پالنے والے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور یہ نصیحت کبھی نہ بھولنا کہ جو عشاق آج حسین چہروں کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں اور بڑا عشق جتا رہے ہیں یہ عشق نہیں ہے اغراض کی اتباع اور مفادات پرستی ہے جو کہ حقیقت میں فسق اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ جب چند دن کے بعد یہی حسن جاتا رہے گا اور چہرے مضمحل اور بے رونق ہو جائیں گے اور بڑھاپے کے آثار چھانے لگیں گے تو پھر تم دیکھو کہ یہ عشق بڑی تیزی سے حسنِ فانی کو چھوڑ کر بھاگ نکلے گا۔

حسینوں کو چھوڑنے میں جوانمرد بنو!

حسن فانی پہ جو مرا اختؔر
ہو کے عالی بھی سخت پستہ ہے

اس لیے اے جوانمردو! اور بہادرو! اور حوصلہ و ہمت کے شیرو! تم نے اگر حسنِ فانی کے چکروں میں پڑ کر اپنی صلاحیتوں اور زندگیوں کو ضائع کیا اور اُن پر جان و مال لٹانے کی دھائی دیتے رہے تو تمہاری یہ ساری جوانمردی اور بہادری اور حوصلہ مندی نہایت درجے کی پست ہمتی اور دنائت و خسائت پر مبنی حرکت ہوگی، کیونکہ جو حسنِ فانی پر مرتا ہے وہ کیسا ہی عالی ہمت ہو مگر ہمت کے صحیح استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اور اُس کا رُخ مردہ لاشوں اور فانی بتوں کی طرف پھر جانے کی وجہ سے عالی ہمت کہلانے کے قابل نہیں۔ اس لیے کہ اُس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اپنی حرام خواہشوں اور نفس کی چاہتوں کے خلاف چلنے کی اور اللہ کا راستہ طے کرنے کی جرأت و شجاعت اور حوصلہ و ہمت اُس میں موجود نہیں ہے تو پھر اُسے عالی ہمت بلند حوصلہ کہنا بالکل غلط ہے۔

حقیقتِ حسنِ مجاز

اس کا چہرہ اگرچہ نمکدار ہے
جسم اس کا اگرچہ چمکدار ہے
میر ظاہر میں بے شک وہ گلزار ہے
لیکن اندر غلاظت کی بھرمار ہے

غنچے گل خنداں ہیں چمن پر ہے کیا نکھار

غنچے گل خنداں ہیں چمن پر ہے نکھار
اے بادِ صبا تیرے کرم کی ہے بہار

گلشن ہے تیرے فیض کا ہر لمحہ رازدار
بادِ نسیم شکریہ تیرا ہے بار بار

آنکھیں خدا کے خوف سے جن کی ہیں اشکبار
دراصل ہیں وہ رحمت باری کی آبشار

یہ فیض باغباں ہے کوئی دیکھے انقلاب
جو خار چمن تھے وہ ہوئے آج گلعذار

وہ خوش نصیب جن کے مقدر میں ہے نجات
محشر کے خوف سے وہی روتے ہیں زار زار

کیا کیمیا ہے دوستو مرشد کا فیض بھی
وہ آج شیخ وقت ہیں جو کل تھے بادہ خوار

رہنا ہے چین سے تو بتوں سے بچا نظر
ورنہ نظر سے قلب و جگر ہوگا بے قرار

ہے عشقِ مجازی کا صلہ کس قدر بُرا
ہر ایک دوسرے کی نظر میں ہوا ہے خوار

اختؔر وہی حیات حقیقت میں ہے حیات
جو خالق حیات پہ ہر لحظہ ہو نثار

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ غنچے: کلیاں۔ **گلِ خنداں:** کھلے ہوئے پھول۔ **بادِ صبا:** بہار کے موسم میں صبح کے وقت چلنے والی ہوا۔ **انقلاب:** تبدیلی۔ **خارِ چمن:** باغ کا کانٹا۔ **گلعذار:** پھولوں جیسے چہرے والا۔ **بادہ خوار:** شرابی۔ **خوار:** ذلیل۔ **لحظہ:** ہرلمحہ۔ **نثار:** قربان۔

قلبِ عارف سے سنبل و نسرین اور ریحان و سوسن کی خوشبو

غنچے گل خنداں ہیں چمن پر ہے نکھار
اے بادِ صبا تیرے کرم کی ہے بہار
گلشن ہے تیرے فیض کا ہر لمحہ رازدار
بادِ نسیم شکریہ تیرا ہے بار بار

جس طرح دنیا کے گلشنوں میں بادِ صبا چلنے سے بہار آتی ہے اور چمن کا رنگ نکھرتا ہے اور خوبصورت پھول کھلتے ہیں اور پورا گلشن اُس بادِ صبا کا شکرگزار ہوتا ہے کیونکہ اُسی کے فیض سے سارے گلشن میں بہار آئی ہوتی ہے، اسی طرح وہ اللہ والا جس کے فیضِ صحبت سے سارا انسانوں کا گلشن مہک اُٹھے اور مختلف قسم کے پھولوں کی خوشبو پھوٹنے لگے اور کہیں سنبل، کہیں نسرین تو کہیں ریحان وسوسن کی مختلف قسم کی خوشبوئیں چمن میں پھوٹ کر پورے گلشن کو معطر کیے ہوئے ہو تو یہ اللہ کی رحمت کو لانے والی بادِ صبا جو کسی اللہ والے کے فیضِ صحبت کے نتیجے میں پورے علاقے اور خطے میں چلتی ہے۔ اسی طرح وہاں اُس چمن کی آبیاری کر کے مختلف انواع کے ایمانی اور اسلامی پھولوں کو جنم دیتی ہے۔ کوئی سالک اللہ تعالیٰ کی محبت کا کسی قسم کا رنگ لیے ہوتا ہے تو دوسرا اور نوع اور انداز کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے، کسی میں کوئی خاص وصف غالب رہتا ہے تو کوئی دوسرے وصف میں سبھوں سے ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اگرچہ اہل اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ سب اولیاء اللہ میں جامعیت ہوتی ہے مگر الوان سب کے جدا جدا ہوتے ہیں اور کسی پر کوئی غالب تو کسی پر کوئی غالب ہوتا ہے۔

آنسو درحقیقت رحمتِ الٰہی کا آبشار ہے

آنکھیں خدا کے خوف سے جن کی ہیں اشکبار
دراصل ہیں وہ رحمت باری کی آبشار
یہ فیض باغباں ہے کوئی دیکھے انقلاب
جو خار چمن تھے وہ ہوئے آج گلعذار
وہ خوش نصیب جن کے مقدر میں ہے نجات
محشر کے خوف سے وہی روتے ہیں زار زار
کیا کیمیا ہے دوستو مرشد کا فیض بھی
وہ آج شیخ وقت ہیں جو کل تھے بادہ خوار

اس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن آنکھوں کو اپنی یاد اور اپنے خوف میں رونے کی دولت عطا فرماتے ہیں درحقیقت یہ آنسو محض گرنے والا پانی نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ آنکھیں رحمتِ الٰہی کا آبشار ہیں اور یہ جو کچھ گر رہا ہے یہ اُسی کا مظہر ہے کہ وہاں سے اِن آنسوؤں کے ذریعے رحمتِ الٰہی برسائی جارہی ہے۔ یہیں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اگرچہ رونا مقصود نہیں لیکن اس درجہ محمود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مانگا اور رونے پر بشارت سنائی اور نہ رونا آنے پر یہ ارشاد فرمایا کہ کم از کم تم رونے والوں کی صورت بنالو، کیونکہ بے شمار روایات کی روشنی میں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اشک بار آنکھوں والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برس رہی ہے۔ اور وہ خدا کے غضب اور عقاب سے دور کردیا جاتا ہے جو کہ بذاتِ خود ہمارا مقصدِ حیات ہے۔

آنسو خوش نصیبی کی علامت مگر مدارِ نجات احکام پر عمل ہے

اور جو لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں اور آخرت میں اُن کے مقدر میں عذاب سے نجات لکھی ہوتی ہے انہی کو اللہ تبارک وتعالیٰ اس درجہ خوفِ آخرت دیتے ہیں کہ وہ زاروقطار رونا اور خلوتوں میں آہ وزاری کرنا اپنی عادت اور شیوہ بنالیتے ہیں۔ اور جن کے مقدر میں نجات نہ ہو تو عامۃً ایسے لوگوں کے قلوب شقاوت وسختی سے بھر دیئے جاتے ہیں کہ اُن کی طبیعت آخرت کی وعیدیں سن کر اور جنت وجہنم کے تذکروں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک آنسو گرانے پر بھی مائل نہیں ہوتی بلکہ آنکھیں جمود اور خشکی کا شکار ہوجاتی ہیں۔ جیسا کہ یہ مضمون بھی بکثرت روایت میں آیا ہے۔

ہاں! البتہ یہاں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر پوری پابندی سے عمل کررہا ہو اور گناہوں سے بچ رہا ہو جس کو استقامت کہا جاتا ہے تو پھر اگر اُسے رونا نہ بھی آئے تو اُسے مایوس اور نا اُمید نہ ہونا چاہیے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتی آزمائش اور امتحان کے طور پر ایسا کردیا جاتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب ہم اسے کیفیاتِ محمودیہ دیتے ہیں تبھی یہ ہمیں یاد کرتا ہے یا اگر کیفیات چھین لیتے ہیں تب بھی ہماری اُسی طرح عبادت کرتا رہتا ہے۔ بلکہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ جب عبادات کرتے وقت میں کیفیات حاصل نہ ہوں اور طبیعت میں ایک طرح سے انقباض ہو جسے اصطلاحِ تصوف میں ''قبض'' کہا جاتا ہے تو اس کا اجروثواب بعض اعتبارات سے بڑھا دیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی طبیعت پر جبر کرکے اور اُس کے خلاف مجاہدہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اُس کے حکموں پر قائم رہا اور ثابت کردیا کہ میں کیفیات کا عابد نہیں ہوں اور وہ میری معبود نہیں ہیں بلکہ اللہ میرا معبود ہے اور میں اپنے اللہ کا عابد ہوں۔

مگر پھر سے یہ بات سن لیجئے کہ یہ سب درجات ومراتب وصول الی اللہ کے اور گلشن وچمن کی آبیاری کے نقشے اور خارِ چمن کو گلعذار اور بادہ خوار اور شراب نوش کو شیخِ وقت بنادینا یہ سب کسی صحیح باغبان اور ساقی میکدہ ہی کا فیض ہوسکتا ہے اور مرشدِ کامل کی صحبتِ کیمیا اثر کا نتیجہ ہی ہوسکتا ہے جو ایسا انقلاب اور تبدیلی برپا ہوجائے ورنہ خود بخود یہ

تبدیلیاں اور انقلاب بر پا ہو جانا تقریباً ناممکن اور محال ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون بارہا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

رہنا ہے چین سے تو بتوں سے بچا نظر
ورنہ نظر سے قلب و جگر ہوگا بے قرار
ہے عشقِ مجازی کا صلہ کس قدر بُرا
ہر ایک دوسرے کی نظر میں ہوا ہے خوار
اختؔر وہی حیات حقیقت میں ہے حیات
جو خالقِ حیات پہ ہر لحظہ ہو نثار

ان اشعار میں حضرت والا نے بتوں سے نظر بچا کر چین سے رہنے کی نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے نظریں بچالیں اور اپنی بتوں سے حفاظت کرلیں تو تمہارے قلب وجگر بے قراری اور بے چینی سے بچ جائیں گے اور اگر ایسا نہ کیا تو پھر نظر ڈالنے سے محبت دل میں اُترے گی اور یہ عشق ومحبت حرام کاری تک پہنچائے گا اور بالآخر ہر ایک دوسرے کی نظر میں ذلیل وخوار ہو کر رہ جائیں گے، لہٰذا ان بتوں اور حسینوں کے چکروں کو چھوڑ دو اور اپنی زندگی کو زندگی بناؤ اور جینے میں جینا سیکھو کیونکہ حقیقت میں حیات وہی حیات ہے جو ہر لحظہ خالقِ حیات پر نثار وقربان ہو رہی ہو۔

فریبِ حسنِ عارضی

کبھی جب سبزہ آغازِ جواں تھا
تو سالارِ گروہِ دلبراں تھا
بڑھاپے میں اسے دیکھا گیا جب
کسی کا جیسے وہ نانا میاں تھا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ سبزہ آغازِ جواں: نئی نئی داڑھی آنا۔ **دلبراں:** حسینوں کے گروہ کا سردار یعنی بہت زیادہ حسین۔

تعلیم احتراز از عشق مجاز

محبت بڑھا کے نہ پٹ جایئے گا
محبت سے پہلے ہی ہٹ جایئے گا
نہ مانے تو پھر میرؔ پچھتایئے گا
اور اپنی آنکھوں سے برسایئے گا
کبھی آیئے گا کبھی جایئے گا
نہ لیکن کسی گل سکوں پایئے گا
سوا غم کے ہرگز نہ کچھ پایئے گا
ستم مفت میں جان پر ڈھایئے گا
بالآخر چمن میں خزاں پایئے گا
مگر زندگی پھر کہاں لایئے گا
یہ مانا کہ اس بُت پہ مرجایئے گا
مگر میرؔ مر کرکے کیا پایئے گا
کبھی حسن رفتہ سے شرمایئے گا
ندامت سے اے میرؔ گڑ جایئے گا
یہ لب اور زلفِ سیہ اور چہرہ
خبر ہے کہاں سے کہاں جایئے گا
نہ بن آئے گی لاکھ پچھتایئے گا
خود اپنے کیے کی سزا پایئے گا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ لب: ہونٹ۔زلفِ سیہ: کالے بال۔

عشقِ مجازی سے نہ بچنے کے دنیوی نقصانات

ان تمام اشعار میں حضرت والا نے مخاطب سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر تم حسن پرستی میں آگے بڑھے اور زیادہ محبتوں کے چکر چلائے تو تمہیں خود ایک دن خون کے آنسو رونا پڑے گا۔ اگر دنیا میں نہیں تو آنکھ بند ہوتے ہی قبر اور آخرت میں یہ صورت سامنے آجائے گی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس عشقِ مجازی کے راستے میں کسی کا چین اور سکون نہیں ہے لہٰذا افسوس جو نادان مفت میں اپنے اوپر ظلم کررہے ہیں ذرا سوچو تو صحیح جو تمہیں چمن میں کھلتے پھول نظر آرہے ہیں انہیں خزاں کس طرح سے کانٹوں کی جھاڑی میں تبدیل کرے گی اور تم جو محبوب پہ جان دینے اور مرنے کی بات کرتے تو مجھے بتاؤ تو صحیح اگر تم اس پر مر بھی گئے تو تمہیں مر کے جانا کہاں ہے۔ قبر اور حشر میں وہ بت اور محبوب نہ تمہیں بچاسکتا اور نہ نجات دلاسکتا ہے۔ آج اس حرکت سے باز آنے کا موقع ہے اور اس سے پیچھے ہٹ جانے کا وقت ہے۔ اس فرصت کو غنیمت جانو ورنہ ندامت سے زمین میں گڑ جانا پڑے گا۔ تم جانتے نہیں ہو یہ خوبصورت ہونٹ اور یہ زلفِ سیاہ اور یہ نمکین چہرہ کیسے سے کیسا ہوجاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے تم پچھتاتے رہو گے اور کفِ افسوس مل کر اپنے کیے کی سزا بھگتتے رہو گے، مگر پھر بالآخر اُس سے نجات کی کوئی صورت نہ ملے گی۔ لہٰذا میں تمہیں عشقِ مجازی سے بچنے کی سخت تاکید کرتا ہوں، اسے قبول کرو اور اس سے باز رہو۔

فرار یارانِ حسن

مونچھوں کے زیرِ سایہ لبِ یار چھپ گئے
داڑھی کے زیرِ سایہ وہ رخسار چھپ گئے
بالوں کی سفیدی میں زلفِ یار چھپ گئے
جو یار حسن کے تھے وہ سب یار چھپ گئے

صراحی جب ہوئی خالی مزاج ساغراں بدلا

اُدھر جغرافیہ بدلا اِدھر تاریخ داں بدلا
جوانی جب نہیں باقی جوانی کا نشاں بدلا

خزاں نے آ کے رنگِ گل و رنگِ گلستاں بدلا
صراحی جب ہوئی خالی مزاجِ ساغراں بدلا

بڑھاپے سے جوانی کا وہ رنگِ ارغواں بدلا
گنہگاروں کا طرزِ گریہ و آہ فغاں بدلا

نگاہوں کا وہ طرزِ سحر اور تیر و کماں بدلا
جہانِ حسن بدلا اور حسینوں کا جہاں بدلا

یہ ظالم نفسِ امارہ نے جب دامِ بتاں بدلا
تو میں نے بابِ تقویٰ پر بھی فوراً پاسباں بدلا

گناہوں سے جو توبہ کی تو غفلت کا جہاں بدلا
زمیں عاصی کی بدلی اور اس کا آسماں بدلا

دلِ ناداں نے جب سے آہ ان کا آستاں بدلا
جہانِ کرب و غم دیکھا جہانِ شادماں بدلا

تعجب کیا جو دنیا کالعدم ہے نگہ عارف میں
فلک پر مہر تاباں سے جہانِ اختراں بدلا

تجلّی ان کی دل میں منکشف اختؔر ہوئی جس کے
نگاہوں میں مہ و خورشید و انجم کا سماں بدلا

مشکل الفاظ کے معنٰی:۔ **خزاں**: کلیاں۔ **مزاجِ ساغراں**: ساغر کی جمع مراد جام یا پیالہ ہے۔ **رنگِ ارغواں**: نہایت سرخ رنگ رتاریخی رنگ۔ **طرزِ گریہ**: رونے کا انداز۔ **طرز سحر**: جادو کرنے کا طریقہ۔ **تیر و کماں بدلا**: حسینوں کا اپنی نظروں کے ذریعے دوسروں کو اپنا عاشق بنالینا۔ **دامِ بُتاں**: حسینوں کا جال۔ **پاسباں**: محافظ رکھوالا۔ **عاصی**: گنہگار۔ **کرب**: تکلیف۔ **جہانِ شادماں**: خوشی کی دنیا۔ **کالعدم**: کچھ نہ ہونا۔ **مہر تاباں**: چمکتا ہوا سونا۔ **جہانِ اختر**: ستاروں کا جہان۔

حسن کی آمد و رفت اس کے لوازمات کے ساتھ ہوتی ہے

اُدھر جغرافیہ بدلا اِدھر تاریخ داں بدلا
جوانی جب نہیں باقی جوانی کا نشاں بدلا
خزاں نے آ کے رنگِ گل و رنگِ گلستاں بدلا
صراحی جب ہوئی خالی مزاجِ ساغراں بدلا

ان اشعار میں بھی ابتدائی طور پر اسی مرض حسن پرستی کی تباہی اور بربادی کو بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی انسان کی زندگی کا ابتدائی مرحلہ جو شباب اور جوانی کا ہوتا ہے بدل جاتا ہے تو اس کے چہرے اور شکل وصورت کے آثار بدل جاتے ہیں اور اس کا رنگ وروغن جاتا رہتا ہے تو اس جغرافیہ حسن کے بدلتے ہی تاریخ داں بھی بدل جاتا ہے کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو لوازمات کے ساتھ ہوتی ہے اور جب کوئی چیز فنا اور ختم ہوتی ہے تو ساتھ میں لوازمات کو بھی لے کر ختم ہوتی ہے اس لیے جب جوانی نہیں رہے گی تو پھر یہ حسن وخوبصورتی اور رنگ و رونق کیسے باقی رہ سکتے ہیں اس لیے جوانی کے نشانات بھی ختم ہو جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اسی چمن کی رنگ و رونق موسم بہار میں کچھ اور ہوتی ہے اور موسم خزاں میں کچھ اور، اور وہی گلستاں جو مختلف قسم کے پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتا رہتا ہے اور پورے علاقے میں بہار آئی رہتی ہے جب اسکو موسم خزاں آ کر بدلتا ہے تو پھر اس کا سب کچھ بدل جاتا ہے نہ وہ خوشبوئیں باقی رہتی نہ ہی گلستاں کا وہ رنگ باقی رہتا ہے جیسا کہ صراحی جب شراب سے خالی ہوتی ہے تو پھر مزاج ساغراں بھی بدل جاتا ہے نہ وہاں پیمانے رہتے اور نہ رندوں کی دھوم دھام باقی رہتی ہے۔

بڑھاپے سے جوانی کا وہ رنگِ ارغواں بدلا
گنہگاروں کا طرزِ گریہ وہ آہ فغاں بدلا
نگاہوں کا وہ طرزِ سحر اور تیر و کماں بدلا
جہانِ حسن بدلا اور حسینوں کا جہاں بدلا

اس لیے جب کسی جوان پر بڑھاپا چھاتا اور جوانی کے آثار ختم ہوتے ہیں تو پھر اس کے چہرے کی وہ خوبصورتی اور چمک جو جوانی کے عالم میں اس کے چہرے پر چھائی رہتی تھی ختم ہوتی نظر آتی ہے اور اس کا رنگ ارغوانی بدل جاتا ہے پھر بالآخر یہ گناہگار اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہوکر گریہ وآہ وفغاں کا طرز وانداز بدل دیتے ہیں ایک رونا اور گریہ وبکا پہلے تھا اور ایک رونا اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت وشرمندگی کے ساتھ اور اپنے گناہوں پر پچتانے کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے تو اس کی کیفیت وحالت ہی بدل جاتی ہے اب ان کے گریہ وبکا میں تواضع اور عاجزی اور ندامت وشرمندگی ہے دل شکستہ شکستہ ہے اور حالت حالت زار ہے جو قابل رحم ہے۔

اس کے بعد حضرت والا اسی مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب شکلیں بدل جاتی ہیں اور حسن جاتا رہتا ہے تو پھر نگاہوں کا وہ ساحرانہ انداز بھی ختم ہوجاتا ہے اب نہ وہ نگاہیں رہیں نہ نگاہ ڈالنے والا اپنی اس شان کے ساتھ باقی ہے سارا حسن کا جہان بدل گیا اور حسینوں کا نقشہ بھی پلٹ گیا اور یہی فنا ہونا اور بدل جانا سمجھدار آدمی کے لیے اس سے دور رہنے کے واسطے کافی دلیل ہے۔

بابِ تقویٰ پر میں نے کیوں پاسباں بدلا

مگر ایک بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اس ظالم نفسِ امارہ کی شرارت سے بالکل بے فکر نہیں ہونا چاہیے مرتے دم تک یہ انسان کا دشمن ہے اور جب بھی موقع پاتا ہے تو اس کا شکار کرنے کی فکر میں رہتا ہے اس لیے کبھی بھی اس سے بے فکر ہوکر بیٹھنا نہیں چاہیے بلکہ جہاں بھی نفس امارہ کی شرارت معلوم ہو جس کی پہچان گناہ اور اسباب گناہ سے قریب جانا ہے تو فوراً پوری توجہ اور بیدار مغزی کے ساتھ اس سے بچنے کی فکر کرے اور فوراً اسباب گناہ سے دوری اختیار کرلے کیونکہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ نفس امارہ کی ایک چال سے آپ آگاہ ہوجائیں اور وہ اس راستے سے آپ کا شکار نہ کرسکے کیونکہ وہ حسن کا جال اب ہمارے شکار کے قابل نہیں رہا لیکن کسی دوسرے اور نئے جال کے ذریعے سے وہ ہمیں پھنسانے کی کوشش کرے گا اس لیے ہم کو بھی اپنے تقویٰ کے دروازے پر فورا پاسبان اور نگراں بدلنا چاہیے اور غور وفکر کرکے اس کی شرارتوں پر بند لگا دینا چاہیے۔ بس اگر یہ تقویٰ کا دروازہ اس طرح سے پاسبانی اور حفاظت کے ساتھ محفوظ رہا تو پھر نفس امارہ اپنی تمام چالوں میں ناکام ہوجائے گا اور ہماری حفاظت ممکن ہوسکے گی۔

توبہ وتقویٰ کے بعد برکتوں کا نزول

گناہوں سے جو توبہ کی تو غفلت کا جہاں بدلا
زمیں عاصی کی بدلی اور اس کا آسماں بدلا

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ جب گناہگار گناہوں سے توبہ کرلیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو غفلت کے سمندر سے نکال لیتے ہیں اور انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں پہلے کسی اور زمین پر رہتا تھا اور آج میری

زمین کوئی اور ہے اور پہلے مجھے کوئی اور آسمان سایہ کیے ہوئے تھا اور آج میں کسی اور آسمان کے نیچے ہوں یعنی اس کے جینے اور رہنے سہنے کا انداز اور طور طریقہ بدل جاتا ہے اور اسے ایسی چین وسکون کی زندگی نصیب ہوتی ہے کہ پہلے اسی زمین پر رہتے ہوئے اس کو کبھی میسر نہ تھی اور ہر طرح کی خیر و برکت زمین سے بھی حاصل ہونی شروع ہو جاتی ہے اور آسمان سے بھی اس کے اوپر اترنے لگتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اعلان کیا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

(سورة الاعراف، اية: ۹۶)

ترجمہ: کہ اگر بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر زمین و آسمان سے برکتوں کے دہانے کھول دیتے اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متقی انسان کی زمین اور آسمان الگ ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ اسی زمین میں رہ کر جن پریشانیوں اور مصائب وحوادث کا شکار گناہ گار انسان ہوتا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے متقی اور نیک بندوں کو ان سے بچا لیتے ہیں اور اسی زمین پر رہتے ہوئے وہ جس پر کیف انداز سے زندگی گزارتے ہیں دوسرے کو میسر نہیں ہوتی۔

جہان شادماں جہان کرب وغم کیوں ہوا؟

دل ناداں نے جب سے آہ ان کا آستاں بدلا
جہان کرب وغم دیکھا جہان شادماں بدلا

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے در کو چھوڑ کر دوسروں کے دروں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور اپنے دل کو خدا تعالیٰ کا مسکن بنانے کے بجائے اور اس ذات عالی کے ساتھ مربوط کرنے کے بجائے وہاں غیر اللہ کو بساتے ہیں اور اس کو غیر حق تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں تو پھر ان لوگوں کا جہاں شادمان جہان کرب وغم میں بدل جاتا ہے کل تک وہ فرحان وشاداں تھے لیکن آج وہی رنج وغم اور بے چینی و پریشانی سے چور چور نظر آتے ہیں اور انہیں کسی کل چین وسکون نہیں ملتا بلکہ حال کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ؎

جو آپ خوش ہیں تو عالم ہمارا عالم ہے
وگر نہ اپنا بھی عالم تباہ و برہم ہے

کیونکہ یہ دل صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے اور یہ صرف اسی کا مکان ہے اس لیے اس میں دوسروں کو نہیں بسانا چاہیے لہٰذا اے وہ لوگو! جنہوں نے اپنے دلوں کا رخ حسینوں وحسیناؤں کی طرف یا دنیا کے امیروں اور مالداروں کی طرف پھیر رکھا ہے وہ باغور سن لیں کہ اس دل کا خالق و مالک اپنے غیر کو دل میں بسنے کے بعد اس کا

چین وسکون چھین لے گا اور جب دل میں چین وسکون نہ ہوتو پھر بدن کو کیسے سکون میسر آسکتا ہے۔

نگہِ عارف میں دنیا کالعدم کیوں؟

تعجب کیا جو دنیا کالعدم ہے نگہ عارف میں
فلک پر مہر تاباں سے جہانِ اختراں بدلا
تجلّی ان کی دل میں منکشف اختر ہوئی جس کے
نگاہوں میں مہ و خورشید و انجم کا سماں بدلا

لیکن جب ایک اللہ والا اور ولی کامل خدا کا عاشق اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت بسا لیتا ہے اور اس کی عظمت اس کے دل میں اتر جاتا ہے تو پھر یہ ساری دنیا اس کی نگاہوں میں بے حیثیت ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں شک بھی کیسے ہوسکتا ہے کیا ہم روزانہ آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ آسمان پر جیسے ہی چمکتا ہوا سورج طلوع ہوتا ہے تو پھر ستاروں کی روشنی کالعدم ہوجاتی ہے اور فلک پر اس مہر تاباں سے جہان اختراں بدل جاتا ہے گو کہ موجود ہیں مگر اس کی روشنی اور تابانی کے سامنے ستارے گویا کہ بے نور ہو کر معدوم ہوجاتے ہیں تو اسی طرح انتہائی عظمت وجلال کا مالک اللہ تعالیٰ جب عارف کے قلب میں سما جاتا ہے تو پھر یہ دنیا کیوں اسے معدوم اور فنا نظر نہ آئے گی اور اس کی نگاہوں میں بے حیثیت و بے وقعت ہو کر کیوں اس کی نظر سے نہ گر جائے گی یہی تو وجہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی تجلی کسی کے قلب پر منکشف ہوتی ہے تو اس کی نگاہوں میں مہہ وخورشید وانجم کا سماں بدل جاتا ہے جس کو حضرت والا نے آخری شعر میں ذکر کیا ہے۔

آثارِ نسبت مع اللہ

خورشید عطا ہوتا نظر آتا ہے مجھ کو
مفقود ہوا جاتا ہے انجم کا تحسُّر
ظلمت ہے کہاں اس کا تصور بھی نہیں ہے
خورشید بداماں پہ واجب ہے تشکر
اس مے کدۂ غیب سے کیا جام ملا ہے
ہے دُور مجھ سے دوستو دنیائے تفکر

مشکل الفاظ کے معنیٰ۔ **انجُم**: ستارے۔ **تحسُّر**: حسرت وافسوس۔ **خورشید بداماں**: اللہ تعالیٰ کی محبت کا سورج جو دامن میں لیے ہوئے ہو۔ **کدۂ غیب**: اللہ تعالیٰ کی محبت کا نظر نہ آنے والا شراب خانہ۔ **دنیائے تفکر**: فکر کی دنیا۔

سر کو پیغام ہے کچھ صبا سے

جس کو نسبت عطا ہے خدا سے ارض قائم ہے ایسے گدا سے
بے نیازی ہے ہر ما سوا سے رابطہ گر قوی ہے خدا سے
دل ہے ممنون ان کی عطا سے روح نادم ہے اپنی خطا سے
ذکر تیرا کریں بیٹھ کر ہم چاہیے وہ زمیں دو سرا سے
جس کو روشن کرے قدرتِ حق وہ دیا کیا بجھے گا ہوا سے
مالکِ دو جہاں گر تو چاہے سلطنت دے درِ بے نوا سے
آفتابِ نبوت کا مطلع فوق تھا خلق کے آسرا سے
شانِ عظمت جبالِ حرم کی کوئی پوچھے تو غارِ حرا سے
مضطرب ہے مرا ذوقِ سجدہ سر کو پیغام ہے کچھ صبا سے
مجھ پہ برسادے دریائے رحمت مانگتا ہے یہ اختؔر خدا سے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **ارض:** زمین۔ **گدا:** فقیر۔ **ممنون:** احسان مند۔ **دوسرا:** دونوں جہان سے۔ **مطلع:** نبوت کے سورج کی طلوع ہونے کی جگہ۔ **فوق:** آگے ہونا/اونچا ہونا۔ **آسرا:** توقع۔ **جبالِ حرم:** حرم شریف کے پہاڑ۔ **مضطرب:** بےچین۔ **ذوقِ سجدہ:** سجدہ کرنے کی خواہش۔

اللہ کے ایمان والے بندوں کے واسطے یہ زمین وآسمان قائم ہیں

جس کو نسبت عطا ہے خدا سے
ارض قائم ہے ایسے گدا سے

ایک حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمین کے اندر اللہ، اللہ کہنے والا کوئی موجود رہے گا۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس سارے نظامِ عالم کی بقاء اور پوری کائنات کا مدار اللہ، اللہ کہنے والوں پر ہے۔ اور گویا اللہ، اللہ کہنے والوں کی برکت سے یہ زمین وآسمان قائم ہیں۔ جیسا کہ بعض دوسری روایات میں مضمون وارد ہوا ہے جس کو ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا کہ یہ قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہوگی جو زمین پر باقی رہنے والے جانوروں کی طرح ہوں گے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے:

﴿عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ مَنْ لَّا یَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَّلَا یُنْکِرُ مُنْکَرًا یَتَہَارَجُوْنَ کَمَا تَہَارَجُ الْبَہَائِمُ فِی الطَّرِیْقِ تَمُرُّ الْمَرْأَةُ بِالرَّجُلِ فِی الطَّرِیْقِ فَیَقُوْمُ اِلَیْہَا فَیَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مِنْہَا

ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَيَضْحَكُ إِلَيْهِمْ وَيَضْحَكُونَ إِلَيْهِ كَرَجْرَاجَةِ التَّمْرِ الْخَبِيْثِ الَّذِيْ لَا يُطْعَمُ﴾

(المعجم الكبير للطبراني)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جانوروں کی راستے میں جس طرح دھینگا مستی ہوا کرتی ہے اس طرح انسانوں میں ہوگا کہ کوئی عورت کسی مرد کے پاس سے راستے میں گزر رہی ہوگی اور وہ اُس کی طرف کھڑا ہو کر وہیں اُس سے اپنی ضرورت پوری کرلے گا، اور زنا کاری کا عمل انجام دیں گے اور پھر بے تکلف اپنے ساتھیوں میں واپس جا کر ہنس رہے ہوں گے اور ساتھی بھی اُن کے ساتھ خوب ہنسی مذاق کر رہے ہوں گے اور ان کی حیثیت ردی نہ کھائے جانے والی کھجوروں کے خاک آلود بچے کھچے کی طرح ہوگی۔

زمین میں ایسا دھینگا مستی کریں گے جیسا کہ گدھے کرتے ہیں۔ اُن کی سواری بیوی ہو کہ بیٹی، ماں ہو کہ بہن اُن کو گدھوں کی طرح سے اُن میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ بس جس طرح بھی ہو اپنی خواہش کی تکمیل ہونی چاہیے۔ لیکن جو اللہ والے ہیں وہ اللہ کو یاد رکھ کر اُس کے احکام کو روئے زمین پر قائم کرتے ہیں۔ تو ایسے ہی لوگوں سے سارا نظامِ عالم قائم ہے۔

پھر خاص طور پر جو اہلِ دل اہلُ اللہ ہیں اور ایسے گدا و فقیر ہیں کہ جن کو غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہیں وہ ہر غیر حق تعالیٰ سے بے نیاز ہیں تو اُن کی نسبت سے تو زمین کا قائم ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نیک لوگوں کی برکات صرف اُنہی پر نہیں اور محض انسانوں پر ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کے بسنے والے انسان اور غیر انسان جملہ مخلوقات، اُن کے اوپر اترنے والی برکتوں اور رحمتوں سے مستفید ہوتی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اللہ والے عالم کے لیے کائنات کا ذرہ ذرہ دعا گو ہوا کرتا ہے۔

حق سے قوی رابطہ ہو تو ہر ما سوا سے بے نیازی کی حکمت ہے

بے نیازی ہے ہر ما سوا سے
رابطہ گر قوی ہے خدا سے

رہ گئی یہ بات کہ ایسے لوگ گدا و فقیر ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے بولا جاتا ہے کہ اِن کے قلب میں دنیا کی مال و دولت اور حکومت و وزارت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اِن کا اپنا بوریہ رشکِ تختِ شاہان ہوا کرتا ہے۔ اور اِن کا دل ہر ما سوا اللہ سے بے نیاز ہوتا ہے۔ جس کے متعلق حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جسے جتنا قوی رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا اُتنا ہی ما سواء اللہ سے بے نیازی ہوگی اور اگر صرف زبان سے اللہ کا نام لیا جا رہا ہو اور اُس سے تعلق اور دوستی کی باتیں کی جاتی ہوں گو کہ یہ بھی نفع بخش ہے مگر جب تک دل میں قوی اور راسخ نہ ہو تب تک غیروں کی طرف نظریں اُٹھی رہتی ہیں اور دل میں اُمید و خوف غیروں کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ

ہر ماسواء سے بے نیازی جبھی ہوگی جبکہ حق تعالیٰ سے رابطہ قوی ہو جائے۔

اور ایک دوسرے پہلو سے آپ اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ غیر اللہ جتنی مخلوقات ہیں اور اُن میں جو آرام و آسائش کی چیزیں اور عیش و عشرت کے قابل نعمتیں اور فرحت و مسرت کے ساز و سامان ہیں جن سے انسان نفع اُٹھا کر زندگی میں مزے اور بہاریں لوٹتا ہے چونکہ اُن سب کا خالق و مالک اللہ ہی ہے۔ اُن میں لذت اور راحت رکھنے والا بھی وہی تن تنہا رب العالمین ہے تو جب کسی نے اپنے دل کا رابطہ اُس سے قوی کر لیا اور دل میں اُس کو بسالیا تو سمجھو کہ سارے عالم کی لذتیں اور راحتیں اُس کے دل میں اُتر گئیں۔ اور مرکزِ لذاتِ عالم کو پا جانے کے بعد پھر وہ چھوٹی چھوٹی لذت بخش چیزوں سے کیوں بے نیاز نہیں ہو جائے گا۔ جس کے تعلق اور دوستی میں کسی ملک کا مالک و بادشاہ ہو تو اسے اس ملک کی ہر شے اپنی نظر آتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف للچائی نگاہ سے یا خوف و ڈر کے پہلو سے نہیں دیکھتا۔ بس یہی حقیقت ہے ہر ماسواء سے بے نیاز ہو جانے کی۔

دل ہے ممنون ان کی عطا سے
روح نادم ہے اپنی خطا سے
ذکر تیرا کریں بیٹھ کر ہم
چاہیے وہ زمیں دوسرا سے

اور پھر اللہ تعالیٰ انسان کو اتنا عطا فرماتے ہیں کہ جس کو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ دنیا کے کسی بادشاہ سے دوستی اور تعلق کے بعد جو کچھ مل سکتا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ بالخصوص دنیا کی دوستیوں میں ہزار ناز و نخرے اُٹھانے پڑتے ہیں اور چند مرتبہ کی خطا اور غلطی پر دربارِ سلطنت سے نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ بار بار خطاؤں کے باوجود اپنے در کو کھلا رکھتے ہیں اور کیسا ہی گنہگار ہو جب اُس کے در کو کھٹکھٹاتا ہے تو اُسے نوازنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس لیے ہماری کمالِ بندگی یہ ہے کہ ہم سے اگر خطا ہوئی تو اُس پر نادم ہو جائیں۔ پھر دیکھیے کہ اُدھر سے ادائے خواجگی کی کیا شان ہوتی ہے کہ خود دل اِس کی گواہی دے دے گا اور اُن کی عطائے بے پایاں کا ممنون رہے گا۔

اس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے خدا! میری تو بس یہ تمنا ہے کہ ہمیں ایسا زمین کا ٹکڑا آپ کی عطائے خاص سے میسر آ جائے جہاں ہم دنیاوی جھمیلوں سے دور ہو کر تیری یاد میں بیٹھے رہیں اور ہر لمحہ دل و جان سے تجھے یاد کرتے رہیں اور ساتھ میں کچھ تیرے ایسے عاشق مل جائیں جو تیری یاد میں، تیری رضا کے لیے تجھے تلاش کر رہے ہوں۔ جیسا کہ ایسے ہی گروہِ عاشقاں کا وہ نقشہ ہے جس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکل کر اُن میں بیٹھنے کا حکم ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ'' (دوسرے مقام پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

جس کو روشن کرے قدرت حق
وہ دیا کیا بجھے گا ہوا سے

اس شعر میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کی تائید ونصرت اور حمایت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت وطاقت ہو اور جس دیے کو خود اللہ نے روشن کیا ہو تو اس کو ہوائیں نہیں بجھا سکتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن'' کہ تم ہی سربلند رہوگے، تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بشرطیکہ تم میرے پورے بندے بن کر رہو۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا'' کہ اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو تو دُشمن کی کوئی تدبیر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ پس وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین پر پورے طور پر جمتے ہیں اور اُس کی نافرمانیوں سے بچ کر زندگیاں گزارتے ہیں اُن کا دیا حق تعالیٰ روشن کیے رہتے ہیں۔ جو کسی ہوا سے تو کیا آندھی وطوفان سے بھی بجھ نہیں سکتا۔ اس لیے اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں ایسی زندگی گزاروں جس میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ہو تو اُسے بس ایک فکر کرنی چاہیے کہ میں حق تعالیٰ کی قدرت سے روشن کیا ہوا دیا بن جاؤں۔ تو پھر وہ بےفکر زندگی گزارے گا۔ قرآن میں ایک اور جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن کبھی ایسا نہ کر سکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ مجھے نورِ اسلام کی روشنی سے عالَم کو چمکانا ہے اور جو حق تعالیٰ کا فیصلہ ہوا اُسے کوئی روک نہیں سکتا، اگرچہ وہ اُس کے دُشمنوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ بقول شاعر ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس کی بہت سی مثالیں ہیں مگر میں اس کی ایک بہت واضح مثال پیش کرتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نبوت کی کرنیں بنی اسرائیل میں پھیلانی تھیں اور اُنہیں روشن کرنا تھا باوجود یہ کہ فرعون نے اپنی دُشمنی کے سب انداز اختیار کیے اور اُن کو نیست ونابود کرنے کے حیلے اور حربے اپنائے۔ لیکن ذرا اندازہ لگائیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس چراغ کو روشن کرنے کا فیصلہ فرمالیا تو خود فرعون کے گھر سے یہ چراغ روشن ہوگیا۔ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرعون کے گھر میں پلے بڑھے اور اس کی تباہی و بربادی کا سبب بنے۔ بس بنیاد یہی ہے کہ ہم پورے طور پر اللہ کے بن جائیں، ہماری ہر چاہت اُس کی مرضی کے مطابق ہو اور زندگی کی ہر ادا سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔

ایک حکومت جسموں پر اور ایک حکومت دلوں پر

مالک دوجہاں گر تو چاہے
سلطنت دے در بے نوا سے
آفتاب نبوت کا مطلع
فوق تھا خلق کے آسرا سے

حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے میرے اللہ! آپ ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ جب آپ چاہتے ہیں تو اپنی خصوصی عطا سے خاص قسم کی سلطنت و بادشاہت عطا فرمادیتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کی حکومت و سلطنت تو صرف جسموں تک ہوتی ہے لیکن اللہ والوں کی حکومت و بادشاہت انسانوں کے دلوں پر ہوا کرتی ہے۔ بادشاہ کی سواری جب کسی سمت میں چلتی ہے تو لوگ خوف وڈر کے مارے اُس کے استقبال کے لیے آتے ہیں لیکن کسی اللہ کے دیوانے اور عاشق کا گزر جب کسی شہر کے گلی کوچوں سے ہوتا ہے تو لوگ دیوانہ وار شہد کی مکھیوں کی طرح اُن کی خاطر اُمڈ پڑتے ہیں۔ اس لیے حقیقی سلطنت وحکومت کا مزہ اسی میں ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ اور مچھلیوں پر حکومت کا واقعہ

یہی بات تو حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی تھی کہ جب ایک وزیر کو خیال گزرا اور تاجِ شاہی کو چھوڑ کر تم گدڑی پوش ہونے میں کیسے راضی ہوگئے ہو؟ تو انہوں نے فوراً سمندر میں ایک سوئی کو پھینکا اور مچھلیوں کو حکم دیا کہ میری وہ سوئی لاکر دو۔ جس کے نتیجے میں مچھلیاں کثیر تعداد میں سونے کی سوئی پیش کرنے کے لیے آگئیں۔ لیکن انہوں نے پھر حکم دیا کہ میری وہی سوئی لاکر دو۔ چنانچہ مچھلیوں نے ڈھونڈ کر وہ سوئی لاکر پیش کی تو وزیر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جس کو حضرت والا دامت برکاتہم نے ''معارفِ مثنوی'' میں اس طرح سے ذکر فرمایا ہے کہ ایک دن سلطنتِ بلخ کا وزیر اس طرف سے گذرا۔

دلق خود می دوخت آں سلطانِ جاں
ایک امیرے آمد آنجا ناگہاں

وہ سلطان اپنی گدڑی سیتا تھا کہ اچانک اس جگہ ایک امیر آ پہنچا۔ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر اس کور باطن نے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا حماقت ہے۔

ترک کردہ ملکِ ہفت اقلیم را
می زند بر دلق سوزن چو گدا

ہفت اقلیم کی سلطنت ترک کر کے مثل گداگروں کے گدڑی سی رہے ہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمہ اللہ کو بذریعۂ کشف علم ہوا کہ یہ شخص میری اس گدائی پر خندہ زن ہے۔ اس وقت آپ نے اپنی کرامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تا کہ امیر کو اپنے گمانِ فاسد پر ندامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تا کہ امیر کو اپنے گمانِ فاسد پر ندامت ہو اور معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد کیا نعمت حاصل ہوتی ہے۔ پس فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور بآوازِ بلند دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری سوئی عطا فرما دی جائے۔ سطحِ دریا فوراً ایک لاکھ مچھلیاں نمودار ہو گئیں جن کے لبوں پر ایک ایک سونے کی سوئی تھی ۔

صد ہزاراں ماہئے اللّٰہیے
سوزنِ زر بر لبِ ہر ماہئے
سر بر آوردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

ان مچھلیوں نے دریا سے اپنے سروں کو نکال کر عرض کیا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ سوئیاں قبول فرمائیے۔ جب اس امیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے فاسد خیالات پر اور اپنی بے خبری پر سخت نادم ہوا اور شرمندگی و ندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا ۔

ماہیاں از پیر آگہ ما بعید
ما شقی از دولت و ایشاں سعید

افسوس کہ مچھلیاں اس شیخ کامل کے مقام سے آگاہ ہیں اور میں انسان ہو کر ناواقف ہوں۔ میں بدبخت اور اس دولت سے محروم ہوں اور مچھلیاں اس معرفت سے سعید و نیک بخت ہیں۔ یہ خیال کر کے اس امیر پر گریہ طاری ہو گیا، دیر تک روتا رہا اور اس گریۂ ندامت اور شیخ کامل کی تھوڑی سی دیر کی صحبت کی برکت سے اس امیر کی کایا پلٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو گئی۔ اپنے خاص بندوں کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے یہی برکت رکھی ہے کہ شقاوت، سعادت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے: ''لَایَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ'' کہ خاصانِ خدا کے پاس کا بیٹھنے والا محروم و شقی نہیں رہ سکتا۔ ندامت اور گریہ کی بدولت امیر ایک آن میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ۔

عاشقی پیداست از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل

جب دل روتا ہے اس وقت دل میں محبت کا خمیر تیار ہوتا ہے اور دل کی اس مبارک بیماری کے مثل کوئی بیماری نہیں

بلکہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ہو وہ دل، دل ہی نہیں ؂

شکر ہے دردِ دل مستقل ہوگیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

جب دردِ دل یعنی نسبت مع اللہ دل میں راسخ و مستقل ہو جائے تو سمجھو کہ اب درحقیقت یہ دل، دل کہلانے کا مستحق ہوا۔ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمہ اللہ نے اس امیر کو اپنی کرامت دکھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے امیر! یہ سلطنت دل کی بہتر ہے یا وہ حقیر فانی سلطنت بلخ کی ؂

ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر؟

ملکِ دل بہتر ہے یا بلخ جیسی حقیر سلطنت؟ حضرت والا نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے ؂

پھر کہا شاہِ بلخ نے اے وزیر
ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر
تھی بلخ کی سلطنت کس کام کی؟
زندگی ہے اب مری آرام کی
سلطنت کا شور و شر تھا دردِ سر
اب گدائی میں ہوں شاہِ بحر و بر
ذکر کی لذت سے مست و شاد ہوں
فکرِ این وآں سے اب آزاد ہوں
عشق کی ذلت بھی عزت ہوگئی
لی فقیری بادشاہت ہوگئی

(معارفِ مثنوی، صفحہ:۵۸)

خلوتِ غارحراء اور خانقاہیں

شان عظمت جبال حرم کی
کوئی پوچھے تو غار حرا سے

ایسی ہی سلطنت کو جو اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ کے درِ بے نوا سے عطا کی جاتی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی سلطنت ہیچ ہے۔ دلوں پر سلطنت و حکومت کہا جاتا ہے۔ اُس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے غارِ حرا میں خلوت عطا فرمائی اور پھر وہاں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ

مبارک کو ایک مدت کے بعد اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ وحیٔ آسمانی کے بوجھ کو اُٹھا سکے اور وہیں سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا جو کہ خلق کے آسرا سے مافوق تھا۔ اور اسی سے جبالِ حرم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گویا ایسا نور وہاں سے نمودار ہو رہا ہے جس سے عنقریب سارے اطرافِ عالم کے حصے اور کونے چمکنے اور روشن ہونے والے ہیں۔ جیسا کہ مضمون جلد اوّل میں تفصیل سے گزرا ہے۔

اور اس مقام پر احقر کو ایک بات ذہن میں آئی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح تقریر بخاری شریف کی پہلی ابتدائی مقدمات کی باتوں میں یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ جو لوگ اہلِ خانقاہ کے خلوتوں میں چلّے گزارنے پر اعتراضات کرتے ہیں اور ان کو نئے نئے انداز میں موردِ نشانہ بناتے ہیں اُن کو غارِ حرا میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوت میں جا کر یکسوئی اختیار کرنے سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ علومِ نبوت کے آپ کے قلب پر القاء کیے جانے سے پہلے آپ کو خلوت محبوب کی گئی اور وہاں آپ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے۔ بس اسی طرح خانقاہوں میں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ اخلاق کے لیے سالکین کو ایک مخصوص مدت خلوت اور یکسوئی میں رکھا جاتا ہے تاکہ وہ امانتِ خداوندی کا اُٹھانے والا بن سکے اور اُس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی ایسی آگ پیدا کی جا سکے کہ پھر وہ اُسے لے کر جس طرف کو بھی نکلے تو ہر سمت لوگوں کے دلوں کو اُس آگ سے گرماتا چلا جائے اور تاریکیوں کو اُجالے سے بدل دے۔

میرا مضطربانہ ذوقِ سجدہ

مضطرب ہے مرا ذوق سجدہ
سر کو پیغام ہے کچھ صبا سے
مجھ پہ برسا دے دریائے رحمت
مانگتا ہے یہ اختر خدا سے

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے جو سجدے کا ذوق عطا فرمایا اُس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سجدے میں پڑ کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلنے والی رحمت کی ہواؤں کی بہار نصیب ہوتی ہے اور جب یہ سر زمین پر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے تو دنیا کی بادِ صبا کی طرح حق تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کے جھونکے اس کے اوپر آنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے اندر سے روح اور دل مضطرب اور بے قرار رہتا ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو کر سکون و قرار حاصل کرے۔ اور یہی مقام ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت سے اپنے اوپر موسلا دھار بارش برسانے کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ سب سے زیادہ عالم قرب بندہ کو سجدہ ہی میں عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی حالت میں بندہ اس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ اُس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف

سے رحمت کی بارشیں برسنے لگے۔

اخیر میں حضرت والا نے فرمایا کہ یا اللہ! میں آپ سے یہ بھیگ مانگتا ہوں کہ آپ اپنے دریائے رحمت سے مجھ پر رحمتوں کی بارش کردیں کیونکہ یہ چیز صرف آپ ہی کے در سے حاصل ہوسکتی ہے۔اور اختر صرف آپ ہی کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔

اسبابِ گناہ سے دوری

گلوں سے دور ہو جس کا نشیمن
وہی بلبل اسیر گل نہیں ہے
گل افسردہ سے دل کا لگانا
یہ کیا نادانی بلبل نہیں ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ نشیمن: گھونسلہ۔ اسیر گل: پھول کی قید۔ **گل افسردہ**: مرجھایا ہوا پھول۔ **نادانی**: ناسمجھی۔

نظر مت کر حسینانِ جہاں پر

جو رکھا سر تمہارے آستاں پر
زمیں پر رہ کے ہوں میں آسماں پر

نہ ہنس ظالم مری آہ و فغاں پر
نظر تیری نہیں زخمِ نہاں پر

جہاں آئے صدا آہ و فغاں کی
نہ گرنا برق ایسے آشیاں پر

ہے نقشِ حسن فانی چند روزہ
نظر مت کر حسینانِ جہاں پر

جنہوں نے جان دے دی راہِ حق میں
نہ کر تنقید ان کی داستاں پر

زمیں پر جسم مشغولِ عمل ہے
دلِ عارف مگر ہے آسماں پر

جو دل پر چھایا گیا خلّاقِ عالم
نظر اس کی نہیں پھر این و آں پر

خدا ناراض ہو جس گلستاں سے
تو لعنت بھیج ایسے گلستاں پر

جہاں بیٹھے ہوں کچھ اللہ والے
فدا ہوں ایسی بزمِ دوستاں پر

نہ کر اخترؔ سے ظالم بدگمانی
تبسم کیوں ہے اس کی داستاں پر

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **خلّاق:** دنیا کو پیدا کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔ **گلستاں:** گناہ ہے جسے گنہگار باغ سمجھتا ہے۔ **دوستاں:** اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی محفل۔ **تبسم:** مسکراہٹ۔

جو رکھا سر تمہارے آستاں پر
زمیں پر رہ کے ہوں میں آسماں پر

یہ مضمون متعدد جگہ میں مذکور ہوا ہے کہ جب مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو گو کہ وہ زمین پر رہتا ہے مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ جیسا کہ سارے حجابات اُٹھ گئے ہوں اور بالکل اللہ کے سامنے بندہ سجدے میں پڑا ہوا ہو۔ مگر سجدے کی یہ کیفیت جب ہی حاصل ہوتی ہے کہ اُس کا سر دوسرے دروں سے آشنا نہ ہو۔ پھر یہ بات درست ہوجاتی ہے کہ اللہ کے آستاں پر سر رکھنے کے بعد زمین پر رہتے ہوئے آسمان پر معلوم ہوتا ہے ورنہ تو علامہ اقبال نے دونوں سجدوں کے فرق کو یوں ذکر کیا ہے ؎

وہ سجدہ روئے زمیں جس سے کانپ اُٹھتی تھی
تڑپ رہے ہیں اُسے آج منبر و محراب

اور آگے دوسرے سجدے کے متعلق یوں فرمایا کہ ؎

میں جو سجدہ بسجود ہوا کبھی
تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشناں
تجھے کیا ملے گا نماز میں

انبیاء واولیاء کا وصفِ امتیازی یہی دردِ دل ہے

نہ ہنس ظالم مری آہ و فغاں پر
نظر تیری نہیں زخمِ نہاں پر

اس شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے نادان اور دین کی سمجھ نہ رکھنے والے! تو میری آہ وفغاں پر میرا مذاق مت بنا اور تمسخر اور استہزا نہ کر کیونکہ یہ آہ وفغاں اندر میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے زخم کا پتہ دے رہی ہے اور یہ جبھی نکلتی ہے جب کسی کے دل میں اللہ کی محبت کی چوٹ لگی ہوتی ہے تو تُو اپنی قلبی بصیرت سے میرے دل پر لگے زخمِ نہاں پر نظر رکھ۔ یہی تو زخمِ نہاں انبیاء علیہم السلام کے سینوں کو عطا ہوتا تھا تو ظاہری شکل وصورت میں وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح نظر آتے تھے اور عام دیکھنے والے کافر اُن پر ایمان اسی لیے نہ لاتے کہ اُن کی نظر ظاہری طور پر اپنے جیسے انسان ہونے پر ہوتی تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا دردوغم جو انبیاء کے سینے میں ہوتا تھا نظر نہیں آیا کرتا تھا جو کہ اصل انبیاء واولیاء کی پہچان اور نشانی ہے اور ان کی ولایت ودوستی کا راز ہے۔

اہلِ دل پر تنقید و اعتراض کا انجام

جہاں آئے صدا آہ و فغاں کی
نہ گرنا برق ایسے آشیاں پر
ہے نقشِ حسن فانی چند روزہ
نظر مت کر حسینانِ جہاں پر
جنہوں نے جان دے دی راہِ حق میں
نہ کر تنقید ان کی داستاں پر
زمیں پر جسم مشغولِ عمل ہے
دلِ عارف مگر ہے آسماں پر

اسی وجہ سے ایک اور نصیحت حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے نادان! اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی شان سے بے خبر! جس آشیاں سے تجھے آہ و فغاں کی صدا آ رہی ہو اُسے اپنے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنانا اور اُس آشیاں والوں سے بغض و کینہ و حسد و عداوت نہ رکھنا ورنہ پھر تجھے تباہی و بربادی سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ اس لیے کہ اُس آشیاں کا محافظ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ اور جو اُس کی حفاظت کی چیزوں میں رخنہ ڈالتا ہے تو پھر وہی اُس سے انتقام لینے پر آ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنا تن من دھن اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر چکے ہوتے ہیں اور سب سے قیمتی دنیا کی چیز یعنی اپنی جان وہ بھی راہِ حق میں قربان کر دیتے ہیں، اس لیے اُن کی داستانوں پر تنقید کرنے والا اور اُن کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے والا خطرناک موڑ پر کھڑا ہوتا ہے۔ اُسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اہل اللہ زمین پر نظر تو آ رہے ہیں مگر آسمان سے ان کا رابطہ بہت قوی ہے۔ یہ زمین پر مشغولِ عمل رہتے ہوئے بھی دل سے آسمانوں پر رہتے ہیں۔ اس لیے ایسے رجال اللہ پر تنقید اور ملامت کر کے یا اُن کو ظلم وستم کا نشانہ بنا کر نجات کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ پھر ایک شعر میں حضرت والا نے حسنِ فانی کے نقشوں سے بچنے اور حسنِ عارضی کو دل نہ دینے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ یہ چند روز میں مٹ جائیں گے اس لیے ان پر نظر مت کر۔

جو دل پر چھا گیا خلاقِ عالم
نظر اس کی نہیں پھر این وآں پر

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے دل و دماغ پر خلّاقِ عالَم چھا گیا ہو اور واقعی معنی میں لا الٰہ الا اللہ متحقق ہو چکا ہو کہ ہر غیر دل سے نکل چکا اور اللہ تعالیٰ اپنی عظمتوں اور تجلیوں کے ساتھ دل میں آ چکے

ہیں تو پھر ایسے شخص کی نظر دنیا کی این و آں پر نہیں ہوتی۔ اور کیوں، اور کیسے، کہاں سے، کس طرح سے اور اگر، اور مگر ان سب الفاظ سے اس کی نظر ہٹ جاتی ہے۔ اور یہ یاد رکھیے جب تک ان سب چیزوں پر نظر ہے تو وہ شخص درمیانی درجے کا مؤمن تو کہلا سکتا ہے لیکن اُسے کمالِ ایمان کی ہوا نہیں لگتی۔ سب فکریں اُسی کو لاحق ہوتی ہیں جس کا دل حق تعالیٰ کی ذات سے وابستہ نہ ہو۔ اسی لیے حضرت خواجہ صاحب ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گوں نا گوں میں ہر دم مبتلا پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اِک مجذوب کو اس غمکدے میں شادماں پایا

بے حیائی وعریانیت کے مقامات مسلمان کی تفریح گاہ نہیں ہیں

خدا ناراض ہو جس گلستاں سے
تو لعنت بھیج ایسے گلستاں پر
جہاں بیٹھے ہوں کچھ اللہ والے
فدا ہوں ایسی بزم دوستاں پر

حضرت والا ایک اور خاص نصیحت فرماتے ہیں کہ جس جگہ کوئی ایسی محفل ومجلس منعقد ہو رہی ہو جہاں اللہ کی ناراضگی کے کام کیے جا رہے ہوں اور کوئی عمدہ قسم کا ہوٹل یا اعلیٰ درجے کا بنگلہ ہو لیکن اُس میں اللہ کی نافرمانی اور گناہوں کے کام ہوتے ہوں تو ایسا گلستاں ہمارا گلستاں نہیں ہے، اُس پر لعنت بھیجنی چاہیے اور اُس سے دور رہنا چاہیے۔ مثلاً کسی پارک میں یا سمندر کے کنارے لوگوں کے لیے گلستاں اور سیر وتفریح کی سیر گاہ ہوسکتی ہے لیکن ایک سچے مؤمن اور مسلم کے لیے وہاں بے حیائی فحش وعریانیت کی وجہ سے اللہ کے احکام ٹوٹنے کے سبب کسی قیمت پر بھی قرار وسکون کی صورت ممکن نہیں اور نہ وہاں ٹھہرنا جائز ہے۔ بلکہ ایسے گلستاں لعنت بھیجنے کے قابل ہیں اور اُن سے دور رہنا ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے۔ ہاں بے شک جس جگہ پر کچھ اہلِ دل اللہ والے بیٹھ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوں تو ایسی جگہیں ہماری حقیقی بزمِ دوستاں کہلانے کے قابل ہیں۔ اور اُن پر ایک سچے عاشق کو مرمٹنا چاہیے کہ وہاں اُس کے محبوب حق تعالیٰ کا تذکرہ ہو رہا ہے جس کی برکت سے وہاں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے جو رضائے خداوندی کا سبب ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون بھی کئی بار گزر چکا۔

نہ کر اختر سے ظالم بدگمانی
تبسم کیوں ہے اس کی داستاں پر

اخیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ بظاہر میری حالت دیکھ کر بدگمانی نہ کرو اور ہنسی مذاق نہ بناؤ کیونکہ حق تعالیٰ جانتے ہیں اُس نے مجھے اپنے فضل وکرم سے دل میں جو دردِ محبت عطا کیا ہے وہی مجھے چاک دامانی اور بوریا نشینی پر مجبور کرتا ہے اور اپنی یاد میں صدائیں لگانے اور آہ وفغاں کرنے پر اُبھارتا رہتا ہے۔ تو تم اِن کو بے کار سمجھ کر ہنسی مذاق مت بناؤ۔ جس دن یہ داستان کھلنے کا وقت آئے گا اور میرے مولا کی رضا اُس میں شامل ہوگی تو پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اختر کی داستان، داستانِ خونچکاں ہے۔ جیسا کہ اس مضمون پر حضرت والا کے مستقلاً اشعار آگے کتاب میں آرہے ہیں۔

انعامِ تسلیم ورضا

منکشف راہ تسلیم جس پر ہوئی
اس کا غم راز دار مسرت ہوا
راہِ تسلیم میں جس نے سر دے دیا
اس کا سر تاجدار محبت ہوا

مشکل الفاظ کے معنیٰ: منکشف: کھلی۔ راہِ تسلیم: اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے سر جھکانے کا راستہ۔ مسرّت: خوشی۔

خاک سمجھا تھا جسے لعل بدخشاں نکلا

جو تری بزمِ محبت سے گریزاں نکلا
جس طرح نکلا وہ حیراں و پریشاں نکلا

دل دیا غیر کو جس نے بھی وہ ناداں نکلا
کیوں کہ وہ جانِ چمن خارِ بیاباں نکلا

ساری دنیا کی خرد آئی فدا ہونے کو
جب کبھی جوشِ جنوں چاک گریباں نکلا

درد ملتا ہے ترے درد کے بیماروں سے
شیخ پھر سارے جہاں سے بھی مہرباں نکلا

نارِ شہوت میں نظر آئے اندھیرے دل کو
نورِ تقویٰ دلِ مؤمن میں درخشاں نکلا

بعد مدت کے ہوئی اہلِ محبت کی شناخت
خاک سمجھا تھا جسے لعل بدخشاں نکلا

زاہدِ خشک جو تھا، پیرِ مغاں کے صدقے
حاملِ درد ہوا غیر سے نالاں نکلا

ہائے اس قطرۂ دریائے محبت کا اثر
جس کو سمجھا تھا کہ قطرہ ہے وہ طوفاں نکلا

خار سمجھا تھا جسے اہلِ جہاں نے اخترؔ
دامنِ فقر میں اس کے ہی گلستاں نکلا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **گریزاں**: بچ کر رہنے والا۔ **ناداں**: ناسمجھ۔ **جانِ چمن**: اللہ والا جو چمن کی جان بن سکتا تھا۔ **خارِ بیاباں**: جنگل کا کانٹا۔ **خرد**: عقل۔ **گریباں**: دیوانہ ہونا۔ **درد**: دل پر درد اُٹھا کر گناہ نہ کرنا۔ **بیماروں**: اللہ والوں۔ **نارِ شہوت**: حرام لذتوں کی آگ۔ **درخشاں**: چمکتا ہوا۔ **لعل**: پہچان۔ **زاہدِ خشک**: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہو۔ **نالاں**: اللہ تعالیٰ کے غیر سے ناراض۔

آہ وہ جانِ چمن خارِ بیاباں نکلا

جو تری بزمِ محبت سے گریزاں نکلا
جس طرح نکلا وہ حیران و پریشاں نکلا
دل دیا غیر کو جس نے بھی وہ ناداں نکلا
کیوں کہ وہ جانِ چمن خارِ بیاباں نکلا

ظاہر بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھاگ کر نکلے گا تو اُسے دنیا میں سوائے پریشانی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور وہ جس طرف نکلے گا حیراں و پریشان ہی نظر آئے گا۔ جس کی ایک پہچان اور نشانی یہ ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی محبت سے محروم کردیں اور اُن کی محبت سے محرومی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اُن کی مجلسوں اور محفلوں میں آنے سے کترانے لگے اور جہاں بھی بزمِ محبت سجی ہوئی ہو اُس سے اُس کا دل متنفر ہوجائے اور وہ دور بھاگ جائے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر اُسے ہر طرف پریشانیوں کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ یہ تجربہ ہے کہ جب جب حق تعالیٰ کسی کو اپنا محبوب بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اولیاء اللہ کی محبت اور اُن کی مجالس اور ملاقات سے رغبت اُس کے دل میں ڈالتے ہیں، وہ اُن کی بزمِ محبت میں جڑتا اور لگتا ہے۔ پھر اُسے اپنا محبوب بنالیتے ہیں۔ اس لیے اللہ کی محبت کی نشانی اور پہچان خاص طور پر یہی چیز ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کے غیر کو دل دے دے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کے سینے میں موجود نہ ہو تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جانِ چمن ہوتے ہوئے خارِ بیاباں سے کم نہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے اندر صفتِ ایمان رکھنے کی وجہ سے ایک ایسا پھول تھا کہ جو سارے چمن اور گلستان اور سارے علاقے کو اپنی مہک اور خوشبو سے معطر کردیتا۔ اور ایمان وعمل کی کرنیں روشن ہوکر ہر طرف انوار وتجلیات کی بارش برسادیتی مگر اُس نے غیر کو دل دے کر روشنی کی جگہ ظلمت کو ترجیح دی اور گلِ چمن بننے کے بجائے خارِ بیاباں بننے کو پسند کیا۔ جس کو سمجھنے کے لیے رات ودن پیش آنے والے وہ واقعات کافی ہیں کہ جو لڑکے لڑکیوں کے عاشقوں سے دنیا بھر میں صادر ہورہے ہیں اور جن کی بدولت یہ عشاق ایسے پاگل ہوئے پھرتے ہیں کہ کانٹوں سے بھی بدتر اِن کا حال ہوجاتا ہے۔

عالم بھی عاصی ہو تو جاہل ہے

اور حضرت والا نے ایسے شخص کو ناداں اس لیے فرمایا کہ علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ اَجمَعَ العُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ کُلَّ مَنْ عَصَی اللّٰہَ فَھُوَ جَاھِلٌ کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگا ہو، گو کہ وہ رسمی عالم ہو مگر عنداللہ وہ جاہل ہے۔ اور یہ درحقیقت قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّما التوبۃ علی اللّٰہِ للذین یعملونَ السُّوءَ بِجَھَالۃ'' کہ توبہ اُن لوگوں کے لیے جو کسی گناہ کو جہالت

و نادانی سے کر لیتے ہیں اور پھر وہ جلد توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ اُن کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔ مفسرین نے اس کے ضمن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بجھالۃ اس لیے ہے کہ جو بھی گناہ کرے گا اگر چہ وہ عالم ہو مگر پھر بھی وہ جاہل ہی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کو علم رکھنے کے باوجود اور تورات کے علماء کہلانے کے باوجود یہ ارشاد فرمایا: ''لو کانوا یعلمون'' کہ کاش! کہ وہ علم رکھتے۔ گویا یہ فرمایا جارہا ہے کہ وہ عالم نہیں تھے، اس لیے ایسا علم جو عمل کی طرف داعی نہ ہو وہ جہالت ہے۔ اور ایسا عالم جو گناہ میں مبتلا ہو وہ عالم ہوتے ہوئے بھی جاہل کہلانے کا مستحق ہے۔ اس لیے جو غیر اللہ کو دل دے رہا ہے اُسے ناداں کہنا بالکل بجا اور درست ہے۔

یہ راہِ خداوندی دیوانگی کی راہ ہے

ساری دنیا کی خرد آئی فدا ہونے کو
جب کبھی جوشِ جنوں چاکِ گریباں نکلا

اُس کے بعد حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ عقلمندی کے اصولوں سے طے نہیں ہوتا۔ اس کے لیے دیوانگی چاہیے یعنی اللہ پر مرمٹنا اور دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جان کی بازی لگادینا۔ ورنہ اگر محض عقل سے طے ہوا کرتا تو فلسفیوں کو اللہ تک وصول اور اُس کا قرب نصیب ہو جاتا، مگر وہ لوگ سوائے بحث میں اُلجھنے کے کبھی بھی سلجھ کر وہاں تک نہیں پہنچے، کیونکہ درحقیقت یہ محبت وجنون کا راستہ ہے، عقل و دماغ لڑانے کا راستہ نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس راستے کو جوشِ جنوں اور چاک گریبانی کے عالم میں طے کیا ہے آج دنیا کے بڑے بڑے عقلاء اور دانشور جب اُن کو علوم ومعارف کی بارش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو سب حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔ اور ہر ایک یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کاش کہ میں نے عقل وفہم سے جتنی جدوجہد کی ہے، عشق ومحبت کے راستوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ کے غم اُٹھا کر یہ علوم حاصل کر لیے ہوتے۔ اور اس طرح ساری دنیا کی عقل وخرد اُن پر فدا ہونے کو تیار رہتی ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ہمارے حضراتِ اکابر ومشائخ کے مواعظ وملفوظات پڑھ کر دیکھنے چاہیے اور اُن کی تقریر و بیان سن کر اس کا اندازہ لگانا چاہیے۔

درد درد کے بیماروں سے ملتا ہے

درد ملتا ہے ترے درد کے بیماروں سے
شیخ پھر سارے جہاں سے بھی مہرباں نکلا

مگر یہ بات کہ ہمیں ایسا دردِ محبت نصیب ہو اور چاک دامانی کی صفت اندر سرائیت کر جائے اس کی وہی نصیحت ہے کہ درد، درد کے بیماروں سے ملتا ہے جو کسی درد کے بیمار ہی نہیں وہ اُس ''درد'' کی حقیقت سے کیا آشنا ہوں گے۔ جو مشائخ اہلِ حق اپنے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد رکھتے ہیں اُنہی سے وہ درد مل سکتا ہے۔ ظاہری

طور پر علم وفن کا بہت بڑا ماہر اور قابل و لائق عالم جو تصوف وسلوک اور اصلاح وتزکیہ پر بہت اونچے درجے کے مقالات تیار کیے ہوئے ہو اور بہترین تصنیف وتالیف بھی اُس نے کی ہو لیکن اگر حاملِ دردنہیں اور خود اُس دردِمحبت خداوندی کا بیمار نہیں ہے تو وہ اہلِ مجلس میں یہ درد تقسیم نہیں کرسکتا۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ کسی بھی انسان کے شیخ و مرشد اُس کے لیے ساری دنیا والوں سے زیادہ خیرخواہ اور ہمدرد ہے۔ کیونکہ اُس سے وہ چیز حاصل ہورہی ہے جو کہیں اور سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس پہلو سے دینی مرشد ومقتداء اور مصلحِ عالم ساری دنیا سے مہربان ٹھہرا۔ چنانچہ ایک روایت میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ أَجْوَدُ جُوْدًا؟ قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ اللهُ تَعَالٰى أَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَأَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمِيْرًا وَحْدَهٗ أَوْ قَالَ أُمَّةً وَحْدَهٗ﴾

(مشكاة المصابيح، كتاب العلم)

کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے سخی ہیں اور اُس کے بعد میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور میرے بعد وہ شخص ہے جو دین کا علم سیکھے اور سکھائے۔ اس لیے جو شیخ اور مصلح ہے اُس کو سب سے زیادہ مہربان کہنا چاہیے اور محسن و ہمدرد قرار دینا چاہیے کیونکہ وہ ہماری آخرت کی فکر کرنے والا ہے اور اصل انجام پر نظر رکھ کر اُس کی درستگی اور اصلاح پر لگا ہوا ہے۔

نارِ شہوت میں دل کے اندھیرے

نارِ شہوت میں نظر آئے اندھیرے دل کو
نورِ تقویٰ دلِ مؤمن میں درخشاں نکلا

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ گناہوں میں پڑ کر بالخصوص شہوت کے گناہ میں مبتلا ہونے کے بعد دل ایسے سخت اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے اور ظلمتوں کا شکار ہوتا ہے کہ اُسے ہر اچھائی بُرائی نظر آنے لگتی ہے اور ہر ناصح اپنا دُشمن معلوم ہونے لگتا ہے۔ نہ اُسے اپنے انجام کی خیر اور بھلائی کی پرواہ رہتی ہے اور نہ اُسے دنیا میں کسی بدنامی اور رسوائی کا ڈر رہتا ہے بلکہ وہ اس گناہ میں پڑ جانے کے بعد ہر حد کو عبور کرکے اپنے مقاصد میں کامیابی دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا اور رات ودن دیکھتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو ہلاک کرکے اور خودکشی کرکے اپنے دین ودنیا کو برباد کرڈالتے ہیں اور اس کی وجہ یہی شہوت کی نار میں جلنا اور حرام محبتوں میں مبتلا ہونا ہے۔

کیونکہ حدیث پاک میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ اُس سے توبہ کرلے تو دل اُس سے صاف ہوجاتا ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور پھر گناہ کرتا رہے تو ہوتے ہوتے اُس کا دل بالکل سیاہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر اُس میں حق کو سمجھنے

اور جاننے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ جس کو قرآن نے اس طرح تعبیر فرمایا: ''کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'' کہ یہ وہ کرتوت اور بُرے اعمال ہیں جو زنگ کی شکل میں اُن کے دلوں میں جم گئے اور بیٹھ گئے اور اب اُن کے دلوں میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس لیے جسم گورے چٹے ہونے کے باوجود بھی دل بالکل سیاہ ہوجاتے ہیں۔ یہی تو بات ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب بالکل چمکدار تھے کہ وہ ہر قسم کی معصیت سے بچتے تھے۔ خواہ جسم کے اعتبار سے وہ کالے ہوں لیکن دل کے اعتبار سے وہ بہت گورے تھے۔ جیسا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ ظالم انگریز قوم کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ تن کے گورے اور من کے کالے ہیں۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ گو کہ جسم کے اعتبار سے حبشی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلب کو روشن، مزکّی اور مجلّٰی بنایا تھا جس کی برکت سے اُن کے قلب میں ایسا نور تھا کہ انہیں دُشمن کی طرف سے سخت سزا پانے کے باوجود اَحد اَحد کہنے میں لطف وحلاوت وکامیابی وکامرانی نظر آتی تھی۔ اس لیے وہ اَحد اَحد کہنا نہیں چھوڑتے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ انسان جبھی کرسکتا ہے جب اُس کے دل پر ظلمتوں اور اندھیروں کے دبیز پردے پڑ چکے ہوں اور ہر طرف سے غفلتوں نے اُسے گھیر لیا ہو۔ اس لیے حضرت کا یہ فرمان کہ مجھے تو نارِ شہوت میں اندھیرے ہی اندھیرے نظر آئے اور دل ڈوبتا ہوا دکھنے لگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے تقوے کو مؤمن کے دل میں چمکتا ہوا ستارہ اور آفتاب وماہتاب جیسا روشن اور منور کرنے والا چراغ بنادیا ہے جس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اوپر حق وباطل کھل جاتا ہے اور ظلمت وروشنی الگ نظر آجاتی ہے۔ اور وہ جس راہ پر چل رہا ہے اُس کے پھول اور کانٹے اُسے جدا نظر آنے لگتے ہیں اور اُس کے لیے اُن میں فرق کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ جس کے متعلق کئی مقامات پر احقر ذکر کرچکا ہے اور قرآن وحدیث اس مضمون سے بھرا ہوا ہے۔

اہلِ محبت بظاہر خاک مگر بباطن لعل بدخشاں سے بڑھ کر

بعد مدت کے ہوئی اہلِ محبت کی شناخت
خاک سمجھا تھا جسے لعلِ بدخشاں نکلا

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم تو اہلِ محبت اولیاء کرام کو عام انسانوں جیسا آب وگل کا ایک خاکی نقش سمجھتے تھے لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اہلِ محبت کی شناخت ہوئی تو پھر پتہ چلا کہ یہ تو انتہائی قیمتی موتی ہے جس کو لعلِ بدخشاں سے تشبیہ دینا بھی محض سمجھانے کے لیے ہے ورنہ اُسی کی ویلیو (Value) اور حیثیت اور قیمت و رفعت کے سامنے اس لعلِ بدخشاں موتی کی کیا قیمت ہوسکتی ہے، کیونکہ اللہ کے خاص بندے اپنے مقام ومرتبے اور فضل وکمال میں فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور وہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کو موجود رکھتے ہیں تو پھر اُن کی قیمت لعلِ بدخشاں کے برابر کیسے ہوسکتی ہے۔ ہزاروں اور کروڑوں لعل بھی اکٹھے کرلیے جائیں تب

بھی وہ اُن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جو لوگ صرف اُن کے خاکی نقشے کو دیکھتے ہیں تو استفادے سے محروم رہتے ہیں اور وہ یوں کہتے ہیں کہ جیسے وہ انسان ہیں ہم بھی ویسے انسان ہیں۔ اُن کی اصل خزانے پر نظر نہیں رہتی۔

اور یہ اہلِ محبت کی شناخت اللہ تعالیٰ اُسی کو کراتے ہیں جسے خود محبت عطا کرنی ہوتی ہے۔ اولاً اُس کے قلب میں اِس کی فکر ڈالتے ہیں اور پھر اُسے تلاش کے لیے نکالتے ہیں اور بالآخر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق دنیا کے نظامِ دارالاسباب کے تحت اُسے اس کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں، لہٰذا قابلِ صد مبارک باد ہے وہ شخص جسے اہلِ محبت کی شناخت ہوئی اور پھر وہ اُن کی بزم میں شامل رہا کیونکہ عطار کے پاس بیٹھ کر خوشبو کا ملنا امرِ یقینی ہے تو اللہ والوں کے پاس بیٹھ کر اللہ کا ملنا بھی اسی طرح یقینی معاملہ ہے۔

زاہدِ خشک جب حاملِ درد ہوا

زاہدِ خشک جو تھا، پیرِ مغاں کے صدقے
حاملِ درد ہوا غیر سے نالاں نکلا

بعض لوگ تصوف اور طریقت کچھ مخصوص اوراد و وظائف کی پابندی کو سمجھتے ہیں اور پھٹے پرانے کپڑے اسی طرح طیباتِ دنیاویہ سے دور رہنا اور اپنی حلال خوشیوں اور موقعوں میں بھی تنگ نظری والے معاملے کو زہد سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے کا غم اُٹھانے کی سعادت بخشی ہو اور اُس کا دل حرام خوشی اور لذتوں کو چھوڑ کر بہت سے رنج اور غم اُٹھاتا ہو اور ہر غیر کو دل سے نکال کر خالص اللہ کو دل میں بسا لیا ہو، یہی وہ شخص ہے جو حقیقی معنوں میں صوفی اور اللہ والا کہلانے کا مستحق ہے۔ محض کچھ نفلوں اور تسبیحات کی پابندیوں یا ذکر و اذکار اور اوراد و اشغال میں لگ جانے کو طریقت نہیں کہا جاتا۔ ایسے لوگ جو گناہوں سے نہ بچتے ہوں اور حرام خوشیوں اور لذتوں کو پامال نہ کرتے ہوں، اگرچہ وہ خوب ذکر و اذکار میں لگے ہوئے ہوں، ایسے لوگ زاہدِ خشک کہلاتے ہیں۔ جب یہ کسی اہلِ دل اللہ کے دیوانے سے ملتے ہیں اور صحیح شیخ کامل اور مصلح و رہبر اِن کو مل جاتا ہے تو پھر اِن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا صحیح غم عطا ہوتا ہے اور دل سے ہر غیر نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔ بس ایک اللہ پر نظر رہتی ہے اور وہی دل میں ہر وقت بسا ہوتا ہے۔

قطرۂ دریائے محبت کسی طوفاں سے کم نہیں

ہائے اس قطرۂ دریائے محبت کا اثر
جس کو سمجھا تھا کہ قطرہ ہے وہ طوفاں نکلا

اللہ تعالیٰ کے دریائے محبت کا ایک قطرہ بھی انسان کی زندگی کی کایا پلٹنے کے لیے اتنا عجیب اثر رکھتا ہے

کہ وہ طوفان کہلانے کے قابل ہے، کیونکہ اس قطرۂ محبت کا حامل انسان اپنی زندگی کی تمام نقل وحرکت میں حق تعالیٰ کی طرف اپنا رُخ پھیر لیتا ہے اور ایسا انقلاب اور تبدیلی زندگی میں لے آتا ہے کہ جو بظاہر کسی بڑے طوفان ہی سے آتی ہے مگر یہ ایک قطرۂ محبت ہی اُس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اُس کے سارے تعلقات اور رابطے اور زندگی کے تمام شعبوں میں پائے جانے والے رضائے مولا کے خلاف ہر نوع کے معاملات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا اور جاگنا، مرنا اور جینا، خوشی اور غمی غرض کہ یہ ایک قطرۂ محبت ان سب حالات کے نقشے پلٹ کر رکھ دیتا ہے، اس لیے اس کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت والا سمجھاتے ہیں کہ ہائے! میں کیا عرض کروں کہ ایک قطرۂ دریائے محبت کا اتنا اثر ہے کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اللہ کی محبت کا ایک قطرہ مثلِ ایک طوفان ہے۔

اہلِ دنیا کی نگاہوں میں خار مگر جانِ چمن نکلا

خار سمجھا تھا جسے اہلِ جہاں نے اخترؔ
دامنِ فقر میں اس کے ہی گلستاں نکلا

جس آدمی کے پاس ظاہری عیش وعشرت کی چیزیں نہ ہوں اور وہ بظاہر بوریا نشیں اور فقر وفاقہ کا مارا ہوا اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی وجہ سے اپنے خاندانوں اور تعلق والوں میں بھی اُس کے ساتھ ربط وتعلق کی زیادہ کہانی اور داستانیں موجود نہ ہوں اور اُسے ہر طرف سے طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ کوئی بے وقوف تو کوئی مجنون ودیوانہ اور کوئی پاگل کہہ رہا ہو تو بظاہر یہ شخص خود خاندان والوں کی نگاہ میں بھی کانٹا نظر آنے لگتا ہے، مگر جب اللہ تبارک وتعالیٰ اِس کو سرسبز وشاداب کرتے ہیں اور رونق اور تازگی بخشتے ہیں اور ہر چار طرف عالَم میں اس کی عزت وعظمت کی داستانیں سامنے آتی ہیں تو وہی لوگ جو اسے کل تک بوریا نشین ہونے کی وجہ سے اور ظاہری ناموافق حالات کی وجہ سے کانٹا سمجھ رہے تھے آج اُن کی نگاہوں میں یہ رشکِ گلستان بن جاتا ہے، کیونکہ اس کی ہر ادا اور نقل وحرکت اہلِ جہاں کو روشنی اور جلا عطا کرتی ہے اور اُن کے دل ودماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ اور اس سے تعلق رکھنے اور اُس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے اور اُس کی صحبت ورفاقت اختیار کرنے میں انہیں ایسا چین وسکون میسر آتا ہے اور دل ودماغ ایسی فرحت ومسرت پاتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی پھولوں سے سجے ہوئے شاندار چمن اور پارک اور گلستان وبوستان میں بیٹھ کر اپنے دل ودماغ کو تازگی بخش رہا ہو۔

دلِ شکستہ اور آثارِ تجلیات

خونِ حسرت رات دن پینے کا لطف
اس کے جلوؤں کی فراوانی سے پوچھ
لذت زخمِ شکستِ آرزو
اس کی آنکھوں کی نگہبانی سے پوچھ

فراوانی: زیادہ ہونا۔ **نگہبانی:** آنکھوں کی حفاظت۔

رب مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

یا رب تیرے سوا تو کہیں بھی اماں نہیں
تو جس کا نہیں اس کا یہ سارا جہاں نہیں

ظلمت میں ہے یہ شک و شبہ وہم و وسوسہ
ہو مہر نمایاں تو کوئی بد گماں نہیں

جس نے اٹھایا سر کو ترے سنگ در سے آہ
سارے جہاں میں اس کا کوئی آستاں نہیں

جس میں بہار قرب گلستاں نہ ہو کبھی
وہ آشیاں مرا کبھی اے باغباں نہیں

مشکل ہے ایسے قلب کی توحید ہو صحیح
جس دل کے پاس دوستو وہ پاسباں نہیں

آہ غم خزاں سے نشیمن میں ہے دھواں
عالم میں جب کہ کوئی کہیں بجلیاں نہیں

میں کس طرح سے مان لوں اے درد تو بھی ہے
گریہ کہیں نہیں کہیں آہ و فغاں نہیں

سورج کی روشنی کی یہی بس دلیل ہے
جب آسماں پہ نجم و مہ و اختراں نہیں

مدت کے بعد کھل گئی اختؔر یہ حقیقت
رب مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **اماں:** حفاظت۔ **ظلمت:** اندھیرا۔ **مہر:** سورج۔ **اختراں:** ستارے، چانداور سورج۔

مؤمن کا ملجاء وماویٰ بس اللہ کی ذات ہے

یا رب تیرے سوا تو کہیں بھی اماں نہیں
تو جس کا نہیں اس کا یہ سارا جہاں نہیں
ظلمت میں ہے یہ شک و شبہ وہم و وسوسہ
ہو مہر نمایاں تو کوئی بد گماں نہیں

ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے تیرے سوا کہیں بھی امن اور پناہ نظر نہیں آتی اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ جس نے کفر وشرک کر کے اور فسق وفجور کر کے تجھے ناراض کر دیا اور تیری تائید وحمایت اس سے اٹھ گئی پھر اسے معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا سارا جہان اس کا نہیں ہے اسی لیے حضرت والا کی کتاب روح کی بیماریاں میں تین صحابہ جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان کا قصہ نقل ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں ہے''وعلی الثلثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت ...... الایة زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی اور خود ان کی جانیں ان پر تنگ ہو چکی وہ اس فکر میں ڈوبے ہوئے تھے''لا ملجاء من الله الا الیه''، ہماری کوئی جاہ پناہ نہیں سوائے اللہ کے اور منافقین مشورہ دے رہے تھے کہ یہ جھوٹ بنا دو جان بچ جائے گی۔

حضرت حکیم الامت نے لکھا ہے اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ شیخ کے سامنے اپنی غلطی، اور اپنے قصور پر جا کر جھوٹ بہانا نہیں بنانا چاہیے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے، اگر جھوٹ بہانا نہ بنایا تو ہوسکتا ہے شیخ کے سامنے رونا پڑے، ہوسکتا ہے کچھ ذلت اٹھانی پڑے، ہوسکتا ہے کچھ شیخ کی ڈانٹ ڈپٹ سنی پڑے لیکن اس کے بعد جو مقام ملتا ہے وہ وہی ہے جو ان تین صحابہ کا لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والانصار. الی قوله تعالیٰ. وعلی الثلثة الذین خلفوا میں اللہ نے قیامت تک کے لیے اعلان کیا کہ میں نے ان تینوں کی توبہ کو قبول کیا ہے جن سے یہ سب کچھ ہو گیا تھا لیکن جھوٹ بہانے نہیں بنائے بلکہ ڈٹ گئے اور اقرار کیا کہ اے خدا ہم مجرم ہیں اور ہم نے اگر تجھے چھوڑ دیا تو پورا ہمارا اس زمین وآسمان کے بیچ کوئی بھی نہیں ہے کوئی سہارا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے جب دل کی یہ کیفیت ہو اور کوئی قصور ہو میرے دوستو اور اس کا پھر اقرار ہو اللہ کے سامنے تو اللہ کی تائید اور اللہ کی رضاء کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیخ کے سامنے بھی بہانے نہ بنانے چاہیے بلکہ جو حقیقت ہے اس کو صاف صاف بتا دے اگر تھوڑی سی ڈانٹ یا تھوڑی سی وقتی طور پر تنبیہ ہوگی لیکن اس تنبیہ اور ڈانٹ کے اندر بھی خیر چھپی ہوتی ہے۔ حضرت اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین اور قرآن کریم میں ایک یا دو آیت نہیں بلکہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے مسلمانو! تمہارا''ما لکم من دون الله من ولی و لا شفیع'' تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ شفیع ہے اور دوسری جگہ ہے''مالکم من دون الله من ولی ولا نصیر''۔ تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی حامی ومددگار ہے۔

دُشمن کے مقابل حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل کہئے

اور جس شخص نے اپنی امان کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دے دیا اور حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق قائم کر لیا کہ اپنا کارساز اور کام بنانے والا اور نفع وضرر کا پہچانے والا صرف اللہ کو قرار دیا تو پھر سارا جہاں بھی اس کے مخالف ہوا سے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ اس کے ساتھ رب جہاں کی نصرت و مدد رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کفار و مشرکین مکہ کی طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگ کے موقع پر یہ پیغام پہنچایا گیا ''ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم'' کہ تمہارے لیے کافر لوگ بڑے اسلحہ اور ساز وسامان کے ساتھ دوبارہ جمع ہو چکے ہیں اور تم پر حملہ آور ہونے والے ہیں اور انہوں نے زبردست تیاریاں کی ہیں لہٰذا تم ان سے ڈرو تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً جواب میں کہا اور ایمانی انداز سے یہ جملہ بولے '' حسبنا اللہ و نعم الوکیل '' کہ ہمیں اللہ سب دشمنوں کے لیے کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے اور گھبرائے اور ڈرے نہیں بلکہ اپنے ایمان میں اور مزید مضبوطی اور اضافے کو محسوس کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کا دور دور تک صفایا کر دیا۔

دُشمن کی طاقت کا پروپیگنڈہ درست نہیں

اسی سے احقر ایک بات عرض کرتا ہے جس کو ہمارے حضرت مہتمم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم بارہا اپنے بیانات میں کہتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کے اسلحہ اور ہتھیاروں اور ان کی قوت اور طاقت کا پروپیگنڈا کر کے اہل اسلام کو ڈرانا یہ درحقیقت دشمنوں کی سازشوں کا ایک حصہ ہے۔ جسے دیکھو، اور جدھر دیکھو، جس ریڈیو اور اخبار میں پڑھو تو ہر شخص کی زبان پر دانستہ اور نادانستہ ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے اس سازش کو پھیلانے میں تقویت ملتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ساری دنیا امریکہ کی مٹھی میں ہے، کوئی کہتا ہے سارا پاور (Power) یہودیوں کے پاس ہے، کسی سے یوں سنا جاتا ہے کہ پورے عالم کی (Economy) اقتصادیات کو یہودی کنٹرول کر رہے ہیں۔ جہاں ذرا سی کوئی بات پیش آتی ہے تو بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اپنے پڑھے لکھے مسلمان بھی زبان پر ایسا جملہ لاتے ہیں کہ یہ سب کچھ پوری دنیا میں یہودی دو خاندان کرا رہے ہیں، جب جسے چاہتے ہیں اونچا کر دیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں، جسے صدر اور وزیر اعظم دیکھنا چاہتے ہیں، خواہ کسی بھی ملک میں ہو وہ اسی طرح کرا دیتے ہیں۔

یہ جملے ہمارے ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور غیرت ایمانی ان کو گوارا نہیں کرتی گو کہ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان جملوں کو ایک تاویل اور توجیہ کی جا سکتی ہے مگر میں یہ بھی کہنا غلط نہیں سمجھتا کہ اس پروپیگنڈے میں ہم دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں، ہمیں تو یہ کہنا چاہیے کہ سارے عالم کا نظام ہمارے اکیلے قدرت و طاقت والے اللہ کے فیصلے سے چل رہا ہے اور وہی جب جو چاہتا ہے پوری کائنات کے نظام میں تبدیلی لے آتا ہے رہ گئی یہ بات کہ

کس کو گرانا اور کس کو اٹھانا اور اس کے اسباب و جوہات کیا ہیں کیوں، کب، کیسا ہوتا ہے یہ سب ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر بخوبی پتہ چل سکتا ہے بس شرط یہی ہے کہ ہمارا معاملہ یہی ہو جو اس شعر میں مذکور ہے ۔

ظلمت میں ہے یہ شک و شبہ وہم و وسوسہ
ہو مہر نمایاں تو کوئی بد گماں نہیں

آفتاب معرفت دل میں طلوع ہو تو اندھیرے غائب

جب تک انسان کفر و شرک و فسق و فجور کی ظلمتوں میں ڈوبا رہتا ہے اور معاصی کے اندھیرے اس کے دل کے نہاں خانوں میں موجود رہتے ہیں تب تک وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات اور وہم و وسوسے کا شکار رہتا ہے جو بدظنی اور بدگمانی کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر ایمان میں تزلزل اور بے یقینی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کا آفتاب و مہتاب اس کے دل میں طلوع ہوتا ہے تو پھر یہ شک و شبہ اور وہم و وسوسہ جو بدگمانی اور بدظنی کا سبب تھا سب چھٹتے چلے جاتے ہیں ۔ جس طرح رات کو جب اندھیرا چھایا ہو، اگر اس میں کوئی شخص چراغ روشن کر دے تو وہ اندھیرا ختم ہوتا اور چھٹتا نظر آتا ہے اسے لاٹھی ڈنڈا مار کر بھگانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ روشنی کے نتیجہ میں تاریکی ختم ہو ہی جاتی ہے اس لیے یہ ظلمات ختم کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی صورت ایمان و یقین اور معرفت و محبت خداوندی کے سورج کو دل میں طلوع کرنا ہے ۔

درِ مولیٰ کا کیا کہنا

جس نے اٹھایا سر کو ترے سنگ در سے آہ
سارے جہاں میں اس کا کوئی آستاں نہیں

جو شخص اللہ تعالیٰ کے در سے اپنے سر کو اٹھا لیتا ہے اور اس کے احکام کی اتباع سے منہ موڑتا ہے تو پھر اسے سارے عالم میں کہیں کوئی در اور ٹھکانہ نظر نہیں آتا بس ایک اللہ تعالیٰ کا در ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص ہر طرف کا دھتکارا ہوا ہو اور تمام درباروں سے نکال دیا گیا ہو لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے در کو آ کر وہ جس حال میں بھی کھٹ کھٹائے فوراً حق تعالیٰ اس کو اپنے در سے جوڑ لیتے ہیں وہ اس کا سہارا ہے جس کا کوئی سہارا نہ ہو، اور وہ اس کا ساتھی ہے جس کا کوئی ساتھی نہ ہو، جب ہر طرف سے امیدیں ٹوٹ چکی ہوتی ہیں تب بھی اللہ کی ذات سے امید قائم رہتی ہے اس لیے یہی در مضبوطی سے پکڑنے کے قابل ہے

اہل دنیا کا حال تو یہ ہے کہ جب تک ان کو آپ سے اغراض و مفادات وابستہ ہیں تب تک تو وہ آپ کو پوچھتے ہیں اور آپ سے جوڑ اور تعلق ظاہر کرتے ہیں اور جب وہ باقی نہیں رہتے تو پھر تعلقات کی ساری داستانیں افسانہ بن جاتی ہیں لیکن حق تعالیٰ کو پکارنے والا غریب ہو کہ امیر، شاہ ہو کہ گدا، خوشحال ہو کہ تنگ حال، بڑا ہو کہ

چھوٹا، چوبیس گھنٹہ کے کسی لمحہ میں بھی وہ تا ئبانہ اور نادمانہ، اپنے اللہ کے درکو کھٹکھٹائے اور اس کو پکارے تو وہ فوراً پکار سنتا اور اس کو اپنی ذات سے جوڑ لیتا ہے۔ کبھی بھی کسی کے لیے بھی کسی بھی حال میں وہ اپنے درکو بند نہیں کرتا۔ اس لیے یہ بات کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے در سے ہٹ جانے کے بعد انسان کو کوئی در نہیں ملتا اور حقیقی طور پر اس کے منافع اور مقاصد سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق کے اور کسی صورت سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

خوبصورت پارکوں اور سمندروں کے کنارے اور دیندار مسلمان

جس میں بہار قربِ گلستاں نہ ہو کبھی
وہ آشیاں مرا کبھی اے باغباں نہیں

اس کا مفہوم واضح ہے کہ دنیا کے گلستاں و بوستاں اور عالی شان جگہیں جو اہلِ دنیا کی منزلِ مقصود ہوا کرتی ہیں اور خواہشاتِ دنیویہ کے سمندر میں تیرنے والوں کا ساحل ہوا کرتی ہیں لیکن وہاں کچھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں اور ناجائز کام بھی ہوتے ہیں تو پھر ایسی جگہیں کسی اللہ والے کے لیے قرار پانے اور ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہوتی گو کہ وہاں ہر طرح کا سرسبز اور شاداب منظر ہے اور کسی سمندری ساحل پر خوبصورت نظارے ہیں لیکن چونکہ بہارِ قربِ گلستاں وہاں نہیں ہے اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ وہ آشیاں کبھی میرا اے باغباں نہیں ہو سکتا۔

افسوس ان مسلمان مردوں اور عورتوں پر کہ جو منکرات و معاصی کے پھیلاؤ کے باوجود اور گمان غالب میں ان کے صادر ہونے کے مواقع محقق ہونے کے باوجود ایسی جگہوں میں بے تکلف آتے جاتے اور رہتے سہتے ہیں ورنہ جہاں پارکوں اور سمندروں کے کناروں پر ایسا بے حیائی اور فحش و عریانیت کا ماحول ہو کہ جدھر نظر پڑے تو نہ صرف یہ کہ غیر محرم پر بلکہ اس کے اعضائے مستورہ اور بسا اوقات سترِ غلیظ وخفیف (یعنی شرم گاہ اور اس سے ملحقہ حصہ پر بھی نظر پڑتی رہتی ہو) اور دائیں بائیں جانب اور آگے پیچھے ہر سمت یہی ماحول ہو تو پھر ایسی جگہوں میں دین دار حضرات اور پردہ برقع پہنے ہوئے خواتین کے جانے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے جب کہ یہی صورتِ حال بیشتر یورپین غیر اسلامی ممالک کے مقامات کے سیر و تفریح کی بنی ہوئی ہے کیونکہ یہ گوری قوم شرم وحیاء کا پردہ اٹھا چکی ہے۔

اور بقول انگلینڈ میں ہمارے ایک دوست کہ شکر ہے یہاں زیادہ گرمی نہیں ہوتی ورنہ تو کپڑا بیچنے والوں کی دکانیں ہی بند ہو جاتی کیونکہ پھر اس قوم کو کپڑے کی ضرورت ہی نہ رہتی ہاں جہاں ایسی صورت نہ ہو اور کوئی سیر و تفریح کی صحیح صاف ستھری جگہ موجود ہو تو وہاں آنے جانے میں شریعت منع نہیں کرتی گو کہ اللہ والے تو ان جگہوں میں بھی اپنے مولیٰ کی نشانیاں دیکھ کر اسے یاد کرنے کے لیے جاتے ہیں اور وہاں بھی ان کو بہارِ قربِ گلستاں نصیب ہوتی ہے ورنہ حقیقی معنیٰ میں اہل اللہ کو ایسی جگہوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کے تو دلوں کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کا گلستاں موجود رہتا ہے۔

توحید خالص اور دل میں اللہ ہی اللہ

مشکل ہے ایسے قلب کی توحید ہو صحیح
جس دل کے پاس دوستو وہ پاسباں نہیں

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت جس قلب میں موجود نہ ہو اور وہاں غیر اللہ بسا ہوا ہو تو پھر ایسے قلب کی توحید کیسے صحیح رہ سکتی ہے کیونکہ توحید اس بات کو لازم وثابت کرتی ہے کہ بس دل میں اللہ ہی اللہ ہو اسی کا خیال دل پر ہر وقت چھایا رہے اور وہی دل کا پاسبان ہو جب تک ایسا نہ ہو تو پھر اس قلب کی توحید گو کہ عقیدے کے درجے میں معتبر ہو جائے گی مگر اس کا استحضار اور دل کا حال بن جانا جو کہ اولیاء اللہ کا ایک کا وصف خاص ہے وہ بات حاصل نہیں ہوگی اور اسی استحضار کے نتیجہ میں انسان گناہوں سے محفوظ ہو کر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھتے ہوئے اس کا حکم بجالاتا ہے اس لیے ہر سالک کو چاہیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے خوف وخشیت اور محبت وعظمت کو دل میں رچالے اور بسالے تب جا کر اس کو صحیح ایمان وتوحید کا مزہ آئے گا۔

آہ غم خزاں سے نشیمن میں ہے دھواں
عالم میں جب کہ کوئی کہیں بجلیاں نہیں

ہم کو یہ بات معلوم ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں برقرار رہنے والی نہیں ہیں بلکہ عنقریب اس کی بہاریں خزاں مین تبدیل ہو جائیں گی۔ یہی چیز اسی غم خزاں سے نکلنے والی آہ نشیمن میں دھواں نظر آنے کا سبب بن رہی ہے جبکہ عالم میں کہیں بجلیاں نظر نہیں آرہی ہیں کسی نے ظلم نہیں کیا اور نہ کوئی ظالم نظر آرہا ہے کہ جس کے ستانے اور تکلیف پہچانے سے آہیں نکلتی ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ والوں کی زبان سے آہ وفریاد کا سنے جانے کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد وغم ہے اور عیش وعشرت دنیا کے فنا ہو کر مٹ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش آنے والی صورت حال کے تصور سے آہوں کا یہ سلسلہ قائم ہے۔

گریہ وبکاء نشان دردِ دل ہے

میں کس طرح سے مان لوں اے درد تو بھی ہے
گریہ کہیں نہیں کہیں آہ و فغاں نہیں

یعنی ہر چیز کی کوئی نشانی ہوا کرتی ہے بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد وغم جو دلوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے اس کی ظاہری نشانی کبھی آہ وفغاں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی گریہ وبکا کی صورت میں دکھائی دیتی ہے اگر کسی کے پاس ان دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ اس کے سینے میں اللہ تعالیٰ

کی محبت کا درد وغم موجود ہے کیونکہ جب آگ آتی ہے تو گرمی ساتھ لاتی ہے پس محبت خداوندی آئے گی تو آہ وفغاں وگریہ وبکا ساتھ لائے گی۔ اگر حرارت نظر نہ آئے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہاں آگ موجود ہے بالکل یہی معاملہ اس مقام پر بھی ہے۔

سورج کی روشنی کی یہی بس دلیل ہے
جب آسماں پہ نجم و مہ و اختراں نہیں

جب آسمان پر سورج طلوع ہوتا ہے تو پھر چانداور ستاروں کی روشنی کالعدم ہو جاتی ہےاور یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورج میں کس درجہ روشنی ہے،سواسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کا سورج جب قلب میں طلوع ہوتا ہےتو ہم اس کی روشن کرنوں کواسی سے پہچان جاتے ہیں کہ ہمارے دل میں سے غیرحق تعالیٰ تمام چیزوں کا صفایا ہو چکا ہوتا ہےاوراب سب تمنائیں خواب بن کررہ جاتی ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ وہ تمناؤں کا عالم کدھر چلا گیا بس یہی اس کی دلیل ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔

ربّ کی مہربانی ہی مہربانی ہے

مدت کے بعد کھل گئی اختؔر یہ حقیقت
رب مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

حضرت نے اپنی کتاب میں ایک اللہ والے کا قصہ لکھا ہے۔تقریباً نوے سال ان کی عمر ہوئی اور جہاں جاتے تھےبس اللہ کی مہربانی ہی بیان کرتے تھےاور رحمت ہی بیان کرتے تھے۔ بڑے بڑے ظالم اور گناہ گاران کا بیان سن سن کرامید لگاتے تھےاور امید کی کرن ان کی ابھرتی تھی اور پھر وہ متقی بن جاتے تھے کہ اتنے گناہوں کوبخشنے والا اللہ ہے۔ جہاں جاتے تھے یہی بیان کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ کیا گزری فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ارے میرے بندے!تو ساری عمر میری رحمت کو بیان کرتا رہا پھر میں تیرے اوپر رحم نہ کروں۔ اس لیے اس پر رحم ہوگیا اور اس کی بخشش کردی گئی۔ اسی لیے حضرت نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ غالب کا ناامیدی دلانے والا شعر مناسب نہیں ہے۔جس میں اُس نے یوں کہا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یعنی وہ یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ تم اتنے بڑے گنہگار ہو چکے ہو کہ اب کعبہ جا کر بھی تمہاری معافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی،اس لیےتم کس منہ سے کعبہ جاؤ گے۔تمہیں کعبہ جاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔مگر اللہ والے جوحقیقت میں اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھتے ہیں اوراُس کے عارف ہوتے ہیں وہ اس طرح کی چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت

شاہ محمد احمد پرتا بگڑھی نے اس شعر کو بدل کر اس کی یاس کو آس سے بدل دیا اور نا اُمیدی پر اُمید کا مضمون پیش کیا اور اللہ کے غضب و غصے پر اس کی مہربانی کا پہلو غالب رکھتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
اُن کو رو رو کے میں مناؤں
اپنی بگڑی کو یوں بناؤں گا

یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے شرم کسی اور سے کرنی چاہیے، معافی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ اتنے کریم و رحیم ہیں کہ اُس سے شرم آنے کا عنوان یہ اندرونی ایک تکبر کا پتہ دیتا ہے۔ ورنہ جب اللہ یہ فرماتے ہیں کہ تم کتنے ہی بڑے گنہگار بن جاؤ، ساری زمین اور آسمان کی فضا گناہوں سے بھر دو، پھر بھی مجھ سے معافی مانگو گے میں تمہیں معاف کردوں گا۔ اور تو اور اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ ایک ہی گناہ کو کسی نے ایک دن میں ستر مرتبہ کیا ہو اور پھر وہ حقیقتِ توبہ ندامت و شرمندگی کے ساتھ معافی مانگ لے تو بھی اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔ جس کے بعد یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مہربان نہیں تو پھر کائنات میں کوئی مہربان نہیں ہوسکتا۔

احترامِ رمضان کی برکت سے قبولِ اسلام کی توفیق مل گئی

چنانچہ اس پر احقر کو ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک جگہ ایک عمر رسیدہ کافر تھا، شام کو اس کا انتقال ہوا۔ اُسی صبح اس کو توبہ نصیب ہوئی اور اُس نے کلمہ پڑھا اور بحالت ایمان وہ دنیا سے رخصت ہوا۔ بعض حضرات نے اُس کے احوال کی تحقیق و جستجو کی تو پتہ چلا کہ وہ ایک ہندو تھا اور اُس کے کھانے پینے کا ہوٹل تھا۔ لیکن جن دنوں مسلمانوں کا رمضان کا مہینہ ہوتا تھا تو وہ اُس کے احترام و اکرام میں دن بھر اپنا ہوٹل بند رکھتا تھا۔ برسرِ عام ہوٹل کھولنا روزوں کے مہینے کی وجہ سے اُسے پسند نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کا یہ بدلہ عطا کیا کہ جس دن وہ دنیا سے جانے لگا اللہ تعالیٰ نے اُسے کلمے کی توفیق دے دی اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

مدت کے بعد حقیقت کھلنے کا راز

اب بظاہر ایک بات جو اس شعر پر ذہن میں آسکتی ہے کہ آخر حضرت والا یوں کیوں فرما رہے ہیں کہ ایک مدت کے بعد اختر پر یہ حقیقت کھلی ہے۔ جبکہ یہ تو عام مسلمان بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی مہربان نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ایک ہے جاننا اور پھر ایک ہے عقیدہ رکھنا اور پھر اس میں بھی مزید ایک درجہ استحضار اور حال بن جانے کا ہے۔ شعر میں حضرت والا جس مضمون کو پیش کررہے ہیں وہ یہی ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا مہربان ہونا مجھے درجۂ مشاہدہ میں حاصل ہوگیا اور ایک کیفیت و حال بن گیا ہے۔ جو کہ اللہ کی راہوں میں مجاہدوں

اور مشقتوں کے اُٹھانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصول و قاعدہ ہے ''المشاهدة بقدر المجاهدة'' اس لیے ایک مدت کے بعد والی بات فرمائی گئی ہے۔

ایک ضروری فائدہ

باقی رہ گئی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بیان کیا جائے تو گناہوں اور اُن پر وعیدوں کا بیان کرنا وہ اُس کے خلاف ہے یا نہیں تو یہ مضمون احقر دوسرے مقام پر تفصیل سے لکھ چکا ہے کہ ہمیں بحیثیت علماء ہونے کے اُمت کے سامنے جس طرح نیکیاں پیش کرنی ہیں اور اُس کے فوائد اور فضائل بتانے ہیں اسی طرح گناہوں کو بھی پیش کر کے اُن کا نقصان بتانا ہے، کیونکہ یہی سنت اللہ بھی ہے اور سنتِ رسول بھی ہے اور تمام سلف، محدثین اور فقہاء کا طریقہ بھی ہے۔ اس لیے اوپر گزرے ہوئے قصے کو غلبۂ حال پر محمول کیا جائے گا یا پھر اُسی کو دوسرے انداز سے یوں کہیے کہ گناہوں کا بیان کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ہی بیان کرنا ہے کیونکہ اللہ نے ہم پر گناہ اسی لیے حرام فرمائے کہ اللہ کو ہمارے ساتھ رحم اور کرم کا تعلق ہے اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ان کی تفصیلات اور ان پر وعیدیں بیان فرمائیں تا کہ اُمت جہنم سے بچ سکے۔ اور ایسے کام جو اُن کی آخرت کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی بے چینی اور پریشانی کا سبب ہو، میرے بندے اُن سے محفوظ ہو جائیں۔ لہٰذا اُمت کے سامنے معروف اور بھلائی کا حکم دینے کے ساتھ منکرات سے بھی روک ٹوک کرنی چاہیے۔ ورنہ پھر یہ ناقص دین ہوگا جو نجات کے لیے کافی نہیں۔ اور اہل علم حضرات ایسا نہ کرنے پر ماخوذ ہوں گے۔ جیسا کہ اس پر بے شمار روایات کتب تفسیر و حدیث میں مفصل ذکر کی گئی ہیں۔

آہِ تنہائی

کٹ رہی ہے میری تنہائی میرے نغمات سے
لب اگر خاموش ہوں گے چشم تر ہوجائے گی

کر رہا ہوں آہ پیہم گو ابھی ہے نارسا
ایک دن آخر تو ممنون اثر ہوجائے گی

درحقیقت میری آہ خام کا ہے یہ قصور
رفتہ رفتہ پختہ ہو کر پردہ در ہو جائے گی

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **آہ پیہم:** اللہ تعالیٰ کی یاد کر کے مسلسل آہیں بھرنا۔ **نارسا:** ابھی تک پہنچی نہیں۔ **ممنون اثر:** اثر والی بن جائیں گی۔ **آہ:** آہ کا صحیح نہ ہونا عاجزی اور بندگی کا اظہار ہے۔ **پردہ در:** اللہ تعالیٰ سے تعلق کا راز کھول دینے والی۔

کیسے معلوم ہو مؤمن کا مسلماں ہونا

حسنِ فانی سے ترا آہ یہ شاداں ہونا
یہی دلیل ہے ظالم ترا ناداں ہونا

دل دیا غیر کو ظالم تو کہاں چین و سکوں
آہ ہر لمحہ ترے دل کا پریشاں ہونا

شیخ کامل کی توجہ ہو مبارک تجھ کو
نعمت درد سے دل کا ترے خنداں ہونا

رند بھی تیرے کرم سے ہوئے اب شیخ حرم
تری رحمت ہے یہ خاروں کا گلستاں ہونا

رہبرِ منزلِ جاناں سے ہے دوری کا سبب
منزلِ حق سے ترا آہ گریزاں ہونا

جذب منزل ہی کا صدقہ ہے کہ ہر لغزش پر
عاصیوں کا یہ تری راہ میں گریاں ہونا

یہ علامت ہے تجھے ہوگئی نسبت حاصل
ہر نفَس سے یہ تری آہ نمایاں ہونا

قلب عاصی پہ گناہوں کی نحوست یہ ہے
اس کے گلشن کا اندھیروں سے بیاباں ہونا

لے لیا درد ترا دونوں جہاں کے بدلے
تھی خبر جس کو ترے درد کا درماں ہونا

یہ علامت ہے کہ حاصل ہے تجھے صدق و یقیں
خوف محشر سے ترے قلب کا لرزاں ہونا

یہی تو دیتا ہے مہجوریِ منزل کی خبر
یعنی اپنوں سے ترا دست و گریباں ہونا

جس کے چہرہ پہ نہ ہو آہ نبی کی سنت
کیسے معلوم ہو مؤمن کا مسلماں ہونا

چوم لیتا ہے فلک بڑھ کے زمیں کو اختؔر
ہو مبارک کسی عاصی کا پشیماں ہونا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **حسنِ فانی:** ختم ہونے والا حسن۔ **شاداں:** خوش ہونا۔ **خنداں:** ہنسنا۔ **رِند:** شراب کے عادی۔ **خاروں کا باغ:** کانٹوں کا باغ۔ **رہبرِ منزل:** اللہ تعالیٰ کی منزل کا رہبر۔ **منزلِ حق:** اللہ تعالیٰ کی منزل۔ **گریزاں:** بچ کر رہنا۔ **جذب:** اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف بندے کو کھینچنا۔ **لغزش:** بھول چوک۔ **عاصیوں:** عاصی کی جمع یعنی گنہگار۔ **گِریاں:** رونا۔ **نَفَس:** سانس۔ **درماں:** علاج۔ **لرزاں:** کانپنا۔ **مہجوری:** منزل سے دوری۔

حسنِ فانی سے شادمانی دلیلِ نادانی ہے

حسن فانی سے ترا آہ یہ شاداں ہونا
یہی دلیل ہے ظالم ترا ناداں ہونا
دل دیا غیر کو ظالم تو کہاں چین و سکوں
آہ ہر لمحہ ترے دل کا پریشاں ہونا
شیخ کامل کی توجہ ہو مبارک تجھ کو
نعمت درد سے دل کا ترے خنداں ہونا

جیسا کہ پیچھے مضمون گزر رہا ہے کہ جو انسان گناہ کرتے ہوئے ہو اگرچہ وہ عالم ہو حقیقت میں پھر وہ جاہل ہی کہلائے گا، اس پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ تو حضرت والا فرماتے ہیں کوئی انسان ظاہری حسن سے خوش ہو رہا ہو اور حسین حسیناؤں کے چکر میں پڑ کر مزے لے رہا ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شخص نادان اور ناعاقبت اندیش ہے اور حقیقت سے غافل اور جاہل ہے ورنہ اس حسنِ عارضی و فانی سے کبھی خوش نہ ہوتا، کیونکہ اس میں پڑنا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اور اگر آپ اس میں مزید توسع کر کے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غیر تمام چیزیں خواہ وہ منصب و حکومت ہو یا مال و دولت ہو، ان سب میں پڑ کر مطمئن ہونا اور ان سے دل کا خوش ہو جانا یہی ایک شخص کی نادانی کی دلیل ہونے کے لیے کافی ہے، کیونکہ یہ محض ایک خیالی اور فانی چیز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما دے تو اُسے نعمت جانے لیکن اُس کے احکام کو توڑ کر اس میں پڑ جانا اور معصیتوں میں مبتلا ہو کر حسین حسیناؤں کے چکر میں لگنا یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے کیونکہ دل صرف اللہ کو دینا چاہیے جب ہم اس میں غیر اللہ کو بسا لیں گے تو چین و سکون قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ ہر لمحہ دل بے چین و پریشان ہو گا۔

لیکن یہ نعمت کہ غیر اللہ دل سے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں حاصل ہو جائے یہ شیخِ کامل کی توجہ ہی سے حاصل ہوتی ہے کہ اُس کی برکت سے دل اللہ تعالیٰ کی محبت کے درد کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور پھر انسان کو وہ خوشی حاصل ہوگی کہ وہ ہر وقت فرحاں و خنداں نظر آئے گا۔ اُس کے دل و دماغ کی اُلجھن اور پریشانیاں سب ختم

ہوکر بے نام ونشان ہو جائیں گی ۔

رند بھی تیرے کرم سے ہوئے اب شیخ حرم
تری رحمت ہے یہ خاروں کا گلستاں ہونا
رہبرِ منزلِ جاناں سے ہے دوری کا سبب
منزلِ حق سے ترا آہ گریزاں ہونا

بہت مرتبہ یہ دیکھا گیا کہ جوکل تک کسی مے خانے کے رند بنے ہوئے تھےاور حرام محبتوں میں اپنے دل کو تباہ کیے ہوئے تھے جب اُن کو کسی شیخِ کامل کی صحبت میسر آئی اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شیخ کامل کی صورت میں اُن پر ظاہر ہوا تو کیونکہ کل تک وہ کانٹا تھا، اُس میں کوئی خیر اور بھلائی کی چمک نظر نہ آتی تھی لیکن اب وہ اچھائیوں اور بھلائیوں کی خوشبو پھوٹنے کا ذریعہ بن گیا۔

افسوس اُن لوگوں پر کہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ اللہ والوں سے دور رہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کا راہبر اور مخلوق کو منزل تک پہنچانے والا شیخِ کامل اُس سے محبت ہوکر منزلِ حق سے قریب ہو جانا بہت ہی آسان اور ممکن ہو جاتا ہے لہٰذا یہ کہنا غلط نہیں کہ جولوگ مشائخ اہلِ حق سے دور رہتے ہیں درحقیقت وہ منزلِ حق سے گریزاں پھرتے ہیں اور دور بھاگے رہتے ہیں ۔جس کو باری تعالیٰ کی مشیت میں اپنی منزل عطا کرنا طے ہو چکا ہوتا ہے اُسے رہبر منزلِ جاناں سے قرب اور محبت عطا کر دی جاتی ہے۔تو پھر وہ منزلِ حق سے بآسانی آشنا ہوکر وصول کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

عاصیوں کا گریہ وبکا جذبِ منزل کی نشانی ہے

جذب منزل ہی کا صدقہ ہے کہ ہر لغزش پر
عاصیوں کا یہ تری راہ میں گریاں ہونا
یہ علامت ہے تجھے ہوگئی نسبت حاصل
ہر نفَس سے یہ تری آہ نمایاں ہونا

حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے میرے اللہ! مجھے یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ کی طرف سے بندہ کو جب جذب کرلیا جاتا ہے اور اپنے بنانے کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے، بالفاظ دیگر اُس کے لیے منزلِ مقصود یعنی قرب ومحبتِ خداوندی طے ہوچکی ہوتی ہے تو پھر اُسے اپنی ہر لغزش پر گریہ وزاری عطا کردی جاتی ہے۔وہ کتنا ہی بڑا گنہگار صحیح لیکن اب اُسے ہر لحہ اپنی خطاؤں پر رونے کی نعمت میسر آجاتی ہےاور وہ یوں کہتا ہوا ہوتا ہے کہ ؎

میرا ہر خطا پہ رونا ہے یہی میری تلافی
تیری رحمتوں کا صدقہ میرا جرم عفو کرنا
اور یہ تیری عطا ہے یارب یہ تیرا جذب ہے پنہاں
میرا نالۂ ندامت تیرے سنگِ در پہ کرنا

اور پھراسی طرح اپنے گناہوں پر رونے کی بدولت اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا جاتا ہے اور بندہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتے ہوتے اتنا اللہ کا مقرب بن جاتا ہے کہ اُسے حق تعالیٰ اپنی نسبتِ خاصہ عطا فرمادیتے ہیں تو پھر اُسے ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہوکر رہنا گوارا نہیں ہوتا بلکہ یا تو گریہ وبکا کی شکل میں یا عظمت ومحبت کے بیان کی صورت میں یا پھر آہ وفغاں کے انداز میں ہر نَفَس وہ اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ پھر اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت تو نہیں دی جاتی کیونکہ وہ انبیاء کا خاصہ ہے لیکن حفاظت عطا کردی جاتی ہے کہ اگر کبھی کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً اُسے تنبہ ہوتا ہے تو وہ تائب ہوجاتا ہے۔ البتہ یہ نسبت مع اللہ اہلِ نسبت سے حاصل ہوتی ہے۔

اور حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے بہت ہی اعتماد کے ساتھ اس کے حصول کے لیے ایک بڑی ہی قیمتی نصیحت فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم مجھے دو کاموں کو پورا کرنے کی ذمہ داری دے دو تو میں تمہیں نسبت مع اللہ حاصل ہونے اور وصول الی اللہ کی ضمانت اور گارنٹی دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ (۱) گناہوں سے حفاظت بالخصوص عورتوں اور اَمردوں سے اختلاط کے گناہ سے مکمل اجتناب (۲) کم بولنا اور خلوت میں دلجمعی اور پوری یکسوئی کے ساتھ رہ کر کچھ ذکر اللہ میں مشغول رہنا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے شریعت کے اندر سے یہ نچوڑ نکالا ہے کہ فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اگر کوئی یہ دو تین کام کرلے تو اُسے نسبت مع اللہ حاصل ہوجائے گی، کیونکہ یہ کام اگرچہ معمولی اور چھوٹے سے ہیں لیکن ان کی اہمیت دینی لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ اگر اتنی اہمیت نہ ہوتی تو حکیم الامت جیسا انسان یہ بات نہ فرماتا۔

نافرمانیوں کے ساتھ ظاہری عیش وعشرت دل کے اندھیرے ہیں

قلبِ عاصی پہ گناہوں کی نحوست یہ ہے
اس کے گلشن کا اندھیروں سے بیاباں ہونا
لے لیا دردِ ترا دونوں جہاں کے بدلے
تھی خبر جس کو ترے درد کا درماں ہونا

لیکن جو گناہوں کی دلدل میں پھنسا رہتا ہے اور اُسے نکلنے کی توفیق نہیں ہوتی تو اُس کو اللہ کی طرف سے یہ سزا دی جاتی ہے کہ اُن گناہوں کی نحوست کے سبب اُس عاصی اور نافرمان کا دل ایسا اندھا کردیا جاتا ہے اور اُس کو

اس قدر اندھیروں میں ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ گلشن میں رہنے کے باوجود حیران و پریشانی کے عالم میں بیابانوں میں رہنے کا ذائقہ چکھتا ہے۔ اور اس طرح اُس کا ظاہری نعمتوں اور راحتوں کا گلشن اندھیروں سے بیابان نظر آنے لگتا ہے نہ اُسے کسی وقت چین وسکون ملتا، نہ اُسے راحت وآرام میسر آتا ہے۔ اُس کے سارے عیش وعشرت اور ظاہری چین وسکون کے اسباب ہونے کے باوجود وہ بے چین رہتا ہے۔ یہی اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اسی لیے کتنے ہی واقعات روزانہ سامنے آتے رہتے ہیں کہ سب کچھ ہوتے ہوئے فساق و فجار اور کفار و مشرکین خودکشی کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، کیونکہ گناہ میں اُن کو چین وسکون میسر نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح بدن جبھی سکون اور راحت محسوس کرتا ہے جب اُسے بدن کی مناسب غذا دی جائے۔ بس بالکل ٹھیک اسی طرح روح کا بھی معاملہ ہے کہ اگر روح کے مناسب صحیح غذا دی جائے تو اُسے قرار وسکون ملتا ہے ورنہ تو وہ بے چین ہو جاتی ہے اور اُس کے بے چینی کے نتیجے میں انسان مکمل طور پر پریشان ہو کر خودکشی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد مل جانے کے بعد مجھے دونوں جہاں سے بڑھ کر نعمت حاصل ہو جائے گی اور وہ مزہ اور بہار دنیا وآخرت میں نصیب ہوگی کہ جس کا بدل کوئی دوسری شے نہیں ہوسکتی تو پھر ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی اس محبت کے درد کو دونوں جہاں لٹا کر حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ ایسا درد ہے جو خود شفا ہے اور یہ ایسا غم ہے جو رشکِ صد خوشی ہے۔ اس لیے جو شخص یہ جانتا ہے کہ میرے سارے مسائل کا حل اللہ تعالیٰ کے درد و محبت حاصل کرنے میں ہے وہ سب کچھ لٹا کر بھی اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

جتنی معرفت ہوگی اتنی خشیت ہوگی

یہ علامت ہے کہ حاصل ہے تجھے صدق و یقیں
خوف محشر سے ترے قلب کا لرزاں ہونا
یہی تو دیتا ہے مہجوریِ منزل کی خبر
یعنی اپنوں سے ترا دست و گریباں ہونا

حضرت والا ان اشعار میں فرماتے ہیں کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزتا اور کانپتا رہتا ہو اور اُس کے دل میں خوف وخشیتِ خداوندی کی لہریں دوڑتی ہوں تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اُسے حقیقت میں صدق و یقین حاصل ہے۔ جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ باوجود بعض صحابہ مبشرین بالجنہ (کہ اُن کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنادی گئی تھی) مگر پھر بھی اُن پر اس قدر خوف غالب رہتا تھا کہ وہ بکثرت رویا کرتے تھے۔ جیسا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی جو مناجات بعض حضرات نے چھاپی ہے اُس میں ان کے اس

خوف کا اندازہ ہوتا ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؂

خُذْ بِلُطْفِکَ یَاالٰهِی مَنْ لَهُ زَاد قَلِیْل
مُفْلِس بِالصِّدْقِ یَأْتِیْ عِنْدَ بَابِکَ یَاجَلِیْلُ
یَاالٰهِی کَیْفَ حَالِیْ لَیْسَ لِیْ خَیْرُ الْعَمَل
سُوْءِ اَعْمَالِیْ کَثِیْرٌ زَادُ طَاعَتِی قَلِیْلُ

اے اللہ! میرے ساتھ اپنے لطف وکرم کا معاملہ کر لینا کیونکہ میرے پاس توشہ بہت ہی کم ہے۔ میری حقیقت یہ ہے کہ اے جلیل! اور عزت وعظم کے مالک اللہ! میں آپ کے دروازے کے اوپر بہت ہی مفلس وناداری کے ساتھ آیا ہوں، بالکل خالی اور مسکین ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اے میرے اللہ! میرا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ اچھے اعمال میرے پاس ہیں نہیں، بُرے اعمال کی کثرت ہے اور میری طاعات کا توشہ بہت ہی کم ہے جبکہ سفر بہت طویل طے کرنا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بیت اللہ پر جا کر بکثرت اس کو پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ باوجود انتہائی درجہ عدل وانصاف پر مبنی خلافت وحکومت چلانے کے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اتنے کانپتے اور لرزتے تھے کہ یہ ارشاد فرمایا: ''میری خلافت وحکومت کے جو ایام ہیں اُن میں مجھ سے جو کچھ ہوا۔ اگر میں اس میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو بس اتنی میری تمنا ہے کہ نہ میں اُن پر پکڑا جاؤں اور نہ مجھے اُن کی وجہ سے کوئی مرتبے اور درجے دیے جائیں تو بھی بہت بڑی بات ہوگی۔''

﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قِیْلَ لِعُمَرَ أَلَا تَسْتَخْلِفُ قَالَ إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنِّیْ أَبُوْ بَکْرٍ وَإِنْ أَتْرُکْ فَقَدْ تَرَکَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَثْنَوْا عَلَیْهِ فَقَالَ رَاغِبٌ رَاهِبٌ وَدِدْتُ أَنِّیْ نَجَوْتُ مِنْهَا کَفَافًا لَا لِیْ وَلَا عَلَیَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَیًّا وَّلَا مَیِّتًا﴾

(صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب الاستخلاف)

جبکہ عدل وانصاف کا یہ عالَم تھا کہ ایک مرتبہ زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر اپنی چھڑی ماری اور کہا کہ ابھی تیرے اوپر انصاف کرنے والا باقی ہے تو کیوں ہلتی ہے؟ اسی وقت زلزلہ رُک گیا۔

اور اس نوع کے بے شمار واقعات ہیں جو مختلف کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ بس یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ جس کو خوفِ محشر دل میں موجود ہوگا اُسی کا قلب لرزاں اور ترساں رہے گا اور یہی اس بات کی نشانی ہے کہ اُس شخص کو واقعی صدق ویقین کی دولت حاصل ہے اور اُس کے قلب میں حقیقت میں ایمان اور تصدیق کا وصف موجود ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں ایسے لوگوں کے لیے دنیا وآخرت میں عزتوں اور عظمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور اُن کو جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت سنائی گئی کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے اور اپنے

حساب وکتاب اور اعمال پر مواخذے سے ڈرتے رہتے ہوں۔اسی لیے ہمارے اسلاف واکابر اللہ تعالیٰ کے خوف کی نعمتِ عظمیٰ سے ہمیشہ مالا مال رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ اپنوں سے یعنی نیک صالح اور متقی لوگوں سے دست وگریبان ہورہا ہے اور اختلاف ونزاع اور جھگڑوں کی راہ اختیار کیے ہوئے ہے تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کو منزل کی خبر نہیں اور اس سے اس کی منزلِ مقصود چھوٹی جارہی ہے۔ ورنہ تقویٰ یہ نہیں سکھاتا کہ اپنوں سے دست وگریبان ہوا جائے۔

ڈاڑھی مؤمن کے مسلمان ہونے کی شناخت ہے

جس کے چہرے پر نہ ہو آہ نبی کی سنت
کیسے معلوم ہو مومن کا مسلماں ہونا

اس شعر میں حضرت والا نے دینِ اسلام کی ایک عظیم الشان سنت کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا کہ جس کے چہرے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی ڈاڑھی نہ ہو تو پھر اُس کا اور غیر مسلم سے کوئی امتیازی وصف باقی نہیں رہتا۔اس لیے کہ ظاہری طور پر مسلمان کا مسلمان ہونا اُس کی اسلامی وضع قطع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ایمان تو دل کے اندر چھپی ہوئی چیز ہے، اگر کوئی کتنا ہی بڑا مؤمن ہونے کا دعویٰ کرے لیکن ظاہری طور پر اس میں انقیاد وفرمانبرداری اور احکام کی اتباع نہ ہو تو پھر اس کا یہ دعویٰ جھوٹ، غلط اور دھوکے پر مبنی ہے۔ دل میں ایمان و یقین کی نعمت اور دولت جبھی تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اُس کے ظاہر پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے اور آپ کا دستورِ حیات جاری ونافذ ہو اور یہی وہ صورت ہے جس سے کسی مؤمن کا مسلمان ہونا معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ **الاسلام ھو الانقیاد ظاھرًا و باطِنًا** اسلام اس کا نام ہے کہ آدمی کا ظاہر وباطن پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب کے اندر چاروں اماموں کے فتاویٰ نقل کیے ہیں جن میں یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی کا رکھنا واجب ہے اور جو اُس کو کٹائے یا منڈائے تو وہ حرام ہے اور اسی بات کو علامہ محمود خطاب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے تمام ائمۃ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔(المنہل،جلد:۱،صفحہ ۱۸۶،فتاویٰ رحیمیہ: جلد ۶،صفحہ ۲۴۵)

جس سے یہ صاف پتہ چل رہا ہے کہ ڈاڑھی کو سنت بولنا باعتبار دین کے ایک طریقے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت ہونے کے ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”**مایقالُ انھا سنۃ فمعناھا طریقۃ مسلوکۃ فی الدین اَوْ اَنّ وجوبھا ثبت بالسنۃ**“ یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ داڑھی سنت

ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلامی طریقہ ہے یا اس کا واجب ہونا سنت سے ثابت ہوا ہے۔ (لمعات شرح مشکوٰۃ)

اور اس کو سنت کہنا اسی طرح ہے جیسا کہ قربانی کو سنت کہا جاتا ہے کہ وہ سنتِ ابراہیم علیہ السلام ہے مگر حقیقت میں وہ واجب ہے۔ ورنہ اصطلاح کے اعتبار سے ڈاڑھی کا رکھنا واجب ہے۔ اور ترکِ واجب حرام ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے اور حرام کام کرنے والا اللہ کا ولی نہیں اور ولایت کی ضد دُشمنی ہے تو وہ اللہ کا دُشمن ہے اور دُشمنوں والی صورت بنانا اہلِ دنیا کی کسی حکومت میں بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تو غور کرنا چاہیے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے مؤمن ہونے کو ظاہر کریں۔

اس لیے اس کی اہمیت کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ کوئی بھی دیکھنے والا اگر ہمیں دیکھے تو فوراً مسلمان سمجھے اور ہماری شناخت اُسے حاصل ہوسکے کیونکہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہونے کے باوجود اپنے فرمانبردار بندوں کی ظاہری کوئی شناخت نہ مقرر فرمائیں جبکہ دنیا کی یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے الگ الگ محکموں کے لیے ایک مخصوص لباس اور وضع قطع مقرر کرتی ہے اور اگر کوئی اُس کے اوپر عمل نہ کرے تو باقاعدہ اس پر اسے سزا دی جاتی ہے۔

عاصی کی پشیمانی پر فلک کی زمیں بوسی

چوم لیتا ہے فلک بڑھ کے زمیں کو اخترؔ
ہو مبارک کسی عاصی کا پشیماں ہونا

حضرت والا آخری شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی عاصی اور نافرمان بندہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر شرمندہ اور پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے تو پھر حق سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور فلک بڑھ کر زمین کو چوم لیتا ہے۔ یعنی ابھی تک تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے بالکل گرا ہوا تھا تو بہ کرتے ہی وہ بندہ فرش پر رہتے ہوئے عرش پر پہنچ جاتا ہے اور اُس کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین میں لکھ دیتے ہیں۔ اس لیے کسی نے ظاہری یا باطنی جتنے بھی گناہ کیے ہوں تو حضرت والا نے نظم کے آخر میں ایسے شخص کے لیے علاج پیش فرمادیا ہے کہ وہ مایوس نہ ہو بلکہ ندامت کے آنسو گرا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے جس کی برکت یہ ہوگی کہ اُس کی توبہ کے آنسو ساتوں آسمانوں کو پار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچ کر اُس کے زمین پر رہنے کے باوجود اُسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرادیں گے۔ جیسا کہ یہی کیفیت اُس شخص کی ہوتی ہے جو حقیقت میں دل کی گہرائیوں سے توبہ کرکے اللہ کے سامنے روتا اور آہ وزاری کرتا ہے۔ اُسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں زمین پر ہوں مگر میں اللہ سے ڈائریکٹ باتیں کررہا ہوں۔

کہاں ملتا ہے فرزانوں میں دردِ عشقِ پنہانی

یہ میری چاک دامانی مری آہ بیابانی
سبب اس کا ہے میرے درد کے دریا میں طغیانی

محبت کے سمندر میں جو آجاتی ہے طغیانی
تو پھر ہر موجِ الفت میں ہوا کرتی ہے جولانی

سمجھنا مت کہ دیوانوں میں ہے کوئی پریشانی
خدا کے عاشقوں میں عشق سے ہے کیفِ لاثانی

نہیں جس آب و گل میں دردِ عشقِ حق کی تابانی
وہ انساں ہے کہاں لیکن فقط ہے خاکِ انسانی

نہ دیکھو عاشقوں کی دوستو بے ساز و سامانی
کہ دل میں عشق کا رکھتے ہیں اپنے ملک لاثانی

لیے بیٹھے ہیں اپنے درد دل کا باغِ پنہانی
یہ سلطاں ہیں مگر اے دوستو بے تاج سلطانی

مری اک آہ سے ظاہر ہیں سب اَسرار پنہانی
مگر ہے دردِ دل کی دوستو تمہید طولانی

اگر مرتے نہ ان فانی بتوں کے حسن فانی پر
تو اپنی زندگی پر تم نہ کہتے وائے نادانی

جو دیوانوں میں ہے اخترؔ محبت کی فراوانی
کہاں ملتا ہے فرزانوں میں دردِ عشق پنہانی

مشکل الفاظ کے معنیٰ۔ **جولانی**: مستی اور مزا۔ **کیفِ لاثانی**: بے مثال مزا۔ **ملکِ لاثانی**: بے مثال سلطنت۔ **اسرارِ پنہانی**: چھپے ہوئے راز۔ **تمہید طوانی**: لمبی تفصیل۔ **محبت کی فراوانی**: اللہ تعالیٰ کی محبت کا زیادہ ہونا۔ **فرزانوں**: عقلمندوں۔

اللہ والوں کے قلوب میں ایک گلشن سجا ہوتا ہے

یعنی بظاہر کسی اللہ والے کی خستہ حالی اور بے سروسامانی کو دیکھ کر اُس سے بدظن اور بدگمان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ درحقیقت جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت پورے جوش وخروش کے ساتھ کسی اللہ والے کے دل میں موجزن ہوتی ہے اور دریائے محبتِ خداوندی میں طغیانی آتی ہے تو پھر وہ اُسے ظاہری بے سروسامانی اور زیبائش وآرائش کی چیزوں سے لاپروا کر دیتی ہے اور خلوت ویکسوئی کے مقامات جیسے کہ سمندروں اور دریاؤں کے کنارے اور پہاڑوں کے دامن میں جا کر اپنے اللہ کی یاد میں آہ وفغاں کرنے پر مجبور کرتی ہے اُس کا دنیا کے نقشوں اور محفلوں میں دل نہیں لگتا بلکہ اُس کے اندر کی طبیعت اُسے ہر وقت اپنے مولا کی یاد میں مگن رکھتی ہے۔ اور وہی اندر میں لگی ہوئی اللہ کی محبت کی آگ اُسے گاہ بہ گاہ آہ وفغاں پر مجبور کرتی ہے۔ اور جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سمندر میں طغیانی آتی ہے تو پھر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل اللہ کی زبان سے جو علوم اور معارف کے خزانے نکلتے ہیں اُس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سمندر میں آئی ہوئی طغیانی کا اثر ہے۔ اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اِس طغیانی کے نتیجے میں موجِ اُلفت میں جولانی کا سا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ احقر اس مضمون کو کئی جگہ ذکر کر چکا ہے کہ اصل علوم ومعارف کا عطا ہونا فیاضِ حقیقی یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی صفتِ علیم کا عکس اور پرتو اور اس کا اثر ہے لہٰذا جس کو اُس ذاتِ خداوندی کے ساتھ قرب ومحبت کی دولت نصیب ہوگئی تو پھر اُس کے سمندر کی موجوں میں طغیانی اور جولانی کا منظر صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔

اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کو دیکھ کر اُن کی ظاہری حالت سے بے التفاتی اور لاپرواہی کو اُن میں پائی جانے والی کسی طرح کی ظاہری وباطنی پریشانی کا اثر قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ لوگ وہی ہیں جو عشقِ خداوندی سے بے خبر اور ناآشنا ہیں ورنہ جس کیف وسرور میں اللہ والے ہر وقت رہتے ہیں اُس کی کسی اور کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ عشاقِ مولا اپنے عشقِ حقیقی سے ایک عجب کیفِ لاثانی میں رہتے ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ سارے کیف وسرور کا خالق ومالک اللہ اُن کے دل میں موجود رہتا ہے۔ اُن کے بارے میں پریشانی کا گمان کرنا اُن کے حال سے بے خبری اور ناآشنائی کی دلیل ہے۔

خاکِ انسانی میں دردِ عشقِ حق کی تابانی

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے آب وگل میں دردِ عشقِ حق کی تابانی نہ ہو اور اُسے اپنے مولا کی محبت سے رابطہ اور تعلق نہ ہو، گو کہ ظاہری انسان کی شکل وصورت وہ بھی رکھتا ہے لیکن قرآن کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں وہ انسان، انسان کہلانے کے قابل نہیں، بلکہ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ جو حق تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے انہیں جانوروں کے برابر بھی نہیں قرار دینا چاہیے بلکہ وہ اُن سے بھی

گئے گزرے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ زندہ رہتے ہوئے زندہ کہلانے کے قابل نہیں اور اُن کی زندگی حقیقت میں زندگی نہیں ہے۔ اس لیے خاکِ انسانی کے ڈھانچے کو اگرچہ اہلِ دنیا انسان کہتے ہوں لیکن انسان کے مقصدِ حیات پر اُس خاکی ڈھانچے کے نہ لگنے کی وجہ سے اُسے انسان کہنا حقیقت کی نگاہ میں درست اور صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ شخص بندوق کو لاٹھی کی جگہ استعمال کرے اور بندوق اپنے مقصد اور غرض و غایت میں استعمال نہ ہو تو پھر کوئی کہنے والا اگر یہ کہہ دے کہ یہ بندوق نہیں بلکہ لاٹھی ہے تو اُس کا یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔

اُس کے بعد حضرت والا نے اخیر تک قدرِ مشترک انہی مضامین کو ذکر فرمایا ہے جو کہ گزری ہوئی کئی نظموں کے درمیان متعدد مرتبہ آچکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاقِ خداوندی ظاہری ساز و سامانی رکھتے ہوئے اپنے دل میں عشق کا ملکِ لاثانی رکھتے ہیں۔ اور اپنے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایسا باغِ پنہانی رکھتے ہیں کہ جس کی برکت سے اِن اہل اللہ کو بے تاجِ سلطانی سلطانیت نصیب ہوجاتی ہے۔ جب یہ ایک آہ بھرتے ہیں تو اُس دردِ محبت کی ترجمانی کے لیے سمجھدار لوگوں کے واسطے وہ ایک آہ کافی ہے، مگر پھر بھی بسا اوقات وہ آہ و فغاں بہت سے طویل مضامین کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو لوگ عشقِ مولا سے نہ جڑ کر عشقِ لیلیٰ کے چکروں میں پھنس جاتے ہیں اور فانی بتوں کے حسنِ فانی پر مرتے ہیں تو وہ اپنی زندگی میں وائے نادانی کا افسوس بھرا جملہ کہتے رہتے ہیں۔ لیکن الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے دیوانوں میں محبتِ خداوندی کی جو فراوانی ہوا کرتی ہے جو فرزانے اور عقلمند کہلانے والے ہیں اُن میں نہ وہ فراوانی ہوتی اور نہ ہی دردِ عشقِ پنہانی اُسے حاصل ہوتی ہے۔

علاجِ ذوقِ حسن

نہیں علاج کوئی ذوقِ حسن بینی کا
مگر یہی کہ بچا آنکھ بیٹھ گوشے میں
اگر ضرور نکلنا ہو تجھ کو سوئے چمن
تو اہتمام حفاظت نظر ہو توشے میں

ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہوئے

جو دل کو نورِ حق سے ہے تاباں کیے ہوئے
ہر بزم کو ہے اپنی درخشاں کیے ہوئے

میں جی رہا ہوں اشک ندامت کے فیض سے
ہر لحہ ان کو اپنا نگہبان کیے ہوئے

یا رب ہے تیرا ذکر عجب کیمیا اثر
صحرا کو بھی ہے میرے گلستاں کی ہوئے

دونوں جہاں کا کیف سموتا ہے روح میں
جیتا ہے آپ کو جو مہرباں کیے ہوئے

ہر لحۂ حیات ہوا رشک صد حیات
اس خالقِ حیات پہ قرباں کیے ہوئے

ہر خون آرزو کا صلہ دل کو جب ملا
عالم کو ہے وہ مظہر جاناں کیے ہوئے

کرتا نہیں جو اپنی حفاظت گناہ سے
گلشن کو بھی ہے آہ بیاباں کیے ہوئے

کیسے سمجھ لوں پاگیا وہ جامِ معرفت
رکھتا ہے جو بھی خود کو نمایاں کیے ہوئے

رکھتا ہے مجھ کو مست خزانہ یہ قلب کا
ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہوئے

حالت بدل گئی ہے یہ مرشد کے فیض سے
ورنہ تھے رند زندگی ویراں کیے ہوئے

ہوتا ہے طے یہ راستہ مالک کے جذب سے
کرتے مگر ہیں جذب کو پنہاں کیے ہوئے

اخترؔ کو کیا ہوا ہے کہ عالم میں ہر طرف
پھرتا ہے اپنا چاک گریباں کیے ہوئے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **تاباں**: چمکاتے ہوئے۔**بزم**:محفل۔**درخشاں**: چمکائے ہوئے۔**نگھبان**: رکھوالا۔ **کیمیا**: مٹی کوسونا بنانے کا عمل۔**حیات**: زندگی۔**عالَم**: دنیا۔**مظھر**: اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے کی جگہ۔**جامِ معرفت**: اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب۔**ارماں**: حرام ارمان مراد ہیں۔**جذب**: اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا۔

عارف کی بزم ہمیشہ درخشاں ہوتی ہے

جو دل کو نورِ حق سے ہے تاباں کیے ہوئے
ہر بزم کو ہے اپنی درخشاں کیے ہوئے

اللہ تبارک وتعالیٰ جن لوگوں کو اپنی محبت کا خاص نور دل میں عطا فرماتے ہیں اور اُن کے قلوب کو روشن اور مزکّٰی ومجلّٰی فرمادیتے ہیں تو پھر یہ نور اور روشنی ایسی ہوتی ہے کہ جو بظاہر اندر چھپی ہوئی ہے لیکن حقیقت میں اپنے آس پاس میں بیٹھنے والوں کو روشن کرڈالتی ہے اور یہ جہاں بھی جاتا ہے اور جس بزم میں شریک ہوتا ہے تو اُس کو درخشاں کیے ہوئے رہتا ہے۔اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اور جملے اہلِ بزم کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کے انوار وتجلیات سے منور اور روشن کردیتے ہیں اور یہ محض الفاظ کی ہیر پھیر نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی دینی وایمانی سچی حقیقت ہے کہ اہل اللہ کے پاس بیٹھ کر اچھے پریشان اور بے چین لوگ اپنے قلب میں سکون کی لہریں محسوس کرتے ہیں اور غفلت ومعصیت کی ظلمتوں سے بھرے ہوئے دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کی طرف مائل نظر آنے لگتے ہیں۔یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل اللہ کے قلوب کے انوار وتجلیات سے اِن کے دلوں پر روشنی کی کرنیں پڑی ہیں اور وہ بھی چمکنے لگے ہیں۔

گناہوں پر ندامت اور ذکر اللہ کی برکت

میں جی رہا ہوں اشکِ ندامت کے فیض سے
ہر لمحہ ان کو اپنا نگہبان کیے ہوئے
یا رب ہے تیرا ذکر عجب کیمیا اثر
صحرا کو بھی ہے میرے گلستاں کیے ہوئے
دونوں جہاں کا کیف سموتا ہے روح میں
جیتا ہے آپ کو جو مہرباں کیے ہوئے

اور جو شخص اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس طرح گزارتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے اشکِ ندامت بہاتا رہتا ہے اور سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے کیے ہوئے کو کم سمجھ کر اُس پر نادم اور شرمندہ رہتا ہے۔اُس کے فیض سے اللہ

تبارک وتعالیٰ اسے ترقی عطا فرماتے رہتے ہیں اور ہر لمحہ اس کو حیاتِ نو عطا فرماتے ہیں اور کبر و عجب اور دوسرے بہت سے رذائل سے محفوظ فرما دیتے ہیں۔ اس لیے اشکِ ندامت اللہ والوں کا خاص تحفہ ہے۔ یہاں تک کہ احقر نے بعض مقام پر یہ بات عرض کی کہ یہ تحفہ ملائکہ اور اللہ کے فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔

گناہوں اور غفلتوں پر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ ساتھ ہر سالک کو یہ معمول بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اپنے کو مشغول رکھے کیونکہ ذکر اللہ ایسی قیمتی نعمت ہے اور ذکر اللہ ایسا عجب کیمیا اثر ہے کہ جس کی تاثیر سے صحراء بھی رشکِ گلستاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلوں و بیاباں میں بیٹھ کر جب کچھ اللہ کے عاشق اُسے یاد کرتے ہیں تو انہیں ایسا لطف حیات عطا ہوتا ہے کہ جو دنیا کے بنگلوں عالیشان محلات میں بھی اہلِ دنیا کو میسر نہیں آتا۔

اور جب انسان اشکِ ندامت بھی بہا رہا ہو اور ذکر اللہ پر بھی پابندی کیے ہوئے ہو تو پھر اُسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص مہربانیاں حاصل ہوتی ہیں جس کا ایک اثر اس دنیا میں اُسے یہ نظر آتا ہے کہ اُس کے قلب و جان میں دونوں جہاں کی لذتوں اور نعمتوں کا کیف سما جاتا ہے۔ اُس کی روح کو لذتِ بے مثال عطا کر دی جاتی ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ اُسے ایسی زندگی ملتی ہے جو رشکِ صد حیات ہو جاتی ہے، مگر شرط یہی ہے کہ ہر لمحۂ حیات اللہ تعالیٰ پر ہی قربان ہو اور اُسی کی رضا کے مطابق گزر رہا ہو۔ اور اگر سامنے گناہ کا کیسا ہی شدید تقاضا آجائے اور حرام آرزوئیں پورا کرنے کا دل میں شدید داعیہ پیدا ہو اور نفس کی بہت زیادہ چاہت اور میلان ہو لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو غالب رکھتے ہوئے سب آرزوؤں کا خون کر دیتا ہے تو پھر اُسے اللہ کی طرف سے اُس کا ایسا انعام ملتا ہے کہ سارا عالَم اور کائنات کے بسنے والے انسان اُس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبق سیکھتے ہیں اور وہ اُن کے لیے مظہرِ جاناں بن جاتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت وعظمت سیکھنے کے لیے ساری دنیا اُس کی طرف مائل نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ اُسے یہ مقام نصیب ہوتا ہے جو خواجہ صاحب نے اپنے اس شعر میں ذکر کیا ہے۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کردیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کردیا

کرتا نہیں جو اپنی حفاظت گناہ سے
گلشن کو بھی ہے آہ بیاباں کیے ہوئے

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو گناہوں سے نہ بچائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مبتلا رہے تو اُسے گلشن میں ہوتے ہوئے بیاباں کی تلخیاں اور کڑواہٹیں چکھنی پڑتی ہیں اور اُسے کسی کا چین وسکون میسر نہیں آتا۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ آہ جو شخص اپنے کو گناہ سے نہ بچائے وہ گلشن کو بھی بیاباں کیے ہوئے ہے۔

عارف خزانۂ قلب میں مست ہے اسے لوگوں میں نمایاں ہونے کا خیال کیا؟

کیسے سمجھ لوں پا گیا وہ جامِ معرفت
رکھتا ہے جو بھی خود کو نمایاں کیے ہوئے
رکھتا ہے مجھ کو مست خزانہ یہ قلب کا
ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہوئے

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت حاصل ہونے کی ایک اہم ترین نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہ میں نمایاں کرنے کی فکر میں نہ رہے۔ پس جو شخص اپنا مقام و مرتبہ اور جاہ و منصب اور نام و نمود لوگوں کی نگاہوں میں ڈھونڈ رہا ہو اور اپنے اقوال و افعال سے اس کا متلاشی ہو تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا عابد و زاہد ہو لیکن یہ ایک سچی حقیقت ہے جس کو حضرت والا اس شعر میں پیش کر رہے ہیں کہ اس کی یہ حالت اس بات کی نشانی ہے اُسے جامِ معرفت نصیب نہیں ہوا۔ ورنہ اگر وہ اللہ کو پہچان جاتا اور اُس کی عظمت و محبت اُس کے دل میں رچی بسی ہوتی تو پھر وہ خود کو نمایاں کرنے کی فکر میں کبھی نہ رہتا۔

اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کا خزانہ مل جاتا ہے تو وہ پھر سارے عالم سے مست اور بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خزانۂ معرفت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ اتنی عظیم دولت اور نعمت ہے کہ عارف کا قلب کسی غیر کی سوچ اور اُس کے تصور سے بھی بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں ایسے خزانے عطا فرما دیے جاتے ہیں اگر وہ اُن کو بیان کرنے پر آ جائے تو الفاظ اور لغات اُن کو تعبیر کرنے سے قاصر آ جاتی ہیں۔ اسی لیے اس کے خاص ارمان اُس کے دل میں رہتے ہیں جس کی جھلک آنکھوں کے آنسو اور زبان کی آہ و فغاں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے اور کبھی کبھی تقریر و بیان میں بھی نظر آتی ہے۔

حالت بدل گئی ہے یہ مرشد کے فیض سے
ورنہ تھے رند زندگی ویراں کیے ہوئے
ہوتا ہے طے یہ راستہ مالک کے جذب سے
کرتے مگر ہیں جذب کو پنہاں کیے ہوئے
اخترؔ کو کیا ہوا ہے عالم میں ہر طرف
پھرتا ہے اپنا چاک گریباں کیے ہوئے

اخیر میں حضرت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرشدِ کامل کے فیض سے ہی بہت سے رند اور شراب و کباب کے دیوانے اپنی زندگیاں بدل کر نعمتِ حیاتِ حقیقی سے مالا مال ہو گئے۔ ورنہ جو اِس سے محروم رہے تو اُن کی زندگیاں

ویران اور تباہ ہوگئیں۔ مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کے جذب سے ہوتا ہے اور اس راستے کا طے ہونا حق تعالیٰ کے جذب سے بہت ہی آسان ہوجاتا ہے لیکن یہ جذب کوئی کھلی ہوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاسکے بلکہ اُس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ ایک بڑے سے بڑے گنہگار ظالم اور پاپی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھے گناہ چھوڑنے چاہیے اور پھر وہ کسی مرشد و مصلح کی تلاش میں چلتا ہے۔ پھر اُس کے پاس جا کر تائب ہوکر راستے کو طے کرنا شروع کرتا ہے جس کو کئی لوگ اتفاق سے تعبیر کیا کرتے ہیں، مگر یہ تعبیر بالکل غلط ہے۔ درحقیقت یہ سب کارروائی حق سبحانہ وتعالیٰ کے جذبِ پنہاں کا اثر ہے کہ اُس کو اللہ نے اس طرح سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور کسی شیخِ کامل اور مرشد و مصلح سے جوڑ دیا جانا یہ بھی اُسی جذبِ پنہاں کے آثار میں سے ہے۔

بالکل اخیر میں حضرت والا دامت برکاتہم اپنے متعلق یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ توفیقِ الٰہی فضلِ الٰہی سے اور میرے مرشد کے فیض سے اختر کی بھی یہ حالت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے ظاہر سے بالکل بے پرواہ ہوکر اللہ تعالیٰ کی محبت میں چاروں طرف اطرافِ عالم میں چاک گریباں پھر رہا ہے۔ اپنی دنیا بنانے کی جو سوچ اور فکر تھی اب وہ سب کنارے لگ گئی ہے۔ جدھر بھی جارہا ہے اُدھر صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کے گیت گانا ہی اپنی عادت بنائے ہوئے ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟ تو درحقیقت اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اختر کو بھی مالک کے جذبِ پنہاں نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے ورنہ یہ زندگی ویرانی اور تباہی کا شکار تھی۔ اور اب دل کی ساری آرزوئیں اور تمنائیں نامعلوم کہاں رخصت ہوچکی ہیں۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یّشآء.

کشتی بھنور میں جب پھنسے نعرہ لگائے یا خدا

دریا میں دوستو اگر ماہرِ فن ہو نا خدا
کشتی بھنور میں جب پھنسے نعرہ لگائے یا خدا

عشقِ بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو انتہا غلط کیسے صحیح ہو ابتدا

ڈفانی ہے حسن گو مگر اس کا نشہ ہے سخت تر
ان کی طرف نظر سے بھی مجھ کو بچالے اے خدا

فتنۂ حسن کا خطر یکساں ہے اس میں ہر بشر
ہر اک پہ اس کا ہے اثر سلطان ہو یا کہ ہو گدا

اختر یہ ناخدا بھی جب طوفاں میں پھنس گیا کبھی
کثرتِ یا خدا سے وہ کیسا ہوا ہے با خدا

سُلطان: بادشاہ۔ گدا: فقیر۔

جس کشتی کا ناخدا خود خدا ہوتو اسے کوئی ڈر نہیں

دریا میں دوستو اگر ماہر فن ہو ناخدا
کشتی بھنور میں جب پھنسے نعرہ لگائے یاخدا

وہ اللہ والا انسان کہ جو اللہ کے عشق ومحبت کی راہ سے گزرا ہوا ہوتو اسے بخوبی یہ پتہ ہوتا ہے کہ اس راہ میں شیطان کب اور کہاں اور کیسے انسان کو بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے تو جب بھی وہ اس کشتیٔ محبت کو لے کر چلتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ میری کشتی مخالف ہواؤں سے اٹھنے والے سمندری طوفان کے بھنور میں پھنس چکی ہے اور مجھے ہر طرف سے موجوں نے گھیر لیا ہے کہ اپنوں کی طرف سے بھی حالات آرہے ہیں اور غیروں کی طرف سے بھی اندورنی طور پر بھی مخالفتیں ہورہی ہیں اور باہر بھی طعن وتشنیع کی باتیں سننی پڑرہی ہیں اسی طرح فحش وبے حیائی اور عریانیت کی ہوائیں چاروں طرف سے چل کر میری کشتیٔ محبتِ خداوندی کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کشتی کا محافظ صرف اللہ ہی ہے لہٰذا وہ ایسے موقع پر ''یاخدا یاخدا'' پکارتا ہے اور اپنی کشتی کو بچا کر لے جاتا ہے نہ اس کے قدم ڈگمگاتے ہیں اور نہ وہ ان مخالف ہواؤں سے اٹھنے والے طوفان سے گھبراتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باسلامت اپنے ساحل پر پہنچ جاتا ہے۔

اس لیے اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ چلنا شروع کرے تو اسے چاہیے کہ ایسے شخص کی کشتی میں سوار ہو کہ جس کشتی کا ناخدا اپنے فن میں خوب مہارت رکھتا ہو اور خود اس کا تعلق اور رابطہ حق تعالیٰ سے انتہائی قوی ہو۔

حسنِ مجازی کا نشہ اور اس کا علاج

عشق بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو انتہا غلط کیسے صحیح ہو ابتدا
ڈفانی ہے حسن گو مگر اس کا نشہ ہے سخت تر
ان کی طرف نظر سے بھی مجھ کو بچالے اے خدا

اس کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم حسن پرستی کی ابتداء وانتہا کے غلط ہونے پر اپنے خاص انداز سے توجہ دلا رہے ہیں کہ جب ان مجازی محبتوں اور عشق بازیوں کا انجام زنا کاری یا اغلام بازی پر ہے جو کہ حق تعالیٰ کی نگاہ میں انتہا درجے کی بے حیائی اور لعنت وعذاب کا سبب ہے تو پھر اس کی ابتدا اور نظر بازی کر کے دوستیاں بڑھانا اور آپس میں ملنا جلنا ساتھ گھومنا پھرنا، کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا جو اس انجام کے ابتدائی مراحل

ہیں کیسے جائز اور صحیح ہو سکتے ہیں اس لیے کہ جس کی انتہا غلط ہوتی ہے تو اس انتہا تک پہنچانے والے ابتدائی اعمال بھی ذریعہ اور سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوا کرتے ہیں یہ اسلام کا ایسا اصول ہے جو بہت سارے مسائل کے متفرع ہونے کی بنیاد ہے۔

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ حسن فانی تو ہے لیکن ایک انسان کے لیے دنیا میں اس کا نشہ بہت ہی سخت ہے اور کیوں نہ ہو؟ کہ آخر جوانی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنون کا ایک شعبہ قرار دیا ہے اور فرمایا: ''الشباب شعبة من الجنون'' کہ جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے یعنی ایک طرح سے آدمی جوانی میں پاگل ہو جاتا ہے اس کی خواہش نفسانی بھی شباب پر ہوتی ہے اور پھر اس کا نشہ سخت کیوں نہ ہو؟ کہ شیطان نے انسان کی گمراہی کے لیے اور اس کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے اسی عورتوں کے حسن کو اپنے لیے سب سے بڑا جال قرار دیا اور ڈھیل دئے جانے کے موقع پر اس کی درخواست اور چاہت کے مطابق حق تعالیٰ کی طرف سے اسے بطور استدراج کے عورتوں کا ہی جال ابن آدم کو بہکانے کے لیے عطا ہوا جب کہ اس کے سامنے دوسری چیزیں پیش کی گئی تو وہ ان پر راضی نہ تھا۔ مگر حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تم کو اس سخت تر نشے سے بچنے کا آسان راستہ بتا تا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہیں نظر بچانے کی ہمت دے دے، بس جب نظر بچ جائے گی تو پھر ان سے بچنا بالکل آسان ہو جائے گا اس لیے کہ نظر ہی کے راستے سے شیطان کا تیر دل میں گھستا ہے اور وہ بھی ایسا تیر ہوتا ہے جو زہر آلود ہے تو پھر انسان کا شکار نہ ہونا کیسے ممکن ہو سکتا ہے، اس لیے اس سے پہلے پہلے نظر بچنے کی صورت میں با آسانی اس سخت تر نشے سے حفاظت حاصل ہو سکتی ہے، بس اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر ڈالنے سے بھی محفوظ فرمالے۔

نشۂ عشق مجازی اور بہادروں کی شکست

فتنہ حسن کا خطر یکساں ہے اس میں ہر بشر
ہر اک پہ اس کا ہے اثر سلطاں ہو یا کہ ہو گدا

حضرت والا عجیب وغریب بات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حسن پرستی کا خطرہ ایسا عجیب وغریب ہے کہ اس میں ہر شخص برابر ہے، امیر ہو کہ فقیر، بادشاہ ہو کہ وزیر، عالم ہو کہ جاہل، سلطان ہو کہ گدا، حسن کا فتنہ اتنا خطرناک ہے جو ہر ایک کے لیے جادو اثر رکھتا ہے، حتی کے ایسے بڑے بڑے بہادر جو کسی میدان میں بھی کسی سے شکست نہیں کھاتے اور ان کی تاریخ میں آج تک شکست کھانا اور پچھڑ جانا نہیں ہے لیکن عورت کے عشق کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ وہ بھی ایک نظر پڑتے ہی ایسے شکار ہو جاتے ہیں کہ ان کی ساری بہادری دھری کی دھری رہ جاتی ہے جیسا کہ دیوان متنبّی کا ایک شعر اس مقام کے مناسب ہے۔

یَسْتَأْسِرُ الْبَطَلَ الْکَمِیَّ بِنَظْرَةٍ
وَیَحُوْلُ بَیْنَ فُؤَادِہٖ وَعُزَائِہٖ

یعنی ایک نظر پڑتے ہی بڑا طاقتور، مضبوط، مسلح بہادر انسان بھی اُس کا قیدی ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے صبر اور دل کے درمیان اُس کی وہ محبت اور عشق ایسا حائل ہوتا ہے کہ اگر صبر دل تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ اُسے پہنچنے نہیں دیتا بلکہ بیچ میں محبوب کی محبت کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے ہزاروں لاکھوں ملامتیں بھی کی جائیں تو وہ بھی سب بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اخترؔ یہ ناخدا بھی جب طوفاں میں پھنس گیا کبھی
کثرت یا خدا سے وہ کیسا ہوا ہے باخدا

اس شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مشکل کا علاج یہ ہے کسی بھی طوفان میں پھنس جاؤ اور کیسے ہی ناموافق حالات سامنے آجائیں اور حالات کے کتنے ہی سنگین موڑ پر پہنچ جاؤ کہ ہر طرف سے ناسازگار حالات کے طوفان میں گھر گئے ہو لیکن پھر بھی جب تم اپنے اللہ کو پکارتے رہو گے اور اسی کی طرف متوجہ رہو گے ہر قدم پر یا خدا یا خدا کا نعرہ زبان پر ہوگا تو اس کی برکت سے ہر قسم کے طوفان سے نکل کر تمہاری کشتی ساحل پر لگ جائے گی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی نسبتِ خاصہ اور خصوصی تعلق پا کر تم باخدا بن جاؤ گے اور اپنا مقصد پالو گے، بس بنیادی بات یہی ہے کہ اپنے اللہ کی یاد سے بالکل غافل نہ رہے اور کسی بھی موڑ پر اسے نہ بھولے تو ساری مشکلات آسانی میں بدل جاتی ہیں اور ہر غم خوشی کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے ورنہ بصورتِ دیگر طوفانوں میں پھنس کر تباہی و بربادی ہی مقدر ہوا کرتی ہے۔

چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

خالق شمس و قمر جس دل میں بھی آجائے ہے
اس کے نورِ قلب سے شمس و قمر شرمائے ہے

اس کے جلووں کی تجلی دل میں جب لہرائے ہے
سارے عالم کا تماشا بے قدر ہو جائے ہے

خالق حسن بتاں سے پردہ جب اٹھ جائے ہے
گرمی حسن بتاں سب سرد کیوں ہوجائے ہے

دل میں یادِ حق کی گرمی دل کو جب گرمائے ہے
یاد ہر لیلائے فانی سر بھر ہوجائے ہے

آہ جب دنیا سے کوئی آخرت کو جائے ہے
بس اکیلا جائے ہے اور سب دھرا رہ جائے ہے

لا الٰہ ہے مقدم کلمہ توحید میں
غیرحق جب جائے ہے تب دل میں حق آجائے ہے

سارے عالم میں یہی اختر کی ہے آہ و فغاں
چند دن خون تمنا سے خدا مل جائے ہے

مُقدّم: پہلے۔**غیرِ حق:** حرام آرزؤں کا خون۔

نورِ قلبِ عارف سے شمس وقمر کا شرمانا

خالق شمس و قمر جس دل میں بھی آجائے ہے
اس کے نورِ قلب سے شمس و قمر شرمائے ہے
اس کے جلووں کی تجلی دل میں جب لہرائے ہے
سارے عالم کا تماشا بے قدر ہو جائے ہے

جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندے کے دل میں خود آجاتے ہیں اور شمس وقمر کا خالق دل میں تجلی فرما ہوتا ہے تو پھر اس سورج و چاند کی روشنی بھی اس شخص کے نورِ قلب سے شرمانے لگتی ہے کیونکہ اس کے دل میں خود خالق شمس وقمر جلوہ فرما ہے تو بھلا وہ اللہ جو ایسے ایسے ہزاروں اور لاکھوں چاند وسورج کو روشنی عطا کردے اور دنیا کی

کروڑوں اور اربوں کھربوں، حسیناؤں کو خوبصورتی اور حسن کی دولت عطا فرمادے تو پھر اس کے دل میں آ جانے کے بعد آدمی کی نگاہ میں شمس وقمر کی کیا حیثیت رہ سکتی ہے اور کسی غیر کے حسن کی طرف اسے کیسے التفات باقی رہ سکتا ہے یا اس کی کوئی وقعت وحیثیت اس کی نگاہ میں کیسے برقرار رہ سکتی ہے اس لیے کے اللہ تعالیٰ کے دل میں آ جانے کے بعد اسے سب کچھ حاصل ہو چکا ہوتا ہے بس شرط یہی ہے کہ اللہ اس طرح دل میں آ جائے کہ مکمل طور پر سارا غیر اللہ دل سے نکل گیا ہو۔

جب اللہ تعالیٰ اس طرح اپنی تجلیات کے ساتھ دل میں آ جاتے ہیں اور اس کی تجلی دل کے ہر کونے میں لہرانے لگتی ہے تو پھر سارے عالم کا تماشا اس اللہ والے کی نگاہ میں بے قدر ہو کر رہ جاتا ہے نہ اس پر مال ودولت کے نشے اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ حسن پرستی اور عشق بازی کے میدانوں میں اسے ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں کیونکہ سب حسین وحسیناؤں کا حسن اس کی نگاہ سے گر چکا ہوتا ہے، نہ ہی وہ دنیا کی لذت اور عیش وعشرت کی خاطر دوڑتا اور پریشان پھرتا ہے، کیونکہ سارے عالم کے حسن وجمال اور لذت وفرحت کا خالق خود اس کے دل میں موجود ہے لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا کہ اس خالق کے ہوتے ہوئے مخلوق کی طرف نظر جائے۔

بس بات یہی ہے کہ واقعی معنیٰ میں خالق حسن بتاں اور لذات دو جہاں سے پردہ اٹھ جائے اور اس کے جلووں کی تجلی دل میں لہرانے لگے تو پھر گرمی حسن بتاں ومعشوقاں سب سرد پڑتی نظر آئے گی اور سارا کھیل ٹھنڈا ہو جائے گا یوں تو سارے عالم ہی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی لیکن حسن بتاں کا تذکرہ اس لیے ہے کہ یہ دل کو لگ جانے کے بعد چھٹنا سب سے مشکل ہوتا ہے۔

اَمرد سے بچنے کی اہمیت

خالق حسن بتاں سے پردہ جب اٹھ جائے ہے
گرمی حسن بتاں سب سرد کیوں ہوجائے ہے
دل میں یادِ حق کی گرمی دل کو جب گرمائے ہے
یاد ہر لیلائے فانی سر پھر ہوجائے ہے

اور اس حسن بتاں میں خواہ کسی لڑکی کا حسن ہو یا لڑکے کا ہو بلکہ بعض وجوہ سے یہ زیادہ اشد ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے حسین لڑکے کو احکام میں لڑکی ہی کی طرح قرار دیا ہے۔

تلبیسِ ابلیس کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ اگر کسی عالم کے پاس پھاڑ کھانے والا کوئی درندہ چھوڑ دیا جائے تو میں اس سے زیادہ خطرناک یہ سمجھتا ہوں کہ اُس کے پاس کسی اَمرد کو چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح حضرت عبدالعزیز ابن ابی السائب نے اپنے ابا ابوالسائب سے ایک مقام پر یہ بات نقل فرمائی کہ ستر

کنواری لڑکیاں تنہائی میں ہونے سے زیادہ خطرناک کسی اَمرد کا تنہائی میں ہونا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پھاڑ کھانے والا درندہ انسان کے جسم کو کھائے گا اور معاملہ دنیا ہی میں ختم ہو جائے گا جبکہ اُس اَمرد کی محبت میں پھنس کر ایمان کی تباہی اور بربادی ہے جس کا انجام قیامت تک اور آبدالآباد تک تباہی و بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا۔ رہ گیا کنواری لڑکیوں اور لڑکوں کا معاملہ تو چونکہ لڑکیوں سے بالآخر جواز کی ایک صورت اسلام میں نکاح کی شکل کی رکھی ہے اور لڑکوں سے یہ ممکن نہیں ہے، اس لیے اس کا اشد ہونا اس پہلو سے ہے۔ لہٰذا جب خالقِ حسنِ بتاں سے پورے طور پر پردہ اُٹھے گا تو یقیناً گرمیٔ حسنِ بتاں سرد ہو جائے گی۔ اور ہر لیلائے فانی کی یاد دل میں مولا کی یاد کی گرمی آنے کے بعد سرد پڑتی نظر آئے گی۔

حسنِ مجازی سے بچنے کے لیے ایک مراقبہ

آہ جب دنیا سے کوئی آخرت کو جائے ہے
بس اکیلا جائے ہے اور سب دھرا رہ جائے ہے
لاالٰہ ہے مقدم کلمۂ توحید میں
غیرِ حق جب جائے ہے تب دل میں حق آ جائے ہے

اس کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم ایسے لوگوں کے لیے جو حسنِ بتاں کے چکروں میں پڑے ہوئے ہوں ایک خاص علاج تجویز فرما رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ایسے لوگوں کو یہ مراقبہ کرنا چاہیے کہ جب ہم دنیا سے جائیں گے تو ہمارے ساتھ کوئی حسین اور حسینہ جانے والی نہیں بلکہ تنِ تنہا دنیا سے سفر کرنا ہے۔ تو اس کی برکت سے دل میں گندے عشق و محبت کی وجہ سے لگنے والا زنگ اور غفلت کے دبیز پردے سب صاف ہوتے نظر آئیں گے۔ جیسا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ''ان ھٰذہ القُلُوْبَ تَصْدَءُ کَمَا یَصْدَأُ الحَدِیْدُ بِالْمَآءِ''، یعنی جس طرح لوہے پر پانی سے زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اُن کو صاف کرنے کے لیے کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کثرۃ ذِکْرِ الْمَوْتِ وتِلاوۃ القرآن'' یعنی موت کا کثرت سے ذکر کرنا اور اپنے فنا ہونے اور مٹ جانے اور دنیا سے چلے جانے کا کثرت سے ذکر کرنا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا۔

اس لیے جب انسان اس کا مراقبہ کرے گا تو یہ ساری محبتیں اور ان سے لگا ہوا زنگ صاف ہوتا نظر آئے گا۔ اور تب ہی آدمی کو حقیقت میں کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے انوارات اور تجلیات قلب میں محسوس ہوتی نظر آئیں گی۔ اس لیے یہ کلمہ ہمیں سکھا رہا ہے کہ پہلے سارا غیرِ حق دل سے نکالو تب دل میں مولا کو پالو، کیونکہ لا الٰہ الا اللہ میں پہلے لا الٰہ کو رکھا گیا ہے جس کا منشاء ہر لحاظ اور ہر پہلو سے غیر کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کا اثبات ہے۔ لہٰذا جب غیروں کو دل

میں بسائیں گے تو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کا اثبات ممکن ہی نہیں ہے۔

چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

سارے عالم میں یہی اختر کی ہے آہ و فغاں
چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

اور اخیر شعر میں حضرت والا دل میں انوارات وتجلیات اور کلمہ کے رچانے بسانے اور حق تعالیٰ کے قرب و معرفت کے حاصل ہو جانے کا ایک اہم طریقہ اور راستہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ اختر کی سارے عالم میں یہی آہ و فغاں ہے اور ہر سمت وہ یہی صدا لگا رہا ہے کہ اے لوگو! تم چند دن خونِ تمنا پی جاؤ اور اپنی حرام خوشیوں کو پامال کر دو اور اللہ کے احکام کو غالب رکھو، گناہوں اور ناجائز خواہشات سے بچنے میں جان کی بازی لگا دو چاہے دل پر جتنا ہی زور پڑے تو پھر تم دیکھو گے کہ چند ہی دن کے خونِ تمنا سے خدا مل جائے گا۔

اور درحقیقت بات یہ ہے کہ نفلیں پڑھ لینا اور ذکر واذکار کر لینا یا اوراد و وظائف اور ختمات کی پابندی کر لینا یہ سب کچھ آسان ہے لیکن خونِ تمنا پینا بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ ہم کئی ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ صبح اُٹھ کر تہجد اور اشراق اور ذکر وتسبیح کر کے اور یٰسین شریف وغیرہ پڑھ گھر سے نکلتے ہیں لیکن گاڑی میں بیٹھتے ہیں تو نامحرم لڑکیوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنا اور اُن سے بے تکلفانہ ہنسی مذاق اور باتوں میں لگ جانا اور پھر سارے دن اپنی فیکٹری اور آفسوں میں اسی صورت سے زندگی گزارنا جو اتنا بڑا فتنہ ہے کہ جس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ مردوں کے لیے نہیں چھوڑا ہے۔ جیسا کہ کتاب میں جگہ جگہ اس کی تفصیل آئی ہے۔

عوام کو علماء سے بدظن کرنے کی ناکام کوشش

اور اس پر احقر کو ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے استاد مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک خلیفہ یہ سنا رہے تھے کہ وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے تھے تو اُن کے ساتھ چلتے چلتے گفتگو میں ایک غیر مسلم یہودی بے تکلف ہو گیا اور پھر اُس سے بعض باتوں پر گفتگو ہونے لگی تو اُس نے یہ بتایا کہ ہم نے کئی چیزوں کے ذریعے مسلمانوں کو دین سے دور کرنے اور تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ بعضوں میں تو کامیاب ہو گئے لیکن بعضوں میں نہ ہو سکے۔ اور پھر اُس نے کہا کہ ہم مالِ حرام کھلانے میں پورے طور پر کامیاب ہوئے۔ اسی طرح عورتوں کے ذریعے بے حیائی کا انقلاب لانے میں اور اُس کے اندر مسلمانوں کو پھنسانے میں خوب کامیابی ملی۔ مگر عوام کو علماء سے کاٹنے میں اور اُن کے دلوں میں علماء سے نفرت پیدا کرانے میں کوششیں تو ہوتی رہیں اور ہو رہی ہیں لیکن اُس میں پورے طور پر کامیابی نہ مل سکی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا دین اُن میں اب تک زندہ ہے۔

ضمناً یہ بات بھی عرض کردوں کہ اے مسلمانو! تم اس سے یہ اندازہ لگالو کہ خود ایک غیر مسلم یہ بات سمجھتا ہے کہ مدرسوں اور اِن میں پڑھانے والے علماء کے ذریعے دین کی صحیح شکل وصورت زندہ ہے۔ قرآن وحدیث کا اصل شکل وصورت میں ہونا دین کی بقا کے لیے از حد ضروری ہے کیونکہ دین کا مدار قرآن وسنت ہی کے اوپر ہے اور ان کی بقا آج صرف مدارس ہی کی وجہ سے ہے۔ اس لیے دُشمن یہ سمجھ رہا ہے کہ جب تک یہ مدارس قائم ہیں تو علماء موجود ہیں اور جب تک علماء موجود ہیں تو ہم اپنے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ جن میں سے ایک اہم منصوبہ عوام کو علماء سے بدظن کر کے کاٹ دینا ہے جس کے لیے مختلف کوششیں اختیار کی جاتی ہیں۔

بہر حال مقصودِ کلام یہ تھا کہ خونِ تمنا کا پی جانا اور حرام محبتوں کو چھوڑ دینا یہ طبیعت پر بہت گراں اور دشوار ہوتا ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو تقوے کی حقیقت ہی یہی ہے اور اسی کے اختیار کر لینے کے بعد حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ساری دنیا میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ چند دن خونِ تمنا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ضرور مل جاتے ہیں۔

مری موجِ غم بے سہارا نہیں ہے

سوا تیرے کوئی سہارا نہیں ہے — سوا تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے
سمندر کا ساحل پہاڑوں کا دامن — بجز آہ کے کچھ سہارا نہیں ہے
نہیں ختم ہوتی ہیں موجیں مسلسل — مرے بحرِ غم کا کنارا نہیں ہے
کوئی کشتیٔ غم کا ہے ناخدا بھی — مری موجِ غم بے سہارا نہیں ہے
یہ اختر اسی کا ہے جو آپ کا ہے — نہیں آپ کا جو ہمارا نہیں ہے

سلوک کے بعض اہم مضامین

سوا تیرے کوئی سہارا نہیں ہے
سوا تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے
سمندر کا ساحل پہاڑوں کا دامن
بجز آہ کے کچھ سہارا نہیں ہے
نہیں ختم ہوتی ہیں موجیں مسلسل
مرے بحرِ غم کا کنارا نہیں ہے

ہر مؤمن کی یہی پکار اور اُس کے دل کی یہی آواز ہونی چاہیے کہ اے اللہ دنیا وآخرت کے تمام مسائل کے لیے میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے اور حقیقت میں سہارا بننے والی ذات صرف آپ ہی کی ہے۔ باقی جو سہارے نظر

آتے ہیں یہ تو فی الواقع نظروں کا دھوکہ ہے۔ جس دن دنیا سے رخصت ہوں گے تو یہ سہارے سب کنارے ہو جائیں گے۔ اور میں تو آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ خود دنیا میں رہتے ہوئے بھی ہمیں جو یہ بات نظر آتی ہے کہ میرے کام کاج انجام دینے اور مسائل کو نمٹانے میں فلاں اور فلاں کام آرہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس جس کو تم سے مفادات اور اغراض وابستہ ہیں بس وہ تمہارے کام آتے ہیں جو حقیقت میں کام آنا نہیں بلکہ اپنے اغراض و مقاصد تم سے حاصل کرنا ہے۔ درپردہ حقیقت میں ہمارا سہارا صرف اکیلے اللہ کی ذات ہے، اس لیے جو شخص اُس کے ساتھ اپنے دل کو جوڑ لیتا ہے تو اُسے کبھی بھی کسی بھی حالت میں بے سہارا ہونا نہیں پڑتا۔

اُس کے بعد حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ میری زندگی کا مزہ اور بہار اس میں ہے کہ کہیں سمندر کا ساحل مل جائے اور پہاڑوں کا دامن نصیب ہو جائے اور میں دنیا کے تعلقات اور جھمیلوں سے نکل کر اپنے اللہ تعالیٰ کی یاد میں آہ آہ کر کے اُسے پکار رہا ہوں اور میری آہ کو سننے والا سوائے اکیلے اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ اُس کے سہارے میری زندگی گزر رہی ہو۔ حقیقت میں یہ حال جب ہی ہوتا ہے جب دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگی ہوتی ہے۔ اور دریائے محبتِ خداوندی جوش میں ہوتا ہے۔

جس کا ایک اثر یہ سامنے آتا ہے کہ اُس دریا کی موجوں میں مسلسل طغیانی آتی رہتی ہے اور وہ کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی کیونکہ وہ علوم جو ایسے دلوں کو عطا ہوتے ہیں اُن کا ڈائریکٹ رابطہ علیم ذات کے فیضانِ علم کے ساتھ ہو جاتا ہے تو پھر اُس کے ختم ہونے کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور درحقیقت یہی علوم اور معارف اُن حدیثوں کا مصداق ہے جن میں تقوے اور للّٰہیت کی بنیاد پر دل سے علم و حکمت کے سرچشمے بہنے کی بات فرمائی گئی ہے۔ اس لیے پھر اِن علوم اور جذباتِ محبت کے سمندر کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جو اللہ والے دنیا میں آئے انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے ایسے علوم عطا ہوئے۔

کوئی کشتی غم کا ہے ناخدا بھی
مری موجِ غم بے سہارا نہیں ہے
یہ اخترؔ اسی کا ہے جو آپ کا ہے
نہیں آپ کا جو ہمارا نہیں ہے

ان اشعار میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی محبت کا درد و غم عطا فرمایا اور اس کشتیٔ محبت میں سوار فرما کر خود حق تعالیٰ مجھے لے کر چل رہے ہیں۔ میری خوشی ہو یا غم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو میں اپنا کارساز اور مالک سمجھتا ہوں اور اپنے ہر معاملے کو انہی کو سونپ دیتا ہوں اور وہی میرے دردِ محبتِ خداوندی کی کشتی کے ناخدا ہیں جس سمت مجھے لے کر چلتے ہیں وہی میرا مطلوب ہوتی ہے۔ یعنی میں اس دردِ محبت میں مبتلا ہو کر حدودِ شریعت اور

دائرۂ سنت سے باہر نہیں ہوں بلکہ میرا اللہ میری کشتی کو لے کر چل رہا ہے اور جس کا ناخدا خود خدا تعالیٰ کی ذات ہو تو پھر کوئی غم اور فکر کی بات نہیں بلکہ اُس کی موجِ غم کا سہارا حقیقی سہارا ہے جس کی برکت سے وہ ہلاک ہونے اور تباہ و برباد ہونے سے محفوظ رہے گا۔

اخیر میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! جو آپ کے محبوبین اور عاشقین ہیں آپ نے مجھ پر فضل فرمایا کہ میرے دل میں بھی انہی کی محبت ڈالی ہے اور جو آپ کے باغی اور فاسق و فاجر ہیں نہ میں اُن سے دوستی رکھتا ہوں اور نہ دل میں انہیں اپنا سمجھتا ہوں۔ اس لیے جو آپ کے خاص بندے ہیں انہی سے مجھے تعلق اور اُنس ہے۔ اور یہی نشانی ہے کہ اختر پر آپ کا خاص فضل و کرم ہے کیونکہ دنیا میں کسی کے دل میں اللہ والوں سے محبت پیدا ہونا اُس پر اللہ کے فضلِ خاص ہونے کی نشانی ہے۔ اور دنیا کے ضابطے سے بھی اس کو اس طرح سمجھا جاتا ہے کہ ہم جنس کو ہم جنس کی طرف میلان ہوا کرتا ہے تو جب کسی کا میلان اللہ والوں کی طرف ہے تو یہ اس کی نشانی ہے کہ وہ خود بھی اللہ والا ہے۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے ہر مؤمن کی شان یہی ہونی چاہیے کہ اے اللہ! جو آپ کا صحیح بندہ ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے اور جو آپ کا نہیں ہے، ہم بھی اس سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

جو سالک پیشِ مرشد دوستو فانی نہیں ہوتا

جو سالک پیشِ مرشد دوستو فانی نہیں ہوتا
کبھی وہ واقف اسرار عرفانی نہیں ہوتا

جو ظلمت میں ہمیشہ بدعتوں کی غرق رہتا ہے
کبھی اہلِ نظر کے دل میں نورانی نہیں ہوتا

گناہوں سے نہیں بچتا ہے جو ظالم ارے توبہ
وہ روحانی بظاہر ہو کے روحانی نہیں ہوتا

ہو جس کی چشم تر اور جس کی آہ نیم شب ظاہر
پھر اس کا درد اہلِ دل پہ پنہانی نہیں ہوتا

خلافِ سنت نبوی ہو جس کی زندگی اختؔر
وہ ربانی بھی کہلا کر کے ربانی نہیں ہوتا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **اسرارِ عرفانی:** اللہ تعالیٰ کی پہچان کے راز۔ **ظلمت:** اندھیرا۔ **اہلِ نظر:** اللہ والے۔ **آہ نیم شب:** آدھی رات کا رونا۔ **ربّانی:** اللہ والا۔

شیخ کے سامنے فنا ہونے پر بقا نصیب ہوگی

جو سالک پیشِ مرشد دوستو فانی نہیں ہوتا
کبھی وہ واقفِ اسرارِ عرفانی نہیں ہوتا

مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

کہ کچھ دن کے لیے اپنے قال کو چھوڑ دو اور مردِ حال بن جاؤ اور کسی اللہ والے کے سامنے جا کے پامال ہو جاؤ۔ درحقیقت حضرت والا کا یہ شعر اسی مضمون کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ سالک کو سلوک طے کرتے وقت میں اپنے شیخ اور مرشد و مصلح کے سامنے خود رائی اختیار نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اپنے کو اس طرح پیش کر دینا چاہیے جیسا کہ کپڑا دھوبی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس کو حقیقت میں فنا کہا جاتا ہے۔ اور اتباعِ کامل کا نام دیا جاتا ہے۔ جب تک یہ جذبہ سالک میں نہ ہو تو اس کی اصلاح و تربیت تقریباً محال اور ناممکن ہے، اس لیے کہ وہ شیخِ کامل جو راہِ سلوک کے مثبت اور منفی انداز کی چیزوں سے واقفیت رکھتا ہے، کب کتنی غذا دینی ہے، اور کس چیز سے پرہیز کرانا ہے وہ تجربہ کار ڈاکٹر اور حکیم ہے، اس لیے اس کی بات کو نہ مانا جائے اور اپنی رائے پر چلا جائے تو اُسے کبھی بھی منزل حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے شیخ کے سامنے بات بات پر اپنی رائے نہیں لانی چاہیے بلکہ اپنے کو فنا کر دینا چاہیے۔ ورنہ وہ کبھی بھی واقفِ اسرارِ عرفانی نہیں ہوسکتا۔ بقول حضرت مولانا منصور الحق صاحب ؎

خود اپنی رائے پہ چلنے کو پیروی نہیں کہتے
غلامیٔ نفس کی کرنے کو بندگی نہیں کہتے

اس لیے اُمورِ تزکیہ اور بابِ اصلاح میں شیخ کی بات کو قبول کر کے اُس کی اتباع کرنی چاہیے اور اُس میں اشکالات و اعتراضات کے ذریعے سے شبہات پیدا کر کے عمل سے بچنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ سالک کو پورا نفع نہیں پہنچتا ہے اور وہ شیخ کے حقیقی فیض سے محروم رہ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ مدتِ طویل گزر جانے کے باوجود منزلِ مقصود نہ پانا ہے۔

اتباعِ شیخ کی حدود

یہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ کامل کے سامنے فنا ہونے کی کچھ حدود ہیں، ہمیں اُن سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے جس میں ایک جانب اُس کی شایانِ شان عظمت و احترام بھی برقرار رہے اور اس کی اتباع و پیروی بھی ہم نہ چھوٹے لیکن دوسری جانب شریعت کی حدود بھی محفوظ ہونی چاہئیں۔ اس بارے میں حضرت حکیم الامت

مجددالملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ملفوظاتِ کمالاتِ اشرفیہ سے نقل کرتا ہوں:

''شیخ کا اتباعِ مطلق واطاعت مطلقہ نہ عقائد میں ہے، نہ کشفیات میں، نہ جمیع مسائل میں نہ امورِ معاشیہ میں (مثلاً شیخ طالب سے کہے کہ تم اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے یا کسی اور سے کردو) صرف طریق تربیت، تشخیص امراض وتجویز وتدابیر اوران مسائل میں ہے جن کا تعلق تربیت واصلاح باطنی سے ہے۔ وہ بھی اس وقت تک جب تک ان کا جواز مرید وشیخ کے درمیان متفق علیہ ہواور اختلاف ہو تو شیخ سے مناظرہ کرنا تو خلافِ طریق ہے اور امتثالِ امر خلاف شریعت ہے۔ ایسی صورت میں ادب جامع بین ادبین یہ ہے کہ علماء سے استفتاء کرکے یا اپنی تحقیق سے حکم متعین کرکے شیخ کو اطلاع کرے کہ میں فلاں عمل کو جائز نہیں سمجھتا اور ہمارے سلسلہ میں اس قسم کی تعلیم ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ اس پر اگر شیخ پھر بھی وہی حکم دے تو اس شیخ کو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر وہ ترک کی اجازت دے تو یہ بھی اس کی متابعت ہے، یہ معنی ہیں اتباعِ کامل کے۔ یعنی جو مرض نفسانی اس نے تجویز کیا ہو یا جو تدابیر اس نے تجویز کی ہوں یا جو عمل مشروع جس کا مشروع ہونا شیخ ومرید میں متفق علیہ ہو، تجویز کیا ہو، ان چیزوں میں اتباع کامل کرے۔ ذرا بھی اپنی رائے کو دخل نہ دے اور باقی امور میں اتباع مراد نہیں۔''

اہم سوال اوراس کا جواب

چنانچہ ایک مرتبہ احقر نے حضرت والا کے کمرے میں خود حضرت کے پاس کھڑے ہوکر اپنا سوال اور جواب دہرایا جس پر حضرت بہت خوش ہوئے اور وہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارواحِ ثلثہ مسمی بحکایاتِ اولیاء کتاب کے اندر یہ واقعہ لکھا ہے کہ سید احمد صاحب جس وقت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں رہتے تھے تو شاہ صاحب نے ان کو شغل رابطہ بتلایا تو سید صاحب نے اس سے منع کردیا اور عذر فرمادیا۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا کہ یہ تو شرک ہے، آپ کسی معصیت کا حکم دیں تو کرلوں گا یہ تو گوارا نہیں ہے۔ تو شاہ صاحب نے یہ سن کران کو سینہ سے لگالیا کہ اچھا! ہم تم کو طریق ولایت سے نسبت نہیں ہے۔ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک سے مقصود ہے، بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے۔ اسی کتاب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل ہے کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے تم چلتے ہو؟ تو حضرت گنگوہی نے صاف انکار کردیا کہ نہیں حضرت! میں تو نہیں جاسکتا ہوں۔ میں تو ہندوستان میں اس کو منع کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا

جزاک اللہ میں اتنا تمہارے جانے سے خوش نہ ہوتا جتنا نہ جانے سے خوش ہوا۔ (حکایاتِ اولیاء، صفحہ:۲۱۳)

جبکہ دوسری جانب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ اللہ والوں کی شان ایسی ہوتی ہے، اُن کی سیدھی بھی سیدھی اور الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ یعنی بظاہر ہم جیسے کم علموں اور کم فہموں کی نگاہ میں جو الٹی نظر آ رہی ہوتی ہے وہ حقیقت میں سیدھی ہوتی اور اُس میں ہماری نظروں کا قصور ہوتا ہے۔ تو حضرت شیخ کی اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُن کی ہر بات کو تسلیم کرلیا جائے اور یہی طریقت کا اصول بھی ہے کہ مرشد کے سامنے اپنے کو فنا کردو اور زیادہ اپنی رائے وغیرہ مت چلاؤ ورنہ تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔

بس یہ بات احقر نے حضرت والا سے عرض کی اور ان دونوں باتوں کے درمیان جو تعارض اور ٹکراؤ نظر آ رہا ہے اُس کے متعلق حضرت والا سے دریافت کیا اور پھر اپنے ذہن میں آنے والی ایک تاویل اور توجیہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کی جس کو حضرت نے بہت قبول فرمایا اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

جس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ جہاں تک علمی تحقیقات اور مسائل کا معاملہ ہے اُن کے سلسلے میں تو شیخ کی اتباع بلا چوں و چراں جائز نہیں لیکن جہاں تک مسائل سلوک اور اُمور تربیت میں بات ماننے کا تعلق ہے تو وہاں اپنی من مانی کرنا اور ہر معاملے کو اپنے علم اور رائے کی روشنی میں جانچنا درست اور صحیح نہیں ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں شیخ کے سامنے فنا ہونا مطلوب ہے کہ اگر اِس میں اپنی رائے پر چلا جائے گا تو اصلاح ممکن نہ ہوگی۔

ورنہ علمی معاملے کا حال یہ ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مسئلے میں اپنے شیخ و مرشد حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے اختلاف رکھتے تھے اور وہ اختلاف کئی مہینوں تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے الگ فتویٰ دیا اور حضرت تھانوی نے الگ فتویٰ دیا۔ اور باہم افہام و تفہیم کے بعد بھی یہی بات سامنے آتی رہی کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے فرمایا مجھے حضرت کی رائے پر انشراح نہیں۔ اُدھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں تمہاری رائے نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ بالآخر حضرت کا یہ فیصلہ ہوا کہ مستفتی کو ہم اپنی دونوں آراء بھیج کر یہ لکھ دیتے ہیں جس پر اُس کا دل اعتماد کرے اور مائل ہو بس وہ اُسی پر عمل کرلے۔ (یہ واقعہ حضرت مفتی رفیع صاحب دامت برکاتہم کا سنایا ہوا ہے۔)

بہرحال جب احقر نے حضرت والا کے سامنے یہ تطبیق اور توجیہ پیش کی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور اُس کی درستگی اور تصویب فرمائی۔ واللہ اعلم بالصواب

لہٰذا احقر اپنے ذہن نارسا میں یہی سمجھتا ہے کہ شیخ کی اتباع اور پیروی اور اپنے کو اُس کے سامنے فنا کردینا یہ تو ازحد ضروری ہے لیکن علمی تحقیقات اور فقہی مسائل میں اطاعت مطلقہ مراد نہیں۔ نہ اسلام میں اس کی قطعاً اجازت ہے اور نہ یہ ہمارے اکابر کا تصوف ہے ہاں بے شک اہلِ بدعت اور اہلِ کفر و شرک کے یہاں کچھ جو گیا نہ

رسمیں اور جاہلانہ حرکتیں تصوف کے نام پر رائج ہیں جن کا اسلامی شریعت وطریقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس قسم کی چیزیں اُن کے یہاں پائی جاتی ہوں تو عین ممکن ہے مگر ہمارے حضراتِ اکابر کا یہ تصوف نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں میں خود اپنے شیخ محترم حضرت والا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اتباعِ شیخ کی حدود کے بارہ میں حضرت والا کا عمل

ایک مرتبہ حضرت میر صاحب دامت برکاتہم کو حضرت نے یہ بات فرمائی کہ میرے شیخ حضرت شاہ ابرارالحق صاحب کو مسجد کی ہر چیز سفید رکھنے کے سلسلے میں جس حدیث سے ترغیب معلوم ہوئی ہے اُس حدیث کا اصل تعلق کپڑوں کے ساتھ ہے، مسجد کے رنگ وغیرہ کے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت والا نے حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ کو مرقاۃ کے حوالہ سے یہ شرح لکھ کر بھیجی تو حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ نے حضرت والا دامت برکاتہم کو لکھا کہ تم میری طرف سے ''البلاغ'' میں یہ اعلان کرادو کہ میں نے اپنی اس رائے سے رجوع کرلیا ہے۔ یہ پڑھ کر حضرت ہردوئی کی حق پرستی پر حضرت والا رونے لگے اور فرمایا کہ ''البلاغ'' میں شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح ایک دوسرے مسئلے میں یہ صورت پیش آئی کہ حضرت شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ کھانے کے بعد پلیٹ کو اچھی طرح سے صاف نہیں کیا کرتے تھے جس میں اُن کے اپنے مزاج اور طبیعت کو کچھ دخل تھا۔ تو جب ایک صاحب سے حضرت میر صاحب نے پلیٹ صاف کرنے کی بات کہی تو انہوں نے حضرت ہردوئی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کردیا کہ تم زیادہ متبع سنت ہو یا ہمارے شیخ زیادہ متبع سنت ہیں۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ حضرت والا کو اس طرف توجہ کون دلائے؟ چنانچہ حضرت میر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میں نے اسی طرح حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کی خدمت میں یہ بات عرض کی کہ حضرت! میں فلاں آدمی سے پلیٹ صاف کرنے کی بات کرتا ہوں تو وہ حضرت کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ ہمارے حضرت زیادہ متبع سنت ہیں وہ بھی صاف نہیں کرتے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سنت نہیں ہے۔ اس پر فوراً حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اُس سے کہہ دینا میں نے اپنی اس بات سے رجوع کرلیا ہے۔

یہ تو احقر نے ایک دو واقعے نقل کیے ہیں جبکہ ہمارے اکابر اسلاف کے طریقت وتصوف میں اس کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ جن سے ہمیں اور آپ کو یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ سلوک اور تربیت کے باب میں شیخ کی حیثیت نبی ورسول کی نہیں ہے بلکہ اُس کی غرض وغایت محض اتنی ہے کہ وہ ایک قابلِ اعتماد، متبع قرآن وسنت، دینی امور میں رہبر اور رہنما کی حیثیت رکھنے والا انسان ہے جس کے مشوروں پر عمل کرنے سے یہ راستہ بآسانی طے ہوکر انسان منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُس کا احترام اور عقیدت لازم قرار دی گئی اور اُس کی اتباع کو ضروری سمجھا گیا کہ ان اوصاف کے بغیر دنیا کے کسی بھی شعبے اور میدان میں ترقی نہیں ہوتی۔

گناہوں اور بدعتوں سے بچیئے

جو ظلمت میں ہمیشہ بدعتوں کی غرق رہتا ہے
کبھی اہلِ نظر کے دل میں نورانی نہیں ہوتا
گناہوں سے نہیں بچتا ہے جو ظالم ارے توبہ
وہ روحانی بظاہر ہو کے روحانی نہیں ہوتا
ہو جس کی چشمِ تر اور جس کی آہ نیم شب ظاہر
پھر اس کا دردِ اہلِ دل پہ پنہانی نہیں ہوتا

اس کے بعد حضرت والا بدعتوں اور خلافِ سنت چیزوں سے اجتناب کی تاکید فرما رہے ہیں کیونکہ بدعتوں میں غرق رہنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت کے انوارات وتجلیات قلب میں حاصل نہیں ہوتے۔ اس لیے بدعت سراسر ظلمت ہی ظلمت ہے جس کے متعلق علمائے اُمت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اُس کی ظلمت ونحوست عام گناہوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ بدعت دین میں نئی ایجاد ہے اور گویا بدعتی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل کا اللہ تعالیٰ کا دعویٰ غلط اور خلافِ حقیقت ہے، کیونکہ ابھی دین میں ان نئی ایجاد کردہ چیزوں کی بھی ضرورت تھی جن کو میں نے ایجاد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق جلد نہیں ہوتی۔

اُس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو ظالم گناہوں سے نہیں بچتا اگرچہ وہ کتنے ہی دینی اعمالِ صالحہ میں لگا ہوا ہو، بظاہر کیسا ہی فضائل کا کام کرنے والا روحانی آدمی بنا ہوا ہو لیکن وہ صرف ظاہری طور پر روحانی ہوتا ہے ورنہ گناہوں سے نہ بچنے کی وجہ سے اُس کا دل اور اُس کی روح چین وسکون میں نہیں رہتی۔ اور وہ سب سے بڑا مادّہ پرست بن جاتا ہے۔

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا غم اُس کے سینے میں عطا ہو جائے جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اُس کی آنکھیں تر رہنے لگیں اور وہ راتوں میں آہ وفغاں کرنی شروع کر دے تو یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ اُس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مرکز بنالیا ہے اور اُسے اہلِ دل کا تحفۂ دردِ دل نصیب ہو چکا ہے۔ جس کو دیکھ کر اہل اللہ فوراً سمجھ لیتے اور جان جاتے ہیں، وہ پھر کسی پر ڈھکا چھپا نہیں رہتا۔

خلافِ سنتِ نبوی ہو جس کی زندگی اختر
وہ ربانی بھی کہلا کر کے ربانی نہیں ہوتا

البتہ کتنا ہی درد وغم اور عشق ومحبت خداوندی کا دعویٰ کرنے والا اور کیسی ہی آہیں بھرنے اور رونے والا مگر اُس کی زندگی خلافِ نبوی ہونے کی صورت میں وہ حقیقی اللہ والا نہیں کہلا سکتا۔ اور جو لوگ ربانی اور اللہ والے کہلاتے

ہیں اُن میں خلافِ سنت عمل موجود ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ یہ مضمون کئی جگہ گزرا ہے کہ ربانی ہونے کی سب سے بڑی پہچان اور علامت ونشانی اتباعِ سنت ہی میں منحصر ہے جو جتنا بڑا متبع سنت ہو وہ اتنا ہی بڑا اللہ والا ہے۔

مجھے تو قرب کا عالم دیا ہے آہِ صحرا نے

سنا ہے خانقاہوں میں محبت کے ہیں مے خانے
دیا کرتا ہے ساقی عاشقوں کو جام و پیمانے

خلافِ راہِ سنت جو بنا کرتے ہیں مستانے
وہ دیوانے بظاہر ہیں مگر اندر ہیں فرزانے

جو عارف ہیں وہ کس عالم میں رہتے ہیں خدا جانے
بھلا جو غیر عارف ہے وہ ان کا رُتبہ کیا جانے

حسینوں کے اُجڑ جائیں گے جب جغرافیے اک دن
بتا ناداں کہا جائے گا اپنے دل کو بہلانے

جو یاد آتی ہے ان کی دل میں گھبراتا ہوں گلشن میں
مجھے تو قرب کا عالم دیا ہے آہِ صحرا نے

جو زاہد عشق سے ناآشنا ہے پھر بھی وہ ناداں
نہیں سمجھا ہے خود لیکن چلا ہے مجھ کو سمجھانے

کسی کی آہِ مظلومی سے وقت ظلم ڈرنا تھا
ہوئے ہیں خانۂ آبادِ ظالم جس سے ویرانے

ستایا عمر بھی بوجہل نے شمع نبوت کو
مگر بدنام ہیں دونوں جہاں میں اس کے افسانے

کہاں تک ضبط بے تابی کہاں تک پاسِ بدنامی
کیا مجبور اظہارِ بیاں پر خوف فروانے

نہ کر تحقیر اے زاہد خدا کے دردمندوں کی
مقامِ دردِ دل کو بے خبر تو آہ کیا جانے

تجلی ان کی ہوتی ہے عطا قلب شکستہ میں
کیا ہے قلب کو لیکن شکستہ غم کے سودانے

نہیں ہے زندگی میں جس کی کوئی داستاں غم کی
وہ اہلِ غم کے قربِ خستگی کو آہ کیا جانے

وہی کرتے ہیں ان کے عاشقوں پر تبصرے اختر
جو ظالم دردِ الفت سے ہوا کرتے ہیں بیگانے

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **خانقاھوں**: درویشوں اور اللہ والوں کے رہنے کی جگہیں۔ **مے خانے**: شراب خانے۔ **جام و پیمانے**: اللہ تعالیٰ کی شرابِ محبت کے پیالے۔ **مستانے**: دیوانے۔ **فرزانے**: عقلمند۔ **عارف**: اللہ والے۔ **قرب**: نزدیکی۔ **زاھدِ عشق**: وہ عبادت گزار جو اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت سے خالی ہو۔ **شمعِ نبوت**: مراد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **افسانے**: قصّے۔ **خوفِ فردا**: آئندہ کل۔ **سودانے**: عشق ومحبت نے۔ **تبصرے**: یہاں بُرا کہنا مراد ہے۔ **بیگانے**: ناواقف۔

سنا ہے خانقاہوں میں محبت کے ہیں مے خانے
دیا کرتا ہے ساقی عاشقوں کو جام و پیمانے

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خانقاہوں میں محبت کے مے خانے ہوتے ہیں جہاں وہ لوگ آیا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پینا چاہتے ہیں اور یہ شیخ و مصلح اور مرشدِ دینی اُن کو جامِ محبتِ خداوندی پلاتا ہے اور اس طرح عاشقوں کو خانقاہوں میں جام و پیمانے دیے جاتے ہیں۔

اس پر دل میں ایک بات آتی ہے کہ عرب کی سرزمین پر لوگ تصوف اور خانقاہ کے لفظ سے اظہارِ بیزاری کرتے ہیں جس کی کچھ حقیقت پر مبنی وجوہات اور اسباب ہیں جو ماضی میں خانقاہوں کے ساتھ وابستہ تھے اور ابھی بھی ایک بڑی تعداد میں صوفی ازم کے حاملین صوفی کہلانے والے، شریعت سے بالکل متصادم اِک نظام کے قائل ہیں اور وہ اپنے رہنے کی جگہوں کو خانقاہوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

تصوف ہی احسان وزہد، تزکیہ واصلاح ہے

اس لیے اگر ایسے ملکوں میں رہنے والے اپنی اس تصوف اور سلوک کی لائن کو زہد واحسان، تزکیۂ نفس، تصفیۂ اخلاق اور اصلاحِ قلب جیسے الفاظ سے تعبیر کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح خانقاہوں کو دارالتزکیۃ والاحسان وغیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر کریں تو تقریب الی الفہم کے لیے انہی حقائق کی ترجمانی کررہے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہمارے یہاں تزکیہ کی مکمل بنیاد ہی اتباعِ سنت وشریعت پر ہے اور اصلاحِ نفس اور تصفیۂ اخلاق شریعت میں عین مطلوب ہے۔ اور ہمارے مشائخ اہلِ حق سنت پر عمل کرکے اور اپنے متعلقین کو اُس کی تعلیم دے کر شرابِ محبتِ خداوندی پلاتے ہیں۔

خلافِ راہِ سنت جو بنا کرتے ہیں مستانے
وہ دیوانے بظاہر ہیں مگر اندر ہیں فرزانے
جو عارف ہیں وہ کس عالم میں رہتے ہیں خدا جانے
بھلا جو غیر عارف ہے وہ ان کا رُتبہ کیا جانے

اور جو لوگ بظاہر اللہ کے دیوانے نظر آتے ہیں، مگر اُن کی زندگی اتباعِ سنت سے خالی ہے تو یاد رکھنا کہ وہ حقیقت میں دیوانے نہیں بلکہ فرزانے ہیں یعنی اپنی شاطرانہ چال اور مکاریوں سے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر مال و دولت کے ہوس پوری کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ قرآن نے صاف اعلان فرمادیا کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو حضور کی اتباع کرو۔ جیسا کہ یہ مضمون کئی مقام پر گزرا ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔

ایک شخص کا احقر کے پاس خط آیا اُس میں انہوں نے ایک بزرگ کے متعلق جاننا چاہا تھا اور اُس کے احوال لکھے تھے کہ وہ بہت عجیب انسان ہے، اُس کی مجلس میں بیٹھ کر دل کا حال عجیب وغریب ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑا تعلق محسوس ہوتا ہے لیکن اُس کے کام خلافِ شریعت ہیں اور بہت سے اعمال واشغال بالکل سنت سے الگ ہیں۔ کیا اُن کے پاس بیٹھا جائے اور اُن سے تعلق قائم کیا جائے؟ تو احقر نے صفائی کے ساتھ یہ جواب لکھا کہ ہمارے اکابر اہل اللہ کے نزدیک صرف وہی شخص اللہ والا ہو سکتا ہے جس کی زندگی کا ہر قول وعمل سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ ورنہ بصورتِ دیگر یہ استدراج اور ڈھیل والا معاملہ ہوتا کہ کبھی اُن سے ایسے خلافِ عادت امور اور کشف وغیرہ کی باتیں پیش آجاتی ہیں جو صرف استدراج کے طور پر ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی کرامت اور بزرگی یہ ہے کہ انسان احکامِ خداوندی پر جما رہے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ جو حقیقت میں اللہ کے عشاق ہوتے ہیں وہ بظاہر اپنے جسم اور ظاہر سے لوگوں میں ملے جلے رہتے ہیں اور اُن سے جدا اور علیحدہ کوئی مخلوق نہیں ہوتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل سے اور اپنے باطن سے وہ تجلیات کے حق کے مشاہدے میں ایسے مستغرق اور خوفِ آخرت میں ایسے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں کہ مخلوق میں رہنے کے باوجود اُن کا عجیب وغریب دل کا اندرونی حال ہوتا ہے۔ جسے الفاظ سے تعبیر کرنے والا تعبیر تو کرسکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو غیر عارف ہو اُسے اُن کے مرتبے کا پتہ نہیں چل سکتا۔ بالفاظ دیگر جس نے خود کسی مٹھائی کو چکھا نہ ہو تو وہ پورے طور پر اُس کے ذائقے کو نہیں سمجھ سکتا۔

بعض اہم مضامین سلوک وتصوف

حسینوں کے اجڑ جائیں گے جب جغرافیے اک دن
بتا ناداں کہاں جائے گا اپنے دل کو بہلانے
جو یاد آتی ہے ان کی دل میں گھبراتا ہوں گلشن میں
مجھے تو قرب کا عالم دیا ہے آہ صحرا نے

حضرت والا اس راستے کی بڑی رکاوٹ یعنی حسینوں کے تعلق اور عشق بازی کے تباہ کن انجام کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب اُن کے جغرافیے بدل جائیں گے تو جو اُن سے دل بہلانے پر لگا ہوا ہے، کہاں جا کے اپنے

دل کو بہلائے گا؟ لہٰذا اُسے اپنی اس حرکت سے باز آ جانا چاہیے۔

اُس کے بعد حضرت والا اپنے قلب کا ایک خاص حال ذکر فرما رہے ہیں جو کہ تمام اہل اللہ کا مشترکہ وصف ہے کہ اللہ والوں کا زیادہ دنیا کے رنگ و رونق اور گلشن و پارکوں میں یا خوبصورت محفلوں اور بارونق مجلسوں میں دل نہیں لگتا، بلکہ اُن کا دل صرف اپنے مولیٰ کی یاد میں ہی صحیح طرح لگتا ہے اور انہیں اسی میں لطف آتا ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ جب مجھے اللہ کی یاد آتی ہے تو میں گلشن میں رہتے ہوئے بھی گھبراتا ہوں اور پھر مجھے خلوتیں یاد آنے لگتی ہیں اور وہ آہِ صحراء اور لبِ دریا اور کوہِ دامن میری نظروں میں گھومنے لگتا ہے کیونکہ اُس کی خلوتیں مجھے اللہ کا قرب عطا کرتی ہیں۔

جو زاہد عشق سے ناآشنا ہے پھر بھی وہ ناداں
نہیں سمجھا ہے خود لیکن چلا ہے مجھ کو سمجھانے

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو زاہد خشک ہے جس نے حرام آرزوؤں اور محبتوں کا خون نہیں پیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عشق کی راہ سے وہ صحیح طور سے گزر کر دل میں اپنے مولا کو نہیں پاتا تو ایسا زاہدِ خشک اس آہ وزاری کرنے والے اور اللہ کی محبت میں تڑپنے والے کو دیکھ کر سمجھانے کے لیے چلتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے درد کا درماں کر دوں گا جبکہ افسوس اُسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس راہ کا دردو غم ہی بیماری کی دوا ہے۔

کسی کی آہِ مظلومی سے وقتِ ظلم ڈرنا تھا
ہوئے ہیں خانہ آباد ظالم جس سے ویرانے
ستایا عمر بھر بوجہل نے شمعِ نبوت کو
مگر بدنام ہیں دونوں جہاں میں اس کے افسانے

حضرت والا نے ان دو شعروں میں یہ بات عرض کی ہے کسی اللہ والے پر ظلم کرنے سے یا اُس سے بدگمانی کر کے اُسے تکلیف پہنچانے سے ڈرنا چاہیے۔ ورنہ ایک تو مطلقاً مظلوم کی آہ ظالم کو چیر کر رکھ دیتی ہے اور پھر وہ شخص جس نے نبی اور وارثینِ نبی کو ستایا ہو وہ کہاں چین اور سکون سے رہ سکتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ابوجہل نے شمعِ نبوت کو ستایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا و آخرت کی بدنامی اور ذلت اُس کا مقدر بنی۔

کہاں تک ضبطِ بے تابی کہاں تک پاسِ بدنامی
کیا مجبور اظہارِ بیاں پر خوفِ فرداں نے
نہ کر تحقیر اے زاہد خدا کے درد مندوں کی
مقامِ دردِ دل کو بے خبر تو آہ کیا جانے

پھر حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنی بے تابی کو کہاں تک ضبط کروں اور بدنامی کے ڈر سے میں کہاں تک اللہ تعالیٰ کی محبت کے مضمون کو بیان کرنے سے رُک جاؤں، مجھے ضرور اس دردِ محبت کو بیان کرنا ہے۔اور ناجائز وحرام محبتوں کے نقصانات اور حق تعالیٰ کی محبت کے منافع لوگوں کے سامنے پیش کرنے ہیں کیونکہ اگر میں اِن کو سینے میں ہی لے کر مر جاؤں گا تو پھر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ تو نے اس خزانے کو لوگوں سے کیوں چھپایا۔اس لیے میں صفائی کے ساتھ حرام محبتوں کو چاک کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کے خزانے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ارے اے زاہدِ خشک! کچھ وظیفوں اور ذکر واذکار کی مجلسیں کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ کے غم اور صدمے اُٹھانے والے دردمندوں کو حقیر مت جان۔ تجھے کیا پتہ ہے کہ یہ دردِ دل کیا مقام رکھتا ہے؟ جو گناہوں سے بچنے کا غم نہ اُٹھائے اور اپنی آرزوؤں کا خون نہ کرے تو وہ زاہد، زاہدِ خشک ہے جو عبادت کرنا تو جانتا ہے لیکن دل پر غم اُٹھانے کی حقیقت اور اُس کے مقام سے بے خبر ہے۔

جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر دل کو جب توڑا نہیں جاتا اور اُس کے چورے نہیں ہوتے اور ناجائز تمنائیں اور حرام آرزوؤں کا خون نہیں پیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حقیقی تجلی دل کو عطا نہیں ہوتی۔ظاہر ہے جو دل کو توڑتا ہے اگر اُسے اس قرب کے خزانہ ملنے کی اُمید نہ ہو تو پھر وہ اپنے دل کو کیوں توڑے گا۔اس لیے جو قلب شکستہ لیے ہوئے ہے اسی غمِ جاناں کے سودا نے اِن کو مجبور کیا ہے اور جس شخص نے ایسے غم نہیں اُٹھائے اُسے اہلِ غم کے قرب اور مقام کا اندازہ نہیں ہے۔ یہ قربِ خستگی اور مقامِ شکستگی جو اہلِ غم اور درد کو حاصل ہے اُس کا عام زاہد وعابد کو پتہ نہیں ہوتا۔آج درحقیقت پوری اُمت میں اسی کی کمی پائی جاتی ہے۔اور جو اس مقام کو پا لیتا ہے پھر اُس کا اولیاء اللہ میں شمار ہو جاتا ہے۔

وہی کرتے ہیں ان کے عاشقوں پر تبصرے اخترؔ
جو ظالم دردِ الفت سے ہوا کرتے ہیں بیگانے

آخری شعر میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو ناعاقبت اندیش اللہ تعالیٰ کے عاشقوں سے باخبر نہیں ہے اور اُنہیں یہ پتہ نہیں کہ انہوں نے اپنی حرام آرزوؤں کے خون کے سمندر پیئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اِن کی داستانیں رنج وغم رنگ لائی ہیں اور یہ اللہ کی محبوب کی صفوں میں آکھڑے ہوئے ہیں جو کہ اُس کی راہ کے بہت غم سہنے اور مشقتیں اُٹھانے کے بعد حاصل ہوتا ہے تو یہ لوگ اِن عاشقوں پر تبصرے اور تنقیدیں کرتے رہتے ہیں۔کیونکہ یہ ظالم خود دردِ اُلفت سے بے گانے ہوا کرتے ہیں ورنہ اگر انہیں اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے تو پھر یہ اُن پر تبصرے اور تنقیدیں کرنا بند کر دیں۔

سمجھنا مت تغافل کیش ان لبہائے خنداں کو

سمجھنا مت تغافل کیش ان لب ہائے خنداں کو
کہ سینہ میں چھپائے اہلِ دل ہیں قلب گریاں کو

عنادل کا تقاضا ہے چلو سیر گلستاں کو
مگر آہیں ہماری یاد کرتی ہیں بیاباں کو

اسی سے پوچھ لیتے ہیں بتا راز جنوں کیا ہے؟
جو پاجاتے ہیں قسمت سے کسی بھی چاک داماں کو

بگڑتے حسن کا جغرافیہ دیکھا حسینوں کا
ملامت کرتے دیکھا عاشقی پر عشقِ ناداں کو

میں کرتا ہوں چمن میں یاد ان کو ہر نَفَس اے دل
مگر آہیں مری محبوب رکھتی ہیں بیاباں کو

کہاں تک پاسِ بدنامی کہاں تک ضبطِ بے تابی
نہ پکڑو اہلِ دنیا تم مرے دست و گریباں کو

جو طعنہ زن ہے اپنی بدگمانی سے ارے توبہ
وہ کیا جانے خدا کے عاشقوں کے دورِ پنہاں کو

بہ فیض مرشد کامل جو نسبت کا ہوا حامل
تو باصد ساز و ساماں دیکھا اس بے ساز و ساماں کو

بحمداللہ کسی عارف سے سنتا تھا کبھی اخترؔ
خدا کی یاد میں اُف نعرۂ آہِ بیاباں کو

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **تغافل**: غفلت میں پڑے ہوئے۔ **لب ھائے خنداق**: ہنستے ہوئے ہونٹ۔ **قلبِ گریاں**: روتا ہوا دل۔ **عنادل**: عندلیب کی جمع بمعنی بلبل۔ **رازِ جنوں**: اللہ تعالیٰ کے دیوانہ بننے کا طریقہ۔ **چاک داماں**: اللہ تعالیٰ کے عاشق۔ **دست**: ہاتھ۔ **طعنہ زن**: طعنہ دینے والا۔

اللہ والوں کے ہنسنے و مسکرانے کی حکمت

سمجھنا مت تغافل کیش ان لب ہائے خنداں کو
کہ سینہ میں چھپائے اہل دل ہیں قلب گریاں کو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بنی نوع آدم میں مبعوث فرما کر انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے اور اُن کی تعلیم وتربیت کے معاملے کو آسان فرمادیا لیکن جتنے انبیاء آئے سب انسان ہی بنا کر بھیجے گئے۔ کوئی فرشتہ انسانوں میں نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اُس کی اگر چہ بہت سی حکمتیں ہیں لیکن منجملہ اُن کے ایک حکمت یہ ہے کہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے مانوس ہوتا ہے اور مزاج وطبیعت سے واقف ہوتا ہے تو اُس سے اُس کو قرب لگاؤ اور اُنس وتعلق پیدا ہونے میں کوئی گھبراہٹ اور وحشت نہیں ہوتی۔ اور اس اعتبار سے، ہم جنس، ہم جنس سے زیادہ فائدہ اُٹھالیتا ہے۔ تو اسی پس منظر میں احقر یہ عرض کرتا ہے کہ جب اللہ والے لوگ انسانوں میں رہتے ہوئے ہنستے ہیں اور اُن کی جلوتیں ہنسی خوشی میں گزرتی ہیں تو پھر لوگ اُن سے مانوس ہوتے ہیں اور اس طرح اُن کے قریب لگتے ہیں جس کی برکت سے افادہ اور استفادہ آسان ہوجاتا ہے۔

اس لیے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ والوں کا ہنسنا غفلت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اُن کے پاس آنے والوں کا دل بہلانے اور اُن کو مانوس کرنے اور آپسی محبت واُلفت پیدا کرنے کی خاطر ہوا کرتا ہے تاکہ پھر اُن کو دردِ محبت سے آشنا کیا جائے۔ گو اِس قسم کی باتیں اہلِ ظاہر کو سمجھنے میں نہیں آتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ والوں کی ہنسی ایسی ہی اغراض ومقاصد کے تحت ہوتی ہے اس لیے اُن پر وہ ہنسی غفلت کا موجب نہیں ہوتی۔ اور بقول حضرت والا کے یہاں ہنسا ہنسا کر پھنسایا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین کا تعلق لوگوں میں پیدا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ماقبل میں حضرت خواجہ صاحب کا واقعہ اور شعر ذکر ہوچکا ہے کہ ہماری ہنسی کو غفلت کی وجہ سے مت سمجھنا، عین ہنسی کے وقت بھی دل مسلسل رو رہا ہے۔ اگر چہ کسی کو اُس کی خبر نہیں ہے۔

ہر وقت دل میں یادِ الٰہی نبی ﷺ کی سنت ہے

ہم سب جانتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایات میں یہ بات آئی ہے کہ آپ کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے بلکہ روایت میں ہے:

﴿عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابۃ وغیرھا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے تھے۔

تو ظاہر ہے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہنسی خوشی میں مشغول ہوتے تھے یا

اپنے صحابہ کے ساتھ بعض باتوں میں تبسم اور مزاح فرماتے تھے اُس وقت بھی آپ دل دل میں اللہ کو یاد کررہے ہوتے تھے۔ اگرچہ اس حدیث کا ایک مطلب محدثین نے انتقالِ حالات پر منقول دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا بھی لکھا ہے، مگر دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دل دل میں اللہ کو یاد رکھتے تھے۔ اس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کسی گھڑی بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

اس پر احقر کو ایک واقعہ یاد آیا کہ ہمارے یہاں ساؤتھ افریقہ میں ایک شخص نے بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ایک بات کہی جس کو سن کر اکثر علماء کو بہت ہی صدمہ اور دُکھ ہوا اور جو دینی اعتبار سے انتہائی خطرناک بات تھی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ اس کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا کہ تمہارا یہ رزق کہاں سے آرہا ہے؟ تو حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ کہ اللہ کے پاس سے آرہا ہے۔ تو یہ جناب اس سے استدلال کرکے یہ بات کہتے ہیں کہ دیکھیے جب حضرت زکریا ماحول میں ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کے رزق کا پتہ چلا تو خود بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کر بیٹھے کہ مجھے بھی اپنے پاس سے اولاد دے دیجئے۔ جب ماحول سے باہر تھے تو یہ دعا نہ مانگی، اس لیے دعوت کے ماحول میں رہو گے تو ایمان بنا رہے گا اور اس سے باہر نکلو گے تو تاثر آجائے گا۔ اس پر اُن کی یہ بات سن کر صرف میں نہیں بلکہ مجھ جیسے علماء کی ایک بڑی تعداد انتہائی خفا اور ناراض ہوئی۔ اور جب اُن کو بڑے ادب کے ساتھ لکھ کر ایک چھوٹی سی تحریر بھیجی گئی تو اُس پر انہوں نے غصے اور ناراضگی کا چہرہ بنالیا۔

نبی ماحول سے متاثر نہیں ہوتا

صاحبو! اور ان سطور کے پڑھنے والو! کیا دنیا کے کسی انسان کی زبان میں یہ جرأت ہے کہ وہ نبی کے ایمان کو متاثر کہہ دے اور نبی کو ماحول سے متاثر بتا سکے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے جیسا کہ ایک بڑے عالم نے اس بات کو سن کر کہا کہ جو شخص نبی کو ماحول سے متاثر بتا رہا ہو یہ ایسی خطرناک بات ہے کہ تاریخ میں اسلاف میں سے کسی نے نہیں کہی اور نہ کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ دین کے مبادیات اور دین کی بنیادی باتوں سے واقف نہ ہونے کی دلیل ہے۔ نبی تو نبی کسی صحابی کے بارے میں بھی اس طرح کی زبان کھولنا ہمارے اکابر و اسلاف نے قطعاً گوارہ نہیں کیا۔

اس لیے عرض یہ کرنا تھا کہ جس طرح انبیاء ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتے ہیں اور اُس سے غافل نہیں ہوتے تو یہ انبیاء کے حقیقی جانشین اولیاء اللہ کا حال بھی کچھ اسی طرح ہوتا ہے جس کو حضرت نے ان الفاظ میں بیان کیا ان لب ہائے خنداں کو غفلت کا شکار مت سمجھنا کیونکہ یہ اہلِ دل ہنسی کے وقت میں بھی اپنے سینوں میں قلبِ گریاں کو چھپائے ہوئے ہیں۔

اسی لیے بعض بزرگوں سے یہ بات منقول ہے کہ وہ خلوتوں اور جلوتوں میں ہر وقت رویا کرتے تھے تو یہ عمل اُن کا غلبۂ حال ہے۔ ہماری رہبری کے لیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی اُسوہ ونمونہ ہے۔ اسی لیے جب حضرت خواجہ صاحب ہنستے اور ہنساتے تھے تو کسی نے اعتراض کیا۔ اس پر خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں خشک پیر اور زاہد نہیں اور جس کو ہمارا طریقہ سمجھ میں نہ آئے وہ کہیں اور چلا جائے۔ اور یہ بات تو ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ہاں عقل والے نہ آئیں جو ہر چیز کو عقل کے سانچے میں پرکھنا اور جاننا چاہتے ہیں بلکہ میں دیوانوں کا متلاشی رہتا ہوں اور پھر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

فرزانہ جسے بننا ہو جائے کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو آئے یہاں آئے

اس لیے اللہ والوں کو مسکراتے اور ہنستے ہوئے دیکھ کر بدظن نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تو ہنسنے اور مسکرانے والے لوگ ہیں، یہ بزرگ کیسے ہوسکتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب نسبت مع اللہ قوی تر ہوجاتی ہے تو پھر یہ چیزیں قلب پر اثر انداز نہیں ہوتیں اور اہلِ دل اپنی طبیعت پر جبر کر کے مخلوق کے درمیان اُنس وتعلق پیدا کرنے کی غرض سے اپنے کو تنزل فرما کر اس درجہ پر اُتار کر ہنسی خوشی کا معاملہ کرتے ہیں۔ بلکہ میں اس کے برعکس یہ کہتا ہوں کہ جو حقیقت میں اہلِ دل نہیں ہوتے اور اُن کی نسبت مع اللہ قوی نہیں ہوتی انہیں اپنی بزرگی اور لوگوں میں بڑا سمجھا جانے کی فکر لگی رہتی ہے تو وہ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ساتھ ہنسنا بند کردیں، ورنہ پھر وہ ہماری بزرگی کے قائل نہیں رہیں گے۔ یہ درحقیقت باطن کے خالی ہونے کی نشانی ہوتی ہے اس لیے وہ ظاہر میں بزرگوں والی شکلیں اور صورتیں اور طور طریقے اپنانے کی فکر میں رہتے ہیں اور متکبرانہ انداز سے رہنے کو رعب اور خوف ڈالنے کی ضرورت کی خاطر اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہماری حفاظت فرمائے۔

چند معرفت ومحبت کے مضامین

عنادل کا تقاضا ہے چلو سیرِ گلستاں کو
مگر آہیں ہماری یاد کرتی ہیں بیاباں کو

عنادلوں اور بلبلوں کو سیرِ گلستاں میں لطف ملتا ہے جبکہ موسمِ بہار آئی ہو لیکن کاش! اِن کو یہ پتہ ہو کہ یہ گلستاں جب خزاں آئے گی تو پھر قائم نہ رہے گا اور اِس کی سیر دل کو بھاگئی اور دل میں سرایت کرگئی تو پھر چمن کو یاد کر کے تمہیں رُلاتی رہے گی۔ اس لیے مبارک ہیں وہ لوگ جن کو آہِ بیابانی سے اُنس ہے اور وہ بوریا نشین ہو کر اور صحراؤں میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا باغ اپنے سینے میں لگائے رہتے ہیں اور اُسی میں محو اور مگن رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آراء

اہل اللہ کبھی بھی گلستانوں اور پارکوں کے دلدادہ نہیں ہوتے ہیں اور نہ اُنہیں سمندری نظاروں سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں دنیا کے جھمیلے گھرے ہوئے ہوں یا اللہ کی معصیت و نافرمانی ہو رہی ہو تو یہ لوگ وہاں سے دور رہتے ہیں۔ وہ بوریا اور چٹائی جہاں چند اللہ کے درویش اللہ کا نام لے رہے ہوں وہ سلطانوں کے محلّوں اور امیروں کے بنگلوں سے بڑھ کر ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت والا نے فرمایا کہ ہماری آہیں تو بیابان کو یاد کرتی ہیں۔

اسی سے پوچھ لیتے ہیں بتا راز جنوں کیا ہے؟
جو پا جاتے ہیں قسمت سے کسی بھی چاک داماں کو

جو لوگ کسی اللہ والے کو پا جاتے ہیں یہ اُن کی بڑی خوش نصیبی کی علامت اور سعادت کی پہچان ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت ضرور نصیب ہو جائے گی۔ اس لیے رازِ جنوں کیا ہے؟ اور دیوانگی کی حقیقت کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے لیے مرنے مٹنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اس کو صحیح طور پر بتا سکتے ہیں۔ اور جنہوں نے صرف عبادتیں تو کی ہوں لیکن کسی شیخ کامل اللہ کے دیوانے کی صحبت نہ اُٹھائی ہو تو اُسے عابد و زاہد بننا تو آ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ کا دیوانہ ہو جانا اور دردِ دل سے آشنا ہونا یہ دولت عطا نہیں ہوتی۔

بگڑتے حسن کا جغرافیہ دیکھا حسینوں کا
ملامت کرتے دیکھا عاشقی پر عشقِ ناداں کو

اس شعر میں حسنِ مجازی کی خرابی کو ایک خاص انداز سے ذکر کیا ہے کہ جب حسینوں کے چہروں کا جغرافیہ بگڑتا ہے اور وہ سب رونق و چمک دمک جاتی رہتی ہے تو پھر یہ عاشقِ ناداں اپنی عاشقی پر خود ملامت کناں ہوتا ہے کہ میں نے کہاں عشق لڑایا اور کس غلط سمت میں اپنی محبت کا رُخ پھیرا، کیونکہ وہی خوبصورت چہرے اب کانٹوں کی جھاڑیاں معلوم ہوتے ہیں۔

میں کرتا ہوں چمن میں یاد ان کو ہر نفس اے دل
مگر آہیں مری محبوب رکھتی ہیں بیاباں کو

یہ شعر اس نظم کے دوسرے شعر ہی کی طرح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگرچہ میں دنیا کے معاملات اور مسائل میں پڑ کر بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رہتا اور ہر سانس اسی کو یاد رکھتا ہوں۔ مگر جو لذت اور لطف صحراؤں اور بیابانوں کی آہوں میں خلوت و یکسوئی کے ساتھ نصیب ہوتی ہے وہ یہاں میسر نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمیشہ میری آہیں

بیاباں کو محبوب رکھتی ہیں۔

کہاں تک پاسِ بدنامی کہاں تک ضبطِ بے تابی
نہ پکڑو اہلِ دنیا تم مرے دست و گریباں کو

اللہ تعالیٰ کی محبت کا راز جب اُس کا عاشق ظاہر کرنے پر آتا ہے تو اہلِ دنیا طرح طرح کے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور ملامتوں کی بارش کرتے ہیں۔ جیسا کہ رات دن اہلِ دین کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے۔ پھر بالخصوص وہ شخص جو عام دینداروں کی طرح نہیں بلکہ اُس کی دینداری دیوانگی میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ظاہری بے سروسامانی کے عالَم میں رہنے کو اپنی زندگی کی ترجیح قرار دیتا ہے اور ہر وقت عالَم میں چاک گریبانی کے ساتھ اللہ کی محبت کے نعرے لگائے پھرتا ہے۔ اسی صورتحال کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ میں بدنامی کا پاس و لحاظ کہاں تک کروں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل میں جو بے تابی اور بے چینی لگی ہوئی ہے اُسے کہاں تک چھپاؤں۔ اے دنیا والو! تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میرے دست و گریبان پکڑ کر مجھے پکڑنے کی کوشش نہ کرو۔

جو طعنہ زن ہے اپنی بدگمانی سے ارے توبہ
وہ کیا جانے خدا کے عاشقوں کے دردِ پنہاں کو
بہ فیضِ مرشدِ کامل جو نسبت کا ہوا حامل
تو باصد ساز و ساماں دیکھا اس بے ساز و ساماں کو
بحمد اللہ کسی عارف سے ملتا تھا کبھی اختر
خدا کی یاد میں اُف نعرۂ آہ و بیاباں کو

آخری تینوں اشعار میں حضرت والا عرض فرما رہے ہیں کہ جو اللہ والوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے درحقیقت وہ خدا کے عاشقوں کے دردِ پنہاں سے واقف نہیں ہوتا اور اُسے اُن کے اندرون اور باطن میں گزرنے والے احوال و کوائف کی خبر نہیں ہوتی، اس لیے وہ بدگمان رہ کر اُن پر طعنہ زن رہتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جسے مرشدِ کامل کے فیض سے نسبت مع اللہ حاصل ہوگئی تو اُس کے دل کا حال یہ ہو چکا ہوتا ہے کہ سینکڑوں ساز و سامانی کے عالَم میں وہ بے ساز و سامان رہتا ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں اسی حقیقت کی ترجمانی ہے ؎

اے خدا کیا رابطہ ہے تجھ سے ان ارواح کو
بے ترے پاتی نہیں جو چین باصد مال و زر
میں نے یہ دیکھا نہیں ملتا سکوں تیرے بغیر
گرچہ حاصل ہو مجھے کُل کائناتِ بحر و بر

اس لیے درحقیقت اللہ والے کائناتِ بحر و بر مل جانے کے باوجود سکون و اطمینان جب تک نہیں پاتے جب تک کہ وہ خدا تعالیٰ کی یاد میں مست نہ ہوں اور اپنے مولا کے ذکر و یاد میں آہ آہ نہ کر رہے ہوں۔ اس لیے حضرت والا نے فرمایا کہ بڑا کیف و سرور کا عالم ہوتا تھا جب میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں اپنے شیخ کے نعرۂ آہِ بیابانی کو سنتا تھا اور یہ نعرۂ آہِ بیابانی حضرت والا کو ایک طویل مدت تک اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے سننے کا موقع ملا۔ جس کو احقر نے حضرت والا ہی کے ایک وعظ میں سنا اور حضرت کی مختلف کتابوں میں پڑھا بھی ہے کہ رات کا آخری حصہ ہوتا تھا جس میں میرے شیخ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے، قرآن کریم کے آٹھ آٹھ پاروں کی تلاوت کرتے اور بیچ بیچ میں آہ نکالتے تھے اور یہ جملہ فرماتے تھے کہ یارب! مجھے معاف کر دینا، جسے سن کر یہ لگتا تھا کہ جس طرح انجن میں اسٹیم بھر جانے کے بعد اُسے باہر نکالی جاتی ہے کچھ اسی طرح حضرت والا کا قلب بھی محبت کی آگ اور گرمی سے بھر چکا ہے۔ اسی کو حضرت اسی طرح آہیں بھر بھر کر نکالتے تھے۔

جامِ قرب

تو نے ان کی راہ میں طاعت کی لذت بھی چکھی
ہاں شکستِ آرزو کا بھی مقامِ قرب دیکھ
سرفروشی دل فروشی جاں فروشی سب سہی
پی کے خونِ آرزو پھر کیفِ جامِ قرب دیکھ

زندگی نعمت ہے گر مالک پہ قرباں ہوگئی

عشق کی مشکل بہ فیضِ عشق آساں ہوگئی
عشق کی طاقت سے ہر طاقت پشیماں ہوگئی

زندگی نعمت ہے گر مالک پہ قرباں ہوگئی
غیر پر لیکن فدا ہوکر پریشاں ہوگئی

حسنِ فانی پر فدا ہوکر جو ناداں ہوگئی
زندگانی آہ اس کی ننگ حیواں ہوگئی

قدرتِ حق سے ہماری خاک انساں ہوگئی
دولتِ ایماں سے پھر لعلِ بدخشاں ہوگئی

ان کے غم کے فیض سے ہر وقت شاداں ہوگئی
زندگی فکر و اَلم میں کیسی خنداں ہوگئی

خار ہائے رنج ہجراں سے جو کل رنجور تھی
مرشدِ کامل کے صدقے گل بداماں ہوگئی

کیوں نہ ہو پھر زندگی اس کی پریشاں دوستو
جب وہ ناداں مائلِ زلفِ پریشاں ہوگئی

ذکر کی توفیق جس کو مل گئی شام و سحر
فقر میں بھی زندگی با ساز و ساماں ہوگئی

اہلِ دل سے دردِ دل جس دل کو اے اخترؔ ملا
ایسے درویشوں کی ہستی رشکِ سلطاں ہوگئی

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ننگِ حیواں: جانوروں کو شرما دینے والی۔ **لعل بدخشاں**: بدخشاں افغانستان میں ایک جگہ ہے جہاں کے موتی اور جواہرات مشہور ہیں۔ **شاداں**: خوش۔ **اَلم**: تکلیف۔ **رنج ھجراں**: دُوری کے کانٹوں سے۔ **رنجور**: رنج میں ہونا۔ **گل بداماں**: دامن میں پھول ہونا۔ **زلفِ پریشاں**: حسینوں کے بگڑے ہوئے بالوں کی طرف مائل ہوجانا۔ **رشکِ سلطاں**: جس پر بادشاہوں کو بھی رشک آئے۔

محبت خود آدابِ محبت سکھا دیتی ہے

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی دل میں اپنی محبت ڈالتے ہیں تو پھر محبوب تک پہنچنے کے لیے راستے کو آسان بھی فرما دیتے ہیں اور خود محبت آدابِ محبت سکھاتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے جو مشکلات اور مشقتیں محبت کے راستے میں اُٹھائی جاتی ہیں خود وہی محبت اُنہیں آسان کر دیتی ہے یعنی محبت کرنے والا اپنے محبوب کے لیے خوشی خوشی برضا ورغبت بلکہ بہ حلاوت ولذت ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سہتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح گویا عشق کی خود اپنی ایک طاقت ہوتی ہے جس کے سامنے اُس راستے کی رکاوٹیں اور تمام مخالف طاقتیں پشیمان اور ہیچ ہو جاتی ہیں۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشقوں کا ہوا کرتا ہے۔ قرآن میں یہ بات اُس مقام پر ذکر کی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ کہ اے ایمان والو! تم میں سے کوئی اگر مرتد ہو جائے گا اور اپنے دین سے پھر جائے گا تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو لائیں گے کہ اللہ اُن سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ اور اُن کا ایک خاص وصف یہ ذکر کیا گیا کہ وہ کسی ملامت کرنے والی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس لیے عشق کی طاقت کے سامنے ملامتوں اور طعن وتشنیع کی طاقت ماند پڑ جاتی ہے اور مجاہدات و مشقتوں کا بوجھ اُٹھانا سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

اگر محبت صرف اللہ سے ہوگی اور زندگی اُس پر قربانی ہوگی تب تو یہ بڑی نعمت اور راحت کا سامان ہے لیکن اگر کسی غیر پر فدا ہوئی تو پھر دنیا وآخرت کی پریشانی اور رنج وغم اور مصیبت وتکلیف کا باعث اور سبب ہوگی۔ خاص طور پر آج کے زمانے میں جو نادان حسنِ فانی پر فدا ہو رہے ہیں اُن کی زندگانی انسان ہونے کے باوجود ننگِ حیوان ہو چکی ہے کیونکہ وہ اپنے عادات وخصائل میں حیوانوں کو بھی مات کر چکے ہیں اور حیوانیت سے بھی آگے جا چکے ہیں۔

انسان کے لیے ایمان واسلام اور علم وعرفان بڑی نعمتیں ہیں

شکر ہے اُس خدائے پاک کا اُس نے ہمیں انسان بنایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے اور اُن سے کوئی پوچھ نہ سکتا تھا کہ وہ ہمیں انسان کے بجائے دوسرا کوئی جانور بنا کر اشرف المخلوقات ہونے سے محروم فرما دیتے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان بنانے کے بعد ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا تو پھر تو یہ خاک ایمان کی برکت سے لعلِ بدخشاں بن گئی بلکہ حقیقت میں اُس سے بھی زیادہ بڑھ کر قیمتی ہو گئی اور پھر جسے ایمان ملنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی محبت وغم بھی عطا فرما دیا تو اُس کی خوشی اور مسرت کا کیا پوچھنا۔ اُسے تو دنیا وآخرت کی جنت کا مزہ دنیا ہی میں رہتے ہوئے میسر آنے لگتا ہے اور حق تعالیٰ کی محبت کے غم کے فیض سے ہر وقت زندگی شاداں وفرحاں ہو جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ دنیا کے رنج واَلم میں پڑے رہتے ہیں اور اُس کے فکر وغم اُنہیں گھیرے رہتے ہیں، اُس میں انہیں کسی کل چین وسکون میسر نہیں آتا۔ بس اللہ کا غم ایسی نعمت ہے کہ عین غم کے وقت بھی خوشی اور عین تکلیف و

مصیبت میں بھی بندۂ مؤمن خوش ہوتا اور ہنستا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو اللہ تعالیٰ سے وصل و ملاقات کا خواہاں ہوں اور اپنے ہجراں اور دوری کو وصال میں مبدل کرنا چاہتا ہوں اور اپنی تلخ حیات کو شیریں بنانے کا متمنی ہو تو وہ کسی مرشدِ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے، عنقریب وہ دیکھے گا کہ جو زندگی خار ہائے رنجِ ہجراں سے رنجور تھی آج شیخ کامل کی صحبت و خدمت سے گل بداماں ہو جائے گی۔

لیکن اگر کسی محبوب و محبوبہ کی زلفوں پر اپنے دل کو مائل کر کے اُن کا عاشق بن گیا تو پھر اُس کی زندگی کی پریشانی ایک بدیہی اور واضح چیز ہے بلکہ اُن کو سکون ملنا خلافِ عقل اور مستبعد ہے۔ اس لیے ایسے چکروں سے بالکل دور رہ کر کسی اللہ والے سے وابستہ ہو جائے اور صبح و شام اُس کی اللہ کے ذکر میں گزر رہی ہو۔ نہ وہ نمازوں سے غافل ہو نہ صبح و شام کے اذکار کو چھوڑتا ہو۔ بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ اپنا بنیادی مقصدِ حیات صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر و یاد میں لگنے کو اور چوبیس گھنٹے اُسی پر فدا ہونے کو بنالیا ہو تو فقر کے حالت میں بھی اُس کی زندگی با ساز و سامان ہو جاتی ہے اور ایسے درویشوں اور اللہ والوں کی ہستی رشکِ سلطاں ہو جاتی ہے۔ بس شرط یہی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت بھی ہو اور اُس کے راستے کے غموں کو اُٹھا کر سینے میں دردِ دل حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صبح و شام اُس کی یاد میں اوقات گزرتے ہوں۔

بہارِ چندروزہ و بہارِ غیر فانی

بہارِ حسنِ صورت سے جو عاشق زندہ ہوتا ہے
وہ تبدیل بہار رنگ سے شرمندہ ہوتا ہے
جمال سیرت و معنیٰ سے جو تابندہ ہوتا ہے
تو لطف زندگی بھی اس کا پھر پایندہ ہوتا ہے

تابندہ: چمکتا ہوا۔ **پایندہ:** ہمیشہ رہنے والا۔

ایک دن خاک منقش نذر مدفن ہوگئی

نفس کے گندے تقاضوں سے جو اَن بن ہوگئی
رُوح میری سنبل و ریحان و سوسن ہوگئی

جب ہمارے آب و گل میں دردِ دل شامل ہوا
اُن کی ہر منزل ہمارے پیشِ دامن ہوگئی

کس قدر ظلمت کدہ تھی انجمن اُن کے بغیر
اُن کے آتے ہی سراپا بزم روشن ہوگئی

ہم تو صحراؤں کو سمجھے تھے کہ ویرانی ہے واں
ذکرِ حق کے فیض سے وہ رشکِ گلشن ہوگئی

نفس دُشمن ہوگیا مغلوب ان کی یاد سے
روح کی طاقت ہماری شیر اَفگن ہوگئی

تلخ تھی بزمِ جہاں میں اہلِ دنیا کی حیات
فیض بزمِ عاشقاں سے بزمِ گلشن ہوگئی

مت لگانا دل کو تم فانی حسینوں سے کبھی
ایک دن خاک منقش نذر مدفن ہوگئی

جب سے اختر روکشِ اغیار و بیگانہ ہوا
بزمِ اہلِ دل میں اس کی قدر احسن ہوگئی

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سوسن:** خوشبوؤں اور پھولوں کے نام ہیں۔ **پیش دامن:** دامن میں عطا ہوگئی۔ **ظلمت کدہ:** اندھیرے کا گھر۔ **سراپا:** مکمل طور پر۔ **مغلوب:** قابو میں۔ **شیر اَفگن:** شیر کو پچھاڑ دینے والا۔ **تلخ:** کڑوی۔ **حیات:** زندگی۔ **عاشقاں:** اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے فیض سے۔ **منقش:** نقش و نگار بنی ہوئی مٹی۔ **روکش:** منہ پھیر لینے والا۔ **اغیار:** غیر کی جمع۔ **بیگانہ:** غیر۔ **بزم اہلِ دل:** اللہ والوں کی محفل۔ **قدر احسن:** بہت اچھی قدر ہونا۔

گندے تقاضے بشری فطرت ہے

نفس کے گندے تقاضوں سے جو اَن بن ہوگئی
رُوح میری سنبل و ریحان و سوسن ہوگئی
جب ہمارے آب و گِل میں دردِ دل شامل ہوا
اُن کی ہر منزل ہمارے پیشِ دامن ہوگئی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم کے مزاج میں فطری طور پر گناہوں کے کرنے کا مادّہ اور خواہش رکھی ہے۔ اس لیے جب بھی وہ گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے ہیں تو نفس کے گندے تقاضوں کے ساتھ ایک طرح سے اَن بن اور لڑائی ہوتی ہے اور بڑی قوت و طاقت لگا کر اور دل پر زور اُٹھا کر اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا پڑتا ہے ورنہ فطری طور پر طبیعت کا میلان گناہوں کی طرف رکھا گیا ہے۔ اس کو مزید وضاحت کے ساتھ اِس روایت سے سمجھا جاسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

﴿عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرِیْلَ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَیْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَیْهَا وَإِلَی مَا أَعَدَّ اللهُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ أَیْ رَبِّ وَعِزَّتِکَ لَا یَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا﴾

(مرقاة المفاتیح، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب خلق الجنة والنار)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبرئیل کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ جنت کو دیکھنے کے لیے گئے تو آکر یہ عرض کیا کہ یااللہ! جو انسان بھی اس کو دیکھ لے گا وہ اس میں داخل ہونے کی تمنا کرے گا۔ اسی جنت میں داخل ہوجائے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے پھر اس جنت کو چاروں طرف ناگوارِ طبیعت چیزوں سے اور مشقت آمیز کاموں سے گھیر دیا تو پھر حضرت جبرئیل کو بھیجا تو حضرت جبرئیل نے آکر دیکھا تو یہ عرض کیا کہ اے اللہ! اب تو ایسا لگتا ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہ ہوسکے گا۔ اور جب جہنم کو پیدا کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دیکھنے کے بعد یہ عرض کیا کہ یااللہ! یہ تو ایسی جگہ ہے کہ اس میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ مگر جب جہنم کو طبیعت کی لذیذ اور مزیدار چیزوں کے ذریعے چاروں طرف سے گھیر ڈالا اور پھر حضرت جبرئیل کو بھیجا تو آکر عرض کیا کہ یااللہ! اب ایسا لگتا ہے کہ سبھی جہنم میں داخل ہوجائیں گے، کیونکہ بنی آدم کے نفس کی خواہشات و مرغوبات سے جہنم کو گھیر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان سے رُکنا بڑے مجاہدے اور دشواری کے ساتھ ممکن ہوگا۔

اس حدیث کی روشنی میں اس شعر کا سمجھنا بالکل آسان ہے کہ جب بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا

کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور اُس کے حرام کیے ہوئے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے نفس کے گندے تقاضوں سے مقابلہ کر کے پوری قوت و ہمت استعمال کرنی پڑتی ہے اور گویا دونوں میں شدید قسم کی اَن بَن اور لڑائی ہوتی ہے جو کم ہمت اور بزدل اور لومڑیانہ خصلت کا مالک ہے وہ گناہوں میں پڑ کر اپنے مالک کو ناراض کر ڈالتا ہے اور اپنے قلب وروح کو ظلمات اور تاریکیوں کے سمندر میں ڈبو دیتا ہے۔ لیکن جو جرأت و ہمت والا دلیر اور بہادر خوش قسمت اور سعادت مند انسان ہے وہ نفس کے تقاضوں پر غالب آ کر اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے نفس کو مغلوب کر دیتا ہے اور اُسے اس کی خواہش پوری کرنے نہیں دیتا۔ جس کی برکت سے اُس کے قلب و روح اللہ تعالیٰ کے قرب کا گلشن بن جاتی ہے جس میں سنبل ونسرین اور ریحان وسوسن کی خوشبوئیں مہکنے لگتی ہیں اور بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ روح رشکِ سنبل وریحان ہو جاتی ہے۔

اور اس شعر میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کبھی بھی سالک کو نفس کے تقاضے ختم کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انسان میں وہ تقاضے تو بحیثیت بشر اور انسان ہونے کے موجود رہیں گے بلکہ اُن کا موجود رہنا ہی بشر کو ملائکہ پر فضیلت دیئے جانے کا سبب اور وجہ ہے کہ ملائکہ میں صرف اطاعت کا مادّہ رکھا گیا معصیت کا نہیں اور انسان میں دونوں رکھے گئے۔ جب یہ معصیت کے تقاضے کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے چلتا ہے تو اس کا مقام بلند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ پاک میں جہاں غصہ پینے کی فضیلت ذکر کی گئی وہاں **الکاظمین الغیظ** فرمایا گیا ہے اور **العادمین الغیظ** نہیں فرمایا گیا یعنی وہ غصہ پر کنٹرول کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ غصہ کو ختم کرنے والے۔ یہی معاملہ شہوت کے گناہ میں بھی ہے کہ شہوت رہتے ہوئے نظر وقلب کا بچانا اور اُس کے لیے اپنے دل پر غم اور تکلیف اُٹھانا یہی اللہ کی بارگاہ میں مطلوب ہے۔ اور اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دردِ غم ہمارے آب وگل کو عطا ہوتا ہے۔ جس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور اُس کو راضی کرنا ہی ہمارا مقصود بن جاتا ہے۔ اور ہر قدم پر بس یہی ایک مقصد سامنے رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے، اس لیے اُن کی منزل پیشِ دامن ہو جاتی ہے۔

عارف کی جنت جہاں وہ جاتا ہے ساتھ ہوتی ہے

کس قدر ظلمت کدہ تھی انجمن اُن کے بغیر
اُن کے آتے ہی سراپا بزم روشن ہوگئی
ہم تو صحراؤں کو سمجھے تھے کہ ویرانی ہے واں
ذکرِ حق کے فیض سے وہ رشکِ گلشن ہوگئی

اور جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت مل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اپنی تجلیات کے ساتھ اس کے دل میں سما جاتے ہیں تو پھر اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ آہ! میری زندگی کے وہ دن جو میں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر گزارے کس

قدر تاریک اور ظلمت سے بھرے ہوئے تھے اور میرے دل کی انجمن اللہ تعالیٰ کے بغیر کس قدر ظلمت کدہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ دل میں آئے تو اب پتہ چلا ہے کہ میرے دل کی بزم سراپا روشن ہوگئی ہے۔ اور اس محبتِ خداوندی کی برکت سے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق اور اس کی یاد کے نتیجے میں ہم نے یہ دیکھا کہ جن صحراؤں کو ہم ویران سمجھتے تھے اللہ کے ذکر کے فیض سے وہ رشکِ گلشن نظر آرہے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہونے اور اُس کی رضا کے پالینے کے بعد انسان جس جگہ بھی رہے اُس کو داخلی جنت عطا ہوجاتی ہے۔ پھر اُس کی جنت اُس کے ساتھ چلتی ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک موقع پر اس طرح کی بات کہی تھی: **مایصنع بی اعدائی الخ** (**تاریخ دعوت وعزیمت**) کہ میرے دُشمن میرا کیا بگاڑ سکیں گے نہ وہ میری جنت کو چھین سکتے ہیں کیونکہ میری جنت میرے ساتھ ہوتی ہے، میں جدھر بھی جاؤں وہ میرے ساتھ ہے اور وہ قلب کی جنت ہے۔ جیسا کہ اسی کی ترجمانی تائب صاحب نے اس شعر میں کی ہے ؎

مولیٰ کی حضوری میں تو جنت ہے یہ دنیا
دنیا میں جنت کا مزہ اور ہی کچھ ہے

اس لیے پھر اس کے لیے صحراء و بیابان بھی رشکِ گلشن ہوجاتے ہیں اور اُسے وہاں بھی وہی جنت کا مزہ اور لطف آتا ہے جو کہ کسی گلشن میں یا عمدہ محلات یا بنگلوں میں رہ کر کے عطا ہوتے ہیں۔

نفس دُشمن ہوگیا مغلوب ان کی یاد سے
روح کی طاقت ہماری شیر افگن ہوگئی
تلخ تھی بزمِ جہاں میں اہلِ دنیا کی حیات
فیضِ بزمِ عاشقاں سے بزم گلشن ہوگئی

ان اشعار میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی کثرت نفسِ دُشمن کو مغلوب کرنے کے لیے بہترین علاج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد کی برکت سے روح کو قوت و طاقت نصیب ہوتی ہے اور جب روح طاقتور ہوگی تو نفس کے گندے تقاضے دبتے چلے جائیں گے۔ اس لیے ہمارے اکابر میں بہت سے حضرات اصلاح کے اسی طریق کو آج زیادہ پسند فرماتے ہیں کہ اتنا ذکر اللہ کرایا جائے کہ گناہوں کے تقاضے بالکل مغلوب ہوجائیں اور پھر نفس کی چاہت اور اُس کی تمنا پر بندہ نہ چلے بلکہ اللہ کے حکم پر چلنا اُس کے لیے آسان ہوجائے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نفسِ دُشمن مغلوب تو ہوسکتا ہے لیکن بالکل مردہ نہیں ہوسکتا۔ بقول حضرت خواجہ صاحب ؎

نہ چت کرسکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

اور جولوگ نفس دُشمن کی چاہت پر چلتے رہتے ہیں اور وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو غالب نہیں کرتے اور نفس کے سامنے مغلوب ہوجاتے ہیں تو پھر ایسے اہلِ دنیا کی حیات اسی بزمِ جہاں میں اتنی تلخ اور کڑوی کردی جاتی ہے کہ انہیں تمام سامانِ عیش وعشرت کے باوجود راحت نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن اگر وہی لوگ اللہ والوں سے وابستہ ہوجائیں اور اُن کی صحبت وخدمت میں آنے لگیں تو ان عاشقوں کی بزم کے فیض سے وہ بزمِ جہاں بھی روشن ہوجاتی ہے۔

خاک منقش نذرِمدفن ہوگئی

مت لگانا دل کو تم فانی حسینوں سے کبھی
ایک دن خاک منقش نذر مدفن ہوگئی
جب سے اختؔر روکشِ اغیار و بیگانہ ہوا
بزمِ اہلِ دل میں اس کی قدر احسن ہوگئی

پھر حضرت والا وہی نصیحت فرماتے ہیں کہ ان فانی حسینوں سے دل لگانے کی غلطی نہ کرنا کیونکہ تمہیں اللہ نے عقل دی ہے اور عقل سے سوچ کر غور اور فیصلہ کرلو کہ یہ حسن، حسن نہیں ہے، دراصل دھوکہ ہے۔ حقیقت میں خاک اور مٹی کا ڈھیر ہے جس پر بظاہر نقش ونگار نظر آرہا ہے ورنہ عنقریب جب یہ خاک نذرِمدفن ہوگی تو اس کی صحیح حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ یہ کوئی حسن کا مجسمہ تھا یا خاک کا ایک ڈھیر تھا جس کے اوپر حسن کا کور (Cove) چڑھا ہوا تھا۔ جیسے کسی گندگی اور غلاظت پر چاندی کا کور چڑھا دیا جائے تو اُس سے وہ چاندی نہیں بن جاتا۔

اور یاد رکھو! جب تم غیر اللہ سے دوری اختیار کرلو گے اور اُن سے منہ پھیر کر خالص اللہ کے ہوجاؤ گے تو سارے جہان والے بالخصوص اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے تمہیں بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جب بندہ روکشِ اغیار وبیگانہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے تو اُسے اللہ اپنا محبوب بناتے ہیں اور پھر بزمِ اہلِ دل میں اُس کی قدر ومنزلت اور شرف وعزت بڑھادی جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ دنیا جہان بھر کے لوگ اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ان اولیاءاللہ کو نہ تو دیکھا ہوتا ہے اور نہ اُن سے ملاقات کی ہوتی ہے مگر اُن کے دل میں بھی ان کی عزت وعظمت اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے ملنے اور اُن کی زیارت کو باعثِ عزت وشرف سمجھتے ہیں۔ اور اُن کی اپنے گھر تشریف آوری کو اپنی سعادت قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صرف اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے لیے انسانوں کے دلوں میں اپنے یہاں سے عزت ڈالتے ہیں اور اُن کی قدر ومنزلت لوگوں میں اُتاردی جاتی ہے۔ اللہ کی سنت یہی تھی، اور یہی ہے اور قیامت تک یہی رہے گی، کیونکہ سنت اللہ میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی ہے۔

قلب مضطر

وہ جس کا نام کہ دنیا میں قلب مضطر تھا
فلک پہ جا کے وہ ہم شکل ماہ و اختر تھا
تمام عمر تڑپنے کی تھی جو خُو اس میں
نہ جذب ہو سکا دنیا کا رنگ و بُو اس میں
میں درد و غم سے بھرا اِک سفینہ لایا ہوں
ترے حضور میں اِک آب گینہ لایا ہوں
تری رضا کا ہے بس شوق و جستجو اس میں
مری ہزار تمنا کا ہے لہو اس میں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **قلبِ مضطر**: بے چین دل۔ **ماہ و اختر**: چاند اور ستارے جیسا ہونا۔ **خُو**: عادت۔ **گینہ**: کٹورا، پیالہ، گلاس۔ **جستجو**: لگن۔

سکونِ دل

اگر اللہ والوں سے نہیں دل کی دوا پاتا
بہت مشکل تھا اپنے نفس سرکش کو دبا پاتا
خدا کی سرکشی سے خودکشی ہے مال و دولت میں
کبھی اللہ والوں سے نہیں ایسا سنا جاتا
سکون دل اترتا ہے فلک سے اہل تقویٰ پر
بدوں حکم خدا سائنس داں پھر کیسے پا جاتا
اگر پیٹرول کے مانند ہوتا یہ سکونِ دل
زمیں میں کر کے بورنگ اس کو ہر کافر بھی پا جاتا
بتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہوا پاگل
گناہوں سے سکون پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا
بچو گندے عمل سے اَمردوں سے دور ہوجاؤ
اگر یہ فعل اچھا تھا خدا پتھر نہ برساتا
نہیں ممکن تھا ان کی راہ میں میرا قدم رکھنا
اگر جذبِ کرم کی دل نہیں کوئی صدا پاتا
میں تھک جاتا ہوں اپنی داستانِ درد سے اخترؔ
مگر میں کیا کروں چپ بھی نہیں مجھ سے رہا جاتا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سَرکش**: ضدی۔ **اھلِ تقویٰ**: اللہ والے۔ **بِدوں**: بغیر۔ **اَمردوں**: وہ لڑکے جن کی داڑھی مونچھیں نہ آئی ہوں اور ان کی طرف جنسی میلان ہوتا ہو یا داڑھی مونچھیں آنے کے باوجود جنسی میلان ہونا۔ **فعل**: عمل۔ **جذبِ کرم**: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف بندے کو کھینچ لینا۔ **صدا**: آواز۔

جسمانی بیماری کی طرح روحانی بیماری کا ہسپتال

اگر اللہ والوں سے نہیں دل کی دوا پاتا
بہت مشکل تھا اپنے نفسِ سرکش کو دبا پاتا

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا یہ کلام جو اس وقت آپ کو سنایا جارہا ہے اس کا عنوان ہے سکونِ دل اوراس کی مناسبت سے ایک بات ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احقر ایک مرتبہ اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند حاضر ہوا تو ایک استاد سے ملنے کیلئے آ گیا تو انہوں نے مجھ سے بڑے والہانہ انداز سے حضرت والا کا ذکر کیا اور یوں فرمایا کہ ارے میں موریشس سے آرہا ہوں اور وہاں میں نے ایک بزرگ کا عجیب وغریب محبت خداوندی پر مشتمل کلام پڑھا کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ وہ بزرگ پاکستان میں ہیں اور ان کا نام مولانا حکیم اختر صاحب ہے اور ان کا کلام یہ ہے اوراس نظم کے اشعار دکھائے۔ تو اس پر احقر نے عرض کیا کہ الحمد للہ جانتا ہوں اور حضرت کی بار بار زیارت بھی کرتا رہتا ہوں اور اصلاحی تعلق بھی حضرت کے ساتھ ہے تو اس وقت یہی کلام آپ کے سامنے پیش ہے۔

بعنوان سکونِ دل حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کا بدن بیمار ہوتا ہے اسی طرح اس کا دل اور روح بھی بیمار ہوتی ہے اور جس طرح جسم کی بیماریوں کے لیے علاج ومعالجہ کی ضرورت ہے اسی طرح روح کی بیماریوں کے لیے اس کے علاج کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ حضرت والا نے اس موضوع پر باقاعدہ ایک مکمل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا عنوان ہے ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج''

اور یاد رکھئے کہ جسم کی بیماری جسم کے فنا وختم ہونے کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے مگر روح کے ساتھ لگے ہوئے امراض سب قبر وحشر ونشر کے وقت تک ساتھ ہوں گے چونکہ انسان ازلی تو نہیں ہے لیکن ابدی ہے یعنی اب جبکہ وہ پیدا ہوچکا ہے تو اب کبھی ختم نہ ہوگا۔ صرف اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوجائے گا اور نوعِ حیات بدل جائے گی لیکن کلی طور پر معدوم اور ختم نہ ہوگا اس لیے جسم کی بیماری کے مقابلہ میں روح کی بیماری فکر زیادہ اہم اور ضروری ہے اور ان کا ازالہ موت سے قبل ہی ممکن ہے اب جو آدمی اپنے قلب وروح کو مزکّی ومجلّی اور امراض سے صاف ستھرا قلب سلیم اور پاکیزہ بنانا چاہتا ہو تو جس طرح جسمانی بیماریوں کے لیے کبھی ڈاکٹر مریض سے یہ کہتا ہے کہ تجھے ہسپتال میں بھرتی ہونا پڑے گا اسی طرح اللہ والے کبھی آدمی کی حالت دیکھ کر اس سے کہتے ہیں کے تجھے یہاں خانقاہ کے ماحول میں چلہ، دو چلے تین چلہ حسبِ حالت لگانے پڑیں گے تاکہ بد پرہیزی سے حفاظت رہے اور یوں مریض جلد صحت یاب ہوجاتا ہے اور بسا اوقات ایک ہی سفر میں صاحب نسبت، ولی اللہ اور اجازت یافتہ بزرگ بنکر جاتا ہے۔

تو حضرت والا دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اے انسانوں تمہارے جسمانی امراض کے لیے تو جسمانی

ڈاکٹر ہیں اور تمہاری روحانی بیماریوں کے لیے یہ اولیاءاللہ ومشائخ اور صوفیائے کرام روحانی ڈاکٹر ہیں ان کے پاس جاؤ اوران سے اپنے دل کی دوائی لیکر استعمال کرو وہاں ان کے پاس ایڈمٹ (Admit) ہوجاؤ اور یوں دیکھو کہ کیسے آسانی ہی سے نہیں بلکہ بڑے مزے دار طریقہ سے تمہیں ان امراض سے شفا مل جائے گی جیسا کہ علماء ومشائخ نے فرمایا کے اللہ والوں کی صحبت سے یہ راستہ آسان ہی نہیں بلکہ مزیدار ہوجاتا ہے ورنہ اگرکوئی مریض ڈاکٹروں سے دور دور رہ کر محض کتابوں کے ذریعہ اپنا علاج کرتا رہے تو امکان عقلی تو ہے کہ اسے شفاء وصحت مل جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ننانوے فیصد وہ شخص بیماری میں مزید بڑھتا چلا جائے گا اور اپنی ہلاکت کو دعوت دے گا اور دنیا کا کوئی عقلمند اور باشعور انسان اس طرح علاج کرنے کو پسند نہیں کرتا ہے ورنہ اگر ایسا ہوا کرتا تو ڈاکٹروں کو بڑی بڑی فیس دے کر ان سے دوائی لینے کی کوئی حاجت نہ رہتی بس لکھدیا جاتا کہ فلاں بیماری کی فلاں دوا ہے اور ہر انسان اس کتاب کو لے کر اپنا علاج کرلیا کرتا۔ بالکل یہی معاملہ اور حال مریض اور بیمار کا ہے کہ محض کتابوں سے علاج کو آپ ممکن تو کہہ سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کے عادۃً ایسا ہوتا نہیں ہے اور نہ اس طرح آج تک کسی نے شفا پائی ہے۔

اس لیے حضرت نے فرمایا کہ اگر مجھے اللہ والوں کی صحبت نہ ملی ہوتی تو بڑا مشکل تھا کہ اپنے نفس سرکش کو دباپاتا حضرت والا نے یہ محتاط لفظ استعمال فرمایا ہے ورنہ اصل میں تو بقول مجدد تھانوی رحمہ اللہ بغیر صحبت اہل اللہ کے اصلاح محال اور ناممکن ہے اور اسی لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کو فرضِ عین فرمایا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر لکھا جاچکا۔

مگر یہاں یہ سوال کسی کے ذہن میں آئے کہ آخر نفس کو کنٹرول میں کرنا اور اصلاح وتزکیہ کرنا یہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ جو قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت کی طرف منسوب فرمائی ہے تو پھر اس کی طرف نسبت کرنے کے بجائے اللہ والوں اور بزرگوں کی طرف منسوب کرنا کیا درست ہے تو اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ خود قرآن کریم میں ایک مقام پر وہ بات ہے جو آپ نے سوال میں ذکر فرمائی مگر دوسری جگہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرمائی گئی؟

جیسا کہ اہل ایمان کو ظلمات سے نور کی طرف نکالنا اصل حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے مگر دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالیں تو ان آیتوں کو ملا کر حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ فَفِيهِ أَقْوَى دَلِيلٍ عَلَى اَنَّ لِلشَّيْخِ مَدْخَلاً عَظِيْمًا فِيْ اِصْلَاحِ حَالِ الْمُرِيْدِيْنَ یعنی اصل تو تزکیہ وطہارت اور ظلمات سے نور ایمان کی طرف نکالنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے، اور اسی کا عمل ہے لیکن شیخ کو دنیوی لحاظ سے بطور سبب کے دخل عظیم ہے اس کے مریدین کی اصلاح حال کے لیے تو اس لیے یہ کہنا اور سمجھنا قرآن کے خلاف نہیں ہے جیسے بچہ ہوتا ہے فضل الٰہی سے شفا ہوتی ہے مگر اس

کو ماں باپ کے علاج کرانے کی طرف اور شفاء کو ڈاکٹر کے علاج کی طرف منسوب کرنا یہ دین کے خلاف نہیں بلکہ سبب کے درجہ میں یہ چیزیں ہیں۔

مال و دولت اہلِ دنیا کے لیے زحمت ہے

خدا کی سرکشی سے خودکشی ہے مال و دولت میں
کبھی اللہ والوں سے نہیں ایسا سنا جاتا

حضرت والا فرماتے ہیں کہ مال و دولت کو جو لوگ سب کچھ سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ ہی ان کا مطلوب و مقصودِ حیات ہو اور اسکو پانے سے ان کو چین و سکون حاصل ہو جائے گا کہ رات و دن اس کی دھن و دھیان اور اسی کی فکر ہے نہ نمازوں کی پرواہ اور نہ دین پر چلنے کی پابندی اور نہ بزرگوں سے ملنے کا وقت نہ دعوت و تبلیغ کے لیے ان کے پاس فرصت ہے تو ایسی لوگوں کے لیے درحقیقت یہ مال و دولت ان کی خودکشی کے مانند ہے۔

ہاں یہی مال اگر حلال و صحیح طریق سے کمایا جائے اور کمائی میں شرعی حدود و احکام کی رعایت رکھی جائے اور گناہوں بالخصوص سود سے مکمل حفاظت کی جائے اور عورتوں کو گھروں سے باہر نہ نکالا جائے، ان کو بے پردگی کے ساتھ دکانوں، فیکٹریوں اور آفسوں کی نذر نہ کیا جائے۔ غرض یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے دولت جمع کرنے کی ہوس نہ ہو اور پھر دولت کے حصول کے بعد اس کے جو حقوق ہیں وہ سب ادا کئے جا رہے ہوں تو پھر یہ مال بہت اچھی چیز ہے پھر اس سے انسان اپنی آخرت بھی بنالیتا ہے اور دنیا بھی بنالیتا ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر یہ مضمون لکھا جاچکا ہے۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرام میں بعض صحابہ کرام بڑے بڑے تاجر تھے اور ہزاروں ہزاروں اونٹوں پر ان کا مال تجارت لدا کرتا، تھا مگر یہ دنیا ان کے دلوں سے باہر تھی دلوں کے اندر نہ تھی۔ اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو آواز دی جاتی کہ حی علی الجہاد، آؤ اپنی جانوں کی بازی لگاؤ تو پھر وہ فوراً میدان میں اتر جاتے تھے، غزوہ تبوک کے موقع پر ایسا ہی کچھ ہوا اور صحابہ بلادریغ اللہ کی راہ میں نکل پڑے حالانکہ وہ ان کے حصولِ معاش کا وقت تھا مگر کوئی پرواہ نہ کی، لیکن جب دنیا دل میں آجاتی ہے تو پھر انسان اپنی زندگی سے خود اتنا تنگ آجاتا ہے کہ کثرت سے واقعات سنے جاتے ہیں کہ خودکشی کر لی ہے آپ غور کریں کہ امریکہ میں خودکشی کی تعداد دنیا بھر سے زیادہ ہے حالانکہ وہ کوئی ایسا ملک تو نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے ڈالروں سے بینک بیلینس بھرے ہوتے ہیں اس کے باوجود خودکشی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مال و دولت اللہ والوں کے لیے نعمت ہے

سکون دل اترتا ہے فلک سے اہلِ تقویٰ پر
بدوں حکم خدا سائنس داں پھر کیسے پاجاتا ہے

حضرت والا فرماتے ہیں کہ دوسری جانب اللہ والے ہیں کہ جن کو حق تعالیٰ نے اطمینان قلب اور چین و سکون عطا فرمایا ہوتا ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں بھی مست رہتے ہیں اور ہر وقت فرحاں وخنداں نظر آتے ہیں اور ان کا حال دیکھ کر اور ان کے قریب رہ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ لوگ بھی اتنے مطمئن اور بے فکر نظر نہیں آتے کیونکہ وہ بزبان حال یہ کہتے ہوئے ہوتے ہیں ۔

بے کیفی میں بھی ہم نے تو ایک کیفِ مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے چلتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

تو بھلا ایسے اللہ کے دیوانوں سے خودکشی کا کیا تصور کہ جن کی سوچ وفکر یہ ہو کہ ہمارا ہر حال خود آیا ہوا نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے اور وہ ہمارا رب ہے جو حاکم و حکیم ہے جب حاکم ہے تو ہم کو چوں و چرا کا کیا حق اور جب حکیم ہے تو ضرور اس حالت میں ہمارے لیے کوئی خیر اور نفع مقدر ہے اس لیے دنیا کی سب سے بڑی دولت ونعمت اللہ والا بننا اور اللہ کی دوستی وولایت اور اپنے اللہ کی ہر وقت پہچان ہے جس کے لیے ہم اصل میں پیدا ہوئے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو پوری دنیا کے انسانوں مین اتنی بات قدر مشترک نظر آئے گی کہ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا مین سکون و عافیت کے ساتھ زندگی گزارے اور وہ پریشانیوں الجھنوں اور ٹینشن وڈی پریشن (Tention and deperation) سے محفوظ رہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دنیا کے ہر باشعور انسان کا اصل مقصد اپنی شب وروز کی تمام کاوشوں اور محنتوں سے یہ ہے کہ اسے ایک پرسکون زندگی نصیب ہو تو گویا یہ سکون ایسی دولت ہے کہ جسکی انٹر نیشنل ڈمانڈ ہے اور عالمی مطلوب ہے

سکون کیسے حاصل ہو مثبت ومنفی پہلوؤں کی روشنی میں

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا جس طرح اہل دنیا اسے حاصل کرے پر لگے ہیں وہ اسے اسطرح سے حاصل کر پا رہے ہیں اور کیا ان کو اپنی اس سعی وکوشش میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟ اس کی کیا وجوہات واسباب ہو سکتے ہیں اسپر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اگر آپ نے اس کی وجوہات کا پتہ لگایا تو آپ نے ایک ہی تحقیق وریسرچ (Research) کی ہے جس کی دنیا بھر مین ڈمانڈ (Demand) ہے تو آپ اس کو پھر

پورے عالم میں سپلائی (Supply) کر سکتے ہیں اور ہر طرف سے آپ کے اس مال کی قدر و قیمت ہوگی اور آپ خود محبوب عالم بن جائیں گے اور ساری دنیا آپ کی اور آپ کی اس ریسرچ (تحقیق) کی قدر کرے گی کیونکہ آپ کے ذریعہ ان کو اپنا مقصد حاصل ہوتا نظر آئے گا تو آیئے ان اسباب پر غور کریں اور ان وجوہات کا جائزہ لیں کہ جن کی وجہ سے انسان اس مقصد کو حاصل نہیں کر پاتا ہے۔ تو درحقیقت اگر آپ بغور دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ بعض حضرات تو مال و دولت کی بہتات اور کثرت کو سکون کا ذریعہ سمجھتے ہیں کہ خوب زیادہ سے زیادہ مل جائے تو سکون و آرام حاصل ہوگا کیونکہ پھر عیش و آرام کی جملہ چیزیں اپنے کو دستیاب ہو سکیں گی۔ ہر طرح کی مشینیں اور رہائش کے اعلیٰ درجہ کے مکانات اور آرام و راحت کے اعلیٰ کوالٹی کے سامان بآسانی گھر میں موجود ہوں گے اور مختلف اقسام کی کھانے پینے کی چیزیں اور متنوع انداز کے پھولوں سے بنا ہوا گارڈن اور ہر طرح کی راحت و آسائش سے بھرے ہوئے سامانوں والی کار اور گاڑی ہاتھ آجائے گی۔

غرض یہ کہ جملہ آسائش و راحت کا مدار دولت کی کثرت و بہتات پر قرار دیتے ہیں۔

دوسرے کچھ لوگ وہ ہیں کہ جو اس مقصد کی تحصیل کے لیے اعلیٰ منصوبوں اور عہدوں کی تحصیل کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے نتیجہ میں خدام کی کثرت اور قدردانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگ عزت سے دیکھتے ہیں اور ہر شخص احترام سے ملتا ہے اور جو تمنائیں ہوں بس آرڈر کرو تو ماتحت حضرات اس کو پوری جدوجہد سے حاضر کر کے لاتے ہیں اور اس طرح ان کی سوچ کے مطابق وہ پُرسکون زندگی کو پاتے ہیں۔

اس دوسرے طبقہ میں ایک تعداد ایسے بھی لوگوں کی ہے کہ جو اسی طرح کی ذہنیت کے حامل ہیں مگر وہ اپنے علم و تقریر اور وعظ و بیان اور تدریس و تصنیف اور دوسری خدمات کے ذریعہ اپنے ایسے مقام و مرتبہ کی فکر میں رہتے ہیں کہ جس سے ہر طرف ان کی عزت و قدر ہونے لگے اور ہدایا و تحائف کے دروازے کھل جائیں اور اس طرح ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہم بڑی مزیدار اور پُرسکون زندگی گزار سکیں گے۔ اسی لیے وہ اس طرح کے کاموں میں آگے آگے نظر آتے ہیں کہ جن میں مخلوق میں ان کا نام چمکے اور لوگ انہیں بڑا سمجھا کریں۔ غرض یہ کہ دنیا کے جتنے افراد ہیں اتنی سوچ اور ذہنیت ہیں لیکن درحقیقت اس دنیا میں جتنے انسان ہیں سب اپنی الگ الگ ذہنیت اور فکر و سوچ رکھتے ہیں، مگر اس میں کیا حق اور صحیح ہے آئیں ہم اس پر دلائل کی روشنی میں ایک نظر ڈالیں تو خود بخود یہ واضح ہوگا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

صاحبو! اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز یہ سوچنے کی ہے کہ سکون کا اصل تعلق کن چیزوں سے یعنی قلب سے ہے یا قالب کے ظاہری سامانِ راحت سے ہے؟

اور کیا ان خارجی اسباب راحت کے ساتھ راحت لازم و ضروری ہے یا نہیں؟

اور اگر اس کا تعلق کسی اور چیز سے ہے تو وہ کیا ہے؟ تو قرآنی اعلان اس سلسلہ میں دونوں باتوں کا فیصلہ کرتا ہے یعنی قرآن کہتا ہے کہ سکون و راحت کا اصل تعلق قلب اور دل سے ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ صرف اللہ ہی کی یاد سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے اور اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کو حاصل کرنے کا راستہ وطریقہ ذکر اللہ ہے یعنی اللہ کی یاد ہے تو جو شخص اللہ کو ہر وقت یاد رکھے گا اسے سکون واطمینان حاصل ہوگا ورنہ تو نہیں اور خارجی از روئے مشاہدہ اس کی دلیل جو روزمرہ سامنے آتی رہتی ہے کہ اس دنیا میں کتنے ہی دولت وثروت والے اور کتنے ہی بڑے بڑے عہدے اور منصوبوں والے ہیں لیکن قلبی طور پر ان کو چین وسکون کا نام بھی نہیں ہے اور کتنے ہی اللہ کے نیک صالح بندے اسی دنیا میں ایسے بستے ہیں کہ جو ظاہری طور پر بہت ہی بے سروسامانی کی حالت میں ہیں لیکن ان کے پاس لوگ صرف دنیا بھر سے اسی لیے آتے ہیں کہ وہ ایسا سکون کا دریا اپنے سینے میں رکھتے ہیں کہ جس سے لوگ بھی ان کے پاس بیٹھ کر اس کی ٹھنڈک سے اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور اس کی مثال خود ہمارے حضرت والا کی مجالس ہیں۔ ایک شخص جو تقریباً سولہ سال تک ٹیلی ویژن پر کام کرتا تھا اور اس کا کام ہی ایسے افسانے اور قصے سنانا تھا کہ جن سے مردہ واُداس دل والے ہنسا کریں لیکن خود اس کا بیان ہے کہ میں بدترین بے چینی و بے سکونی کی زندگی گزارتا تھا اور جب سے حضرت والا سے اللہ تعالیٰ نے تعلق کی توفیق بخش دی تو بس بڑا ہی چین وسکون میں رہتا ہوں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجالس ذکر اللہ اور مجالس تعلیم قرآن کی ہوتی ہیں تو اللہ کی طرف سے ان پر خاص سکینہ اُترتا ہے اور ان کے دلوں میں عجیب سکون واطمینان ڈالا جاتا ہے۔ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ سکون و اطمینان کی دولت آسمانوں سے باقاعدہ اہلِ ذکر وتقویٰ پر اُترتی ہے نہ کہ صاحبِ دولت وثروت اور اہل مناصب و مراتب دنیویہ پر۔

اصل قلب کا چین و بے چینی ہے

دوسری بات کہ جب سکون کا اصل تعلق قلب سے ہے یعنی قلب اگر بے چین ہو تو پھر پورا انسان گویا بے چین رہے گا۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ راحت الگ چیز ہے اور اسبابِ راحت الگ ہے۔ دنیا کی مارکیٹوں اور بازاروں سے راحت کے سامان تو خریدے جاسکتے ہیں، مگر راحت دنیا کے بازاروں میں فروخت نہیں ہوتی ہے بلکہ آسمانوں سے اہلِ ذکر وصلاح کے قلوب پر اُترتی ہے اور پھر مثال پیش فرماتے ہیں کہ جیسے مثلاً ایک شخص بہت عمدہ اور شاندار گدوں پر لیٹا ہوا ہو اور کمرہ بھی بہترین ایئر کنڈیشن ہو اور ہر طرح کی راحت وآرام کا سامان اس میں موجود ہو، مگر اس کے بدن کے کسی حصے میں جیسے دانت میں یا پیٹ میں درد ہو، اب اس شخص سے پوچھو کہ کیا تم چین وسکون اور مزوں میں ہو یا بے چین و پریشان ہو تو وہ یہی جواب دے گا کہ

بہت بے چین ہوں کیونکہ درد سے دل بے چین ہے اور دل کی بے چینی سے پورا بدن بے چینی کا شکار ہے تو راحت و لذت کا کیا گذر۔

پھر تیسری بات غور سے سننے کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ دوسری جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا اور تیسری جگہ پر ارشاد ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تو یہ تینوں آیتیں اور ان کی طرح اور بہت سی آیتیں جن میں اس مضمون کا بیان ہے، ہم کو کیا پیغام دے رہی ہیں کہ جب انسان اللہ کا ولی اور دوست اور متقی بندہ بنتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے ایسے مسائل و مشکلات کو ہٹا دیتے ہیں کہ جو اس کے دل کو بے چین و پریشان کرنے والی ہوں۔ جیسے مثلاً رزق کا معاملہ اور اس کی فکر اور دوسرے روزمرہ کے سیکڑوں مسائل اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان مسائل کا حل اور انتظام اسی طرح فرماتے ہیں کہ اس کو اس کا اندازہ ہوتا ہے نہ وہم وگمان ہوتا ہے اور نہ وہ اس کی فکر میں رہتا ہے۔

اور پھر دوسری آیت میں فرمایا کہ اس کی جملہ مشکلات اور دشواریوں کو آسانیوں اور سہولتوں میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔ اور پھر یہ فرمایا کہ تم مجھے میری اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ یاد کرتے رہو، میں اپنی خاص عنایات سے تمہیں یاد کروں گا۔ تو جب بندۂ مؤمن ومطیع وذاکر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کے زیر سایہ ہوگا تو کیا سوال کہ اس کو کچھ بے چینی و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے اگر بظاہر کچھ آزمائشیں ہوتی ہیں تو وہ بھی دل کو بے چین نہیں کرتی ہیں کیونکہ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ سب کچھ میرے محبوب کی طرف سے میرے درجات بڑھانے کے لیے ہے تو وہ بھی اس کے لیے قلبی حلاوت ولذتِ ایمانی کا سبب بن جاتے ہیں۔

بے سکونی کی ایک اہم وجہ

آخری عرض اس سلسلہ میں ہے کہ دل درحقیقت اللہ کا گھر ہے۔ جیسا کہ روایات میں یہ مضمون موجود ہے اور اگر میں آپ کو اپنا گھر بطور امانت کے دے دوں اور آپ اس میں ایسے لوگوں کو بسا دیں کہ جو مجھے پسند نہیں تو میں اس گھر میں ان لوگوں کو چین وسکون سے رہنے دوں گا؟ نہیں ہرگز نہیں! تو آخر جب ہم اس خدا کے گھر میں خدا کے غیر کو بسائیں گے تو ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس غیر کو کیسے برداشت کریں گے تو بالآخر اس دل کو بے چین و پریشان کردیں گے۔ یہاں تک اس کو غیر سے صاف کرے اور اس میں اس کو بسائے جس کا وہ گھر ہے۔

تو ان مذکورہ تمام دلائل سے ہمارا مدعا ثابت ہے کہ دراصل چین وسکون حاصل کرنے اور بالطف زندگی گذارنے کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ کا صحیح بندہ بن کر زندگی گذارے اور متقی و نیک صالح اور ذاکر وشاغل اور اللہ کا صحیح فرمانبردار بندہ بن کر رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بالطف زندگی کا تعلق اس دنیا سے بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نیک صالح مؤمن مرد وعورت سب کی زندگی بالطف بنا دیتے اور ان کو دونوں جہان میں حیاتِ طیبہ نصیب ہوتی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سکون کا تعلق ایمان وتقویٰ سے ہے۔

تو پھر حضرت والا فرماتے ہیں کہ بھلا آج کل کے سائنسدان جو صرف مادی چیزوں کی تحقیق کرنا جانتے ہیں اور ان چیزوں میں اضافے کو ترقی سے تعبیر کرتے ہیں ان کو یہ دولت کہاں سے حاصل ہوسکتی ہے؟ یہ تو آسمان سے اُترتی ہے اور ان پر اُترتی ہے کہ جن کو آسمان والی ذات سے لگاؤ ہوتا ہے اور جس کو ان باتوں کا مشاہدہ کرنا ہو تو وہ ہر دور کے تمام اولیاء اللہ جہاں بھی ہوں ان کے پاس جا کر دیکھ لے تو اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلے گا اور اسے ان باتوں میں ذرا تردد نہ رہے گا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک قیمتی ارشاد

مال ودولت سے راحت ملنے سے متعلق حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ عجیب بات تحریر فرماتے ہیں کہ آج کا انسان جب صبح اُٹھتا ہے تو مال کمانے چلتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا مقصد چین وسکون کی زندگی، مگر فرماتے ہیں کہ وہ خود دھوکے میں ہے کیونکہ وہ اپنے چین وسکون کو مال کے لیے ختم کرتا ہے اور بظاہر وہ کہتا ہے کہ میں مال چین وسکون کے لیے کما رہا ہوں کیونکہ جب کوئی آدمی ایک لاکھ سال بھر کے لیے کمانے چلا تو اگر اس مال سے مقصد یہی تھا جو اس نے کہا تو جب اس کو ایک لاکھ حاصل ہو گئے تو اسے سکون سے بیٹھنا چاہیے تھا۔

مگر آپ دیکھیں گے کہ اب وہ دوسرے بڑے کام کا آغاز کر رہا ہوتا ہے جو اسے دو لاکھ اور پانچ لاکھ میں تبدیل کردے اور اس کے لیے رات ودن ایک کردیتا ہے، کھانا وقت پر نہیں، نماز وقت پر نہیں، بچوں کی دیکھ بھال کی فرصت نہیں۔ غرض یہ کہ اسی مقصد کے لیے سارا نظام مختل نظر آتا ہے تو پھر وہی سوال کہ آخر سکون کہاں ہے؟ اور یہ سلسلہ نہ دس لاکھ پر ختم ہوتا ہے اور نہ بیس لاکھ پر اور نہ کروڑ دو کروڑ پر یہاں تک یہ غافل انسان اپنی پوری زندگی کے چین وسکون کو مال کے عوض بیچ کر ساٹھ ستر سال کی عمر میں قبر میں پہنچ جاتا ہے اور اس کا سارا مال یہیں جمع رہتا ہے، ایک پائی اس کے ساتھ نہیں جاتی اور یہ سب کچھ سیکڑوں اور ہزاروں ہمارے دوستوں کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے روز ہو رہا ہے مگر افسوس کہ ہم اس سے اپنے لیے عبرت نہیں پکڑتے اور ساری زندگی اپنے کاروبار اور تجارت کی خدمت کر کے گذار دیتے ہیں گویا کہ ہم خادم اور دنیا ہماری مخدوم ہوتی ہے حالانکہ عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ ہم دنیا کو اپنی خادم بناتے اور اس سے آخرت کے لیے خوب فائدہ اُٹھاتے اور الدنيا مزرعة الآخرة (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) کے اصول پر چل کر یہاں بوتے اور آخرت میں اس کے پھول وپھل پائے۔

لطف دنیا کے ہیں کے دن کے لیے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لیے
یہ کیا تو نے اے دل پھر سمجھ
تو نے ناداں گل دیئے تنکے لیے

اس لیے احقر عرض کرتا ہے کہ یہ دھوکہ ہے، صحیح راستہ وہی ہے کہ تقویٰ حاصل کرو تو پھر یہ مال کمانا بھی باعثِ سکون ہو جائے گا۔ جیسا کہ صحابہ اس کی واضح مثال ہیں کیونکہ وہ مال کو صرف ضرورت سمجھتے تھے مقصد نہیں تو اس سے اتنا ہی لگاؤ اور تعلق رکھتے تھے کہ جو اس کے لائق ہو اور اسے دل سے بہت دور رکھتے تھے اور یہی صحابۂ کرام کی کامیابی کا راز اور ان کی دنیوی اخروی مشکلات ومصائب سے نجات کی ضمانت تھی۔ نہ تو وہ کماتے وقت اس سے دل لگاتے تھے جس کی دلیل کہ اس کے کمانے میں کسی معصیت و نافرمانی کے راستہ کو اختیار نہیں فرماتے تھے اور نہ کمانے کے بعد وہ ان کے دل میں ہوتا تھا کیونکہ تب بھی وہ اسے ان جگہوں پر خرچ کرتے تھے کہ جہاں ان کو خدا تعالیٰ کا حکم ہو، اس کے سوا سے مکمل طور پر ان کا مال محفوظ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ملتے ہی نفیس سے نفیس اور عمدہ سے عمدہ مال وہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا کرتے تھے اور اس کی ذرا پرواہ وفکر نہ کرتے تھے کہ آگے اپنی ضروریات کا کیا ہوگا؟ اور کیسے ہوگا؟

اگر پیٹرول کے مانند ہوتا یہ سکونِ دل
زمیں میں کر کے بورنگ اس کو ہر کافر بھی پا جاتا

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم نے وہی مضمون ذکر فرمایا ہے کہ اس سکون دل کا تعلق ظاہری اسباب سے نہیں ہے ورنہ آج کل سائنسدان جن میں کافر بھی ہیں یہ لوگ تحقیق و ریسرچ کر کے اس کو کہیں سے بھی نکال لاتے کیونکہ یہ لوگ مادی ترقی میں تو بہت آگے بڑھ رہے ہیں مگر ذہنی و دماغی سکون سے بالکل محروم ہیں۔ اس لیے اس کے لیے ان کو مختلف ٹیبلیٹس لینی پڑتی ہیں اور کہاں کہاں کی سیر وتفریح کے لیے جا کر اپنا غم و بے چینی بجھانے کی فکر ہوتی ہے۔

عشقِ بتاں نے کتنوں کو پاگل کر دیا

بتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہوا پاگل
گناہوں سے سکون پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

بتوں کی تعبیر حضرت والا نامحرم عورتوں اور اَمارد بے ریش لڑکے جن کی ڈاڑھی نہ آئی ہو یا ڈاڑھی ہلکی ہلکی آ گئی، مگر ان سے بات کرنے میں دل میں مزہ آتا ہے اور لطف محسوس ہوتا ہے اور نفس کو حظ وسرور ملتا ہے، یہ سب بتوں سے مراد ہیں اور درحقیقت یہ تعبیر خود قرآن وحدیث میں ہے کیونکہ یہ ناجائز محبتیں سب خواہش پرستی ہے اور

قرآن کہتا ہے کہ ارأیت من اتخذ الٰھہ ھواہُ اس آیت میں خواہشات کو معبود بنانے کا تذکرہ ہے اور اسی طرح ایک حدیث شریف ہے جس کو ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''ذم الھویٰ'' میں نقل فرمایا ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَحْتَ ظِلِّ اَدِیْمِ السَّمَآءِ اِلٰہٌ یُعْبَدُ اَعْظَمُ عِنْدَ اللہِ مِنْ ھَوًی مُتَّبَعٍ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک جھوٹے خداؤں میں آسمان کے سایہ کے نیچے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا معبود (بت) جس کی لوگ پیروی کرتے ہیں پوری کی جانے والی خواہش ہے، اس لیے جو شخص خواہشِ نفس کی پیروی کرتا ہے خدا کو ناراض کرتا ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بڑے درد بھرے انداز سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جو ہم سب کے لیے انتہائی عبرت والا ملفوظ ہے۔ بالخصوص ہم لوگ کہ جو حکیم الامت کے مقام سے واقف ہیں اور ان کو حکیم الامت تسلیم کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ محض ایک صوفی اور خانقاہی انسان نہ تھے بلکہ ہر فن کے ماہر اور جامع علوم نقلیہ وعقلیہ تھے۔

ارشاد فرمایا کہ غیر محرم عورت یا مرد (خوبصورت لڑکے) سے کسی قسم کا تعلق رکھنا خواہ اس کو دیکھنا یا اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہم کلام ہونا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا یا اس کے پسند طبع کے موافق اس کے خوش کرنے کو اپنی وضع یا کلام کو آراستہ و نرم کرنا (یعنی آواز میں عورتوں کی سی لچک اس کو بہلانے پھسلانے کے لیے یا مائل کرنے کے لیے پیدا کرنا) میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو جو مصائب پیش آتے ہیں احاطۂ تحریر سے خارج ہیں۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج ،صفحہ:۹)

اس کے ضمن میں دوسری عبارت سے وہ بھی حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ہے فرماتے ہیں کہ جس مرد سے (اگرچہ وہ امرد نہ ہو) گفتگو میں اس کی آواز اور اس کے نقشہ اور چہرہ اور آنکھوں سے نفس کو لطف ملنا شروع ہو فوراً اس سے ہٹ جائے۔ اسی طرح حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ نامحرم عورت اور خوبصورت لڑکا دونوں سے تنہائی حرام ہے۔

یہ سب وہ مقدمات وآغازِ عشق کی چیزیں ہیں جن کو شریعت نے ہم پر حرام فرما کر ہمارے اوپر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ یہ وہ عبارتیں ہیں کہ جو واقعی سچی طلب اللہ کو پانے کی رکھتا ہو اور واقعی جس کے دل میں کچھ محبت خداوندی کی چمک ہو تو وہ ان عبارتوں سے بڑی نصیحت حاصل کرسکتا ہے اور غور کرنے کی بات ہے کہ یہ باتیں ہمیں اپنے دور کا حکیم الامت اور مجددِ ملت بتارہا ہے۔

آہ! آج اس مرض کو مرض ہی نہ سمجھا

مگر آہ! بڑے دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ اب ان باتوں پر عوام کا تو کہنا ہی کیا خواص کے اندر سے بھی عمل اُٹھ گیا ہے۔ اوراس سے بھی زیادہ دُکھ اس پر ہے کہ عمل تو اُٹھ ہی گیا مگر احساس بھی اُٹھ گیا ہے کہ اگر کسی کو اس معاملہ میں کچھ احساس دلائیں تو وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ آج کی صورت حال تو اتنی ہی نہیں جو حضرت تھانوی نے لکھی ہے بلکہ اس کے بھی آگے احقر عرض کرتا ہے کہ ایک ڈاکٹر ہوگا بظاہر مسلم نمازی، ظاہری دینداری اور ظاہری شرع پر اپنے زعم میں پورا عمل کرنے والا، مگر آپ جا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ نوجوان خوبصورت لڑکی کو اپنی سیکریٹری بنایا ہوا ہے اور جب وہ فائل (File) اندر کمرہ میں لے کر جاتی ہے تو الیکٹرونک دروازہ ہے وہ جب تک اندر سے بٹن دبا کر اس کو نہ کھولیں تو نہیں کھلے گا۔ اب یہ ڈاکٹر اور لڑکی اندر کمرہ میں تنہائی میں بیٹھے ہیں۔ افسوس صد افسوس! آہ کس کو یہ درد کہیں اور بتائیں اور اس معصیت کے تباہ کن نتائج اور خطرات ومصائب کس طرح دِلوں میں اتاریں۔ وَاللهُ الْمُعِيْنُ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یادرکھیں! اس طریقِ کار سے میلان اور میلان سے عشق پیدا ہوجاتا ہے اور جب عشق پیدا ہوجاتا ہے تو پھر کیا سے کیا ہوتا ہے۔ تاریخ اُٹھا کر کچھ قصے پڑھ کر دیکھ لیں تو پتہ چل جائے گا کہ یہ ایسا جنون ہے کہ جس کا شکار ہوکر اپنی سب سے آخری متاع و پونجی اور قیمتی سرمایہ یعنی ایمان بھی پھر انسان داؤ پر لگا ڈالتا ہے۔

ہابیل وقابیل کے واقعہ کے چند اہم اسباق

آخر اس روئے زمین پر انسانوں میں سب سے پہلا قتل کیوں ہوا؟
سب سے پہلی قطع رحمی کیوں پیش آئی؟
سب سے پہلے بھائی سے بھائی کی دُشمنی وحسد کا کیا سبب ہوا؟
سب سے پہلے ظلم کی نوبت کیوں آئی؟
سب سے اوّل قانونِ شرعی وامرِالٰہی کو کیوں توڑا گیا؟
اور سب سے پہلے والد کی نافرمانی کی وجہ کیا تھی؟

ان سب کا جواب ایک ہی ہے اور وہ ہے اس عورت کا عشق کہ قابیل کے لیے جس سے شادی اس شرع کے مطابق جائز تھی، اس پر وہ راضی نہ ہوا کیونکہ وہ ویسی خوبصورت نہ تھی جیسی کہ وہ والی تھی کہ جو ہابیل کو مل رہی تھی تو اسی چیز نے یہ سارے کام کروائے۔ یہی عورت کی خوبصورتی اور فطرتِ خبیثہ کے تقاضے اس کی محبت ان ساری

چیزوں کا سبب بنی۔ چنانچہ مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں روایات ذکر کی ہیں کہ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ہر بطن سے ہر مرتبہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا فرماتے تھے اور اس وقت کی شریعت کا یہ ضابطہ مقرر کیا گیا تھا کہ یزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر و يزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر کہ اس مرتبہ میں جو لڑکا پیدا ہوا ہے اس کی شادی اگلی مرتبہ والی لڑکی سے اور اگلی مرتبہ کی لڑکی کی شادی سابقہ والے لڑکے سے مشروع رکھی گئی تھی۔ یہ اس شریعت کا ضابطۂ الٰہی تھا تو جب قابیل کو یہ بتایا گیا تو اس نے اس کو ماننے سے انکار کردیا تو پھر جو کچھ ہوا وہ مختلف تفاسیر میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے، مگر مجھے اس وقت یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یہ فتنہ اس قدر سنگین ہے کہ بات قتل اور قطع رحمی اور ظلم وعدوات تک پہنچ گئی۔

اس لیے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ﴾

(صحيح البخاري، كتاب النكاح، مايتقى من شؤم المرأة)

کہ میں نے اپنے بعد اتنا بڑا نقصان دہ فتنہ مردوں کے لیے کوئی نہیں چھوڑا ہے جیسا کہ عورتوں کا فتنہ مردوں کے لیے ان کے ایمان کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ اس لیے اگر آج کی دنیا میں آپ غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اہلِ باطل کے جتنے فتنے ہیں اور جتنی اسکیمیں اور پروگرام ہیں ان میں وہ سب سے آگے اس عورت کو رکھتے ہیں اور جب یہ ایمان والا عورتوں کی محبت میں اُلجھتا ہے تو پھر یہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا ہے نہ تو اس سے جہاد ہوسکتا ہے اور نہ جان و مال کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ اور نہ اللہ کے عشق و محبت میں گریہ و بکاء کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے نہ شجاعت و بہادری کا نام ونشان باقی رہتا ہے۔

اور مختصر یہ کہ پھر یہ وہ ایمان والا نہیں رہتا ہے کہ جو خدا کو مطلوب ہے اور جیسا خدا دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ نظر ڈالیں گے تو آج اندازہ ہوگا کہ گھر سے لے کر کاروبار وتجارت و ملازمت وحرفت ہر طرف عورتوں کو ایسے گھر سے باہر نکال کر مردوں کو ان کے جال میں پھنسادیا گیا ہے کہ اکثر ان معاشقوں کے نتیجے میں اچھے اچھے اہلِ عقل وخرد اور صاحبِ فہم وذکا لوگ بھی بالکل بے دست و پا نظر آنے لگتے ہیں اور بالآخر وہی ہوتا ہے کہ جو مردود شیطان نے اس وقت کہا تھا کہ جب اسے راندۂ درگاہ خداوندی کیا گیا اور جو انسان کا ابتدا ہی سے خطرناک دُشمن ٹھہرا اور اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن پاک کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو مطلع کیا اور خبردار کیا کہ دیکھو یہ شیطان تمہارا دُشمن ہے، اس کو دُشمن سمجھتے رہو، اس سے دوست جیسا سلوک مت کرو۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔

عورتیں شیطان کا جال ہیں

اور پھر ہم کو یہ بھی بتایا گیا کہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار کہ جس کے ذریعہ وہ تمہیں مار ڈالے گا اور تمہیں زیر کرے گا وہ عورتیں ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿اَلنِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص: ۴۴۴)

یعنی عورت شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو شکار کرتا ہے۔ جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھاتا ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے دونوں باتیں انسانوں پر واضح کر کے بڑا افضل فرمایا کہ دیکھو یہ دُشمن بھی ہے اور یہ تم سے اپنی دُشمنی اس طرح سے نکالتا ہے کہ تمہیں عورتوں کے ذریعہ جال میں پھنساتا ہے لہٰذا ان سے دور رہو گے تو گویا تم شیطان کے پھندے و جال سے محفوظ رہو گے اور ہمارے رحیم و کریم اللہ نے ہماری حفاظت کے لیے عجیب انداز سے ہمیں ان سے بچنے کی تدبیریں بتائیں۔ حتیٰ کہ اس کے مقدمات و مقربات سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱)...... چنانچہ آپ اگر قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دونوں جگہ اس فتنہ سے حفاظت اور اردگرد سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ﴾

(سورۃ الاحزاب، آیۃ: ۳۳)

ترجمہ: اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح زینت کر کے باہر نہ نکلو۔ (سیرۃ المصطفیٰ، جلد: ۳، صفحہ: ۳۲۶)

(۲)...... اور اگر گھر میں بیٹھے بیٹھے غیر مرد سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حکم یہ ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾

(سورۃ الاحزاب، آیۃ: ۳۲)

یعنی اگر تم کو نامحرم مرد سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو نزاکت اور نرمی کے ساتھ بات مت کرو، مبادا جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہو وہ تمہارے اندر طمع لگا بیٹھے اور بات کرو سیدھی۔

(۳)...... یہ حکم تو عورتوں کو ہوا، مردوں کو یہ حکم ہوا:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾

(سورۃ الاحزاب، آیۃ: ۵۳)

اور اے مردو! جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو یہ خصلت اور سوال کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۴)......اور مردوں کو یہ حکم دیا کہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھو:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

(سورة النور، آیت: ۳۰)

(۵)......شریعت نے عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

(۶)......عورت کا جہری نماز میں جہراً پڑھنا ممنوع قرار دیا۔

(۷)......عورت کا حج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

(۸)......جوان عورت کا نامحرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔

(۹)......اجنبیہ عورت سے بدن دبوانے کو ممنوع قرار دیا گیا۔

(۱۰)......آئینہ یا پانی میں جو اجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا۔ اسی بنا پر عورت کے فوٹو کا دیکھنا اور بھی ناجائز ہوگا کیونکہ پانی کے عکس سے فوٹو کا دیکھنا زیادہ باعثِ فتنہ ہے۔

(۱۱)......اجنبی عورت کے تذکرے کو بطور لذت ممنوع قرار دیا۔

(۱۲)......اجنبیہ عورت کے تصور سے لذات لینے کو حرام قرار دیا۔

(۱۳)......حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی ہی بیوی سے متمتع ہو اور تصور کسی اجنبیہ کا کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

(۱۴)......اجنبی مرد کے سامنے کا بچا ہوا طعام عورت کے لیے استعمال کرنا اگر بطور لذت ہو تو مکروہ ہے اور علیٰ ہذا اس کا عکس بھی عورت کے سامنے کا بچا ہوا کھانا مرد کے لیے مکروہ ہے۔

(۱۵)......اجنبیہ سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا۔ جیسا کہ بعض جاہل پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو بیعت کیا جائے تو ان کی بیعت مِنْ وَّرَآءِ الْحِجَابِ یعنی پسِ پردہ ہوگی اور زبانی ہوگی، دست بدست نہ ہوگی۔

عشقِ مجازی سے حفاظت کے لیے اسلام میں احتیاط

اہلِ عقل اور اہلِ غیرت غور فرمائیں کہ زنا سے تحفظ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہوسکتا ہے جو شریعت نے بتلایا ہے۔ ہندوستان کی شرم و حیا و غیرت ضرب المثل تھی، ان دلدادگان تہذیب جدید نے اپنے لیکچروں سے اس پر پانی پھیر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خطبہ مذکورہ ہے جس کا ایک جواہرہ پارۂ یہ ہے: ''النساءُ حبالة الشیطان'' یعنی عورتیں شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کا شکار کرتا ہے، جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھلاتا ہے۔ (فیض القدیر، جلد: ۲، صفحہ: ۱۷۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول اِمْشِ وَرَآءَ الْأَسَدِ وَلَا تَمْشِ وَرَآءَ الْمَرْأَةِ (شیر کے پیچھے چل لینا مگر کسی عورت کے پیچھے نہ چلنا) یعنی شیر کے پیچھے چلنے میں اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ عورت کے پیچھے چلنے میں خطرہ ہے اور بعض حکماء کا قول ہے کہ اِيَّاكَ وَ مُخَالَطَةَ النِّسَاءِ فَاِنَّ لَحَظَاتِ الْمَرْأَةِ سَهْمٌ وَلَفْظَهَا سَمٌّ (فیض القدیر، جلد:۲،ص:۱۷۷) یعنی عورتوں کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچانا، عورت کی نظر ایک تیر ہے اور اس کی بات سم قاتل یعنی سنکھیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ،صفحہ:۳۲۷تا۳۳۲)

پھر آگے چل کر حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۱ پر مثنوی مولانا روم سے ابلیس کے جالِ عورت کے عنوان سے بڑے اچھے انداز سے اشعار مع تشریح نقل کرتے ہیں۔ احقر اس کا خلاصہ بدون فارسی اشعار پیش کرتا ہے تا کہ ہمارا مدعا واضح ہو کر ہر خداترس انسان کے لیے مشعلِ راہ ہو۔

ابلیس نے مختلف جالوں میں سے عورت کے جال کو پسند کیا

جب ابلیس لعین بارگاہِ خداوندی سے راندۂ درگاہ ہوا تو قسم کھائی کہ:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾

(سورۃ ص، آیات: ۸۳-۸۲)

یعنی قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں البتہ ضرور گمراہ کروں گا اولادِ آدم کو اور ان کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوں گا مگر تیرے خالص اور چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو میں گمراہ نہ کرسکوں گا۔ بعدازاں ابلیس لعین نے خدائے عادل سے یہ درخواست کی کہ مجھے انسان کا شکار کرنے کے لیے ایسا مضبوط جال درکار ہے کہ جس میں پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے۔ حق تعالیٰ شانہ نے شیطان کے سامنے مختلف جال پیش کیے۔ حق تعالیٰ نے سب سے پہلے شیطان کے سامنے سونے اور چاندی اور گھوڑوں کا گلّہ جال کی صورت میں پیش کیا اور یہ چیزیں دکھلا کر فرمایا کہ تو ان چیزوں کے ذریعہ سے لوگوں کو پھانس سکتا ہے کیونکہ لوگ بالطبع ان چیزوں کی طرف مائل ہیں، ان چیزوں کے ذریعہ انسان کا شکار کرنا اور جال میں پھنسانا آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾

(سورۃ ال عمران، آیت: ۱۴)

شیطان نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہاں! یہ سیم وزر کا جال اچھا ہے، مگر ترنج کی طرح تلخ اور ترش ہو گیا اور ترشی سے ہونٹ لٹکا لیا۔

جب شیطان نے سیم وزر کے جال کو پسند نہ کیا تو حق تعالیٰ نے اس راندۂ درگاہ کے سامنے کانوں کے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا اور جواہرات سامنے کر کے یہ فرمایا کہ اے لعین! یہ دوسرا جال ہے، جا اسے لے جا۔

شیطان نے کہا: اے **نعم المعین**! بہترین مددگار اس سے بڑھ کر اور بہتر جال عطا فرمائیے، سیم و زر کی طرح جواہرات کا جال بھی پورا مضبوط نہیں۔

بعد ازاں حق تعالیٰ نے اس کو چرب اور شیریں کھانے اور آتشی شراب اور قیمتی ریشمین کپڑے دکھلائے کہ اچھا اس جال کو لے لے۔ شیطان بولا: اے مولا! اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں تا کہ بنی آدم کو ایسی مضبوط رسی میں باندھوں کہ وہ اس کو نہ توڑ سکیں اور توڑ کر تیرے دروازے کی طرف نہ دوڑ سکیں۔

البتہ جو لوگ تیری شراب محبت سے مست ہیں اور وہ واقع میں مردِ میدان ہیں، ان کے دل تیری محبت سے لبریز ہیں وہ مردانہ وار میری ان رسیوں اور بندھنوں کو توڑ کر پھینک دیں گے اور سونے اور چاندی اور دنیا کی زیب وزینت کی طرف التفات نہ کریں گے۔ **کما قال تعالیٰ الا عبادک منھم المخلصین** اور اہلِ دنیا ان ہوا وہوس کے پھندوں میں پھنسیں گے اور اسی طرح تیری راہ کے جوانمرد نامردوں سے جدا اور الگ ہو جائیں گے۔ اس لیے میں مضبوط جال چاہتا ہوں تا کہ مرد نامردوں سے جدا اور ممتاز نہ ہو جائیں۔

اے خداوندِ عالم! میں اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں کہ جو مردوں کو بھی ایسا عاجز کرنے والا ہو کہ ان کا کوئی حیلہ وتدبیر کارگر نہ ہو سکے۔ حق تعالیٰ نے اس کے بعد شیطان کے سامنے ایک اور جال پیش کیا وہ یہ کہ شراب اور چنگ ورباب کا سامان اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس سامان کو دیکھ کر شیطان آدھا ہنسا اور آدھا خوش ہوا اور کچھ مسکرایا اور سمجھا کہ ہاں یہ جال پہلے جالوں سے بہتر ہے، اس سے کچھ کام چلے گا، مگر اس جال سے شیطان آدھا خوش ہوا اور پورا خوش نہیں ہوا، اس لیے آدھا مسکرایا اور سمجھا کہ یہ جال بھی اہلاک وافساد دائمی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس لیے اس سے بڑھ کر جال کی درخواست کی اور حق تعالیٰ سے اضلال ازل کی استدعا کی اور کہا کہ دریا فتنہ کی گہرائی سے گرد وغبار اُڑا دیجئے تا کہ اہلِ ہوا وہوس دریائے فتنہ کو خشک سمجھ کر اس میں قدم رکھیں اور قبطیوں کی طرح اس میں غرق ہو جائیں جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کو خشک کر دیا اور سمندر میں گرد سے دیواریں قائم کر دیں اور پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا اور دریا کی گہرائی سے غبار بلند ہونے لگا۔ اسی طرح میرے لیے بھی دریائے فتنہ کو خشک کر دے اور اس کو میرے زیرِ فرمان بنا دیجئے کہ جو فتنہ چاہوں اس کی گرد سے اُڑا سکوں اور اولادِ آدم کو ہلاک کر سکوں۔

موسیٰ علیہ السلام آپ کے اسمِ ہادی کے مظہر تھے اور میں اسمِ مضل کا مظہر ہوں جس طرح آپ نے ان کی تمام ہدایت کے لیے دریائے نیل کو خشک کر کے گمراہوں کو غرق کیا اسی طرح میرے لیے تمام اضلال کے لیے دریا فتنہ کو خشک کر دیجئے اور دریائے فتنہ کو میرے لیے مسخر کر دیجئے تا کہ کارِ اضلال مکمل ہو سکے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہدایت کا کام پورا ہوا مجھ سے ضلالت وگمراہی کا کام پورا ہو سکے۔

فائدہ: شاید ابلیس کو موسیٰ علیہ السلام کے مقصد کا قبل از وقوع جو علم ہوا وہ غالباً لوحِ محفوظ سے دیکھ کر ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ابلیس نے کہا اے پروردگار! کوئی ایسا محکم جال دیجئے کہ جس سے معاملہ ہی ختم ہو جائے اور میں ان کے منہ میں اس کو لگام کی طرح لگا دوں اور اپنے جال میں پھنسا کر ان کو جدھر چاہوں کھینچتا پھروں اور وہ اس سے سر نہ پھیر سکیں اور بازاروں اور گلیوں میں ان کو لیے لیے پھروں تا کہ دنیا ان کی شہوت رانی کا خوب تماشا دیکھ سکے۔ شیطان جب کسی جال سے بھی پورا خوش نہ ہوا تو حق جل شانہٗ نے اخیر میں عورتوں کا حسن و جمال اس کو دکھایا کہ جو مردوں کی عقل اور صبر کو لے بھاگنے والا تھا اور فرمایا کہ اچھا یہ جال لے جا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر اور دریائے فتنہ کی گہرائی سے گرد وغبار اُڑا۔

پس جس وقت عورتوں کے حسن و جمال کا جال شیطان کو دکھلایا گیا تو رقص کرنے لگا اور ناچنے لگا اور چٹکیاں بجانے لگا اور عورتوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ دریائے فتنہ ہے کہ جس سے کوئی صحیح سالم بچ کر نہیں گزر سکتا ہے اور بولا کہ اے پروردگار! یہ جال مجھ کو دے دیجیے، پس میں اپنی مراد کو پہنچ گیا، لوگوں کے پھانسنے کے لیے یہ بہترین جال ہے۔ جب اس لعین نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پُرخمار ہیں کہ عقل وخرد پر خمار (پردہ) ڈال دیتی ہیں اور اس نے دیکھا کہ ان حسین وجمیل دلبروں کے رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو حرمل کے مانند جلا کر رکھ دیتی ہے۔ حرمل جس کو بطور بخور آگ میں ڈال کر جلاتے ہیں اور دیکھا کہ ان کا چہرہ اور خال اور ابرو اور عقیق کے مانند سرخ لب ایسے چمک رہے ہیں جیسے آفتاب باریک پردہ سے چمکتا ہے اور دیکھا کہ قد وقامت ایسا ہے جیسا کہ سرو چمن میں جھومتا ہو اور رخسار گل یاسمین اور نسترن کی طرح ہے جب ان سے یہ ناز و ادا دیکھے تو اچھل پڑا اور سمجھا کہ گمراہ کرنے اور وسوسہ کا بہترین جال ہے۔

عورتوں کے ان کرشموں اور ناز و ادا اور شوخیوں کو دیکھ کر ایک دنیا مست و حیران اور دنگ رہ گئی، اس لیے شیطان کو سب سے زیادہ یہی جال پسند آیا کہ گمراہ کرنے اور پھانسنے کا اس سے بہترین کوئی ذریعہ نہیں۔
(سیرۃ المصطفیٰ، صفحہ:۲۳۱ تا ۲۳۶)

ہماری غلط فہمی اور سخت دھوکہ

میرے بھائیو! یہ سارا مضمون بہت ہی مفصل و مدلل اور مسئلہ اختلاط بالنساء اور عشق بتاں کی بیماری کے خطرناک اور تباہ کن ہونے کے موضوع پر تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آج ہمارے درمیان جو مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بس نماز، روزہ اور حج کرو بس باقی سب کی پھر کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ تو مولویوں نے اپنی طرف سے دین میں اتنی شدت و سختی پیدا کر رکھی ہے ورنہ نامحرم عورتوں سے مَس و

اختلاط ہونے اور ان سے بے پردہ و بے حجابانہ گفتگو کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایسے خیالات بالکل باطل اور مردود ہیں، جیسا کہ اوپر آپ کے سامنے قرآن وسنت سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

اور از روئے عقل وفطرت سلیمہ احقر عرض کرتا ہے کہ جو لوگ رات ودن صبح وشام نامحرم عورتوں کے ساتھ مکس اور مل کر رہتے ہیں اور پھر وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا ہے، یہ ایک ایسا دھوکہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ خود بھی دھوکا کھا رہے ہیں اور بلا ارادہ یا بالا رادہ دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو پھر اس کا یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو یہ کہئے کہ وہ رجولیت سے خالی ہے اور در حقیقت مرد نہیں ہے تو وہ ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا چیک اپ (Check-up) کرا کر دیکھے تو ثابت ہوگا کہ وصف رجولیت اس سے در حقیقت غائب ہے، مگر وہ مردوں کی صورت لیے ہوئے ہو لیکن حقیقتاً مرد نہیں ہے۔

اور نہیں تو پھر دوسری صورت ہے جس کو وہ زبانِ قال سے تو نہیں مگر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! آپ کو ہماری اندرونی حقیقت کا علم نہ تھا اور العیاذ باللہ، آپ ہمیں نہیں جانتے تھے کہ نامحرم عورتوں میں مل جل کر رہنے اور ان سے ہنسی مذاق ودل لگی کرنے سے ہمیں کچھ نہیں ہوتا ہے، ہم تو بالکل پاکدامن رہتے ہیں، آپ نے کیوں خواہ مخواہ ان چیزوں سے ہم کو روک دیا ہے اور پردہ فرض کر دیا تو گویا بالفاظِ دیگر وہ یوں کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فطرتِ انسانی سے واقف نہ تھے بلکہ اس سے جاہل تھے تو یہ خود بخود اللہ کے جہل کے دعویٰ کو لازم کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو پردہ ہی کا انکار کرنے لگتے ہیں تو یہ تو حد درجۂ افسوس کا مقام ہے کہ قرآن و حدیث کے صریح احکام کا محض غلبۂ شہوت ونفسانیت کی بنیاد پر انکار کرنے لگنا، ورنہ جیسا کہ اوپر پیش کیا تھا کہ قرآن کہتا ہے کہ اے مردو! اگر تم کو عورتوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہو تو ان سے پردہ اور حجاب کے پیچھے سے پوچھو۔ ذرا سی لغت عربی سے مناسبت رکھنے والا جانتا ہے کہ **ورآء الجدار ورآء الشجر** کا کیا معنی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا معنی ہے کہ آپ درخت ودیوار کے اس طرف ہیں اور یہ درخت ودیوار آپ کے اور اس کے درمیان آڑ ہے۔

اور اس پر بے شمار دلائل ہیں جن سے اس وقت تعرض کرنا مقصود نہیں ہے۔ ان پر باقاعدہ رسالے لکھے گئے ہیں تو در حقیقت یہ خیال کہ ہمیں کچھ نہیں ہوتا، بالکل باطل ہے۔ اگر بات یہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ پردہ فرض نہ کرتے۔ ہاں میں آپ کے اس دھوکے کی حیثیت آپ پر کھولتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کو کسی زہریلے سانپ نے کاٹا ہو اور اس کے بدن کو زہر چڑھا ہوا ہو تو پھر اس کو کڑوی چیز کی کڑواہٹ اور تلخی محسوس نہیں ہوتی بلکہ ہر چیز شیریں اور میٹھی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی قوتِ ذائقہ خراب ہو تو پھر اسے اشیا کا حقیقی اور اصل ذائقہ محسوس نہیں ہوتا ہے بلکہ تمام چیزیں لذیذ سے لذیذ اشیا بھی بے لذت اور بے کیف محسوس ہوتی ہے۔ تو ایسے موقعہ پر یہ کہنا غلط ہے کہ ان چیزوں میں لذت نہیں رہی۔

بلکہ درحقیقت لذت تو باقی ہے لیکن بوجہ اس کے احساس کے وصف کا فقدان ہو چکا ہے تو ٹھیک بالکل اسی طرح رات ودن عورتوں کے ساتھ مکس اور خلط ملط رہ کر ان سے ہنسی مذاق اور دل لگی کر کر کے اب ان کا اندر کا وہ ایمانی ذوق اور قوتِ احساس ختم ہو کر رہ گئی اور دل پر ان گناہوں کے ایسے سیاہ اثرات پڑ گئے کہ اب مزید چند سیاہ نقطے لگنے کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ سفید کپڑے پر جب اوّل داغ ودھبے لگے گیں تو اس کو بڑا خراب محسوس ہوگا اور نمایاں نظر آئے گا لیکن جب لگتے لگتے وہ بالکل سیاہ ہو جائے گا تو اس پر مزید چند داغ ودھبے کا اثر نظر نہیں آتا ہے۔

ورنہ ایسا ہی آدمی چند دن نیکی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ اپنی نگاہوں اور دل کی حفاظت کرتے ہوئے زندگی گذار کر دیکھے اور پھر ایسے مکس والے ماحول میں جائے تو اسے اتنا خراب محسوس ہوگا اور اس کی ظلمت و تاریکی کا فوراً احساس ہو جائے گا تو وہ جو حدیث گذری ہے کہ **النظر سهم مسمومٌ من سهام ابليس** تو یہ زہریلے تیر لگ لگ کر ہم روحانی طور پر زہر چڑھے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہماری حس مٹ کر ختم ہو چکی ہے اور ہم سے اس نوع کی باتیں صادر ہوتی ہیں۔

حرام مال، عورتیں، علماء سے دور کرنا، تین سازشیں

مجھے اس گفتگو کی مناسبت سے ایک قصہ یاد آیا جس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بلاشبہ عبرت ہے اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ ہمارے محترم حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم خادمِ خاص حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے یہ قصہ سنایا کہ ہمارے ایک دوست جہاز میں سفر کر رہے تھے تو ان کے برابر میں ایک غیر مسلم یہودی بیٹھا تھا تو اس سے ایسے ہی بات چیت ہونے لگی۔ جیسا کہ عام طور پر پاس بیٹھے ہوئے مسافر سے باتیں ہونے لگتی ہیں، شدہ شدہ باتوں کا رخ مسلمانوں اور اسلام کی حالت کی جانب مُڑ گیا تو وہ کوئی مذہب سے وابستگی اور تعلق رکھنے والا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ ہم نے مسلمانوں پر کئی انداز سے جال ڈالے اور ہم ان کو ان سب طریقوں سے شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سوائے ایک کے کہ اس میں ہم کو کامیابی ملی مگر بعض ملکوں میں مکمل اور بعض ملکوں میں بہت کم۔ چنانچہ اس مسلمان نے پوچھا کہ اگر آپ کوئی حرج محسوس نہ کریں تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ جال کیا کیا ہیں؟ اس پر وہ بولا کہ جی ہاں! بالکل بتا سکتا ہوں اور اس نے بتانا شروع کیا۔ اس نے کہا کہ سب سے پہلے تو ہم نے مسلمانوں کے پیٹوں میں لقمۂ حرام پہنچایا، مختلف راستوں اور مختلف طریقوں سے ان کی زندگی میں حرام کو داخل کر دیا اور اس سے ہم پورے کامیاب رہے۔ حتیٰ کہ آج یہ حال ہے کہ خلیجی مسلم عرب ممالک میں بقول استاد محترم مفتی سعید صاحب پالنپوری اور حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کہ مچھلیوں کے پیک ہوں گے اور دیکھو تو ان پر لکھا ہوا ہے **المذبوحة على الطريقة الاسلامية** اس لیے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اور دوسرے بہت سے اکابر علماء نے فرمایا کہ جو گوشت وہاں امپورٹ ہوتا ہے اس سے

پرہیز کرنا چاہیے البتہ مقامی سعودی ذبیحہ ہو تو بہتر ہے۔

پھر اس کے علاوہ سودی نظام بہت چالاکی و ہوشیاری سے پوری دنیا میں عام کر کے حرام کی لعنت کے ساتھ ساتھ سود جیسے گناہ کی لعنت میں مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، کہیں انشورنس اور بیمہ کے ذریعہ اور کہیں بیع وشراء کی ایسی شکلیں کہ جو قطعاً شرعی طور پر باطل و فاسد ہوتی ہیں اور مختلف النوع لذیذ اشیاء خورد و نوش ایجاد کی کہ جن میں حرام کو ملا کر پیش کیا گیا اور مسلمان ان کا عاشق اور گرویدہ بن گیا۔

یہاں تک کہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج سود یا اس کے غبار سے شاید ہی کوئی بچا ہوگا، جیسا کہ روایات میں پیشن گوئی آتی ہے۔ اور دوسرا شدید مضبوط جال عورتوں کا جال ہے کہ جس کے ذریعہ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کے دین و ایمان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کو ایک رسمی دین و مذہب کا عادی بنا دیا ہے جس سمت میں زندگی کے جس شعبہ میں دیکھو تو عورت ہی عورت نظر آئے گی اور اس طرح عورتوں کے اختلاط سے معاشرہ کا جو بگاڑ وجود میں آیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

کہاں وہ تعلیمات جو اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عورتوں کے تعلق سے عطا کی تھیں اور کہاں وہ صورت حال کہ آج مسلمان جس کا شکار ہو چکا ہے اور قرآن و حدیث کو مولوی مُلاّ کی بات کہہ کر ایک طرف ڈال دیا جاتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی ٹی وی پروگرام، ننگی فلمیں اور بدترین فحش و عریانیت سے بھرا ہوا لٹریچر جو آج ہر گھر اور ہر آفس و دکان و کارخانوں کی زینت بنا ہوا ہے جبکہ ان میں صرف سوائے حرام مناظر خبیثہ اور کچھ بھی نہیں ہے؟ مگر افسوس کہ بظاہر دیندار دین سے محبت رکھنے والا مسلمان بھی اس کا شکار ہے اور اسے اپنی سادگی اور بھولا پن سمجھے ہوئے ہے۔

تیسری چیز جس کے متعلق اس نے کہا کہ ہم پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکے، وہ علماء کا عوام سے اور عوام کا علماء سے ربطہ توڑ دینا اور ان میں باہمی عداوت و نفرت پیدا کرا دینا، اس سلسلہ میں ہم نے بہت کوشش کی مگر اس سلسلہ میں ہم کو پوری کامیابی نہیں مل سکی۔ بالخصوص ہندو پاک کے مسلمانوں میں ابھی تک علماء سے بڑا ربط ہے اور اس پر ہمارا ریسرچ چل رہا ہے کہ آخر کیوں؟ اور کس وجہ سے ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے؟ وہ کیا وجوہات ہیں اور احقر عرض کرتا ہے کہ غالباً حضرت حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اپنے بیانات میں کسی جگہ یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ چونکہ ہندو پاک میں دین عوامی محنتوں سے زندہ ہے نہ کہ حکومتی نظام کی وجہ سے اس لیے وہاں یہ چیز کارگر نہ ہو سکی جبکہ اس کے بالمقابل الجزائر، تیونس، لیبیا، مصر وغیرہ میں چونکہ حکومتی سطح پر تھا، اس لیے وہاں کا حال کیا ہے؟ کیا ہو چکا کہ ایک مُشرَّع اسلامی وضع قطع والے آدمی کو صرف اس کے تدین کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں اور اس کی چھان بین شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ خود احقر کو اس سے واسطہ پڑا ہے حتیٰ کہ ایک جگہ

السلام علیکم کا جواب دینے کے بجائے وہ سامنے جواب میں یہ کہتا ہے کہ I am not fandamantalist یعنی میں مذہب پرست آدمی نہیں ہوں کہ میں آپ کے سلام کا جواب دوں۔ اندازہ لگائیے کہ ایک مسلمان سے یہ توقع کہ وہ سلام کا جواب نہ دے، اس سے زیادہ بے دینی کی کیا بات ہوسکتی ہے۔ اور دوسرا اس کا ایک بنیادی سبب وہ ہے کہ جس کو علامہ اقبال نے اسپین کا دورہ کر کے اور پھر واپسی پر کہا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسلمان کے فقر اور مساکین خاندانوں کے مدارس ومکاتب میں قرآن وحدیث پڑھنے والے بچے اور ہندوپاک وبنگلہ دیش وغیرہ میں ان مدارس ومکاتب کا وجود اس کا بڑا سبب اور ذریعہ ہے۔ یہی بات ایک موقعہ پر حضرت شیخ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی تھی اور خود دُشمنانِ اسلام کی نظروں میں یہی مدارس ومکاتب اس کی بنیاد ہیں۔

صاحبو! آج احقر آپ حضرات کو بہت شرحِ صدر اور خوشی کے ساتھ یہ بات کہنا چاہتا ہے کہ ہم سب کو جو علماء اور اہل اللہ کے ساتھ جوڑ ہے، یہ بہت بڑی نعمت اور سعادت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھے۔

بہرحال اس شعر کی تشریح میں مضمون ذرا طویل ہوگیا ہے اور وجہ طوالت یہ ہے کہ صاحبِ شعر یعنی عارف باللہ حضرت اقدس حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا یہ خاص ذوق اور دلچسپی کا موضوع ہے اور بقول حضرت والا کے آج کے دور میں اس میں ابتلاء کا بہت ہی عموم وشیوع ہے۔

عشق کی تباہی کہ باپ غم سے چل بسا

پوری گفتگو کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کہ عشقِ مجازی ایسی بیماری ہے کہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ واقعی انسان پاگل بن جاتا ہے اور اس کی جملہ حرکات وسکنات پاگلوں کی طرح ہونے لگتی ہے نہ اسے دنیا کا پتہ رہتا ہے اور نہ وہ دین کے کام کا رہتا ہے، کتنے ہی اچھے اچھے گھرانے کے رہنے والے اور ہر لحاظ سے فراغت و وسعت والے لوگ لیکن کوئی ان میں عشق کا بیمار ہوا تو پورے گھر کی ذلت اور تباہی کا سبب بن گیا۔ چنانچہ ایک قصہ ہوا کہ ایک لڑکا کسی لڑکی پر عاشق ہوا اور بلا اجازت والدین اور بلا اطلاع والدین اس سے نکاح کرلیا اور پھر نکاح کے بعد والدین کو اطلاع ملی تو والد تو اسی دن سے صدمہ وغم کے مارے چارپائی سے لگ گئے اور وہ غم برداشت نہ ہوسکا کہ پھر اُٹھے نہیں بلکہ اسی حالت میں مرض میں اضافہ ہوتا گیا اور یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اسی طرح بیٹے کے اس طرح کے قصے سے ایک باپ کو اس کا غم برداشت نہ ہونے کے سبب دل کا دورہ پڑا اور اسی وقت موت واقع ہوگئی۔ اس لیے حضرت والا کا ارشادِ گرامی کہ ان بتوں کے عشق میں انسان پاگل ہوجاتا ہے، بالکل برحق ہے اور بجا طور پر درست ہے۔

دوستو! یہاں رک کر ایک بات عرض کروں کہ یہ ساری کہانی اور ساری عشق بازی ابتداءِ نظر سے چلتی ہے

کہ نظر سے میلان اور میلان سے عشق اور بس پھر وہ ساری شیطانی حرکتیں صادر ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان سے جن کی کوئی توقع نہیں ہوسکتی ہے۔

قوم لوط پر سخت عذاب کی تفصیل

بچو گندے عمل سے اَمردوں سے دور ہوجاؤ
اگر یہ فعل اچھا تھا خدا پتھر نہ برساتا

یہ شعر درحقیقت اس اَمرد پرستی کی قباحت وشناعت کو بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں ذکر کردہ آیت کی طرف مشیر ہے کہ جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر ان سے یہ گندا عمل سرزد ہونے کی صورت میں جو عذاب شدید نازل فرمایا تھا، یہ مضمون مذکور ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ﴾

(سورۃ ھود، آیت: ۸۲)

ترجمہ: کہ جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر کا حصہ نیچے کردیا اور ان پر ایسے پتھر برسائے جن پر ہر ایک کے نام کی علامت لگی ہوئی تھی۔

یعنی بالفاظِ دیگر ایسے آٹومیٹک سسٹم (Automatic system) کے میزائل (Missile) تھے کہ جو صرف اس کے جاکے لگتے تھے جس کے نام کا میزائل ہوا کرتا تھا۔ روایات میں ہے کہ یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے۔ انہیں بستیوں کو قرآن کریم میں دوسری جگہ ''مؤتفکات'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جبرئیل امین نے اپنا پر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے لے جاکر سب کو اس طرح اوپر اُٹھالیا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا اور آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آرہی تھی۔ ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اُٹھانے کے بعد اوندھا کرکے پلٹ دیا جو ان کے عملِ خبیث کے مناسب حال تھا۔

(معارف القرآن، جلد:۴، صفحہ:۶۵۵)

اور اسی گھناؤنے اور گندے عمل کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: ۸۰)

یعنی بطور تنبیہ کے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہاں میں کسی نے نہیں کیا۔ زنا کے بارے

میں تو قرآن نے فرمایا انہ کان فاحشۃ بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے اور یہاں الف لام کے ساتھ الفاحشۃ فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ خلافِ فطرت بدکاری تمام فواحش کا مجموعی اور زنا سے زیادہ شدید جرم ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ یہ بدکاری تم سے پہلے سارے جہان میں کسی نے نہیں کی۔ حضرت عمرو بن دینار نے فرمایا کہ اس قوم سے پہلے دنیا میں کبھی ایسی حرکت نہ دیکھی گئی تھی (مظہری) اور نہ اہلِ سدوم سے پہلے کسی بُرے سے بُرے انسان کا ذہن اس طرف گیا تھا۔ اموی خلیفہ عبدالملک نے کہا کہ اگر قرآن میں لوط علیہ السلام کا واقعہ مذکور نہ ہوتا تو میں کبھی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی انسان ایسا کام کر سکتا ہے۔

ابنِ کثیر اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کی ہلاکت کے لیے پھینکا گیا تھا اور سورۂ حجر کی آیات میں اس عذاب سے یہ بھی مذکور ہے:

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ﴾

(سورۃ الحجر، آیت: ۷۳)

ترجمہ: آ پکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمان سے کوئی سخت آواز چنگھاڑ کی صورت میں آئی اور پھر اس کے بعد دوسرے عذاب آئے۔ ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چنگھاڑ کے بعد پہلے زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ پھر اس پر ان کی مزید تذلیل وتحقیر کے لیے پتھراؤ کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے پتھراؤ کیا گیا ہو، بعد میں زمین کا تختہ اُلٹا دیا گیا ہو۔ قوم لوط علیہ السلام کے ہولناک عذابوں میں سے زمین کا تختہ اُلٹ دینے کی سزا ان کے فحش و بے حیائی والے عمل کے ساتھ خاص مناسبت بھی رکھتی ہے کہ انہوں نے قلبِ موضوع کا ارتکاب کیا۔

(معارف القرآن، جلد: ۳، صفحہ: ۶۱۹)

اَمرد پرستی کی لعنت اور اس سے حفاظتی تدابیر

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اَمرد پرستی کس قدر گندا اور قبیح وشنیع فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا کہ ہم کو ایسی شریعت عطا فرمائی ہے کہ جس میں ان حسین اَمردوں کو بحکم لڑکی قرار دیا گیا ہے یعنی ان حسین اَمردوں کو دیکھنا یا ان سے دل لگی وتنہائی سب ممنوع وحرام ہے، جیسے کہ جوان لڑکی سے ممنوع وحرام ہے۔

آج بڑے دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے قرآن وسنت اور اسلاف کے طریقۂ کار کو چھوڑ کر اپنی من مانی زندگی گزارنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ اس لیے ان چیزوں کو معمولی وغیر اہم سمجھتے ہیں کہ اس نوع کے لڑکوں سے تعلق اور دوستی سے سخت پرہیز کیا جائے ورنہ جب انسان اس کا شکار ہوگا تو پھر درس گاہوں اور مساجد میں جمع حاضر واحد غائب ہوتا ہے یعنی گو کہ جسم مسجد و مدرسہ میں ہے مگر اس کا دل اِدھر اُدھر لگا رہتا ہے جس کو حضرت والا یوں تعبیر فرماتے ہیں۔

یہ ایسا گناہ ہے کہ جس میں دل کا قبلہ بدل جاتا ہے اور درحقیقت یہ ایک طرح کا عذاب خداوندی ہے کہ پورے گھنٹہ سبق میں بیٹھے اور پوری کوشش بھی کی مگر دل جمعی نصیب نہ ہوئی اور آج کل جو موبائل فون کی مصیبت چلی ہے اور طلباء کے پاس ہونے سے اس کے جن نقصانات کا روز بروز مشاہدہ ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے کہ سامنے قرآن و حدیث جیسی ادب واحترام کی کتابیں رکھی ہوتی ہیں اور ادھر ان سے کھیلنا جاری ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ بے حیائی اور فحش وعریانیت کے مناظر دیکھنا گناہ کا عمل ہے اور پھر مزید برآں یہ قرآن وسنت کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی ہے جو کہ علم کی برکات و فیوض سے محرومی کا سبب ہے جس کا آج کل بڑا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اس گندے عمل سے بچو۔ اب یہ کہ کتنا بچو؟ اور کتنا دور رہو؟ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قلباً و قالباً دونوں طرح سے بچو یعنی دل میں ان کی سوچ اور خیال بھی نہ لاؤ اور جسمانی طور پر بھی ان سے بعد اور دوری اختیار کرو، ان کے پاس بیٹھنا ان سے باتیں کرنا ان کی طرف دیکھنا وغیرہ سب امور سے پرہیز کرو۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس نوع کے معاملے سے سابقہ اور واسطہ پڑا تو انہوں نے کیا کیا؟ آیئے! قرآن کریم میں دیکھیں کہ قرآن کیا کہتا ہے:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾

(سورۃ یوسف، آیت: ۲۵)

جب اس عورت نے پھر وہی اصرار کیا تو یوسف علیہ السلام وہاں سے جان بچا کر بھاگے اور وہ ان کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے چلی اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے۔ ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ گناہ کی جگہ ٹھہرنا بھی نہیں چاہیے بلکہ وہاں سے فرار اختیار کرے اور دور بھاگے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے حتیٰ کہ معارف القرآن میں یہ ہے کہ بعض تاریخی روایتوں میں مذکور ہے کہ دروازہ پر قفل لگا دیا گیا تھا جب حضرت یوسف علیہ السلام دوڑ کر دروازہ پر پہنچے تو خود بخود یہ قفل کھل کر گر گیا اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس جگہ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس جگہ ہی کو چھوڑ دینا چاہیے، جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔ (معارف القرآن، جلد:۵، صفحہ:۵۵)

جہاں تک بس میں ہو اللہ کی طرف بھاگو

اس پر احقر کو ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ہے اور اس واقعہ کو حضرت مفتی شفیع صاحب نے اس مقام پر یوں ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ دوسرا مسئلہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ احکام

الٰہیہ کی اطاعت میں انسان پر لازم ہے کہ اپنی مقدور بھر کوشش میں کمی نہ کرے، خواہ اس کا نتیجہ بظاہر کچھ برآمد ہوتا نظر نہ آئے، نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان کا کام اپنی محنت اور مقدور کو اللہ کی راہ میں صرف کر کے اپنی بندگی کا ثبوت دینا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے سب بند ہونے کے باوجود اور تاریخی روایات کے مطابق مقفل ہونے کے باوجود دروازہ کی طرف دوڑنے میں اپنی پوری قوت خرچ فرمادی، ایسی صورت میں اللہ جل شانہ کی طرف سے امداد واعانت کا بھی اکثر مشاہدہ ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنی پوری کوشش کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کامیابی کے اسباب بھی مہیا فرمادیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ظاہری کامیابی بھی حاصل نہ ہوتو بندہ کے لیے یہ ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں۔

ایک بزرگ عالم جیل میں تھے جمعہ کے روز اپنی قدرت کے مطابق غسل کر لیتے اور اپنے کپڑے دھو لیتے اور پھر جمعہ کے لیے تیار ہو کر جیل خانہ کے دروازہ تک جاتے۔ وہاں پہنچ کر عرض کرتے کہ یااللہ! میری قدرت میں اتنا ہی تھا آگے آپ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ ان کی کرامت سے جیل کا دروازہ کھل جاتا اور یہ نمازِ جمعہ ادا کر لیتے لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس بزرگ کو وہ مقامِ عالی عطا فرمایا جس پر ہزاروں کرامتیں قربان ہیں کہ ان کے اس عمل کی وجہ سے جیل کا دروازہ نہ کھلا، مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے کام میں ہمت نہیں ہاری۔ ہر جمعہ کو مسلسل یہی عمل جاری رکھا، یہی وہ استقامت ہے جس کو اکابر صوفیاء نے کرامت سے بالاتر فرمایا ہے۔ (معارف القرآن، جلد: ۵، صفحہ: ۵۶)

تو احقر اس واقعہ کو نقل کر کے دراصل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ انسان کو ان عورتوں کی چکر بازی سے واقعی طور پر محفوظ ہونے اور بچنے کے لیے لازم وضروری ہے کہ وہ ان سے ہر طرح سے دور ہو جائے۔ غور فرمائیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر لمبی لمبی نفلیں نہیں پڑھی۔ نفلیں اور تسبیحات میں مشغول نہیں ہوئے بلکہ فوراً وہاں سے بھاگے۔

آہ! آج ہمیں کیا ہو گیا ہے؟

اے میرے دوستو! دل کی گہرائیوں سے اور بڑے دُکھے دل سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آخر نبی کہ جس کی عصمت وحفاظت کا خصوصی انتظام باری تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور جو گناہوں سے محفوظ اور پاک ہوتا ہے۔ وہ تو یہ کر رہا ہے کہ ایسے مواقع سے بھاگ رہا ہے مگر آج ہمارا حال کیا ہے؟ آخر کس چیز نے ہم کو نفس وشیطان کی دُشمنی اور مکر وفریب سے اتنا مطمئن کر دیا ہے؟ کیا ہم کسی ایسے درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ جس پر اب خطاء ومعصیت کا کوئی امکان باقی نہیں رہا؟ اور کیا شریعت کے اندر ایسا کوئی درجہ ومقام کسی غیر نبی کے لیے ہے؟

درحقیقت دونوں باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر یہ سب کیا قیامت ہے کہ آج ہمارا معاشرہ ان جوان

عورتوں اور ننگی تصویروں کی زد میں ہونے کے باوجود کسی کو کوئی پرواہ نہیں اور نہ کوئی اس پر کچھ بولنے والا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی ایسی جماعت اور ٹیم ہے کہ جس کو اُمت کا لقب دیا جا سکے جس کا ہم سے قرآنِ پاک کے اندر مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس لیے حضرت نبی پاک علیہ السلام نے جن خطرات سے آگاہ کیا تھا وہ سارے ہمارے سامنے ہیں اور پوری اُمت ان کی زد میں آہ و بکاء اور بے چینی و پریشانی اور مایوسی و غم کی کیفیات سے دوچار ہے اور اس کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے کہ اُمت اسی کی طرف لوٹے جہاں سے وہ عروج پر پہنچی تھی۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ لَنْ یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا کہ یہ اُمت اپنی اخیری مدت میں جو اس اُمت کے لوگ ہوں گے ان کی صلاح و فلاح اس چیز سے ممکن ہوگی کہ جس سے اس اُمت کے شروع کی صلاح و فلاح ہوئی ہے، اس کے بغیر تمام حیلوں اور تدبیروں کو آزما کر دیکھا جا چکا ہے، کوئی مفید اور کارگر نہیں ہے۔

اس لیے آج اس کی فلاح و کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ یہ اُمت مالِ حرام اور عورتوں سے اختلاط کے جس بحرِ عمیق میں ڈوبی ہے اس کو وہاں سے نکالا جائے ورنہ اس کے بغیر خواہ اطاعات کتنی ہوتی رہیں یاد رکھیے کہ عذاب کے بادل ہٹ نہیں سکتے ہیں۔

تفسیر قرطبی میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا مکر اور کید شیطان کے کید و مکر سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے شیطان کے کید کے متعلق تو یہ فرمایا ہے کہ ان کید الشیطان کان ضعیفا کہ وہ ضعیف ہے اور عورتوں کے کید کے متعلق یہ فرمایا کہ ان کیدکن عظیم یعنی تمہارا کید بہت بڑا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد سب عورتیں نہیں بلکہ وہ ہی ہیں جو اس طرح کے مکر و حیلہ میں مبتلا ہوں۔ اس لیے ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ پوری دنیا میں یہی اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ دوستو! اس فتنہ سے بچ جاؤ تو پھر دوسرے فتنوں سے بھی حفاظت رہے گی۔ اور اگر تم اس فتنہ سے ہمت کر کے بچ جاؤ اور چند دن خونِ آرزو پی لو تو بس سمجھ لو کہ تم کو خدا مل جائے گا ؎

سارے عالم میں یہی اخترؔ کی ہے آہ و فغاں
چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

حسرتوں کا خون کر دو اور خدا کو پا لو

اور دوسری قیمتی بات حضرت فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے اپنے کو محفوظ کرنا اور یہ غم اُٹھا لینا سمجھو کہ ایسا ہے جیسے کسی نے اگر بھینس کو اُٹھا لیا ہو تو وہ بدرجۂ اولیٰ بکری کو اُٹھا ہی لے گا اور جو بکری اُٹھا لے تو وہ بدرجۂ اولیٰ مرغی اُٹھا لے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو آج کے دور میں عورتوں سے بچنے کا مسئلہ اور یہ خونِ آرزو پینا ایسا ہے جیسا کہ بھینس اُٹھانا

اور باقی گناہ جیسے بکری اُٹھانا ہے یعنی اس گناہ سے جو بچے گا تو ان شاء اللہ اس کے لیے دوسرے گناہوں سے بچنا بھی آسان ہو جائے گا۔

میرے دوستو! حضرت والا اس شعر میں اَمردوں سے بچنے اور گندے عمل سے دور ہونے کو فرماتے ہیں کیونکہ اس عمل سے بچنا جبھی ممکن ہوگا کہ ان اَمردوں سے مکمل طور پر بچو اور یہ جو بعض لوگ ان سے خدمت لیتے ہیں اور اپنے بدن دبواتے اور تنہائی میں ملتے رہتے ہیں اور ان سے دلچسپ باتیں کرتے ہیں تو یاد رکھیئے کہ وہ تو اسے محض ایک جائز و مباح عمل سمجھ کر کرتے ہیں، مگر درحقیقت یہ عمل بڑی ذلت و رسوائی تک انسان کو پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے حضرت مجدد تھانوی نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اندر کمرہ میں تنہائی میں تھے۔ حضرت کے کسی متعلق نے اندر ایک اَمرد کو کسی کام سے حضرت تھانوی کے پاس بھیج دیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر تشریف لے آئے اور وہاں جلال کے عالم میں تھے اور اس پر متعلقین کو سخت تنبیہ فرمائی۔

اور تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ اگر کسی عالم کے پاس بھوکا شیر چھوڑا جائے یا کنواری لڑکیاں چھوڑی جائیں تو اس سے بھی زیادہ مضر اور سخت خطرہ کسی اَمرد کا کسی عالم کے پاس ہونا ہے۔

مولیٰ کے جذب کی صدائیں میں دل میں سنتا ہوں

نہیں ممکن تھا ان کی راہ میں میرا قدم رکھنا
اگر جذبِ کرم کی دل نہیں کوئی صدا پاتا

درحقیقت بندہ اس دنیا میں جو کچھ حاصل کرتا ہے اور اللہ کی معرفت و محبت کے جو درجات بھی طے کرتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی شانِ جذب و اجتباء کی کرم فرمائی ہوتی ہے۔ جس کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے یعنی دینِ حق قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔ مشیت کے بعد اجتباء ہوتا ہے اور اجتباء یعنی توفیقِ ایمان کے بعد اگر انابت و اطاعت ہو تو اس پر قربِ الٰہی و ثوابِ غیر متناہی مرتب ہوتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن، صفحہ: ۶۷۹ پر تحریر کرتے ہیں کہ صراطِ مستقیم یعنی ہدایت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو اپنے دین اور صراطِ مستقیم کے لیے منتخب فرما کر اس کی فطرت و طبیعت ہی کو اس کے مطابق بنا دے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص اولیاء اللہ جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا انا اَخۡلَصۡنٰھُمۡ بخالصۃ ذکری الدار یعنی ہم نے ان کو ایک خاص کام کے لیے خالص کر دیا ہے جو آخرت کی فکر ہے اور خاص خاص انبیاء کے بارے میں قرآن نے مخلص بفتح لام ہونے کی تصریح فرمائی ہے

جس کے معنی منتخب اور مخصوص کے ہیں یہی مفہوم ہے **اللہ یجتبی الیه من یّشآءُ** یہ طریقۂ ہدایت مخصوص ومحدود ہے۔ (معارف القرآن، جلد: ۷، صفحہ: ۶۸۰)

اس طرح قرآن کریم کی دوسری آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾

(سورۃ المائدۃ، آیت: ۵۴)

اور آیت کے تحت حضرت والا کے وعظ میں بار بار یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو کیوں مقدم فرمایا ہے؟ تو بعض مفسرین نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ دراصل اس کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ درحقیقت **ان محبتھم ایاہ بفیضان محبته ایاھم** کہ بندے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں یہ درحقیقت اس بات کے سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے محبت کی ہے گو یہ محبت اسی محبت خداوندی کا فیضان اور نتیجہ ہے ورنہ بندہ کہاں خدا کے قرب ومحبت کو پاتا اور حضرت والا اس مضمون کے بیان کرتے وقت کثرت سے یہ شعر پڑھا کرتے ہیں کہ ؎

میں سمجھتا تھا مجھے اُن کی طلب ہے اصغرؔ
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو
بس ایک بجلی سے پہلے کوندی
پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو میں دیکھتا ہوں
تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو اپنے کرم اور جذب سے مندروں اور گرجاؤں میں کفر وشرک کے پیشواؤں کو وہاں سے کھینچ کر ان کے سر پر ولایت کا تاج پہنا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نوع کے واقعات بڑی کثرت سے کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس مضمون کو حضرت والا اس شعر میں بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی راہ میں جو قدم رکھا ہے یہ صرف ان کی شانِ کرم وجذب کا اثر ہے اور اس کی دلیل وہ جذباتِ خیر ہیں جو دل کی گلی میں گذرتے ہیں اور وہ احساسات ایمان واحسان ہیں جن کے دل میں موجود پانے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ خالقِ دل اس دل کو اپنے قابل بنا رہا ہے۔ یہی وہ صدائے جذبِ کرم ہے جو ہر وقت اللہ کے عاشق کے دل میں لگتی رہتی ہے۔

اختر کی داستانِ درد کا عجب عالَم

میں تھک جاتا ہوں اپنی داستانِ درد سے اختؔر
مگر میں کیا کروں چپ بھی نہیں مجھ سے رہا جاتا

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کے فضل و کرم سے میرے سینے میں علوم و معارف کا سمندر بہہ رہا ہے اور میں اس کو بیان کرتا ہوں، مگر زبان تھک جاتی ہے لیکن وہ علوم و معارف اور وہ میری داستانِ دردِ دل کا بیان ختم نہیں ہوتا ہے اور دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں ڈائریکٹ فیضانِ ربانی ہو رہا ہو تو پھر یہ ایسے دریا کی طرح ہوتا ہے کہ جس کا کنیکشن (Conection) کسی سمندر کے ساتھ میں ہو تو پھر بظاہر اس کا پانی ختم کیسے ہوگا؟

تو یہ ایسے قلوب ہوتے ہیں کہ جن میں بمنطوقِ حدیث شریف حق تعالیٰ حکمت و دانائی کی باتیں اور علوم و معارف کا خزانہ پیدا فرماتے ہیں اور پھر زبان کو وہ خاص گویائی کا انداز و طریقہ اور صلاحیت عطا فرماتے ہیں کہ جس کے ذریعہ وہ انسان دنیا کے معائب و خرابیاں اور آخرت کے فضائل و ترجیحات کو بڑے مؤثر اور شیریں ڈھنگ سے پیش کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں باتیں اُترتی چلی جاتی ہیں کیونکہ اللہ کی راہ کے جس غم کو اس نے اُٹھایا ہوتا ہے اور محبتِ خداوندی میں جن کڑوے اور تلخ گھونٹوں کو اس نے پیا ہوتا ہے تو پھر حق تعالیٰ اس کی داستانِ درد و غم کو لوگوں کے لیے ایسا شیریں بنادیتے ہیں کہ حاضرین یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ساری دنیا کا چین وسکون ایک طرف اور اللہ والوں کی مجلسوں میں اللہ کی عظمت اور محبت میں ہونے والے اللہ کے تذکروں کے لطف و مزے سب ایک طرف اور یہ کہنا غلط اور خلافِ واقعہ نہ ہوگا کہ گویا یہ مجلسیں غم پروف ہوا کرتی ہیں۔

اس شعر میں حضرت والا نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے اور پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں بشری تقاضے کے مطابق تھک جاتا ہوں، مگر یہ داستانِ دردِ محبت ایسی ہے کہ میں اس کو پورے طور پر بیان کیے بغیر رہ نہیں سکتا ہوں۔

اور یہ وصف درحقیقت کمالِ ایمان کا ہے کیونکہ حدیث شریف کوئی ایک نہیں بلکہ ایک بڑا مجموعۂ احادیث اس موضوع پر موجود ہے کہ انسان گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر دل سے تڑپ اُٹھے اور اوّل درجہ اس کو مٹانے کا یہ ہے کہ اپنی قوت کا استعمال کر کے اس کو ختم کرے اور دوسرا درجہ کہ زبان سے اس کو بیان کرے اور سمجھائے اور اس کے مضر پہلوؤں سے آگاہ کرے اور یہ بتائے کہ گناہوں کو چھوڑنے سے کیا منافع دنیویہ اور اخرویہ بندے کو حاصل ہوتے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم دل سے اس کو بُرا سمجھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

﴿مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ﴾

(کنز العمال)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی بُرائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اُسے اپنی قدرت وطاقت سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے بدل دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے بدل دے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَلَیۡسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الۡاِیۡمَانِ حَبَّۃُ خَرۡدَلٍ کہ اس کے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا۔ اس لیے کم ازکم ایک مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ بُرائی کو بُرائی سمجھے اور اپنے دل میں اُس کی قباحت وشناعت موجود پائے۔

جیسا کہ حضرت والا کے سارے مواعظ کا خلاصہ یہی ہے کہ معصیت ونافرمانی سے بچ جاؤ تو دنیا وآخرت کا سکون پا جاؤ گے۔ اور ایک عجیب بات عرض کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حاکم مطلق مالک مطلق اور رب حقیقی ہیں وہ اگر چاہتے تو بس حکم فرماتے کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو، مگر اس رحیم وکریم اللہ نے انسان کے لیے صرف اتنا کہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ گناہوں کے نقصانات اور طاعات کے فوائد وغیرہ اور طاعات واتباع کے اسباب وعوامل سب کچھ اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ جو قرآن وحدیث کا واقعی عالم ہوگا تو وہ ہرگز گناہ کے قریب بھی نہیں جا سکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ واقعی علم ہو جو نورِ نبوت کو لیے ہوئے ہو ورنہ تو پھر ایسے علماء سارے جہان والوں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون ہے۔

﴿عَنۡ عَلِیِّ بۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یُوۡشِکُ اَنۡ یَّاۡتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبۡقٰی مِنَ الۡاِسۡلَامِ اِلَّا اسۡمُہٗ وَلَا یَبۡقٰی مِنَ الۡقُرۡاٰنِ اِلَّا رَسۡمُہٗ مَسَاجِدُھُمۡ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الۡھُدٰی عُلَمَآؤُھُمۡ شَرُّ مَنۡ تَحۡتَ اَدِیۡمِ السَّمَآءِ مِنۡ عِنۡدِھِمۡ تَخۡرُجُ الۡفِتۡنَۃُ وَفِیۡھِمۡ تَعُوۡدُ﴾

(شعب الایمان للبیہقی، کتاب فصل، باب یوشک أن یأتي علی الناس زمان لایبقی من الاسلام)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں اسلام میں محض نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی محض رسم وصورت باقی رہ جائے گی۔ اس وقت کے لوگوں کی مسجدیں یوں تو آباد ہوں گی لیکن ہدایت کے لحاظ سے وہ ویران ہوں گی، اُن کے علماء اس آسمان کی چھت کے نیچے سارے انسانوں سے بدتر ہوں گے، انہی کے اندر سے فتنے نکلیں گے اور اُنہی میں لوٹ جائیں گے۔

شامِ ہمدرد میں بعض اہلِ دین کی تصاویر دیکھ کر

آپ کے چہروں پہ شربت روح افزا کا لہو
کررہا ہے صرف فوٹو ہی میں سب کو سرخرو

اپنے خالق سے یہ غفلت کرکے میرے دوستو
قبل توبہ گر مرے ہونا پڑے گا زرد رو

عارضی عزت صدائے جاہ گو ہے کو بہ کو
پُرخطر ہوگا مگر محشر میں ایسا سرخرو

عظمت قرآں کا صدقہ سن لو حفاظ کرام
مانھٰکم عنه کے فرمان پر تم فانتھوا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سرخرو:** کامیاب۔**زرد رو:** پیلے چہرے والا۔**صدائے جاہ:** شہرت کی آواز۔ **کو به کو:** ہرجگہ۔**مانھٰکم عنه:** جس چیز سے تمہیں روکا جاتا ہے(یعنی گناہ)۔**فانتھوا:** پس تم باز رہو۔

وہ شورِ عندلیب نہ تھا باغباں نہ تھا

جو گلستاں تھا آہ مرا گلستاں نہ تھا
جو زد میں تھا خزاں کی مرا آشیاں نہ تھا

جو غم ملا تھا مجھ کو غم جاوداں نہ تھا
جو جانِ جاں تھا کل، وہی اب جانِ جاں نہ تھا

اُجڑا ہے اس طرح چمن حُسن مجاز کا
وہ شور عندلیب نہ تھا باغباں نہ تھا

اس حُسن کی بہار کو لوٹا خزاں نے یوں
آہ سحر نہ تھی دل نالہ کناں نہ تھا

کوئی مَرا فراق سے کوئی وصال سے
محفل میں اس کی میر کوئی شادماں نہ تھا

اب ڈھونڈتے ہیں میر غمِ جاوداں کو ہم
جو غم ملا تھا ہم کو غمِ جاوداں نہ تھا

ہے کون جو اس لذتِ غم کو بیاں کرے
سارے جہاں میں جس کا کوئی ترجماں نہ تھا

اخترؔ نے جب بھی دردِ محبت سے کچھ کہا
سارے مقررین میں تابِ بیاں نہ تھا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ غمِ جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کے انعامات دلانے والا غم (یعنی گناہ سے بچنے میں دل کو ہونے والا غم)۔ **جانِ جاں:** محبوب۔ **عندلیب:** بلبل۔ **باغباں:** مالی۔ **آہِ سحر:** رات کو اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے رونا۔ **نالہ کناں:** رونے والا۔ **محفل میں اس کی:** عشق میں دنیاوی گلنے، مرنے اور سڑنے والا معشوق یا معشوقہ۔ **شادماں:** خوش۔ **تابِ بیاں:** بیان کی ہمت۔

مولانا مظہر میاں سے خطاب

تصوف کے بعض مضامین مفیدہ

اس نظم کے تمام اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں مجھے ایسے گلستاں کو اپنا گلستاں نہیں بنانا جو عنقریب خزاں کی زد میں آنے والا ہے۔ اور نہ میں اس غم کو اپنا غم بنانا چاہتا ہوں جو غمِ جاوداں نہ ہو بلکہ آج محبت کا دم بھرنے والا کل کو اپنے محبوب کے فنا ہوجانے اور مٹ جانے کے بعد بے چین اور پریشان پھر رہا ہوتا ہے اور اس حسنِ مجاز کا چمن ایسا اجڑتا ہے کہ نہ وہاں محبوب نظر آتا اور نہ اس کا محبّ کہیں دکھائی دیتا ہے اور نہ محبت کی داستانیں موجود رہتی ہیں۔ تو بھلا وہ چمن جو عنقریب ایسا مٹنے والا ہو کہ نہ چمن رہے، نہ باغبانِ چمن اور نہ بلبلوں کا شور اور چہچہاٹ۔ یہ حسن کی ظاہری چمک دمک اور بہار کی شکل میں چھپی ہوئی خزاں ایسے ختم ہوجاتی ہے اور اس طرح ویرانی کا شکار ہوتی ہے کہ نہ وہاں آہِ سحر نظر آئے گی اور نہ کوئی دلِ نالاں کناں دکھائی دے گا۔

افسوس تو یہ ہے کہ اس کا انجام نہ وصال کی صورت میں درست اور صحیح ہے اور نہ فراق کی صورت میں کیونکہ جو اپنے محبوب و معشوق سے فراق کا شکار ہوگئے تو اُن کی جدائی کے غم کو برداشت نہ کرکے اسی صدمے میں جان دے بیٹھے اور خودکشیاں کرلیں اور جن کو اپنے محبوب کا وصال میسر آگیا وہ اُس کے وصل میں دل و دماغ کا چین و سکون کھو بیٹھے۔ اور ہر وقت اُس کی یادوں میں ایسے مٹ گئے کہ اپنے دین و دنیا کو تباہ کرڈالا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اس کی محفل میں کوئی شادماں نہیں ہے، کچھ فراق سے مر رہے ہیں تو کچھ وصال سے۔

بس وہ لوگ جو اس کا مزہ چکھنے کے بعد اس کے تلخ انجام سے واقف ہوچکے ہیں وہ پھر اس کے متلاشی رہتے ہیں کہ ہم کسی طرح اس محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں تبدیل کردیں اور ہمیں حق تعالیٰ کا دردِ محبت نصیب ہوجائے جو غمِ جاوداں اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ یہاں تک کہ انسان دنیا سے رخصت ہوجائے گا مگر اُس کے دل اور روح میں بسی ہوئی یہ محبتِ خداوندی اُس کے ساتھ ساتھ جائے گی۔ اور خود دنیا میں رہتے ہوئے بھی اُسے ایسا

لطف نصیب ہوتا ہے جس کی الفاظ میں ترجمانی نہیں کی جا سکتی۔ اُس کی صحیح حقیقت کا ادراک بس اُسی شخص کو ہوتا ہے جو کسی درجے میں دردِ محبتِ خداوندی سے آشنا ہو جائے۔ پھر اُس کا قال و حال بدل جاتا ہے اور اُس کی رفتار و گفتار اور کردار سنور جاتا ہے۔ اور اب اُس کی گفتگو عام مقررین کی گفتگو کی طرح نہیں ہوتی جب وہ اپنے بیان و تقریر میں اللہ تعالیٰ کے دردِ محبت کو پیش کرتا ہے تو مقررین میں اُس کی تابِ بیان نہیں ہوتی کیونکہ درحقیقت وہ اپنی محبت کی کہانی کہتا ہے وہ محض لغت کے ذریعے سے کسی مضمون کو تعبیر نہیں کرتا۔ جیسا کہ سامعین اہلِ مجلس خود اس فرق کو محسوس کرتے ہیں اس لیے حضرت والا نے فرمایا کہ اختر نے جب بھی دردِ محبت سے کچھ کہنا شروع کیا تو صورتِ حال ایسی ہوئی اور گفتگو اس درد سے نکلی کہ مقررین میں تابِ بیاں نظر نہیں آتا تھا۔

(جب وہ طالب علم تھے)

ہائے کیا جانے وہ آہوں کی نزاکت کی لچک
جس نشیمن پر نہ ہو برقِ حوادث کی چمک

غنچہ سہتا ہے چمن میں سختیٔ بادِ سحر
اس کے دامن کو عطا ہوتی ہے پھولوں کی مہک

صبحدم کلیوں کی خوشبو بھی ہے ممنونِ صبا
یعنی اس کے فیض ہی سے غنچے جاتے ہیں چٹک

اک شکستہ غم بھرے دل کو اگر چھیڑے کوئی
دل کے پیمانے سے اس کے کیوں نہ جائے غم چھلک

پس سمجھ لو نامناسب وہ عمل ہے اے پسر
جس عمل سے قبل ہو محسوس دل میں کچھ کھٹک

تم کو اپنے باپ کی تنبیہ کے لہجہ میں بھی
چاہیے آنی نظر مظہر! محبت کی جھلک

تم سے کچھ شکوہ نہیں اختؔر کا اے جانِ پدر
ہاں مگر مل جائے آدابِ محبت کی چسک

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **نزاکت:** نازک ہونا۔ **برق حوادث:** حادثات کی بجلی۔ **غنچہ:** کلی۔ **بادِ سحر:** صبح کی ہوا۔ **صبحدم:** صبح کے وقت۔ **ممنونِ صبا:** صبح کی ہوا کی احسان مند۔ **چٹک:** کلیاں کھل جاتی ہیں۔ **پسر:** اے میرے بیٹے۔ **جانِ پدر:** اپنے باپ کی جان (اظہارِ محبت ہے)۔ **چسک:** مزا یا لذت۔

حضرت مولانا مظہر صاحب کے بعض حالات واوصاف

حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم کے اکلوتے بیٹے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات کا مظہر بنایا ہے۔ جن سے مل کر ہر شخص نہایت متاثر ہوتا ہے اور طبیعت میں انبساط اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ خاص طور پر ضیافت اور مہمان نوازی کی صفت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بہت خصوصیت سے عطا فرمائی ہے اور ماشاء اللہ انتظامی اُمور کے سلسلے میں نہایت مدبر اور متحمل مزاج، بڑی حکمتِ عملی کے ساتھ بڑے سے بڑے کاموں کو انجام دینے والے ہیں۔

اور ایک خوبی تو اتنی عجیب وغریب ہے کہ جو بظاہر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے کہ احقر راقم السطور نے اپنے سات آٹھ سالہ تعلق اور پہچان کی مدت میں کبھی کسی مدرّس و ملازم اور عمومی وخصوصی آدمی پر مولانا کو غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیسا ہی ناگوار معاملہ ہو اور کسی بھی طرح کے حالات ہوں ہر وقت فرحاں وشاداں نظر آتے ہیں جبکہ صرف ذمہ داری ہی نہیں بلکہ ذمہ داریوں کا ایک ایسا بوجھ سر پر اوڑھے ہوئے ہیں کہ جس کے لیے ایک جماعت درکار ہے، مگر ماشاء اللہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ مدرسہ و خانقاہ کا نظام اور پھر دوسرے بہت سی متعلقہ ذمہ داریاں انجام دیتے رہتے ہیں۔

اور بعض مرتبہ حضرت والا بعض متعلقین کو جن کی طبیعت میں تحمل کم ہوتا ہے اور غصہ مزاج ہوتے ہیں انہیں یہ خاص نصیحت فرماتے ہیں کہ تم مولانا مظہر کی صحبت میں جا کر بیٹھا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک کمال ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہ کر اپنی شکل وصورت اور اپنے قال وحال سے ناگواری اور شکوہ وشکایت والا حال ظاہر نہ ہونے دے بلکہ جیسے بھی حالات ہوں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر فرحاں وشاداں رہے اور چہرے پر تبسم اور مسکراہٹ دکھائی دیتی رہے جس کی آج دنیا میں بہت کمی اور فقدان ہے اور یہی بے شمار بیماریوں کا بھی سبب بنا ہوا ہے۔

طالب علم کی بے فکری والی زندگی

ہائے کیا جانے وہ آہوں کی نزاکت کی لچک
جس نشیمن پر نہ ہو برقِ حوادث کی چمک
غنچہ سہتا ہے چمن میں سختیٔ بادِ سحر
اس کے دامن کو عطا ہوتی ہے پھولوں کی مہک
صبحدم کلیوں کی خوشبو بھی ہے ممنونِ صبا
یعنی اس کے فیض ہی سے غنچے جاتے ہیں چٹک

بہر حال حضرت والا دامت برکاتہم کا ایک مختصر سا خطاب بصورتِ اشعار صاحبزادہ محترم حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم سے اُس وقت ہوا جب کہ مولانا طالب علمی کی زندگی گزار رہے تھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک طالبعلم اپنی طالبعلمی کی زندگی میں رہتا ہے نہ تو اُسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نہ وہ زمانے کی صورتحال سے واقف ہوتا ہے، مثبت اور منفی نوعیت کے جو معاملات اسلام اور اہلِ اسلام کو پیش آتے ہیں یا جن سے کسی دیندار آدمی کو گزرنا پڑتا ہے اُن سے بالکل بے خبر اور خالی الذہن ہوتا ہے۔ اسی طرح عام طور پر سلوک کی لائن سے گزر کر وہ سب معاملات طے کیے ہوئے نہیں ہوتا جن کے نتیجے میں انسان کو خاص قرب اور دردِ محبت عطا ہوتا ہے اور پھر اُسی دردِ محبت کے اثر سے آہ و فغاں کی دولت نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہ جبھی ممکن ہے جبکہ راہِ خداوندی کے غم اُٹھائے جائیں ورنہ جس نشیمن پر برقِ حوادث کی چمک نہ ہوا ُسے آہوں کی نزاکت کی لچک کا احساس نہیں ہوگا۔ آپ غور کیجئے کہ چمن میں پھول کے درخت پر لگا ہوا غنچہ جب بادِ سحر کی سختی میں کبھی اِدھر کبھی اُدھر گرتا ہے اور وہ اُس سختی کو سہہ لیتا ہے تو پھر اُس کے دامن کو پھولوں کی مہک عطا ہوتی ہے اور کچھ یہی معاملہ اُن کلیوں کے کھلنے کا ہے جو صبح دم پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، وہ بھی اُسی صبا کی ممنون ہیں جس کے فیض سے غنچے چٹک جاتے ہیں اور کلیاں کھل کر صبح دَم خوشبو پھیلا دیتی ہیں۔

اک شکستہ غم بھرے دل کو اگر چھیڑے کوئی
دل کے پیمانے سے اس کے کیوں نہ جائے غم چھلک

یہی معاملہ اُس اللہ والے کا ہوتا ہے جو اللہ کے راستے کا غم اُٹھائے ہوئے ہو تو پھر اگر اس شکستہ غم بھرے دل کو کوئی چھیڑتا ہے تو اُس کے پیمانۂ قلب سے غم چھلکنے لگتا ہے، کبھی آنسوؤں کی شکل میں تو کبھی آہ و فغاں کی صورت میں، کبھی اپنے دردِ محبت کی زبانی اور کبھی درد بھری ترجمانی کے ذریعے سے۔

بچوں کا چھپ کر کچھ کرنا ہی غلطی کی نشانی ہے

پس سمجھ لو نامناسب وہ عمل ہے اے پسر
جس عمل سے قبل ہو محسوس دل میں کچھ کھٹک

پھر حضرت والا دامت برکاتہم ایک نصیحت فرماتے ہیں کہ اے میرے بیٹے! یہ بات جان کر رکھنا کہ جس کام کو کرنے سے پہلے دل میں کوئی کھٹک یا تردد محسوس ہو تو اسے اس بات کی نشانی سمجھ لینا کہ یہ نامناسب عمل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی نشانی بتائی ہے:

﴿عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ﴾

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تفسير البر والاثم)

نواس ابن سمعان انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ سے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی تو بہترین اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناگوار سمجھو کہ لوگ اُس پر مطلع ہو جائیں۔ اس لیے جب بچے کسی چیز کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ اُس کے متعلق اُن کے دل میں کچھ کھٹک موجود ہے اور وہ اُسے بُرا سمجھ رہے ہیں۔

یہ بچوں کو دی جانے والی انتہائی قیمتی نصیحت ہے اور اس نصیحت میں تمام قسم کی بُرائیوں اور خرابیوں سے بچے کو بڑی حکمت کے ساتھ رُکنے کی تلقین کر دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ خود بچے کی فطرت ہے کہ وہ جب بھی کسی ایسے کام کو کرنے کی طرف چلتا ہے جسے وہ اپنے دل میں غلط محسوس کرتا ہے اور اُسے اس کے متعلق کچھ کھٹکا ہوتا ہے تو پھر اُسے چھپ کر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور علیحدگی میں جب کوئی موجود نہ ہو تب اُس کام کو کرتا ہے اور دوسروں سے حجاب محسوس کرتا ہے اور بالخصوص والدین سے چھپانے کی فکر میں رہتا ہے۔ یہ سب اس بات کی علامتیں ہیں کہ یہ کام مناسب نہیں ہے۔ ورنہ اگر مناسب ہوتا اور دل میں کھٹک محسوس نہ ہوتی تو پھر وہ ان سب فکروں میں نہ پڑتا۔

باپ کی تنبیہ شفقت پر مبنی ہوتی ہے

تم کو اپنے باپ کی تنبیہ کے لہجہ میں بھی
چاہیے آئی نظر اے مظہرِ محبت کی جھلک

حضرت والا دامت برکاتہم ایک اور نصیحت فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھنا باپ اپنے بیٹے کو کسی بات پر تنبیہ بھی کر رہا ہو تو اُس میں بھی محبت چھپی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جلاد ہے کہ جو قانونی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے امیر کے حکم کے تحت مجرم کی گردن اُڑانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اُس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ فوری طور پر امیر کے حکم کو نافذ کر کے بلکہ مجرم کو سزا دے اور اُسے کچھ سوچنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ڈیوٹی اور ذمہ داری کو نباہتا ہے۔

لیکن ماں باپ جب اپنی اولاد کو کسی معاملے پر تنبیہ کرتے ہیں تو اندر سے وہ محبت بھرا دل رکھنے کے باوجود اُس کی کچھ خیر خواہیاں اور بھلائیاں اور فوائد و مصالح کے پیشِ نظر ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، گو کہ اُن کا دل کبھی بھی اس کو گوارا نہیں کرتا لیکن اپنی اولاد کو نقصان سے بچانے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔

جیسے اس کی ایک مثال ایسے سمجھئے کہ چمکدار چھری کی طرف یا روشن آگ کی طرف بچہ تیزی سے لپکا جا رہا ہے۔ والدین اُس کو ہٹاتے ہیں مگر وہ پھر جاتا ہے یہاں تک کہ جب تیزی سے پکڑ کر اُس کو دور کر دیتے ہیں تو وہ رونا اور چیخنا شروع کرتا ہے۔ مگر دنیا کا ہر انسان یہ جانتا ہے کہ اس کے رونے اور چیخنے کے باوجود والدین کی محبت اپنی جگہ مسلّم ہے اور اُن کا اس کو ڈانٹنا ڈپٹنا خود اس کی خیر خواہی پر مبنی ہے۔ اسی لیے جب بھی تنبیہ کے لہجے میں والدین کوئی بات کہیں تو اُس میں ہمیشہ بیٹے کی محبت کی جھلک ہی نمایاں ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اولاد اپنے نفع و نقصان کو

پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہو اور خیر خواہی و بدخواہی میں فرق کرتی ہو تو پھر یہ بات سمجھنا دشوار نہ ہوگی۔

تم سے کچھ شکوہ نہیں اخترؔ کا اے جانِ پدر
ہاں مگر مل جائے آدابِ محبت کی چسک

اخیر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے جانِ پدر! مجھے تم سے کوئی گلہ وشکوہ نہیں ہے، میں بہت خوش ہوں۔ بس ایک تمنا ہے کہ تم اپنے قلب میں آدابِ محبت کی چسک پاجاؤ اور اسے حاصل کرلو کیونکہ یہی اصل دنیا و آخرت کا خزانہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر میں تم سے اس کا شکوہ ضرور کروں گا۔ اس لیے کہ یہی آدابِ محبت اولاد کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ والدین کی نگاہ میں اور خود حق سبحانہ وتعالیٰ کی نگاہ میں معزز اور کامیاب ہوں۔

برخاصانِ بارگاہِ حق تعالیٰ شانہٗ

سجدہ سے سر اٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

ہوش و خرد کا نظم بھی جیسے وہاں نہ تھا
لیکن وہاں نہاں جو تھا گویا نہاں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہومِ قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

جلوے تو سامنے تھے مگر یہ جہاں نہ تھا
دردِ نہاں تو تھا مگر اشکِ رواں نہ تھا

مخفی تھا دل میں جو کبھی آتش فشاں نہ تھا
اِک کیفِ پُرسکوں تھا کوئی این و آں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

اِک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
اُن کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

اس بے خودی میں پاس کوئی بوستاں نہ تھا
طائر نہ تھے اور ان کا کوئی آشیاں نہ تھا

کوئی ضرر سے غمزدہ کوئی نفع سے خوش
دنیائے عشق میں کہیں سود و زیاں نہ تھا

اے دردِ دل ہو تجھ کو مبارک ترا یہ فیض
دنیا سے لے کے باغ جناں تک نہاں نہ تھا

اس بزم کا اک عالمِ ھُو نام ہے اخترؔ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

مشکل الفاظ کے معنٰی:۔ آستاں: چوکھٹ، دہلیز۔ **ہوشِ بیاں:** بولنے کا ہوش۔ **شعلہ زن:** جلتی ہوئی۔ **خرد:** عقل۔ **نظم:** انتظام۔ **نہاں:** چھپا ہوا۔ **اشکِ رواں:** بہتے ہوئے آنسو۔ **مخفی:** چھپا ہوا۔ **کیفِ پُرسکوں:** پُرسکون لذت۔ **این و آں:** اِدھر اُدھر کی فکر۔ **خورشید:** سورج۔ **ماہ و کہکشاں:** چاند اور ستاروں کا جھمگھٹا۔ **دنیائے دوں:** گری پڑی دنیا۔ **جمال:** خوبصورتی۔ **کون ومکاں:** دنیا۔ **پھول جاوداں:** ہمیشہ تازہ رہنے والا پھول۔ **رازداں:** راز جاننے والا۔ **بے خودی:** اپنا ہوش نہ ہونا۔ **بوستاں:** باغ۔ **طائر:** پرندے۔ **آشیاں:** گھونسلہ۔ **ضرر:** نقصان۔ **غمزدہ:** اُداس۔ **نفع:** فائدہ۔ **سودوزیاں:** نفع اور نقصان۔ **باغ جناں:** جنت کا باغ۔

تجلیاتِ خاصہ مقربہ کے بعض احوالِ خاصہ

سجدہ سے سر اٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا
گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

ان اشعار میں حضرت والا کے ان حالاتِ خاصہ کا ذکر ہے جو کہ تجلیاتِ مقربہ کے غلبے کی صورت میں سامنے آتے ہیں جس کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے اخص الخاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ انہیں عبادت میں ایسا لطف اور مزہ آتا ہے اور حق تعالیٰ کی عظمتوں میں وہ ایسا کھو جاتے اور مشاہدۂ حق میں ایسا مستغرق ہوتے ہیں کہ جب وہ سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں تو انہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں سجدے کے عالم میں ہوتے ہوئے کسی اور زمین کے اوپر اور کسی اور آسمان کے نیچے تھا اور انہیں کہیں آستاں نظر نہیں آتا۔ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ زمین بھی اور ہے اور آسمان بھی الگ ہے اور وہ صاحبِ زبان ہوتے ہوئے خود کو بے زبان محسوس کرتے ہیں اور وہ حالات اس قدر رفیعہ ہوتے ہیں کہ لغت کے دائرے میں کسی طرح بھی لایا نہیں جاسکتا اور اگر بیان کرنے پر آجائیں تو نامعلوم ظاہری علم رکھنے والے کیسی غلط فہمیوں کا شکار ہوجائیں۔

اس لیے فرمایا کہ مجھے اُن حالات میں پہنچ کر ہوشِ بیان ہی نہ رہا جیسا کہ کہیں نہایت شعلہ زن آتش ہو مگر اُس میں دھواں نہ ہو تو قلب میں ان حالات و کیفیات کے وقت ایسی تجلیاتِ عالیہ موجزن تھی کہ گویا میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ میں شعلہ زن تھا، مگر ظاہری آثار کچھ نہ تھے۔ نہ آہ و فغاں تھی اور نہ اشکباری تھی، کچھ ایسا معاملہ تھا کہ جہاں پہنچ کر میرے ہوش و ہواس کا نظم بھی مجھے درہم برہم معلوم ہو رہا تھا اور عقل سے اُن حالات کو پہچاننا بھی ممکن نہ تھا۔ ظاہری نشانیاں نہ ہوتے ہوئے گو کہ وہ حالات بہت مخفی تھے لیکن جس پر گزر رہے تھے اُس کے لیے وہ نہاں نہیں تھے۔ بالکل ایسا معاملہ سمجھئے کہ خوشبو تو پھیل رہی ہو لیکن گلستان نظر نہ آرہا ہو۔ بس اسی طرح انتہائی

درجے کا قربِ خاص تھا لیکن لفظ و بیان اُس کے لیے نہیں تھا۔

اس کی ایک خاص حکمت و وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات لامحدود ہے تو بندے کو اُس سے جو قرب اور نسبت ہوتی ہے وہ کہیں ختم نہیں ہوتی، وہ بھی لامحدود ہے۔ اسی لیے حضرت والا نے بعض مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ یہ سمندر ہے وہ جس کا ساحل نہیں اور اسی مقام پر پہنچ کر لغت تعبیر کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ پھر جتنا بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص ہوتا ہے اُتنی ہی وہ تجلیات اعلیٰ وارفع ہوا کرتی ہیں اور اُن میں وہ اللہ والا ایسا محو ہو جاتا ہے کہ ہر طرف جلوۂ حق میں فنا رہتا ہے اور دل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اُسے یہ جہاں اپنا جہاں معلوم نہیں ہوتا۔ اور اُس وقت دل میں عجیب وغریب قسم کے سکون کا عالَم ہوتا ہے کیونکہ دل اُس لمحہ ہر قسم کے دنیا و مافیہا کی فکروں سے خالی ہوتا ہے، مگر یہ سب احوال دل ہی دل میں اس قدر مخفی ہوتے ہیں کہ بظاہر کسی بھی نقل وحرکت سے اُن کا ظہور اور واضح ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

خورشید و ماہ کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ مشاہدۂ تجلیاتِ خداوندی کے عالَم میں مستغرق ہونا کچھ ایسا عجیب عالَم ہے کہ وہاں بس حق تعالیٰ کی ذات ہی سامنے ہوتی ہے نہ وہاں ماہ وانجم نظر آتے ہیں، نہ خورشید و کہکشاں کا وجود ہوتا ہے، نہ یہ دنیائے دُوں وہاں نگاہوں میں آتی ہے نہ کوئی اور جہاں دل میں گزرتا ہے۔ یہ دنیا اپنی تمام آرائش و زیبائش کے ساتھ یکدم قلب ونظر سے غائب ہو جاتی ہے۔ سارا کون ومکاں اور کائنات کی چھوٹی بڑی ہر شے کالعدم محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ اللہ والوں کی عجیب وغریب حالت ہے جس کو بعض اکابر صوفیاء کرام نے وحدۃ الوجود سے تعبیر کیا ہے۔ جس کی تفصیل سے شرح ''عرفانِ محبت'' میں دوسری جگہ گزر گئی مگر خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ سب کچھ معدوم اور فنا دکھائی دیتا ہے جس طرح کہ سورج کی روشنی کے سامنے چاند اور ستاروں کی روشنی کالعدم دکھائی دیتی ہے اور حق تعالیٰ کے سوا اُس مقام پر پہنچ کر کوئی بھی راز داں نہیں رہتا۔ اور یہ کہیے کہ پھولِ جاوداں تو ہے مگر گلستاں کا وجود کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ گو کہ وہ پھول اُسی گلستاں کے ایک درخت کا حصہ ہیں مگر نظروں میں وہ پھول ایسا سماتا ہے کہ سارا گلستاں نظروں سے گر جاتا ہے۔ اور انسان پر ایسی بے خودی کا عالَم ہوتا ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے سارے گلستاں و بوستاں معدوم ہو جاتے ہیں۔ نہ دنیا نظروں میں رہتی ہے اور نہ دنیا والے دل ودماغ کے کسی خانے میں موجود رہتے ہیں۔

اُس عالَم کا نظام ہی کچھ الگ تھلگ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں کوئی ضرر سے غم زدہ اور کوئی نفع سے خوش ہوتا ہے لیکن اس دنیائے عشق میں سود وزیاں کا کوئی خیال دل میں نہیں گزر سکتا۔ وہاں تو بس سودائے جانِ جاناں

ہی سب کچھ ہوا کرتا ہے، مگر یہ یاد رکھنا کہ یہ دولت قربِ خاص کی اور یہ نعمت تجلیاتِ مقربات کی جب تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دردِ دل کا حامل نہ ہو۔

عالم ھُو کی حقیقت

اس بزم کا اک عالم ھو نام ہے اختر
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

یہ دردِ دل حق تعالیٰ کا ایسا عطیہ ہے کہ اس کا فیض دنیا کی زندگی میں بھی انسان کو خوب پہنچتا ہے اور قبر وحشر ونشر کے تمام احوال میں بھی پہنچتا ہے یہاں تک کہ جنت تک پہنچنے میں اس کا فیض کام آئے گا اور ہر موڑ پر اس کی برکات دکھائی دیں گی۔ یہ وہ حالاتِ رفیعہ اور تجلیاتِ خاصہ ہیں کہ جن کا وجود صرف اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب کسی کے دل میں ایسی بزم سجی ہوئی ہو جس میں سوائے حق تعالیٰ کی ذات کے اور کوئی موجود نہ ہو اور بالفاظِ دیگر جس بزم کا نام ہی عالم ھُو ہے کہ بس قلبِ نگاہ میں وہی ایک ذاتِ وحدہ لاشریک لہٗ رہ جائے اور باقی اُس کا غیر نگاہوں سے ایسا گر جائے کہ نہ دل میں کبھی اُس کا خیال آئے اور نہ اُمید وخوف کی نظر اُس کی طرف اُٹھے۔ بس ہر طرف اللہ تعالیٰ ہی نظر آتے ہوں۔

جب بندہ کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو پھر شاہ و گدا اور امراء وفقراء اور اپنے و پرائے اور چھوٹے و بڑے سب اُس کی نگاہوں میں ایک درجے میں ہو جاتے ہیں اور وہ درجۂ غیر اللہ ہے۔ کیونکہ وہ سب غیر اللہ ہونے میں برابر ہیں جن میں نہ نفع پہنچانے کی قدرت ہے اور نہ نقصان دینے کی، نہ عزت اُن کے ہاتھ میں ہے اور نہ ذلت کا معاملہ اُن کے سپرد ہے بلکہ دنیا وآخرت کی ہر خوشی وغم اور ہر اچھی و بُری حالت کا مالک صرف ایک اکیلا اللہ ہے۔ بس نظروں میں وہی سما جاتا ہے۔

یہی عالَم صوفیاء کی اصطلاح میں ''وحدۃ الوجود'' کہلاتا ہے اور یہ محض کوئی فرضی چیز نہیں یا خالی کوئی افسانہ نہیں بلکہ ایک سچی حقیقت ہے جو اہلِ حقیقت کو حاصل ہوتی ہے۔

اگرچہ اس مقام کے حامل روئے زمین پر بسنے والے اہلِ ایمان میں کچھ خاص ہی اللہ کے بندے ہوا کرتے ہیں جن کو حق تعالیٰ اس نعمت سے نوازتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بعض عارضی حالات ومجاہدات کی بدولت اللہ تعالیٰ یہ خاص تجلیاتِ مقربات سالک کے قلب پر عطا فرما دیتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' حصہ ششم، جلد اوّل، صفحہ: ۱۵۵ پر لکھا ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب نے حضرت سید احمد شہید سے یہ درخواست کی کہ حضرت مجھے ایسی نماز پڑھوا دیں جس میں خشوع وخضوع ہو۔ جیسی نماز صحابہ کرام پڑھا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعات ہم سے ادا ہو یہ کہنا

تھا کہ میاں صاحب (سید احمد شہید) خاموش ہو گئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے اور چپ کر کے سو رہے۔

پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا ''مولانا'' اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ ہوا اور بدن پر روئیں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا اعتقاد آ گیا۔ تب میں نے جواب میں کہا: کہ ''حضرت'' تب فرمایا کہ ''جاؤ! اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو'' تب میرے بدن پر پھر ''قشعریرہ'' ہوا اور میں نے کہا کہ ''بہت خوب'' اور دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا ''مولانا سن لو'' میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا۔ فرمایا کہ ''تم نے خوب سمجھا میں نے کہا کیا؟ میں نے کہا ''اللہ کے واسطے وضو کرو'' پھر میں نے کہا ''بہت خوب'' اور دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا۔ اس طرح تین بار کیا اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضورِ دل اور حق سبحانہٗ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا، پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ ''جاؤ اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو''۔ تب میرے بدن پر ''قشعریرہ'' ہوا اور نماز کے واسطے چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا فرمایا کہ ''تم نے خوب سمجھا یا نہیں؟'' میں نے کہا کہ ''جاؤ! اس وقت اللہ رب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو'' میں نے کہا کہ ''بہت خوب'' اور نماز کے واسطے چلا پھر تیسری بار بلایا اور ایسا ہی سمجھا دیا۔ تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے داڑھی تر ہو گئی اور اس قدر نماز میں غرق ہو گیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی، جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا، نہ پھر سلام پھیر کر دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا، جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ کو ضم نہ کیا تھا، پھر شروع کیا اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا، واللہ اعلم سو رکعت یا زیادہ یا کم پڑھا ہو گا کہ صبح صادق کا وقت قریب ہوا، پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضورِ دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا۔ اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا میں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی پڑھ نہ سکا اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہٗ کے خوف سے استغفر اللہ، استغفر اللہ کہنا شروع کیا جب اذان ہوئی تب مجھے ہوش آیا اور یاد پڑا کہ صحابۂ کرام کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے اور ان کی شان میں اللہ نے فرمایا کہ والمستغفرين بالاسحار اور سوچا کہ بے شک یہ بڑے کامل بزرگ ہیں۔ (تاریخ دعوت و عزیمت، جلد:۶، صفحہ:۱۵۵)

تو حضرت علی میاں نے ان عالم کا بیان کیا کہ ان کا اول جملہ بولتے ہی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور عجیب انوار و تجلیات کی بارش میرے قلب پر برسنے لگی اور میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وضو کر کے دو رکعت نماز کی نیت باندھی تو میں اُن دو رکعت میں ایسا محو ہو گیا کہ جیسے کسی سخت بھوکے آدمی کو شاندار قسم کا کھانا مرغ و کباب اور عمدہ قسم کی بریانی دے دی جائے کہ مجھے ماسوا اللہ سے کوئی تعلق ہی باقی نہ رہا اور ابھی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہوا تو وہ بھوک و پیاس اندر اور بڑھتی جا رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی عظمتوں کا حق ادا نہیں ہوا اس لیے میں پھر سے دو رکعت پڑھتا اور ایسا محسوس ہوتا کہ مجھے ماسوا اللہ کا کوئی ہوش ہی باقی نہ رہتا۔ چہ جائیکہ دل میں کسی کا خیال گزرے یا کوئی وسوسہ آئے۔ بس اسی طرح کرتے کرتے میں نے بہت رکعت نماز پڑھی اور مجھے محسوس ہوا کہ ابھی بھی میری پیاس نہیں بجھی ہے۔

یہی وہ مقام قرب خاص ہے جسے حضرت والا نے اپنے ان اشعار میں عالم ھُو سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چیز اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں اور وہ تا حیات اسی پہ قائم رہتے ہیں اسی پر ان کو موت آتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل خاص فرما کر ہمارے قلوب کو اپنی طرف جذب فرمالے اور اپنے قرب کا مقام خاص ہم سب قارئین کو اپنی رحمت سے عطا فرما دے۔

تذکرۂ میر

لگے ہے میر چہرہ سے کہ وہ کوئی منسٹر ہے
مگر ڈانٹے ہے جب موذی کو تو لگتا کلکٹر ہے

مرے کانوں میں خراٹا بھی اس کا مثلِ موٹر ہے
اور اپنے سرخ رخساروں سے وہ مثلِ ٹماٹر ہے

بظاہر وہ علی گڈھ کا پڑھا بی کام مسٹر ہے
مگر اب مدرسہ میں شیخ کے استادِ مسٹر ہے

مٹا ڈالا ہے اپنے نفس کو اس میر نے ورنہ
لگے تھا پہلے یہ ظالم کہ کوئی انسپکٹر ہے

سوزوکی کار تھا پہلے ہمارے پاس جب آیا
مٹاپے سے مگر لگتا ہے اب جیسے ٹریکٹر ہے

سفر میں اور حضر میں میر میرے ساتھ رہتا ہے
کبھی لسٹر ہے ظالم اور کبھی یہ مانچسٹر ہے

گدائے خانقاہ بن کر مزہ پایا ہے شاہی کا
اگرچہ پاس اس کے کوئی بنگلہ ہے نہ موٹر ہے

اے اختر یہ گدائے خانقاہی اس کی قسمت تھی
وگرنہ میر صاحبزادۂ ڈپٹی کلکٹر ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **منسٹر**: وزیر۔ **موذی**: ستانے والا۔ **کلکٹر**: کسٹم کا افسر۔ **خراٹا**: خرخر کی وہ آواز جو بعض لوگوں کے حلق سے سونے میں نکلتی ہے۔ **مثلِ موٹر**: موٹر کار کی آواز کی طرح۔ **رخساروں**: گالوں۔ **بی کام**: جس نے کامرس (تجارت) کے مضمون میں گریجویشن کیا ہو۔ **حضر**: سفر کی ضد۔ **لسٹر**: برطانیہ کا ایک شہر۔ **مانچسٹر**: برطانیہ کا ایک شہر۔ **گدائے**: فقیر۔ **شاہی**: بادشاہی۔ **صاحبزادۂ ڈپٹی کلکٹر**: ڈپٹی کمشنر کا نائب۔

نظم کے اشعار کی روشنی میں میر صاحب کے بعض حالات

ان اشعار میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خادمِ خاص جناب سید محمد عشرت جمیل (میر صاحب دامت برکاتہم) کا ایک محبت بھرے انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ اور میر صاحب کی مختلف ظاہری اور باطنی خوبی اور کمالات اور اوصاف و عادات کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میر صاحب کو ظاہری اعتبار سے ایسی شکل و

صورت دی ہے اور خاص وجاہت اور رعب عطا فرمایا ہے کہ وہ دیکھنے میں منسٹر معلوم ہوتے ہیں۔ اِدھر دوسری جانب اصلاح وتادیب کی کارروائی کے لیے مزاج میں شانِ فاروقی یعنی دین کے معاملے میں سخت ہونے والی خوبی کا غلبہ ہے۔ اس لیے جب کوئی بے اصولی اور بدمزاجی کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر اُسے ایسا ڈانٹتے ہیں جیسے کوئی کلکٹر کسی مجرم کو ڈانٹ ڈپٹ پلا رہا ہو۔ اور اگلے شعر میں اُن کی نیند کی حالت کا خاص ذکر ہے کہ جب میر صاحب سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو مثل موٹر کانوں میں اُن کا خراٹہ گونجتا ہے اور اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے ماشاء اللہ اُن کے رخسار مثل ٹماٹر کے ہیں۔ شروع میں دنیاوی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے بی کام کیا اور بظاہر مسٹر بننے کی راہ اختیار کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا تو اب وہ شیخ کی خانقاہ میں رہ کر ایسے کمالاتِ علمیہ اور عملیہ سے نوازے گئے ہیں کہ مسٹروں ومولویوں دونوں کے استاد اور مصلح بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بہت سے بڑے بڑے علماء بھی اپنے امور اصلاح وتزکیہ اور مسائل خاص میں اُنہی سے مشورہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ احقر راقم السطور بھی حضرت والا سے ابتدائی اصلاحی تعلق سے لے کر اب تک اپنے جملہ خطوط کے جوابات حضرت میر صاحب ہی سے حاصل کر کے بڑی تشفی اور تسلی پاتا رہا۔ اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو شیخ کے سامنے مٹا ڈالا ورنہ اُس سے پہلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسا کہ کوئی انسپکٹر ہو۔ اور گو کہ شکل وصورت میں پہلے پتلے دُبلے تھے مگر اب اللہ تعالیٰ نے جسمانی اور روحانی صحت عطا فرمائی اور ماشاء اللہ خوب وجیہ اور بھاری بدن ہیں۔ جس کو حضرت والا نے اس طرح تشبیہ دی ہے کہ پہلے سوزوکی کار تھے اور اب ٹریکٹر کی طرح ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت میر صاحب دامت برکاتہم کو اپنے فضلِ خاص سے اس کی توفیق بخشی کہ وہ سفر وحضر میں تقریباً چالیس پینتالیس سال سے برابر حضرت والا کے ساتھ ہیں۔ یہاں تک کہ باہر ملکوں کے سفر واسفار میں بھی حضرت والا کے ساتھ رہتے ہیں۔ کبھی لسٹر تو کبھی مانچسٹر ہوتے ہیں اور کبھی افریقہ تو کبھی امریکہ ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ قریب وبعید ہر جگہ سفر میں ساتھ رہتے ہیں اور حضرت والا کے ساتھ ایسی زندگی بسر کی ہے کہ اپنے کو گدائے خانقاہ بنا دیا ہے۔ باقی ساری فکروں سے بے فکر ہو کر بس حضرت والا کے پاس ہی رہ پڑے۔ جس کا صلہ آج دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عطا ہوا ہے کہ اُن کے پاس نہ کوئی بنگلہ ہے اور نہ موٹر گاڑی لیکن خانقاہ کی گدائی میں شاہی کا مزہ پا رہے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر خاص کرم ہے کہ خانقاہ کی گدائی اُن کا مقدر بنی۔ ورنہ ظاہری اپنے خاندانی پیشے کے اعتبار سے وہ خود ڈپٹی کلکٹر کے صاحبزادہ تھے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی ہوتا کہ وہ بھی کہیں کلکٹر یا انسپکٹر بنتے یا کوئی دنیاوی عہدہ اختیار کر کے دنیاداری میں اپنی زندگی بسر کر دیتے۔ اور یہ حضرت میر صاحب کی قدردانی اور حقیقت آشنائی ہے کہ خود میر صاحب نے یہ بات فرمائی ہے کہ حضرت اقدس کی ذاتِ گرامی میرے لیے مجموعۂ سلطنتِ ہفت اقلیم اور مجموعۂ لذاتِ کائنات ہے۔ باقی میر صاحب کے احوال حضرت کی کتابوں کے ساتھ مختلف مقامات پر مذکور

ہیں۔ جس میں سے خاص بات قابل ذکر ہے کہ حضرت والا کی اکثر کتابیں اور ملفوظات و مواعظ کا مجموعہ سب حضرت میر صاحب دامت برکاتہم کی توجہ اور اُنہی کی محنتوں اور کوششوں کا ثمرہ ہے۔ اور اکثر کے مرتب ہونے کا شرف حضرت میر صاحب ہی کو حاصل ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں کتابوں پر خادمِ خاص حضرت والا لکھا ہوتا ہے اُس کا مطلب حضرت میر صاحب ہی ہوتے ہیں۔

رازِ شگفتگی

صَر صَر جو کہے کلیوں سے ہو جاؤ شگفتہ
کیا کھِل کے وہ شاخوں کو سجادیں گی چمن میں؟
ہاں چھیڑ دے گر ان کو کبھی بادِ سحر تو
پھر کھِل کے وہ خوشبو کو لٹادیں گی چمن میں!

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ شگفتگی: کھلنا۔ **صَرصَر**: تیز ہوا، آندھی۔ **شگفتہ**: کھلنا۔ **چمن**: باغ۔ **بادِسحر**: صبح کی ہوا۔

دریائے ڈربن

(افریقہ)

لغت سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ کوئی بیاباں ہے
مگر دیکھا تو ڈربن دوستو رشکِ گلستاں ہے

یہاں کے دوستوں سے قلب و جاں مسرور ہیں میرے
خدا کے فضل سے ڈربن ہمارا فرحت جاں ہے

اسی ڈربن میں ہے اِک خادم دیں مولوی یونس
مری آہ و فغاں کے نشر کا جو ساز و ساماں ہے

ہمارے دردِ دل کا ترجمہ انگلش میں کردینا
اسے یورپ میں کرنا نشر پھر یہ حق ایماں ہے

اُٹھا ہے جو نازِ شیخ کو اے دوستو سن لو
اُسی کو خلق میں دیکھوگے تم کہ جانِ جاناں ہے

بزرگوں کی دعاؤں سے ملا ہے دردِ دل مجھ کو
تعجب کیا زباں میری جو ہر سُو شعلہ افشاں ہے

تعجب کیا شہیدوں پر جو اپنی جان بھی دے دی
فدا ہونے کو ان پر ایک کیا یہ سینکڑوں جاں ہے

رفو کرتا وہی ہے چاک دامانی اُمت کا
وفورِ عشق سے جو خود بھی اختؔر چاک داماں ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ڈربن: جنوبی افریقہ کا ایک شہر ہے۔ **لغت:** ڈکشنری۔ **بیاباں:** جنگل۔ **رشکِ گلستاں:** جس پر باغ بھی رشک کرے یعنی یہ خواہش کرے کہ کاش! میں بھی ایسا ہی ہوتا۔ **قلب و جاں:** دل۔ **مسرور:** خوش۔ **فضل:** مہربانی۔ **فرحت جاں:** روح کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث۔ **خادمِ دیں:** دین کی خدمت کرنے والا۔ **آہ و فغاں:** اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا ان کے خوف سے رونا۔ **نشر:** پھیلانا۔ **حقِ ایماں:** ایمان کا لازمی تقاضہ۔ **نازِ شیخ:** شیخ کے ناز اُٹھانا یعنی شیخ کی سختیاں برداشت کرنا۔ **خُلق:** مخلوق۔ **جانِ جاناں:** محبوب۔ **ہر سُو:** ہر طرف۔ **شعلہ افشاں:** اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ برسانے والی۔ **فدا:** قربان۔ **رفو کرنا:** کپڑے کے پھٹے ہوئے حصے کو دھاگوں کے ذریعہ درست کرنا یہاں اصلاح کا کام مراد ہے۔ **چاک دامانی:** دامن کا پھٹنا۔ **وفورِ عشق:** اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی زیادتی۔ **چاک داماں:** وہ شخص مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ کی محبت اس درجہ حاصل ہو جائے کہ مخلوق کی ملامت اور ناراضگی کی اسے پروانہ رہے۔

جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن کا تذکرہ

لغت سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ کوئی بیاباں ہے
مگر دیکھا تو ڈربن دوستو رشکِ گلستاں ہے
یہاں کے دوستوں سے قلب و جاں مسرور ہیں میرے
خدا کے فضل سے ڈربن ہمارا فرحت جاں ہے

ان اشعار میں حضرت والا دامت برکاتہم نے احقر راقم سطور کے وطن سکونت جنوبی افریقہ کے ایک شہر ڈربن کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ اللہ والوں کو فی نفسہ شہروں اور جگہوں کے ساتھ کوئی وابستگی اور تعلق نہیں ہوا کرتا۔ ہاں البتہ وہاں دین کے کام ہونے کی بنیاد پر یا کوئی نیک اور صالح لوگوں کے ہونے کی وجہ سے تعلق کا ہوجانا یہ ایک دینی اور ایمانی معاملہ ہے۔ جیسا کہ دنیاوی لحاظ سے مجنوں کو شہر سے تعلق نہیں تھا لیکن جس شہر سے اُس کی لیلیٰ کا تعلق قائم ہوتو اُسے اس کے ساتھ محبت پیدا ہوگئی تھی۔

حضرت والا کے بہت سے متعلقین خصوصی اور عمومی ڈربن شہر میں پائے جاتے ہیں اس لیے اس کا تذکرہ اس مناسبت سے کیا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے ہم بظاہر یہ سمجھا کرتے تھے کہ ''ڈربن'' کوئی بیاباں اور جنگل ہے اس لیے کہ ''بن'' کے معنی جنگل کے آتے ہیں۔ اس لیے بظاہر لفظِ ''ڈر'' اور ''بن'' کسی ایسی جگہ کا پتا دیتے ہیں کہ جو بیاباں اور جنگل قسم کی وحشت ناک جگہ ہو لیکن فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہاں آکر دیکھا تو ماشاء اللہ سے یہ ایسی جگہ سامنے آئی کہ جو نہ صرف یہ کہ بیاباں نہیں ہے بلکہ رشکِ گلستاں ہے۔ اس لیے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت پر محبت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے جن سے ملاقات کے بعد اور اُن سے محبت و تعلق قائم ہونے کی وجہ سے ہمارے قلب و جاں یہاں کے منظر سے بہت ہی مسرور اور خوش ہیں اور ڈربن اللہ کے فضل سے ہمارا فرحتِ جاں ہے۔

حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب دامت برکاتہم اور زبان ترجمانِ دردِ دل

اسی ڈربن میں ہے اِک خادم دیں مولوی یونس
مری آہ و فغاں کے نشر کا جو ساز و ساماں ہے
ہمارے دردِ دل کا ترجمہ انگلش میں کردینا
اسے یورپ میں کرنا نشر پھر یہ حق ایماں ہے

بالخصوص اسی شہر میں ایک اللہ کے نیک صالح بندے، دین کے پکے سچے خادم حضرت مولانا یونس پٹیل

صاحب دامت برکاتہم رہتے ہیں۔ جن کو ماشاء اللہ ہمارے حضرت والا سے خلافت و اجازتِ بیعت کا شرف حاصل ہے۔ اور جن کے بیانات سن کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا کا یہ شعر بالکل بجا اور درست ہے کہ مولانا یونس پٹیل صاحب حضرت والا کی آہ وفغاں کی نشر کا بہتر سامان اور ذریعہ ہیں۔ اس ڈربن میں حضرت والا کے علوم اور معارف کے پھیلانے کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

خاص طور پر چونکہ یہاں رہنے والوں کی زبان انگلش ہے اس لیے حضرت والا کے مواعظ وملفوظات اور اقوال وارشادات کا ترجمہ انگلش زبان میں کر کے اُس کو حضرت والا ہی کی طرز پر اپنے خاص درد بھرے انداز سے اسی طرح بیان فرماتے ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کی زبان واقعی ترجمانِ دردِ دل ہے۔ جیسا کہ دل زبان کے ساتھ شامل ہو کر گفتگو کی جارہی ہو۔ اور پھر ریڈیو(Radio) اور انٹرنیٹ(Internet) کے ذریعے تقریری یا تحریری طور پر حضرت والا کے علوم کو پوری یورپی دنیا اور مغرب زدہ حضرات تک پہنچانا یہ حضرت مولانا کا خاص مشن ہے جس کو حضرت نے فرمایا کہ میرے دردِ دل کو یورپ میں نشر کرنا یہ حقِ ایماں اور ادائے حقِ صحبتِ شیخ ہے۔

مولانا یونس پٹیل صاحب دامت برکاتہم کے کچھ حالات

حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب دامت برکاتہم نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ بخاری شریف جلدِ اوّل حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے اور جلدِ ثانی حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ آخری سال مولانا کی حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں بہت سی دفعہ جمعرات جمعہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس بابرکت میں شرکت کی نوبت ہوئی لیکن فراغت کے بعد حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایما اور اشارے پر حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کی خدمت میں ہردوئی حاضر ہوئے۔ سات آٹھ دن حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں گزارے۔ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ نے بہت ہی زیادہ مولانا پر شفقت فرمائی۔ لیکن مولانا کے جی میں یہی تھا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوجاؤں۔ واپسی پر مولانا یونس پٹیل صاحب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوگئے۔ جب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا وصال ہوگیا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے مولانا نے عرض کیا کہ مجھے بیعت فرمالیں لیکن حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے مولانا سے فرمایا کہ اب آپ کو ضرورت نہیں ہے، بس جو کچھ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے آپ کو بتایا اسی پر ہی عمل کرتے رہیں۔ مولانا اسی پر ہی عمل کرتے رہے لیکن مولانا کی طبیعت میں تقاضا تھا کہ اپنا کوئی شیخ ہو۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے چہرۂ مبارک پر پہلی نظر ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم آزادول کے جلسے میں پڑی۔ اسی وقت بغیر کوئی بیان وکلام سنے حضرت والا سے بیعت ہونے

کا شدید تقاضا ہوا۔ بعد میں مولانا نے جب بیان سنا تو اور بھی تقاضا ہوا۔ اس جلسے کے بعد حضرت والا کے کئی جگہ بیانات ہوئے۔ ''ڈربن'' جنوبی افریقہ کا ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں مولانا یونس پٹیل صاحب کا قیام ہے اور وہاں کی ''مسجدِ نور'' کے امام بھی ہیں۔ اس شہر میں بھی بیانات ہوئے۔ پھر حضرت والا جب کراچی کے لیے روانہ ہونے لگے تو مولانا نے ہوائی اڈّے پر حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت والا نے ساتھیوں کو بٹھا دیا اور بڑی خوشی کے ساتھ بیعت فرمالیا۔ نیز مولانا یونس پٹیل صاحب سے فرمایا کہ تم ان شاء اللہ اُڑو گے۔

چند ماہ بعد حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی خبر سن کر مولانا کے دل میں دیو بند حضرت مفتی صاحب کی عیادت کے لیے جانے کا شدید تقاضا ہوا۔ وہاں سے مولانا نے ارادہ کیا کہ کراچی حضرت والا دامت برکاتہم کی صحبت میں بھی چند دن گزار لوں گا۔ چنانچہ مولانا پہلے دیو بند گئے۔ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر فرمایا: ''رمضان شریف کے بعد شوال میں آنا کیسا؟'' مولانا یونس پٹیل صاحب نے بتایا کہ علالت کی خبر سن کر عیادت کا تقاضا ہوا۔ فرمایا: ''یہ میرے دل کا تقاضا تھا جو تمہیں کھینچ کر لایا۔'' پھر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں تمہیں اجازتِ بیعت دیتا ہوں۔ مولانا یونس پٹیل صاحب نے روتے ہوئے عرض کیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ فرمایا کہ تمہیں یہی سمجھنا چاہیے لیکن میں جانتا ہوں کون اہل ہے یا نہیں۔

پھر جب مولانا یونس پٹیل صاحب دیو بند سے کراچی حاضر ہوئے تو حضرت والا سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بس حضرت مفتی محمود صاحب نے جو اجازت دی ہے اس کو برکت کی خلافت سمجھنا چاہیے۔ بہرحال جب مولانا اس کے بعد واپس ساؤتھ افریقہ آئے تو حضرت والا کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا: ''میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔''

پھر اس کے بعد جب حضرت والا ساؤتھ افریقہ کے سفر پر تشریف لائے تو مولانا کے شہر ''ڈربن'' میں کئی دن تک قیام رہا۔ مولانا یونس پٹیل صاحب کے مدرسے میں حضرت والا نے قیام فرمایا اور وہاں کا نظم دیکھ کر اور لوگوں میں تڑپ دیکھ کر حضرت والا بہت خوش ہوئے اور حضرت والا کی موجودگی نے مدرسے میں عجیب سی رونق پیدا کر دی تھی۔

حضرت والا ڈربن سے جب کیپ ٹاؤن (Capetown) جا رہے تھے تو ہوائی جہاز میں حضرت والا نے اپنے خادمِ خاص حضرت عشرت جمیل میر صاحب سے فرمایا کہ تم ذرا پیچھے بیٹھ جاؤ اور یونس پٹیل سے کہو کہ وہ تمہاری سیٹ پر آجائیں۔ پھر میر صاحب نے پچھلی سیٹ پر مولانا سے جا کر فرمایا کہ حضرت والا آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ مولانا حضرت والا کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت والا نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور لکھنا شروع کر دیا۔ جس طرح حضرت والا پر اشعار وارد ہوتے تھے تو بلا سوچے سمجھے حضرت والا لکھتے رہتے تھے۔ مولانا حضرت والا کو لکھتا ہوا دیکھتے رہے جب وہ اشعار ''دریادِ ڈربن'' مکمل ہو گئے تو حضرت والا نے مولانا کو یہ اشعار دیتے

ہوئے فرمایا کہ یہ اشعار میر صاحب کو دکھا دیجیے۔ پچھلی سیٹ پر جا کر مولانا نے وہ اشعار حضرت والا کے حکم پر میر صاحب کو دکھائے۔ ان اشعار کا شانِ ورود ہوائی جہاز تھا جب ہوائی جہاز فضا میں اُڑ رہا تھا تو اس وقت یہ اشعار حضرت والا پر وارد ہوئے۔

مولانا یونس پٹیل صاحب کو حضرت والا دامت برکاتہم کے لندن، موریشس، جوہانسبرگ اور دنیا کے کئی ممالک کے اسفار میں ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ لیکن جب حضرت والا ترکی تشریف لے جارہے تھے تو مولانا بھی ساتھ جانے کے لیے تیار تھے لیکن اچانک مولانا کو ہارٹ اٹیک (Heart attack) ہوا۔

اسی بیماری کے دوران مولانا یونس پٹیل صاحب نے ایک خواب دیکھا جو حضرت والا کی کتاب ''تربیتِ عاشقانِ خدا'' میں چھپ چکا ہے۔ خواب اور اس کی تعبیر کو یہاں نقل کیا جارہا ہے:

''سیدی وسندی حضرت والا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت والا انگلینڈ میں کسی جگہ مقیم ہیں۔ جب احقر پہنچا تو محترم جناب عشرت جمیل میر صاحب دروازہ پر ملے اور فرمانے لگے جلدی کرو حضرت انتظار میں ہیں۔ احقر تیزی سے حضرت والا کے پاس پہنچا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ بڑھا کر احقر سے معانقہ فرمایا۔ پھر احقر نے درخواست کی کہ اپنے قلب مبارک میں سے کچھ منتقل فرمائیے۔ حضرت والا نے جواب دیا ''کرتو رہا ہوں'' پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اپنا دل بالکل میرے دل کے ساتھ کردو۔ احقر نے آپ کے سینۂ مبارک کے ساتھ اپنے دل کو آپ کے دل کے مقابل کردیا۔ یہاں تک کے آپ کے دل کی دھڑکن میرے دل کی دھڑکن پر محسوس ہونے لگی۔ آپ کے دل سے اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔ پھر حضرت والا نے زبان سے بھی اللہ اللہ کا ذکر جاری فرمایا۔ تھوڑی سی دیر میں احقر کے دل اور زبان سے بھی اللہ اللہ جاری ہونے لگا۔ پھر یہ سوچ کر کہ حضرت تھک گئے ہوں گے احقر نے معانقہ چھوڑنا چاہا لیکن حضرت والا نے زور سے چمٹائے رکھا اور آنکھ کھل گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دل کی دھڑکن تیز تھی اور کچھ لمحہ کے لیے دل سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد جسم میں بھی طاقت محسوس ہونے لگی اور یک دَم فرحت سکون اور بشاشت معلوم ہوئی۔ امید ہے تعبیر سے نوازیں گے۔''

جواب: مکرمی المحترم جناب یونس پٹیل صاحب زیدت معالیکم وعزائم رشدکم۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔

آپ کا محبت نامہ پڑھتا گیا اور وجد طاری ہوتا گیا۔ تعبیر اس خواب کی نسبتِ اتحاد یہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ سے بندگانِ خداوند تعالیٰ کو آتشِ محبتِ الٰہیہ ملے گی۔ مبارک باد۔

بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ وَلَکَ وَعَلَیْکَ وَلِاَھْلِکَ وَلَنَا کَذَالِکَ.

محمد اختر، وارد حال ترکی۔ استنبول (بعد نماز فجر)

اُٹھاتا ہے جو نازِ شیخ کو اے دوستو سن لو
اُسی کو خلق میں دیکھو گے تم کہ جانِ جاناں ہے
بزرگوں کی دعاؤں سے ملا ہے دردِ دل مجھ کو
تعجب کیا زباں میری جو ہر سُو شعلہ افشاں ہے

حضرت فرماتے ہیں کہ جو بھی شیخ کے ناز کو اُٹھائے گا اور اس کی تعلیم و تربیت کے طریقوں پر عمل کر کے مجاہدات کی بھٹی سے گزرے گا تو تم اسی کو دیکھو گے کہ خلق میں جانِ جاناں بنا ہوا ہے اور ہر شخص کی نگاہوں کا تارہ اور دلوں کا محبوب ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں اور مشائخ کی دعاؤں اور صحبتوں سے انسان کو اُس کے بیان میں دردِ دل کی وہ کیفیت عطا ہوتی ہے کہ پھر اُس کی زبان شعلہ افشاں ہوا کرتی ہے۔ یعنی محبت کی ایسی آگ اُس کی زبان سے نکلتی ہے جو دوسرے دلوں کو اللہ کی محبت سے گرما دیتی ہے اور ایسے جلے بھنے دل سے نکلنے والے یہ جملے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں مگر دل کے اندر اُتر جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ کمال عطا فرمایا ہے۔

تعجب کیا شہیدوں پر جو اپنی جان بھی دے دی
فدا ہونے کو ان پر ایک کیا یہ سیکڑوں جاں ہے

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی محبوب ہے کہ اُس پر شہید حضرات اپنی ایک جان پیش کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس ذات کی محبوبیت اتنی بڑھ کر ہے کہ سینکڑوں جان بھی اُن پر فدا کرنے کو تیار رہنا چاہیے اور تب بھی یہی سوچنا چاہیے کہ میری سیکڑوں اور ہزاروں جانیں بھی اللہ پر فدا کرنے کے باوجود حق تعالیٰ کی عظمت و محبت کا حق ادا نہیں ہوا۔ یہی تو راز ہے کہ شہداء بڑے شوق و جذبے کے ساتھ اپنی جان اللہ تعالیٰ پر فدا کرتے ہیں ؎

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا وفا کیا ہے

سچا وفادار وہی شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اپنی جان پیش کرنے کے باوجود یہی سمجھتا رہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوا۔

رفو کرتا وہی ہے چاک دامانی امت کا
وفورِ عشق سے جو خود بھی اختؔر چاک داماں ہے

ارشاد فرمایا کہ اُمت کی چاک دامانی کو وہی رفو کر سکتا ہے اور بگڑے ہوئے حالات کو وہی ٹھیک کر سکتا ہے کہ جو وفورِ عشق سے خود بھی چاک داماں ہو۔ یعنی اُس کو خود اللہ تعالیٰ کی کمالِ محبت حاصل ہو اور ہر قسم کے حالات میں اُس نے اپنے اللہ ہی سے رابطہ قائم رکھا ہو۔ تو ایسا ہی شخص اُمت کے بگڑے ہوئے حالات میں اُن کی صحیح رہبری

کر سکتا ہے اور ظلماتِ جہل و فسق میں ڈوبی ہوئی قوم کو اسلام اور ایمان کی ہدایت و روشنی کی طرف نکال سکتا ہے۔ مگر جس کو خود ہی اس سے واسطہ نہ ہو تو اُس سے یہ کیسے ممکن ہے؟ اسی لیے جو شخص تقریر و تصنیف اور تدریس و تالیف اور وعظ و بیان میں خوب ملکہ رکھتا ہو لیکن اُسے اللہ کی کمالِ محبت میں چاک دامانی کی صفت حاصل نہ ہو تو پھر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اُمت کی چاک دامانی کو رفو کر سکے۔

فریبِ مجاز

نہ وہ سوز ہے نہ وہ ساز ہے یہ عجب فریب مجاز ہے
سرِ نازِ حسن بھی خم ہوا نہ اب عشق وقف نیاز ہے
گیا حسن یوں بت ناز کا کہ نشاں بھی باقی نہیں رہا
پڑھو دوستو مرے عشق پر کہ جنازہ کی یہ نماز ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سوز:** دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی تڑپ۔ **ساز:** اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت۔ **فریب:** دھوکہ۔ **مجاز:** لڑکیوں اور لڑکوں کا عشق۔ **خم:** حسن کی اکڑ کا سر جھک گیا یعنی بڑھاپے سے حسن ختم ہو گیا۔ **وقفِ نیاز:** معشوق کے حسن کے چلے جانے کے بعد عاشق کے عشق میں بھی عاجزی اور انکساری نہیں رہی۔ **بت ناز:** حسن کی وجہ سے اکڑ کر چلنے والے معشوق۔

زندگی میری پابند سنت رہے

بس مرے دل میں تیری محبت رہے — زندگی میری پابند سنت رہے
سامنے ایسا خوف قیامت رہے — سب گناہوں سے میری حفاظت رہے
میں جہاں بھی رہوں جس فضا میں رہوں — میرا تقویٰ ہمیشہ سلامت رہے
ساری دنیا ہی سے مجھ کو نفرت رہے — بس تیرے نام کی دل میں لذت رہے
میرے دل میں تیرا دردِ الفت رہے — میری دنیائے الفت سلامت رہے
عاشقوں میں میرا نام لکھ جائے گا — اپنے اعمال پر گر ندامت رہے
تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا — اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے
میر بس دل میں دردِ محبت رہے — میری دنیائے الفت سلامت رہے
روز و شب قلب اختؔر کی ہے یہ دعا — میرے مولیٰ میری استقامت رہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **دردِ اُلفت:** اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد یعنی اس بات کی فکر کہ کہیں کوئی بات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ **ندامت:** شرمندگی۔ **آرزو:** خواہش۔ **فدا:** قربان۔ **حسرت:** وہ غم جو خواہش کے پورا نہ ہونے سے دل میں پیدا ہو۔ **روز و شب:** دن رات۔ **قلب:** دل۔ **استقامت:** دین پر مضبوطی اور جماؤ۔

محبت بصورت اتباعِ سنت ہی معتبر ہے

بس میرے دل میں تیری محبت رہے
زندگی میری پابند سنت رہے

یہ درحقیقت بارگاہِ الٰہی میں مناجات اور دعا ہے کہ یا اللہ! مجھے صرف اپنی محبت عطا فرما دے اور میرا دل ایک ہے بس اس میں اپنی ایک تنہا ذات پاک کی محبت عنایت کر دے اور یہ دعا درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مانگ کر سکھائی ہے اور مسنون دعاؤں میں حدیث کی کتابوں میں یہ دعا مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

«عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَأَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَکَرَ دَاوٗدَ یُحَدِّثُ عَنْہُ قَالَ کَانَ أَعْبَدَ الْبَشَرِ قَالَ أَبُوْ عِیْسٰی ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ»

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی، وہ یوں دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور اُن لوگوں کی محبت جو آپ سے محبت رکھتے ہیں اور اُس عمل کی درخواست کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچا دے، اے اللہ! اپنی محبت کو مجھے میری جان، اور میرے گھر والے، اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دیجئے۔ روای کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا کرتے تھے تو ان کے متعلق یہ بات بھی ارشاد فرماتے تھے کہ وہ اپنے زمانے کے انسانوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

یہ سب مختلف صیغے اور انداز ہیں کہ جن میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اللہ سے اللہ کی محبت کو مانگا ہے اور امت کو تعلیم دی ہے کہ امت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی محبت مانگے۔ چنانچہ حضرت والا اس شعر میں یہی مضمون پیش کر رہے ہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ سے اللہ کی محبت کا سوال ہے، اور حدیث پاک میں غور کرنے سے آپ اور ہم بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کی محبت کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عاشقوں اور اللہ کے محبین کی محبت کو بھی باقاعدہ مانگا ہے کہ اے خدا اپنی اور اپنے ایسے خاص بندوں کی محبت دے کے جنکی محبت میرے لیے نافع ہو اور ایسی محبت دے کہ جو میری تمام محبتوں سے مافوق اور بڑھ کر ہو حتی کے ایک انسان جسطرح پیاس میں ٹھنڈے پانی کا چاہنے والا ہوتا ہے اے خدا میں تجھے اس سے بھی زیادہ چاہنے والا ہوں اور

میرے دل میں خود میری اپنی جان و اہل و عیال سے بھی زیادہ آپ کی محبت ہو۔

پھر حضرت کے دوسرے شعر میں گویا اللہ کی محبت دل میں موجود ہونے اور واقعی اللہ کے سچے عاشق اور محبّ ہونے کی جو اصل کسوٹی اور پہچان ہے اور اور اس محبت کے معتبر ہونے کی جو نشانی اور دعویٰ محبت خداوندی کی جو دلیل ہے اس کی درخواست پیش کی ہے یعنی مطلب یہ ہوا کے اے اللہ مجھے صرف برائے نام اور زبانی محبت خداوندی نہیں چاہیے بلکہ ایسی محبت چاہیے جو تیری بارگاہ میں قبول و معتبر ہے اور جب ہی معتبر ہے جبکہ زندگی کی ہر ادا اتباع سنت و شریعت میں ڈھلی ہوئی ہو اور ہر حال میں طریقۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی ہو خوشی ہو یا غمی، اجتماعی معاملات ہوں یا انفرادی، تجارتی ہوں یا معاشرتی غرض یہ کہ پوری زندگی پیدائش سے لیکر بلوغ و شعور کی عمر کو پہنچتے ہی ہر چال ڈھال سنت کے رنگ میں رنگ جائے، یہی محبت خداوندی کی دلیل ہے اور یہی حقیقی ولایت و بزرگی کی نشانی ہے اور یہی دعویٰ محبت خداوندی کی دلیل ہے اور یہی تقویٰ و طہارت ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس مضمون کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(سورة آل عمران، آیت: ۳۱)

ترجمہ: جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کی اس نے درحقیقت اللہ کی اتباع کی اور جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (تفسیر مظہری، ج:۲ و معارف القرآن، ج:۲، ص:۵۵)

تو بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت والا اللہ تبارک وتعالیٰ سے اللہ کی محبت معتبرہ و مقبولہ مانگ رہے ہیں کیونکہ اس پوری تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر اتباع سنت نہ ہو تو پھر یہ محبت کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ایسے ہزار ہا دعوے بھی بے سود ہیں اور محبت کی تقریر کر لینا یا غزلیں کہہ لینا اور ان کو سنکر جھوم لینا خواہ پوری پوری رات جاگ کر ایسا کیا جائے اور اتباع سنت و شریعت سے زندگی خالی ہو تو پھر لا حاصل ہے جیسے اس مثال سے سمجھتے چلئے کہ کوئی مشاعرہ عشق خداوندی ہی کے عنوان سے ہو اور رات بھر لوگ غزلیں سن رہے ہوں اور شعراء بڑا عشق و محبت بھرا کلام سنا رہے ہوں لیکن جب صبح کو نماز فجر با جماعت پڑھنے کا وقت آیا تو سب اپنے بستروں پر نیند کے مزے لے رہے ہیں اور اس کے باوجود اپنے کو بڑا عاشق خدا سمجھ رہے ہیں تو قرآن کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ یہ محض دھوکہ ہے

البتہ جب اتباع سنت ہوگی تو پھر آپ کی محبت و محبوبیت کے دعوے معتبر ہوں گے اور عند اللہ آپ محبّ و محبوب قرار پائیں گے اور پھر اس اتباع کے نتیجے میں آخرت کا بڑا انعام یعنی مغفرت نصیب ہوگی جیسا کہ اس کے ترجمہ کے ذیل میں حضرت تھانوی کی تشریح میں اس کی وضاحت اوپر کی گئی ہے۔

بہر حال اس شعر کا خلاصہ یہ ہے اور ہمارے لیے اس میں نصیحت یہ ہے کہ اگر خدا کے مقبول بندے بننا ہو

اور نیک متقی بننا ہوتو اتباع سنت کو اپنا شعار بنالو تو یہ نعمت حاصل ہو جائے گی ورنہ خواہ کتنی ہی کرامتیں اور کیسی ہی درد بھری تقریریں ہوں مگر یہ سب بے سود ہیں اس لیے ہمارے اکابر رحمہم اللہ ہمیشہ فرماتے تھے کہ پورا تصوف سنت و شریعت کا نام ہے اگر بال برابر بھی اس سے ہٹ جائے تو خواہ بڑی بڑی کرامتوں کا صدور ہومگر ایسا شخص اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا ہے بلکہ یہ استدراج ہوتا ہے جو دنیا میں کسی کو بھی دے دیا جاتا ہے یہ کسی کے محبوب عنداللہ ہونے کی نشانی نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے دادا پیر حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ کی پوری زندگی کا ایک ہی نعرہ ہوتا تھا اور ہر جگہ اپنی تقریروں میں اس بات کو دھراتے تھے کہ اتباع سنت کو اختیار کرو ہر قدم سنتوں کو سیکھو اور سکھاؤ اور سنتوں کے نور سے زندگیوں کو روشن کرو۔ چنانچہ ایک موقع پر احقر حاضر ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمہ اللہ کے یہ اشعار اس مناسبت سے پڑھے کہ ؎

دل میں لگا کے ان کی لو
کردے جہاں میں نشر ضو
شمع تو جل رہی ہے ہر سو
بزم میں روشنی نہیں

اور پھر ارشاد فرمایا کہ سنت کی روشنی نہیں ہے، ہزار رسالے، میگزین ماہنامے نکل رہے ہیں مگر بقول حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ کہ امت جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے۔

اس لیے کہ انسان کے ولی اور بزرگ ہونے کا مدار اتباع سنت وشریعت پر ہے ورنہ اگر سنت وشریعت سے ہٹا ہوا ہو اور اس سے بہت کچھ کرامتوں کا صدور ہو تو یاد رکھئے کہ یہ کوئی بزرگی نہیں ہے اور اگر وہ دین متین پر قائم ہے تو وہ خدا کا پیارا ہے ورنہ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
بمقصود منزل نہ ہر گز رسید

کہ جو انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے خلاف چلے وہ بمقصود منزل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا ہے اس لیے آج کل جو ایک عمومی ذہن بنا ہوا ہے کہ کرامتوں کو دیکھ کر لوگ بزرگی کے قائل ہوتے ہیں یہ قطعی طور پر غلط ہے اور بے اصل بات ہے جو قابلِ اصلاح ہے چنانچہ حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے یہاں کرامتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی جس کا اندازہ لگانے کے لیے احقر ایک واقعہ پیش کرتا ہے کہ جس کو خود حضرت مسیح الامت جلال آبادی رحمہ اللہ کے یہاں خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور وہ یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ احقر کا (یعنی خود حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کا) ایک بار دہلی جانا ہوا وہاں جن کے یہاں حضرت پہنچے اور جو حضرت کے میزبان تھے انہوں نے حضرت سے درخواست کی

کہ ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں ذرا ان سے ملاقات کر کے آجائیں تو حضرت نے اس پر فرمایا کہ بس مجھے تو کوئی خاص رغبت وشوق نہیں ہے ضمناً عرض کرتا ہوں کہ جس نے مجدد تھانویؒ جیسا شیخ اور مصلح اور مجدد وحکیم الامت کو دیکھا ہوا ہو تو اسے کسی اور کی طرف نظر اُٹھانے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔

بہر حال میزبان کی فرمائش پر حضرت تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اور بھی بہت سے حضرات وہاں بیٹھے ہیں اور پھر حضرت وہاں بیٹھ گئے مگر یہ دیکھا کہ وہ بزرگ وہاں بیٹھے ہوئے سب حضرات پر یکے بعد دیگرے توجہ ڈال رہے تھے اور جس پر توجہ کرتے تھے وہی پیچھے کو گر جاتا تھا تو حضرت جلال آبادی کا جب نمبر آیا حضرت فرما رہے تھے میں اس وقت نوجوان تھا تو مجھے جوش آیا اور حضرت تھانوی سے تعلق پر غیرت آئی چنانچہ جیسے ہی میرا نمبر آیا اور انہوں نے میری طرف توجہ ڈالنی شروع کی تو میں نے ادھر سے جواباً ان پر توجہ ڈالی تو وہ فوراً وہیں پیچھے کو گر گئے ہوش و حواس ختم ہو گئے اور کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے۔

اس قصہ کو سنا کر احقر اس سے آگے کی بات سنانا چاہتا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب واپسی ہوئی اور حضرت تھانوی کے پاس جا کر یہ پورا قصہ سنایا تو اس پر حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ تم نے بچکانہ حرکت کی ہے اس کی سزا بھگتو اور پھر حضرت نے اس کی سزا تجویز کی۔

میرے دوستو ہم اور آپ تو یہ سمجھیں گے کہ یہ تو بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور دیکھو بزرگ ایسے ہوتے ہیں اور یہ ہے بزرگی مگر وقت کا مجدد حکیم الامت کہہ رہا ہے کہ یہ تو تم نے بچوں کا کھیل کیا ہے اور بچکانہ حرکت کی ہے اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے درحقیقت کمال ایمانی استقامت علی السنۃ والشریعۃ کا نام ہے جیسا کہ حضرت والا کے بیان میں ہم نے سنا کہ ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ **الاستقامة خير من الف كرامة** یعنی دین صحیح پر قائم رہنا یہ ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے اور درحقیقت یہی سب سے بڑی کرامت ہے کہ انسان اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی کے مختلف میدانوں میں ایک بال برابر بھی دین وسنت سے نہ ہٹے اور عقلی طور پر بھی احقر پیش کرتا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب انسان وہ حضرت محمد عربی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جب سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں تو آپ کے اعمال وافعال اور آپ کی ادائیں بھی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہونگی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ظاہر کے اعمال بھی وہ ہی دیں گے کہ وہ جن کو محبوب رکھتے ہیں اب اگر کوئی شخص ان اعمال وافعال اور سنتوں اور طریقوں سے ہٹ کر دوسرے طریقوں کو اختیار کرے اور یہ سوچے کہ میں خدا کا محبوب ولی بن جاؤں یہ ممکن نہیں ہے۔

رہ گیا خلاف عادت امور کا ظہور تو یہ تو بسا اوقات ان ہندو جوگیوں سے بھی ہو جاتے ہیں کہ جو بہت مجاہدے اور ریاضتیں کیے ہوتے ہیں جیسا کہ اسی طرح کا ایک واقعہ ہمیں حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ نے سنایا

اور اس کا موضوع یہی تھا اور یہ نصیحت فرمائی تھی کہ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے ہمارے اکابر اولیاء اللہ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک ہندو تھا جو سال کے اکثر حصہ ایک سوراخ زمین کے اندر کر کے اس میں رہتا تھا یعنی مختصر سی زمین دوز جگہ اور بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیا کرتا تھا تو جب وہ سال بھر میں ایک مرتبہ نکلتا تھا تو اس کو دیکھنے لے لیے لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ اکھٹا ہو جایا کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ وہ نکلا ہوا تھا اور وہاں ایک بڑی بھیڑ تھی جو اس کا تماشا دیکھ رہی تھی تو وہاں سے ایک صاحب کا گزر ہوا جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے ان کا بھی جی چاہا کہ میں بھی دیکھ لوں چنانچہ جب یہ گئے اور اسنے اپنی بھنوؤں کو اٹھا کر ان کو دیکھا تو جیسے ہی ان پر نظر پڑی بس فوراً ان کے بدن سے پورا لباس غائب ہو گیا اور یہ پورے مجمع کے سامنے ننگے ہو گئے۔ کچھ دیر کے لیے بڑے حیران و پریشان ہوئے مگر فوری طور پر ان کو دل میں یہ خیال آیا اور محسوس ہوا کہ جیسے حضرت گنگوہی فرما رہے ہیں کہ ارے کیوں نہیں کہہ دیتے ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل ''بس ہم کو ہمارا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے چنانچہ انہوں نے بڑی قوت ایمانی کے ساتھ جیسے ہی اس لفظ کو کہا تو لباس فوراً لوٹ آیا اس پر وہ ہندو جوگی اپنے مخصوص الفاظ میں بولا کہ تیرا گرو تگڑا ہے یعنی تمہارے شیخ بہت ہی پاور فل بڑے طاقت ور ہیں اور اصل طاقت تو اس کلمہ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ وحدہ لاشریک کی ہے۔

بہر حال یہ قصہ مقصود نہیں اصلی وہی بات ہے کہ اصل مدار محبوبیت وولایت اتباع سنت وشریعت پر ہے حتی کہ حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سنت پر عمل کرے اور اس سے اسے کوئی کیف ولذت نہ آئے تب بھی وہ اس سے بڑھ کر ہے کہ خلاف سنت کوئی کام کیا جائے اگر چہ اس میں کتنا ہی وجد وسرور اور کیف ولذت طاری ہو رہی ہو۔ اس لیے کیفیت فی نفسہ مطلوب نہیں صرف عمل صالح پر اگر ہو تو محمود ہے اور سنت فی نفسہ اگر چہ بلا کیف ہو وہ مطلوب ہے ورنہ بسا اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ کیف کو چھین کر بندہ کی بندگی کا امتحان لیتے ہیں کہ یہ میرے حکم کا عابد ہے یا کیفیت کا عابد ہے اسی لیے سلوک میں قبض کی حالت بعض وجوہ سے بسط کے مقابلہ میں افضل ہے۔ گو کہ قبض کی حالت کی طوالت بعض وجوہ سے سالکین کے لیے نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہے۔

خوفِ قیامت اتنا ہی مقصود ہے کہ گناہوں سے حفاظت ہو

سامنے ایسا خوف قیامت رہے
سب گناہوں سے میری حفاظت رہے

یہ اس نظم کا دوسرا شعر ہے اور درحقیقت اگر آپ ان دونوں اشعار کے درمیان ربط ومناسبت کو دیکھیں اور پھر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان دونوں شعروں کا مضمون بالکل اسی

طرح ہے جیسے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں یہ دعا فرمائی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخْوَفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي وَاقْطَعْ عَنِّي حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلَى لِقَائِكَ وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ﴾

(كنز العمال حرف الهمزة: ۳۶۴۸)

اے اللہ! مجھے تمام چیزوں کی محبت میں اپنی محبت سب سے زیادہ عطا فرما اور میرے دل میں سب چیزوں سے زیادہ آپ کا خوف ہو اور آپ اپنی خوف وخشیت کو میرے دل میں سب چیزوں کے خوف سے زیادہ کر دیجئے اور مجھ سے دنیا کی ضرورتیں ختم فرما دیجئے اپنی ملاقات کا شوق دے کر اور جب آپ اہلِ دنیا کی نگاہوں کو اُن کی دنیا سے ٹھنڈی کریں تو اے اللہ! میری نگاہ کو اپنی عبادت سے ٹھنڈی فرما دیجئے۔

اس طرح حضرت والا نے اوّل شعر میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوسرے شعر میں اللہ تعالیٰ کا خوف مانگا ہے اور پھر مزید برآں یہ کہ مطلق خوف کی درخواست نہیں مانگی کیونکہ اگر مطلق خوف کا اضافہ ہو جائے اور اپنی حدود سے بڑھ جائے تو پھر اس دنیا میں جینا ممکن نہیں رہے گا اس لیے حضرت کی دعا میں خوف مانگنے کے ساتھ ساتھ اس کی ایک ایسی حد اور لمٹ (Limit) مقرر کی گئی ہے کہ وہ بھی دراصل حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں مذکور ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات میں ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مَخَافَةً تَحْجِزُنِي بِهَا عَنْ مَّعَاصِيكَ وَحَتّٰى أَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلاً أَسْتَحِقُّ بِهِ رِضَاكَ﴾

(المعجم الأوسط للطبراني)

اے اللہ! مجھے اپنا ایسا خوف عطا فرما کہ جو تیرے خلاف چلنے اور تیری ناراضگی والے کام کرنے اور تیری نافرمانیوں سے روک دے، اور یہاں تک کہ میں آپ کی اطاعت وفرمانبرداری پر اتنا عمل کرنے لگوں کہ جس سے آپ کی رضا کا مستحق ہو جاؤں۔

اس سے معلوم ہوا کے خوف کی یہی حد مطلوب ہے اور یہی خوف معتبر ہے اور باعث فضیلت اور اجر و ثواب ہے۔ ورنہ اگر انسان پر خوف کا اتنا غلبہ ہو کہ وہ نہ بیوی کے حقوق ادا کر سکتا ہے اور نہ بچوں کی تربیت کی ذمہ داری پوری کر رہا ہے اور نہ دوسرے بشری حقوق واجبہ جو اس کے ذمہ اللہ کی طرف سے واجب ہیں ان کو ادا کر پا رہا ہے تو پھر یہ خوف مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے اسی لیے اگر کسی سالک پر ایسا خوف غالب ہو جائے تو اسے روحانی مریض قرار دے کر مشائخ سلوک اس کا علاج کرتے ہیں تاکہ اس کا یہ خوف اعتدال پر آئے۔

خوفِ خدا کی پہچان اور نشانی

جس کا معیار یہ ہے کہ انسان گناہوں سے مکمل طور پر بچے اور پرہیز کرے اور ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کو

ناراض نہ کرے اور اس کا قلب پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ رہے اسی طرح اگر کوئی شخص احکام خداوندی پر عمل نہ کرتا ہو نہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور نہ گناہوں سے بچتا ہو لیکن اس کے باوجود وہ اپنے زعم وخیال میں یہ سوچتا ہو کہ میں خدا سے بہت ڈرتا ہوں اور مجھے آخرت کا بہت خوف اور ڈر ہے اور خوف خداوندی کی جو فضیلتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھتا ہے تو یہ بھی سراسر جہالت اور نادانی ہے کیونکہ اگر خوف ہوتا تو گناہوں پر جسارت کیسے ہوسکتی تھی جب وہ گناہوں مبتلا ہے اور طاعات کو بجالانے والا نہیں ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس کے قلب میں خدا کا خوف نہیں ہے کیونکہ جیسے حضرت مفتی شفیع صاحب نے محبت کے عنوان پر اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ ایک مخفی چیز ہے اور دل کا معاملہ ہے اور اس کی کچھ پہچان ونشانی حق تعالیٰ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ بس اسی طرح ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کا خوف اور اس کی وعیدوں سے لرزاں وترساں ہونا یہ ایک امر مخفی ہے جو کہ قلب کی صفت ہے اس پر انسان کسی بھی طریقہ سے مطلع نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس کے کچھ مظاہر اور علامات ونشانیاں ہیں اور وہ یہ کہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کا خوف ہو تو اس سے بچتا اور ڈرتا ہے اور اس میں مبتلا نہیں ہوتا اور اس کے قریب بھی نہیں جاتا ہے اور اپنے بچوں اور متعلقین کو بھی جانے نہیں دیتا ہے۔

جیسے مثال کے طور پر ایک آدمی آگ سے ڈرتا ہے کہ اگر اس کے اندر گر پڑا تو جل کر بھسم ہو جائے گا تو کوئی بھی اس کے قریب نہیں جاتا ہے بلکہ دور رہتا ہے جیسا کہ ری یونین جزیرہ میں ایک آتش فشاں ہے لوگ اس کے قریب بھی نہیں جاتے ہیں، بلکہ اوپر جا کر اس کو دیکھتے ہیں کیونکہ قریب جانے سے اندیشہ ہے۔

یا اسی طرح لوگ شیر سے ڈرتے ہیں اور ان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اس کے قریب نہیں جاتے ہیں اور بالکل اسی طرح دنیوی حکومتوں کے جو قوانین ہوتے ہیں تو لوگ ان کی پابندی اس لیے کرتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگر پابندی نہ ہوئی تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی جیسے سعودی عرب جاتے ہیں تو کوئی نشہ کی چیز لے کر نہیں جاتا ہے کیونکہ اپنی جان مارے جانے کا خطرہ اور ڈر ہے۔

تو ان سب مثالوں سے یہ اصول نکل کر سامنے آتا ہے کہ انسان کو جن چیزوں سے ڈر ہوتا ہے وہ ان کے قریب نہیں جاتا ہے تو اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس امر مخفی یعنی خوف خداوندی کا ظاہری معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور گناہوں سے بچے اور مکمل پرہیز کرے اور ایک لمحہ بھی گناہ میں مشغول ہونا گوارا نہ کرے۔

بس یہی وہ خوف ہے کہ جس کی شریعت میں بڑی فضیلت آئی ہے اور قرآن وحدیث میں ایسے لوگوں کے درجات اور مرتبے جگہ جگہ مذکور ہیں چنانچہ چند احقر پیش کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى" اور جو شخص دنیا میں اپنے رب کے

سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا (قیامت اور آخرت اور حساب وکتاب پر اس کا ایمان مکمل ہو) اور نفس کو حرام خواہش سے روکا (یعنی اعتقادِ صحیح کے ساتھ عملِ صالح بھی کیا ہوگا) سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ بظاہر دو شرطیں ہیں (۱) خوف آخرت (۲) ہوائے نفس سے اپنے کو روکنا لیکن درحقیقت اگر غور کیا جائے تو دونوں شرطیں نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اتباعِ ھویٰ سے روکنے والی چیز ہے۔ (معارف القرآن)

دوسری جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اور جو شخص خواص میں سے ہو اور اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ہر وقت ڈرتا رہا ہو اور ڈر کر شہوات ومعاصی سے مجتنب رہتا ہو اور یہ شان خواص ہی کی ہے کیونکہ عام پر تو گاہ گاہ خوف طاری ہوجاتا ہے اور کبھی ان سے معاصی بھی سرزد ہوجاتے ہیں گو توبہ کرلیں غرض جو شخص ایسا متقی ہو اس کے لیے جنت میں دو باغ ہوں گے یعنی ہر متقی کے لیے دو باغ، حضرت مفتی شفیع صاحب اس کی تفسیر تحریر فرماتے ہیں کہ ''مقام ربہ'' سے اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے حساب کے لیے پیشی ہے اور اس سے خوف کے معنی یہ ہیں کہ جلوت وخلوت میں ظاہر وباطن کے تمام احوال مین اس کو یہ مراقبہ دائمی رہتا ہو کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کا حساب دینا ہے اور ظاہر ہے کہ جسے یہ مراقبہ ہمیشہ رہتا ہو وہ گناہ کے پاس نہیں جائے گا۔

اور قرطبی وغیرہ بعض حضرات مفسرین نے مقام رب کی تفسیر یہ بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول وفعل اور خفیہ واعلانیہ عمل پر نگراں اور قائم ہے ہماری ہر حرکت اس کے سامنے ہے حاصل اس کا بھی یہی ہوگا کہ حق تعالیٰ کا یہ مراقبہ اس کو گناہوں سے بچادے گا۔

الغرض خوف خداوندی کی فضیلت قرآن میں جابجا وارد ہے ایک مقام پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے ڈرنے والوں کو دنیا میں بھی آباد کروں گا اور آخرت تو ان کی ہے ہی۔

موت کی یاد کا نفع

اس لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ، باب ماجآء فی ذکر الموت)

یعنی لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو کثرت سے یاد کرو۔

کیونکہ جب انسان موت کو یاد رکھے گا تو آخرت کا استحضار رہے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کا خیال رہے گا تو پھر اس ظاہر وباطن اور اس کی خلوت وجلوت یادِ الٰہی میں ڈوبی ہوگی اور غفلت

سے محفوظ رہے گا۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات پڑھ کر دیکھیں تو اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے قلوب میں آخرت کا کیا خوف غالب تھا اور کس قدر اللہ سے ڈرنے والے تھے کہ بعض صحابہ کرام مبشرین یافتہ ہونے کے باوجود اور ان کو جنت کی خوشخبری مل جانے کے باوجود وہ پھر بھی اللہ سے اس قدر ڈرتے تھے کہ نہ وہ دنیا کی لذتوں میں پڑے اور نہ ہی وہ اس حقیر دنیا کے عیش و عشرت کے گرویدہ ہوئے۔

البتہ یہ بھی ضمناً عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت انسان پر رجاء (امید) غالب رہنی چاہیے اور یوں سوچے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ننانوے حصے آخرت میں رحم فرمانے کے لیے جمع رکھے ہیں تو اللہ کس قدر رحمت کا معاملہ فرمائیں گے جبکہ ایک بٹا سو حصہ رحمت سے اتنی ساری مخلوقات عالم پر قیامت تک رحمت نازل ہوتی رہے گی تو آخرت میں کس قدر رحمت کا مظاہرہ ہوا۔

اس لیے ایک بزرگ کے انتقال کا وقت قریب تھا تو وہ رو رہے تھے اور غمزدہ و فکرمند تھے تو ایک دوسرے اللہ والے ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جب ان کو روتے ہوئے دیکھا تو ان سے معلوم کیا کہ رونے کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے رو رہا ہوں یہ سن کر انہوں نے ان کو ایک بات ارشاد فرمائی کہ اگر میرے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے یہ اختیار دیں کہ تمہارا اعمال نامہ تمہارے والد کے حوالہ کریں کہ وہ دیکھ کر جزا و سزا کا فیصلہ کریں یا اللہ تعالیٰ چیک کرے تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں تو بالکل عرض کروں گا کہ یا اللہ آپ ہی چیک فرمائیں میرے والد کو نہ دیجئے گا بس اتنا سننا تھا کہ ان بزرگ کو جو موت کے قریب تھے بالکل عجیب اطمینان و سکون حاصل ہو گیا جیسے تائب صاحب نے ایک مقام پر اشعار کے دوران ذکر فرمایا کہ حضرت تھانوی ایسے ہی کسی کے یہاں پہنچے اور ان کی موت کا وقت قریب تھا اور وہ گھبرا رہے تھے تو حضرت نے صرف ایک لفظ فرمایا کہ ارے ڈرتے کیا ہو اگر کاملین میں سے نہیں تو تائبین میں سے اٹھائے جاؤ گے اور تائبین بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں سے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ تم کو یہ موقع ندامت و توبہ کا مل گیا ہے تو یہ تمہاری سعادت ہے رونے کیا کیا بات ہے چنانچہ وہ بالکل مطمئن اور پرسکون ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

ہر قدم پر میرا التقویٰ سلامت رہے

میں جہاں بھی رہوں جس فضا میں رہوں

میرا تقویٰ ہمیشہ سلامت رہے

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرما رہے ہیں اور یہ دعا مناجات ہے کہ اے اللہ! میں جہاں بھی رہوں اور جس جگہ بھی رہوں خلوتیں ہوں یا جلوتیں ہوں گاؤں ہو کہ شہر ہو جنگلوں، سمندروں، پہاڑوں کی فضاؤں

میں ہوں یا بستیوں آبادیوں اور شہروں اور یا کاروں اور بسوں، جہازوں اور کشتیوں میں ہوں غرض کہ میں کسی بھی جگہ رہوں اے اللہ تجھ سے بھیک مانگتا ہوں کہ میرے تقویٰ میں خلل نہ پڑے اور میرا تقویٰ سلامت رہے اور میں ہر طرح گناہوں سے محفوظ رہوں۔ جیسا کہ یہی مضمون جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت میں ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ ذَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍ اتَّقِ اللهَ حَیْثُ کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ﴾

(المستدرک علی الصحیحین)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوذر! تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہنا اور تقوے کے ساتھ رہنا اور اگر کوئی بُرائی ہو جائے تو اُس کے بعد نیکی ضرور کر لینا تو وہ نیکی اُس بُرائی کے اثر کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

اور حدیث جبرئیل میں جو احسان کا لفظ آیا ہے عام طور پر اس کا ترجمہ سنتے ہی آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ میں اس طرح نماز پڑھوں کہ جیسے بالکل اپنے سامنے اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور یا تو کم سے کم یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اول مرتبہ مشاہدہ ہے اور دوسرا مرتبہ مراقبہ ہے تو عام طور پر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس احسان کا تعلق صرف نماز کے ساتھ ہے مگر حقیقت ایسی نہیں ہے بلکہ درحقیقت احسان فی العبادات بھی ہے اور احسان فی المعاملات بھی ہے اور احسان فی المعاشرۃ والاخلاق بھی غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں احسان ہے یعنی انسان ہر حال میں ہر جگہ اور اپنے ہر قول و فعل میں صفت احسانی پیدا کرے کہ گویا اسطرح انجام دے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا یہ کہ اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو پھر اس کی ہر چیز اور ہر عمل حسن وخوبی سے متصف ہوگا ور یہ محسن کہلائے گا ور جب یہ صفت مشاہدہ و مراقبہ انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے پھر اس شخص سے نہ خلوتوں میں گناہ ہوگا نہ جلوتوں میں کیونکہ اس کے لیے تو کوئی جگہ ایسی خلوت کی نہیں ہے کہ جہاں اللہ کو وہ نہ دیکھ رہا ہو اور اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ مشاہدے کے درجہ میں نہ ہو۔

اور یہ کوئی خاص تصوف اور سلوک کی بات نہیں بلکہ درحقیقت ہر مومن اور ایمان والا اس کا مکلّف ہے اس لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کو جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان کو اس کا استحضار رہے اگرچہ درجۂ عقیدہ میں ہر مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ہر قول و عمل کو دیکھ رہا ہوتا ہے مگر جب یہ چیز درجہ حال اور استحضار میں آجائے تو پھر انسان خدا کا مقرب ترین بندہ بن جاتا ہے اور گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا ہے حضرت والا اسی طرح کے تقویٰ راسخہ کا سوال کر رہے ہیں اور بالخصوص قضاء کا لفظ استعمال فرما کر آج کل کی صورتِ حال کی ترجمانی ہوگئی کیونکہ اب فضا میں جہازوں پر لوگ ٹی وی، وی سی آر، پر ہر قسم کی فلمیں اور شہوتوں والے معاصی میں مبتلا رہتے ہیں اور کبھی وہاں پر رہنے والی ایئر ہوسٹس پر نظر ڈالنا، ان سے ہنسی مذاق اور دل لگی کرنا وغیرہ یہ سارے

آنکھوں کانوں اور زبانوں کے گناہ ہیں جن میں انسان مبتلا رہتا ہے اور اپنی عبادات وطاعات کا نور ختم کر دیتا ہے۔

جہازوں میں نظروں کی حفاظت

چنانچہ حضرت والا کے ایک وعظ میں احقر نے سنا فرمایا کہ جو حج وعمرہ کر کے آتے ہیں اور پھر جہازوں میں آ کر ائر ہوسٹسوں (Air hostes) سے ہنسی مذاق اور دل لگی اور ان کے ساتھ نظر بازی کا گناہ کرتے رہیں تو وہ جو انوار حرم شریف سے لیکر آئے تھے سب وہیں نکل جاتے ہیں چنانچہ اسی لیے اگر اللہ والوں سے تعلق اور ان کی صحبت میں رہ کر اور نفس کی اصلاح کر کے پھر حج وعمرہ کیا جائے تو اس کا ذائقہ ولذت اور اس کا مزہ ہی بالکل الگ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس تعلق کی برکت سے ایسی ہمت عطا فرماتے ہیں کے جس سے گناہوں کی حفاظت ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

اس فضا کی مناسبت سے احقر عرض کرتا ہے کہ کل میدان قیامت میں یہ فضا بھی گواہ بن کر پیش ہوگی اور جس حصۂ فضا پر گناہ ہوا ہوگا تو وہ سب کچھ سامنے کر دے گی اور اسی طرح جو نیکی وہاں کی ہوگی تو اس نیکی پر بھی وہ گواہ ہوگی اس لیے اگر ہم چاہیں اور سمجھداری سے کام لیں تو اس فضاء کو اپنے حق میں گواہ بنا سکتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم ایک مرتبہ غالبًا انگلینڈ سے جہاز میں سوار ہوئے اور منزل پر پہنچنے تک تقریبا دس پارے قرآن پاک کے پڑھ لیے تو انگلینڈ سے اس منزل تک کی پوری فضاء قیامت کے دن گواہ بنالی پوری فضا میں خدا کی یاد میں مشغول رہے تو ایک طرف جہاز کے اندر کے گناہوں سے بچنے کا مجاہدہ اور دوسری طرف حالتِ سفر کہ جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور پھر تیسری طرف قرآن کریم کی تلاوت میں اشتغال جو کہ عظیم ترین عبادت ہے۔

یہی ہیں ارض وسماء اور عرش وکرسی کے خالق ومالک اور آسمان وزمین، چاند وسورج کے پیدا کرنیوالے کی عظمت کو پہچاننے والے حضرات کہ جو ذرا سی دیر بھی غفلت سے گزارنا اپنے لیے باعث ندامت وشرمندگی سمجھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کل مرنے کے بعد انسان کو آخرت میں وہی اوقات باعث حسرت ہوں گے کہ جن میں اس نے اللہ کو کسی بھی طرح سے یاد نہ کیا ہوگا خواہ اس کے نام کا ذکر ہو یا قرآن کی تلاوت وتسبیح واستغفار ہو اور یا پھر قرآن وسنت کی تعلیم وتدریس ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت کی باتوں پر تقریر وتصنیف ہو غرض یہ کہ کسی بھی طرح سے اللہ کی یاد میں جو وقت نہ گزرے وہ باعث حسرت وندامت ہوگا۔

دنیا دل سے قابلِ نفرت چیز ہے

ساری دنیا ہی سے مجھ کو نفرت رہے
بس تیرے نام کی دل میں لذت رہے

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ اس شعر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ

میرے دل میں دنیا کی محبت ورغبت اور شوق نہ ہو دنیا سے لگاؤ اور تعلق نہ ہو بلکہ میرے دل میں صرف تیری محبت اور تیرے نام کی لذت ہو اور ظاہر ہے کہ دنیا کی محبت بری چیز ہے فی نفسہ دنیا کا ہونا برا نہیں ہے، اگر دنیا ہو مگر دل کے اندر نہ ہو بلکہ دل سے باہر ہو تو پھر یہ مفید ہے کیونکہ حرام سے اور سوال سے بچنے کا ذریعہ ہے اس لیے فرمایا گیا ہے:

﴿فَقَالَ يَا عَمْرُو نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرمایا کہ اے عمرو! اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔ یہ بات اُس وقت ارشاد فرمائی تھی جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیے جانے والے مال کی طرف سے بے رغبتی ظاہر فرمائی۔ اور یہ فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں مال کے لیے اسلام نہیں لایا بلکہ میں اس لیے اسلام لایا ہوں کہ مجھے اسلام کی طرف دل میں رغبت پیدا ہوئی اور اس لیے تاکہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ نصیحت فرمائی کہ حلال مال ہو اور آدمی اس کو اچھی طرح استعمال کرے تو یہ اچھی چیز ہے۔

اسی لیے قرآن وحدیث میں مال واولاد کو فی نفسہ برا نہیں کہا گیا ہے۔ لیکن جب انسان اس کی کمائی کے طریقوں کو غلط کرلے اور حرام وحلال کی تمیز نہ رکھے اور اسلامی شرعی طریقوں کے مطابق تجارت وملازمت وغیرہ نہ کرے بلکہ جھوٹ اور دھوکہ دہی اور مکر وفریب شامل ہو جائے تو پھر یہ چیز وبالِ جان بنتی ہے۔ اسی لیے امانت دار تاجر کی فضیلت ہونے کے باوجود جو دوسرے تاجر ہیں اُن کے لیے وعید سنائی گئی۔ جیسا کہ روایت میں ہے:

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ إِسْمٰعِيْلَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلّٰى فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُوْنَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ فَاسْتَجَابُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ﴾

(سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجآء فی التجار)

خلاصۂ روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خرید وفروخت کرتے دیکھا تو یہ فرمایا اے تاجروں کی جماعت! چنانچہ یہ سن کر سب تاجروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا پر لبیک کہا۔ اور اپنی گردنوں اور نگاہوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اُٹھایا (یعنی خوب متوجہ ہوئے) تو اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسق وفاجر بنا کر اُٹھایا جائے گا، سوائے اُن تاجروں کے جو اپنی تجارت میں اللہ سے ڈرتے ہیں اور نیکی اور سچائی اختیار کرتے ہیں۔

اسی لیے تجارت کو نہ صرف یہ کہ ناپسندیدہ نہیں کہا گیا بلکہ اس کی ترغیب دی گئی اور فضیلت بتائی گئی اور سچے امانت

دارتاجر کو قیامت کے دن انبیاء وصدیقین کے ساتھ محشور ہونے کی فضیلت سنائی گئی۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

﴿عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ﴾

(سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجآء فی التجار)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر کل قیامت کے دن نبیین ،صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اب یہاں سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ ہم کیسے سمجھیں گے کہ ہمارے دل میں دنیا ہے یا دل سے باہر ہے؟ اس لیے کہ بظاہر ہر شخص کو مال و دولت سے بڑی محبت ہوتی ہے اور ایسا ہی لگتا ہے کہ ہر شخص کو مال و دولت اس کے دل سے عزیز و پیارا ہے تو کیا اس کا کوئی ایسا معیار اور کسوٹی ہے؟ اور ایسا کوئی پیمانہ ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ جی ہاں ایسا پیمانہ ہے ورنہ ہر شخص یہی دعویٰ کرے گا کہ دنیا کی محبت میرے دل میں نہیں ہے، اس کا معیار و پیمانہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر اپنے ملفوظ میں فرمایا ہے اور اسے قرآن کریم کی آیت سے ثابت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دین و دنیا کا تقابل ہو اور دونوں کے تقاضوں میں تعارض ہو کہ اگر ایک کو پورا کریں تو دوسرا چھوٹتا ہے اور دوسرے کو پورا کریں تو پہلا چھوٹتا ہے تو ایسے موقع پر اگر انسان دنیوی تقاضے کو چھوڑ کر دینی تقاضے پر عمل کرے اور اس کو ترجیح دے تو یہ دلیل ہے کہ اس کے دل میں دنیا نہیں ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو سمجھو کہ وہ دنیا دار ہے اور دنیا اس کے دل میں ہے۔قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهٖ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾

(سورۃ التوبۃ، آیۃ:۲۴)

یعنی اے نبی! آپ ان مسلمانوں سے یہ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نقصان نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں رہنے کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تم کو سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں۔

حضرت مفتی شفیع صاحب اس کے تحت لکھتے ہیں کہ اس جگہ حکم سے مراد حکم عذاب ہے کہ دنیوی تعلقات پر اخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔(معارف القرآن، ج:۴،ص:۳۳۹)

محبت مال واولاد پر تنبیہ

آگے حضرت مفتی صاحب ص:۳۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ امام التفسیر قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس آیت کی وعید سے مستثنیٰ ہوں کیونکہ عام طور پر بڑے بڑے عابد اور زاہد اور عالم و متقی بھی اہل وعیال اور مال ومتاع کی محبت سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ مگر ساتھ ہی قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ محبت سے مراد اس جگہ اختیاری محبت ہے غیر اختیاری اور طبعی محبت مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت واختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اس لیے اگر کسی شخص کا دل ان دنیوی تعلقات کی محبت سے لبریز ہو مگر ان سے اتنا مغلوب نہ ہو کہ اللہ ورسول کے احکام کی خلاف ورزی کی پرواہ نہ کرے تو وہ بھی اس وعید سے خارج اور اللہ ورسول کی محبت کو غالب رکھنے والا ہے جیسے کوئی بیمار دوا کی تلخی یا آپریشن کی تکلیف سے طبعاً گھبراتا ہے مگر عقلاً اس کو اپنی نجات وسلامتی کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو وہ کسی کے نزدیک قابل ملامت نہیں اور نہ کوئی عقل سلیم اس کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ طبعی اور غیر اختیاری گھبراہٹ کو بھی دل سے نکال دے اس طرح اگر کسی کو مال واولاد وغیرہ کی محبت کے سبب بعض احکام الٰہیہ کی تعمیل میں غیر اختیاری طور پر تکلیف محسوس ہو مگر اس کے باوجود وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے احکام الٰہیہ بجالائے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے اور اللہ ورسول کی محبت کو اس آیت کے مطابق غالب رکھنے والا کہا جائے گا۔

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ محبت کا اعلیٰ مقام یہی ہے کہ محبت طبیعت پر بھی غالب آجائے اور محبوب کے حکم کی تعمیل کی لذت ہر تلخی وتکلیف کو بھی لذیذ بنادے جیسے دنیا کی فانی لذت وراحت کے طلبگاروں کو رات ودن دیکھا جاتا ہے کہ بڑی محنت ومشقت کو ہنس کھیل کر اختیار کر لیتے ہیں کسی دفتر کی ملازمت میں مہینہ کے ختم پر ملنے والے چند سکوں کی محبت انسان کی نیند آرام اور سارے تعلقات پر غالب آجاتی ہے کہ اس کے پیچھے ہزاروں مشقتوں کو بڑی کوششوں سفارشوں اور رشوتوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

آگے حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ محبت خدا ورسول کا یہ مقام ایک نعمت کبریٰ ہے مگر وہ صرف اللہ والوں کی صحبت ومعیت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اس لیے صوفیاء کرام اس کو خدمت مشائخ سے حاصل کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اس آیت سے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے وہ بات پیش فرمائی کہ جو میرا مقصودِ اصلی ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر یہ چیزیں اللہ ورسول کے حکم کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوجائیں تو اس پر وعید ہے تو معلوم ہوا کہ اگر دو تقاضے جمع ہوں ایک دنیوی اور ایک اخروی تو ایسے موقع پر دنیوی کو ترجیح دینا دلیل ہے کہ ہمارے قلب میں دنیا کی محبت غالب ہے اور بس یہی ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اور یہی دلیل ہے کہ دنیا دل کے اندر گھس گئی ہے۔

مگر یہ باہر ہو تو سمجھو کہ یہ ایسے ہے جیسے کشتی کے لیے پانی کی ضرورت ہے اور کشتی سے پانی باہر ہو گا تو کشتی چلے گی اور بسلامت منزل تک پہنچے گی اور اگر کشتی کے اندر پانی آجائے گا تو ظاہر ہے کہ کشتی جملہ افراد سمیت پانی میں غرق ہو کر رہے گی اور سوار اور سواری دونوں تباہ ہوں گے تو دنیا بھی اگر کسی کے دل میں آجائے گی تو پھر وہ بھی اس انسان کی تباہی کا باعث ہو گی۔

سامان بیچنے کے لیے جماعت کی نماز نہ چھوڑو

احقر اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص تاجر ہے اور اس کے پاس دکان ہے، جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو وہ دکان بند کر کے مسجد میں جا کر سکون کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتا ہے اور پھر اپنی دکان پر آجاتا ہے اور کاروبار شروع کر دیتا ہے اب ایک دن ایسا ہوا کہ کوئی بیرون ملک کا خریدار اس کی دکان پر آیا اور بالکل نماز کی جماعت کا وقت ہے، اس نے اس سے کہا کہ میں اس وقت آپ کے لیے دکان کھلی نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ نماز کی جماعت کا وقت ہے اور بلا عذر جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز پڑھنے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کو جلانے اور آگ لگانے کی وعید فرمائی ہے:

﴿عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ﴾

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وجوب صلوة الجماعة)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے البتہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لکڑیوں کو جمع کرنے کا حکم دوں اور پھر اُن کو جمع کیا جائے، اُس کے بعد میں کسی کو نماز کا حکم دوں اور پھر اُس کے لیے اذان دی جائے پھر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور پھر میں اُن لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے اور اُن کے اوپر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اُن میں سے کوئی یہ بات جان لیتا کہ اُسے کوئی موٹی ہڈی یعنی جس پر اچھا گوشت ہو یا دو اچھے کھروں کا گوشت ملنے والا ہے تو وہ ضرور عشاء میں شریک ہوتا۔ (مگر دین اور ارکانِ دین کی عظمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ نماز جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوا۔)

اگر میں اس وقت جماعت کو چھوڑ دوں تو گویا اللہ کی نگاہوں میں اور دینی لحاظ سے میری دکان میں آگ لگ گئی ہے، اس لیے اگر آپ انتظار کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس وقت دکان نہیں کھول سکتا اس پر اس نے یہ

کہا کہ میں بیرون ملک سے آیا ہوں اور میری فلائٹ (Flight) کا وقت قریب ہے میں ٹھہر نہیں سکتا مگر اس نے کہا کہ میرے پاس خدا کے حکم کو توڑنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ میں دکان پر اس تصور سے کھڑا نہیں ہوتا ہوں کہ یہ دکان میری رزاق ہے اور مجھے روزی دیتی ہے بلکہ حکم الٰہی سمجھ کر کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے نافرمانی کے ذریعہ رزق کی تلاش منظور نہیں ہے۔

الغرض اس نے اس سے صاف انکار کر دیا باوجود یہ کہ اس نے انتظار کرنے سے صاف منع بھی کر دیا اور امید بھی ختم کر دی مگر پھر بھی اس نے حکمِ الٰہی نہیں توڑا۔ بس یہی وہ موقع ہے جب انسان کے ایمان کا پتا چلتا ہے اور یہی وہ موقع ہے کہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی محبت دل کے اندر ہے یا باہر ہے تو بقول قاضی بیضاوی اور بقول حضرت تھانوی یہ شخص دنیادار نہیں اور درحقیقت جملہ اغنیائے صحابہ کا حال بھی باجود غنا کے یہی تھا۔ اسی کو حضرت والا بار بار اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں کہ اگر غیر کی محبت شدید بھی ہو تو بری نہیں ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اس کے مقابلہ میں اللہ کی محبت اشد ہو اسی معنیٰ و مطلب کو عارف ہندی حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ یوں فرما گئے ہیں ؎

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پہ سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے

کسب وحرص کا فرق

اس پر ایک بات مزید عرض کرتا چلوں کہ اگر کسی کے اندر کسبِ حلال سے آگے حرصِ حلال والی بات پیدا ہو جائے تو یاد رکھئے کہ یہ بھی دل کا ایک مرض ہے اور یہ ایسی بیماری ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اس کی خبر نہیں ہے جب ان سے اس بارے میں بات کرو تو وہ یہ کہتے ہیں کہ حلال دنیا کی کمائی بھی تو عبادت ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اب یہ کسب نہیں بلکہ حرص ہے اور یہ دل کی ایک بیماری ہے۔ اب یہاں یہ بات بھی ذہن میں آئے گی کہ آخر کسبِ دنیا و حرص دنیا میں کیا فرق ہے اور اس کا کیا معیار ہے؟ تو اس سلسلہ میں حضرت خواجہ صاحب کے شعر ہیں جو اس کی بڑی اچھی طرح وضاحت کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ؎

کسبِ دنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے یہ چراغ دھواں
اک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ

جب انسان مال کی کمائی میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ہر وقت اس کی دھن اور دھیان اور رات و دن سوتے اٹھتے کھاتے پیتے ادھر فون ادھر فون نہ چین وسکون نہ نمازوں میں دل ودماغ متحضر اور ہر وقت صرف دولت ہی کا نشہ ور اپنے مال کو بڑھانے کی فکر واراس کے پاس نہ دین کے لیے وقت ہے اور نہ دینی کاموں کی فرصت ہے اور نہ اولاد و بیوی بچوں تعلیم وتربیتِ دینی،اس کے حقوق کی ادائیگی کی فرصت ہے اور ہر دن کاروبار زیادہ اور زیادہ کر کے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مشغول کرتا چلا جاتا ہے نہ دعوت وتبلیغ کی فرصت ہے نہ اللہ والوں کی مجالس میں حاضری کے لیے وقت ہے اور ہر وقت اپنی دولت کو زیادہ سے زیادہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔اور اس کی حالت بالکل اس حدیث کا مصداق ہے کہ جس میں ہر وقت دنیا کے سلسلے میں زیادتی کی فکر رکھنے والوں کی حالت کا بیان کیا گیا ہے اور دین سے بے فکر اور غافل ہونے والوں کی حالت کا ذکر ہے۔ اور اسی کے نتیجے میں ذہنی تناؤ اور دماغی ٹینشن (Tention) جیسے امراض لاحق ہوتے ہیں جس سے پکا سچا مسلمان ضروری طور پر محفوظ رہے گا کیونکہ اُس کا اندازِ زندگی وہ ہوگا جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے:

﴿ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَّمَنْ لَّمْ تَكُوْنَا فِيْهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهٗ بِهٖ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَّمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا ﴾

(سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة والجنة والنار)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص میں دو عادتیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو شکر گزار بندہ بھی لکھتے ہیں اور صبر والا بھی۔اور جس میں وہ دونوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اُس کو نہ شکر گزار لکھتے ہیں اور نہ صبر کرنے والا...... جو شخص اپنے دین کے سلسلے میں اُسے دیکھے جو اُس سے بڑھا ہوا ہے اور پھر اُس کی پیروی کرے اور دنیا کے سلسلے میں اُسے دیکھے جو اس سے کم درجے ہے اور پھر اللہ کا شکر ادا کرے اُس پر جو اللہ نے اُس کو اُس دوسرے شخص کے مقابلے میں فضیلت بخشی ہے،تو اللہ تعالیٰ اس کو شاکر وصابر لکھتے ہیں۔

اور جو شخص اپنے دین کے سلسلے میں اُسے دیکھے جو اس سے کم درجہ ہے اور دنیا کے سلسلے میں اُس کو دیکھے جو اُس سے بڑھ کر ہے اور پھر اُس پر افسوس کرے جو دنیا اُس سے چھوٹ گئی اور اسے حاصل نہ ہوسکی،تو اللہ تعالیٰ اُس کو نہ شکر گزار بندہ لکھتے ہیں اور نہ صبر والا۔

آج اگر ہم جائزہ لیں تو ہم میں سے بہت ساروں کا حال کچھ اسی طرح ہے اور ایک بڑی تعداد مسلمانوں

کی آج اس مرض کی شکار ہے اور اس کے نتیجہ میں ڈپریشن اور مایوسی کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے کیونکہ جب دولت کی مطلوبہ مقدار اس کو حاصل نہیں ہوتی تو پھر وہ مایوسی و ناامیدی کا شکار ہوتا ہے تو یہ خطرناک مرض ہے اور آج کے دور میں اہلِ دولت و ثروت اس کا خاص طور پر شکار ہیں، اگر نفع ہوا تو خوشی میں بدمست و مدہوش اور مال میں اسراف کیے جاتے ہیں اور نقصان ہوا تو نیند غائب اور سارا آرام وسکون غائب ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسبِ دنیا بے شک عبادت ہے اس وجہ سے وہ، ایک نور و روشنی ہے لیکن جب یہ حد سے بڑھ جائے گا تو پھر یہ ایسا ہے کہ جیسے لالٹین Lantern کے اندر کی بتی جو روشنی دیتی ہے اگر اسے بہت زیادہ بڑھاؤ گے تو پھر اس کے اندر ایسا دھواں نکلے گا کہ وہ پوری چمنی کو اندھا کردے گا اور روشنی بلکل ختم ہوجائے گی تو اس لیے اس کی لو کو مدھم رکھو اسی طرح اپنی کسب دنیا کو حد کسب دنیا تک رکھو حد حرص میں داخل نہ ہونے دو ان شاء اللہ آپ کا ضروری معاش بڑے سکون واطمینان کے ساتھ آپ تک پہنچتا رہے گا۔

اور اس مضمون کو مدلل کرنا ہو تو حدیث پاک پڑھو:

﴿ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا فَاتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ خُذُوْا مَا حَلَّ وَدَعُوْا مَا حَرُمَ ﴾

(سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الاقتصاد في طلب المعيشة)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلبِ رزق میں اجمال سے کام لو یعنی اس کے ساتھ پیچھے نہ پڑ جاؤ کیونکہ کوئی بھی انسان اُس وقت نہیں مرسکتا جب تک کہ وہ اپنے رزق کو پورا پورا وصول نہ کرلے، اگرچہ وہ اس سے مؤخر ہو اور اُسے دیر سے حاصل ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور طلبِ معاش میں اختصار سے کام لو اور یہ اصول اختیار کرو کہ جو حلال ہو اُس کو لے لو اور جو حرام ہو اُس کو چھوڑ دو۔

یعنی طلب رزق میں اختصار سے کام لو اور بس پھر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو جو لوگ اس کے خلاف چلتے ہیں وہ کبھی کسی گھڑی سیراب نہیں ہوتے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ:

﴿ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ ﴾

(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب لو أن لابن آدم واديين لابتغى ثالثا)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں بھی ہوں تو البتہ وہ تیسری کو تلاش کرے گا (اور اگر تیسری ہو تو اسی طرح چوتھی کو اور یہ سلسلہ برابر چلتا رہے گا) اور انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو اللہ کی طرف رجوع ہوجائے تو اللہ اُس کی توبہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

انسان کا حرص و ہوس کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے یعنی ان کو موت آ جاتی ہے مگر ان کے ذہن و دماغ میں رچی بسی دولت کی تمنائیں کبھی پوری نہیں ہوتی دکھائی دیتی ہیں جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ ایک پوری کر دیتے ہیں تو وہ اس سے آگے بڑھ کر مزید چند دوسری امیدیں قائم کر کے ان کو پورا کرنے کے لیے اسکیمیں بنانا شروع کر دیتے ہیں اور اسطرح وہ موت آنے تک کبھی بھی اطمینان وسکون کی حالت میں نہیں ہو پاتا ہے۔ اللھم احفظنا منه.

میرے دل میں تیرا درد الفت رہے
میری دنیائے الفت سلامت رہے

اے اللہ! میرے دل کو اپنی محبت و معرفت کا مقام بنا دے اور مجھے قلب منیب وقلب سلیم عطا فرما دے اور پھر قیامت تک اس دنیائے الفت و معرفت کو سلامت و محفوظ فرما دے کہ کبھی اس محبت میں کمی نہ آنے پائے اور کبھی اس کے خلاف کوئی عمل نہ ہونے پائے بلکہ میں تا حیات اپنے محبوب کی اطاعت میں لگا رہوں اور ایک لمحہ کے لیے بھی گناہوں کے قریب جا کر اپنے اللہ کو ناراض نہ کروں اور اس کی یاد سے غافل نہ ہوں کیونکہ درحقیقت دنیائے الفت کی سلامتی کا انحصار دین و شریعت پر استقامت میں ہے ورنہ پھر یہ دعویٰ محض ہے قرآن نے اس کے الفتِ معتبرہ و الفتِ مقبولہ ہونے کا انکار کیا ہے۔

اور یہ درحقیقت اہل اللہ کی شان ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں لیکن مستقبل کی فکر ان کو لگی رہتی ہے اور اس لیے وہ مستقبل کے بارے میں اپنے اللہ سے اپنی سلامتی ایمان وثبات علی الدین کی برابر دعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے تھے کہ **یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک** کہ اے دلوں کے بدلنے والے اللہ میرے دل کو اپنے دین پر قائم و دائم رکھنا اور دراصل اس کے ذریعہ امت کی تعلیم مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمت، استقامت علی الدین کی بھیک مانگتے رہو کیونکہ اصل اعتبار انسان کی آخری زندگی کا ہی ہوگا یعنی جیسا اس کا اخیر ہوگا ویسا ہی عند اللہ اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اس لیے مومن کے لیے سب سے اہم بات یہی ہے کہ دنیا سے اس کا خاتمہ کلمۂ توحید پر ہو اور تا دمِ آخر وہ اللہ کی محبت وقرب کے ساتھ جیتا رہے۔

تائبین بھی عاشقین کے گروہ کا ایک حصہ ہیں

عاشقوں میں میرا نام لکھ جائے گا
اپنے اعمال پر گر ندامت رہے

جب انسان اپنے اعمال پر نادم وشرمندہ رہتا ہے اور ان پر اس کو غرور و ناز نہیں ہوتا اور بارگاہِ الٰہی میں ندامت کے آنسو بھی بہاتا رہتا ہے تو اگر چہ بہت کچھ نیک صالح کام بھی کرتا ہو مگر پھر بھی چونکہ اللہ کی عظمت کے

شایانِ شان تو نہیں ہو پاتے اور نہ ہو سکتے ہیں تو پھر وہ ان کو کچھ نہیں سمجھتا بلکہ فضلِ الٰہی کا امیدوار رہتا ہے اور دعا کرتا رہتا اور ڈرتا رہتا ہے اس لیے پھر وہ شخص قرآن پاک اور حدیث شریف کی رو سے اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں اعلان ہے کہ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین توبہ کرنے والوں اورطہارت حاصل کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔

اور توبہ کی حقیقت تین جزؤں سے مرکب ہے جن میں سب سے اہم جز ندامت وشرمندگی ہے اور حدیث پاک میں حدیث قدسی ہے کہ لانین المذنبین احب الی من زجل المسبحین گنہگاروں کی آہ وبکا اور آواز مجھے تسبیح کرنے والوں کی آواز سے زیادہ محبوب ہے تو حضرت والا فرمارہے ہیں کہ اگر مومن اپنے اعمال پر ندامت کے آنسو گراتا رہے تو اس کے ذریعہ اسے اللہ کے یہاں محبوب بننے کا مقام مل جائے جائے گا گناہوں پر ندامت ہو غفلت سے گزارے ہوئے لمحات زندگی پر ندامت ہو اپنی عبادت و طاعت میں نقصان و کمی پر ندامت ہو اسی پر تائب صاحب کا شعر ہے کہ ۔

مر مر کے جیے جاتے ہیں ڈرتے ہیں وہ پھر بھی
عشاق کا معیار وفا اور ہی کچھ ہے

ان کی مرضی پہ ہر آرزو فدا ہے

تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا
اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے

اے اللہ مجھے یہ توفیق دے دے کہ میں تیری مرضی پر اپنی ساری ناجائز آرزوئیں اور خواہشات فدا کردوں اور ساری حرام راہوں سے ملنے والی خوشیاں تیری خوشی پر قربان کردوں اور ناجائز خوشیوں اور آرزوؤں کے ساتھ جائز خوشیاں بھی اگر آپ کے حکم کے آڑے آتی ہوں تو ان کو بھی قربان کردوں جیسے مال واولاد کی اور بیوی بچوں کی جائز محبت اگر اللہ کی راہ میں نکلنے اور دین پھیلانے اور دشمنوں سے جہاد کرنے میں رکاوٹ بنے تو اس کو بھی تیری مرضی پر قربان کردوں۔

جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سارے کے سارے اس مقام محبت کے حامل تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ملنے پر اپنی جان و مال اور اولاد و بیوی بچے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چلو فلاں جہاد پر تو فوراً صحابہ کرام تیار ہو کر نکل پڑتے تھے نہ بیوی بچوں کی محبت رکاوٹ بنتی تھی اور نہ کاروبار اور تجارت و معیشت ان کو آڑے آتی تھی اور ان سب کو سوچے بغیر فوراً لبیک کہہ کر میدان میں نکل پڑتے تھے جبکہ ان کو یہ خبر نہیں ہوتی تھی کہ آیا آج شام کو واپس ہوں گے یا نہیں اور کیا واپسی ہوگی بھی یا بس آخرت میں ہی جا کر ملیں گے تو صحابہ کرام تو اپنی جائز خوشیوں کو بھی خوشی خوشی حکم

الٰہی پر قربان کر دیتے تھے حتی کہ پنجہ پر کھڑے ہو کر اپنا قد بڑا دکھا رہے ہیں تاکہ حضور کے اشارے پر جان لٹانے کا موقع مل جائے اگر چھوٹے ہونے کی وجہ سے نام نہیں آیا تو دوسرے ساتھی سے کشتی ہوتی ہے تو چپکے سے کان میں کہتے ہیں کہ تمہارا نام تو آچکا ہے اگر تم پر میں غالب آ گیا تو میرا نام بھی آ جائے گا اس لیے اتنی قربانی کرلو اس طرح بہانے بنا بنا کر اپنی جان لٹانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور خدا کے یہاں سے ان کی قربانی کی قبولیت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیه واقعی رجال ہیں مسلمانوں میں سے کہ جنہوں نے جو وعدہ و معاہدہ اللہ سے کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ یہ ہے اللہ کے حکم پر ہر آرزو کا فدا ہونا۔

اور پھر حضرت والا بڑی پیاری بات فرماتے ہیں کہ اور دل میں بھی اس کی حسرت نہ رہے کہ ارے! کیوں میں نے اپنی فلاں اور فلاں آرزو پوری نہ کر لی، جیسے کوئی تمنا کرے فلاں فلاں لڑکی سے اپنا تقاضا پورا کیوں نہ کر لیا، کیوں میں نے فلاں فلاں حرام فلم نہ دیکھی اور کیوں کلبوں اور حرام کاری کے اڈوں میں جا کر میں نے حرام کاری کے مزے نہ لوٹے، یہ سب مزے لوٹ لیتا پھر اللہ والا بن جاتا، ان سب راہوں کی لذتوں اور مزوں کو لوٹ کر پھر آخر میں ولی بن جاتا جیسا کہ بعض نادان اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ مزے لوٹ لو جب بوڑھے ہوں گے تو توبہ کر کے اللہ والے بن جائیں گے حالانکہ یہ ایسی حماقت ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ میرے پاس بہت اچھا مرہم ہے ٹیوب (Tube) ہے جو جلنے میں بڑی مفید ہے تم اپنا ہاتھ جلاؤ پھر ٹیوب لگا لینا کیا کوئی عقلمند اس اعتماد پر کہ دوائی بہت اچھی ہے چلوا پنے ہاتھ کو جلا لو ایسا کرنے پر تیار ہوگا؟ نہیں دوستو! ہرگز نہیں تو پھر گناہوں کو توبہ کی امید پر کرنا آخر کتنی بڑی حماقت اور دھوکہ ہے کتنے ہی ان آرزوؤں کو لے کر اپنی قبروں میں اتر گئے ہیں لیکن ان کی توبہ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا ہے۔

ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے خدا مجھے اپنے اوپر مٹنے میں اور آرزوؤں کا خون کرنے میں ایسا لطف اور مزہ دے اور ایسی حلاوت عطا فرما کہ میرے دل میں یہ خیال بھی نہ آنے پائے کہ کاش ہم بھی پہلے فلاں فلاں حرام مزے اڑاتے ہوتے اور خوب لطف اٹھاتے ہوتے، میرے دوستو! جو مومن واقعی طور پر اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے قلب کو سرشار کرے گا اور حلاوت ایمانی حاصل کرے گا تو پھر وہ اس راہ میں ایسا مزہ پائے گا کہ دوسرے مزوں کو نہ صرف یہ کہ بھول جائے گا بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ ہائے افسوس جن کو ہم نے مزہ سمجھا تھا وہ تو صرف بے چینی اور اضطراب والے مزے تھے کہ ذرا دیر مزے اٹھاؤ اور پھر بے چین و مضطرب رہو اور تڑپتے رہو چنانچہ جتنے لوگ دنیا کے عشقِ مجازی کے مزے لوٹنے والے ہیں ان کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں اور سکون چھنا ہوا اور راحت و آرام کا نام و نشان ان کو حاصل نہیں ہوتا ہے اور انہیں کسی کل سکون نصیب نہیں ہوتا ہے۔ حضرت والا کا شعر ہے ؎

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

بھلا خدا تعالیٰ اپنی نافرمانی و معصیت میں سکون و اطمینان کیسے رکھ سکتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ نے کلمہ حق کے ساتھ اعلان فرمایا کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اے انسانو! سن لو صرف دلوں کے اطمینان و سکون کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ کی یاد اس لیے فرمایا کہ صرف دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد ہی سے حاصل ہوتا ہے اور انسان کے بدن کا جو عضو ذکر الٰہی سے خالی ہوگا اسی درجہ اطمینان قلبی سے انسان محروم ہوتا چلا جائے گا جیسا کہ تفسیر مظہری میں فرمایا ہے۔

میر بس دل میں دردِ محبت رہے
میری دنیائے الفت سلامت رہے

اللہ کرے کہ ہم سب کی بھی بس یہی ایک تمنا ہو کیونکہ جینے کی حقیقی راہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے درد محبت سے دل لبریز رہے تو پھر خلوتوں میں بھی مزے ہیں اور جلوتوں میں بھی مزے ہیں۔

اور کل اناء یترشح منہ بما فیہ کہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے کہ جو اس میں ہوتا ہے یعنی پھر خلوتوں اور جلوتوں ہر حال میں صرف اللہ کی یاد کی باتیں ہوتی رہیں اور اس کی یاد میں بندہ مومن مست رہتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے اور ہم نے حضرت والا کو دیکھا ہے کہ خلوتوں اور جلوتوں میں ہر حالت میں بس ایک ہی بات ہے کہ گناہوں سے بچو اور اللہ کو خوش اور راضی کرو اور اللہ پر اپنی تمام خواہشات فدا کر دو تو گویا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کی یہ دعا حضرت کے حق میں قبول ہوگئی ہے بس دل دوسری چیزوں سے اور ان کی سوچ و فکر سے خالی ہو گیا ہے اور بس ایک ہی چیز دل کے اندر رچ بس گئی ہے اور وہ دردِ محبتِ خداوندی ہے۔ اس لیے حضرت کے پاس رہنے والے جان سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کی عظمت و محبت کے تذکرے حضرت والا کے لیے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیے غذا ہوتی ہے کہ اس کے بغیر حضرت رہ نہیں سکتے، اس لیے آج کل باوجود بیماری کے چار چار مجالس حضرت والا کی ہوتی ہیں اور اندر کمرہ میں بھی حضرت کی مجلس اسی عنوان پر برابر جاری رہتی ہے۔

استقامت کی حقیقت و جامعیت

روز و شب قلبِ اختر کی ہے یہ دعا
میرے مولیٰ میری استقامت رہے

اس شعر کے اندر حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ استقامت کی دعا مانگ رہے ہیں اور استقامت سب سے عظیم دولت ہے اور یہ اللہ والوں اور اہل ایمان کے لیے سب سے اہم اور ضروری چیز ہے قرآن پاک کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام اہل ایمان کو استقامت کا حکم فرمایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ استقامت کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس سے متعلق حضرت مفتی شفیع صاحب معارف القرآن

ص ۶۷۰، ج ۴ پر فرماتے ہیں کہ استقامت لفظ چھوٹا سا ہے مگر مفہوم اس کا ایک عظیم الشان وسعت رکھتا ہے کیونکہ معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، کسبِ معاش اور اس کی آمد وصرف کے تمام ابواب میں اللہ جل شانہ کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا ہے ان میں سے کسی بات کے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی زیادتی ہوجائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلیں اور خرابیاں آتی ہیں وہ سب اس استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات سے شروع ہوکر کفر وشرک تک نوبت پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات وصفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلاء ہوں گمراہ کہلائیں گے انبیاء علیہم السلام کی عظمت و محبت کی جو حدود مقرر کردی گئی ہیں ان میں کمی کرنے والوں کا گمراہ و گستاخ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات واختیارات کا مالک بنادینا بھی اسی طرح کی گمراہی ہے۔

یہود ونصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے گئے عبادات اور قرب الی اللہ کے لیے جو طریقے قرآن عظیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادیئے ہیں ان میں ذرا سی کمی کوتاہی جس طرح انسان کو استقامت سے گرادیتی ہے اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے انسان کو بدعات میں مبتلا کردیتی ہے وہ بڑی نیک نیتی سے یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں اپنے رب کو راضی کررہا ہوں حالانکہ وہ عین ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بدعات ومحدثات سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اس کو شدید گمراہی قرار دیا ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ جب کوئی کام یا عبادت اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے کرے تو کرنے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرے کہ یہ کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اس کیفیت وصورت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت نہیں تو اس میں اپنا وقت اور توانائی ضائع نہ کرے۔

اسی طرح معاملات اور اخلاق ومعاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کردیا ہے جس میں دوستی دشمنی، نرمی گرمی، غصہ بردباری، کنجوسی سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسبابِ ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر ان سب چیزوں میں ایک ایسا معتدل صراطِ مستقیم مسلمانوں کو دیا ہے کہ اس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی، ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان کامل انسان بنتا ہے، اس استقامت سے انحراف کرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استقامت ایسا جامع لفظ ہے کہ دین کے تمام اجزاء وارکان اور ان پر صحیح عمل اس کی تفسیر

ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملے میں کوئی ایسی جامع بات بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے آپ نے فرمایا کہ قل امنت باللہ ثم استقم یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور پھر اس پر مستقیم رہو۔ (رواہ مسلم از قرطبی)

اور عثمان بن الازدی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ **علیک بتقوی اللہ و الاستقامۃ اتبع و لا تبتدع** یعنی تم تقویٰ اور خوف خدا کو لازم پکڑ لو اور استقامت کو بھی جس کا طریقہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں شریعت کی اتباع کرو اور اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہ کرو۔ (رواہ الدارمی فی مسندہ از قرطبی)

اس دنیا میں سب سے زیادہ دشوار کام استقامت ہی ہے اسی لیے محققین صوفیاء نے فرمایا ہے کہ استقامت کا مقام کرامت سے بالاتر ہے یعنی جو شخص دین کے کاموں میں استقامت اختیار کئے ہوئے ہو اگرچہ عمر بھر بھی اس سے کوئی کرامت صادر نہ ہو وہ اعلیٰ درجہ کا ولی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی للہ عنہ نے فرمایا کہ پورے قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور فرمایا کہ جب صحابہ کرام نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ سفید بال دیکھے اور بطور حسرت و افسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آ رہا ہے تو فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

سورۂ ہود میں جو پچھلی قوموں پر سخت وشدید عذاب کے واقعات مذکور ہیں وہ بھی اس کا سبب ہو سکتے ہیں مگر ابن عباس رضی اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہی اس کا سبب ہے۔ تفسیر قرطبی میں ابوعلی سری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے پھر دریافت کیا کہ اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس نے آپ کو بوڑھا کیا؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے **فاستقم کما امرت**۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو انسانِ کامل کی مثالی صورت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور فطری طور پر استقامت آپ کی عادت تھی، مگر اس بار شاید اس لیے محسوس فرمایا کہ آیت میں مطلق استقامت کا حکم نہیں بلکہ یہ حکم ہے کہ امرِ الٰہی کے مطابق استقامت ہونی چاہیے، انبیاء علیہم السلام پر جس قدر خوف وخشیتِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے، یہ اس خشیت ہی کا اثر تھا کہ باوجود کامل استقامت کے یہ فکر لگ گئی کہ اللہ جل شانہٗ کو جیسی استقامت مطلوب ہے وہ پوری ہوئی یا نہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اپنی استقامت کی تو زیادہ فکر نہ تھی کیونکہ وہ بحمد اللہ حاصل تھی مگر اس آیت میں پوری امت کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے امت کا استقامت پر قائم رہنا دیکھ کر یہ فکر وغم طاری ہوا اور حکم استقامت کے بعد فرمایا و لا تطغوا یہ لفظ مصدر طغیان سے بنا ہے اس کے معنیٰ حد سے نکل جانے کے ہیں جو ضد ہے استقامت کی آیت میں استقامت کا حکم مثبت انداز میں صادر فرمانے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کے منفی پہلو کی ممانعت بھی صراحۃً ذکر کر دی کہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلو کہ یہ ہر فساد اور دینی و دنیوی خرابی کا راستہ ہے۔ (معارف القرآن، ج:۴، ص:۶۷۰)

استقامت نہ ہوتو دین دین نہیں ہے

اس مذکورہ تفصیل سے آپ کے سامنے استقامت کا معنیٰ اور اس کی اہمیت اور اس کی مطلوبیت ومقصود و مامور بہ ہونا اوپر کی آیت سے معلوم ہوا اور احادیث مبارکہ سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور یہی اصل ہے کہ پوری عمر دین مبین پر اس طرح قائم رہے اور جما رہے کہ ایک انچ بھی اس سے نہ ہٹے۔ رہ گیا بعض لوگوں کا کبھی کبھار جوش میں آ کر اس قدر متقی بن جانا کہ بظاہر لوگوں میں اس جیسا کوئی نظر نہ آتا ہو اور پھر کچھ دنوں میں فرائض کی بھی چھٹی ہو جاتی ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اس جوش کا انجام ہی ختم ہونا اور زائل ہونا ہے۔ اسی کو حضرت تھانوی التکشف، ص:۱۴۷ پر یوں فرماتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت ہے:

﴿عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ وَإِنْ أُشِيْرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوْهُ﴾

(سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شئی کا ایک جوش ہوتا ہے اور جوش کے بعد ڈھیلا پن ہوتا ہے سو اگر صاحب عمل اپنے عمل میں راستی اور توسط پر چلے تو اس کے نباہ کی امید رکھو اور اگر اتنا مبالغہ کرے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے ہونے لگیں تو اس کو کچھ شمار میں نہ لاؤ۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ (المشکوٰۃ، ص:۴۴۷)

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ محققین مجاہدہ میں غلو کرنے سے منع کرتے ہیں حدیث میں اس کی صریح تعلیم ہے اس غلو میں طبیعت بھی اکتا جاتی ہے اور اصل عمل بھی متروک ہو جاتا ہے اور صحت بھی خراب ہو جاتی ہے یہ بھی تعطل کا سبب ہو جاتا ہے حتّٰی کہ بعض اوقات جنون تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ یہ بالکل ایسے ہے جیسے کہ ڈاکٹر اور طبیب کے ایک ہی مرض کے مریض ہوتے ہیں مگر ان کے مجموعی احوال پر نظر کر کے کسی کو کوئی دوائی دیتے ہیں اور کسی کو دوسری دوائی دیتے ہیں جیسا کہ بدن کا ضعف بھی ہو اور

اعصابی کمزوری بھی ہو اور ضعف معدہ وضعف جگر بھی ہو تو ایسی صورت میں اگر طاقت کی دوائی بیک وقت دیدی تو ظاہر ہے کہ وہ مفید ہونے کے بجائے اور نقصان کا باعث ہوگی اس لیے بتدریج اصلاح معدہ وجگر کے ساتھ ساتھ طبیب قوت وطاقت کی دوائی تجویز کرتا ہے۔

بس سمجھ لو کہ بالکل یہی کام روحانی طبیب یعنی شیخ اور مصلح کا بھی ہوتا ہے کہ وہ راہ طے کیے ہوئے ہے اس کو علم ہے کہ کس مقام پر کیا نشیب وفراز ہے وہ اس کو سمجھتا ہے تو اسی کے مطابق وہ رہبری کرتا ہے اور سالک کو افراط و تفریط سے اور ہر قسم کے غلو اور زیادتی سے محفوظ کرلیتا ہے اور وقتی جوش وخروش کی حقیقت پر نظر رکھ کر وہ بتدریج پختگی ورسوخ تک پہنچادیتا ہے اور بس اس کا نام ولایت ہے اور یہی بزرگی اور صدیقیت ہے۔

اگر اس سلسلہ بیعت وارشاد اور سلوک وتصوف میں کوئی خرابی ہوتی اور ذرا بھی خلاف شریعت ہوتا تو یاد رکھیے کہ اپنے زمانہ کا علوم قرآن وسنت کا جامع اور مجدد حکیم الامت جیسا انسان کبھی بھی اس راہ کو اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے منتخب فرما کر پوری زندگی سلوک وتصوف کے شعبہ کے احیاء پر خرچ نہ کرتا جس کے متعلق حضرت مفتی شفیع صاحب کا ملفوظ ہے کہ امت میں ایسا جامع نظر نہیں آتا۔

عنایاتِ شیخ بر دلِ غمزدۂ سالک

خلق کا مارا ہوا، دنیا کا دھتکارا ہوا
اپنی قسمت سے جو ہو ہر آرزو ہارا ہوا
جس کے دن کٹتے نہ ہوں دنیا کے درد وکرب سے
جس کا دل زخمی ہو یا عشق بتاں کی ضرب سے
جس کی رسوائی پہ خندہ زن ہو ساری خلق بھی
اور ہوا اپنے کیے پر جس کو بے حد قلق بھی
اس کو لینے کے لیے ہے میرا آغوشِ کرم
اس کی رسوائی کا بھی رکھے گا یہ اختر بھرم
میرا دل اس دکھ بھرے دل پر کرے گا وہ کرم
بھول جائے گا وہ جس سے ساری دنیا کے ستم

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **سالک**: اللہ تعالیٰ کی محبت کے حاصل ہونے کی کوشش کرنے والا۔ **خَلق**: مخلوق۔ **مارا ہوا**: ستایا ہوا۔ **دھتکارا**: ذلیل کرنا۔ **ہارا ہوا**: جس کی کوئی خواہش پوری نہ ہوتی ہو۔ **درد وکرب**: تکلیف۔ **عشقِ بتاں**: بتوں (ہر غیر اللہ اور بطور خاص نامحرم خواتین اور وہ لڑکے جن کی طرف جنسی میلان ہوتا ہے) کا عشق۔ **ضرب**: مار، چوٹ۔ **رسوائی**: ذلت۔ **خندہ زن**: خندہ زن ہونا یعنی ہنسنا۔ **بے حد**: بہت زیادہ۔ **قلق**: رنج وتکلیف۔ **آغوش**: گود۔ **کرم**: مہربانی۔ **ستم**: ظلم۔

عنایاتِ شیخ سالک کے غمزدہ دل پر

ان اشعار کا پس منظر حضرت والا دامت برکاتہم کے خادم خاص حضرت میر صاحب نے خود ہی ذکر فرمایا ہے جو فیضانِ محبت کے اسی صفحے کے نیچے لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

احقر جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو بعض حالات کی وجہ سے نہایت شکستہ دل تھا۔ میرے مرشد سراپا محبت ورحمت فداہ روحی وابی وامی نے غایت کرم سے احقر کی تسلی کے لیے یہ اشعار فرمائے جس سے احقر کو حیاتِ نو عطا ہوئی اور بے شک حضرت اقدس نے روزِ اوّل سے لحہ بہ لحہ ساعۃً فساعۃً ایسے الطاف وکرم فرمائے ہیں کہ احقر کا ہر بُنِ مو زبانِ شکر بن کر بھی حقِ شکر ادا نہیں کرسکتا کہ حضرت والا کے بے پایاں کرم کے صدقہ میں حضرت اقدس کی ذاتِ گرامی احقر کے لیے مجموعۂ سلطنت ہفت اقلیم اور مجموعۂ لذاتِ کائنات ہے۔ **الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات**. اللہ تعالیٰ احقر کے دمِ آخر تک حضرت والا کا سایۂ لطف وکرم احقر کے سر پر قائم رکھیں۔

(ناکارہ میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

ہم ایسے ہی بے کاروں کو ڈھونڈتے ہیں

احقر راقم السطور نے خود حضرت میر صاحب کی زبانی ان کے شکستہ دل کی حالت اس طرح سے سنی ہے کہ فرمارہے تھے جب میں جدید تعلیم سے فارغ ہوکر بی کام (B.com) مکمل کیا اور کام کی تلاش شروع کی لیکن ایک مدت تک کام نہیں ملتا تھا۔ جہاں بھی میں جاتا ہر شخص مجھ سے یہ سوال کرتا تھا اور پھر مجھے شرم آتی تھی۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے دلی طور پر میں بہت شکستہ دل ہوگیا اور احساسِ کمتری کا شکار ہوگیا کہ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے لیکن تو کسی لائق ہی نہیں ہے۔ اس لیے طبیعت میں نہایت اُداسی اور مایوسی کا سماں چھا گیا۔ اب بظاہر ایسا لگنے لگا کہ جیسے میری حالت بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسے کوئی خلق کا مارا ہوا ہو، دنیا کا دھتکارا ہوا ہو اور اپنی قسمت سے ہر آرزو ہارا ہوا ہو کہ کسی سمت بھی نہ دل لگتا ہے اور نہ طبیعت مطمئن ہوتی ہے اور بے چینی و پریشانی سے دنیا کے دن کاٹنے مشکل ہورہے تھے۔

اسی حالت کی کشمکش نے میرا دل زخمی کر رکھا تھا اور میں اُلجھنوں کا شکار تھا کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے پاس حاضری ہوئی اور دل میں یہی سوال بار بار آ کر پریشان کررہا تھا کہ یہاں بھی اسی طرح سے سوال کیا جائے گا اور کام سے متعلق پوچھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت والا نے بھی اس طرح سے سوال کیا لیکن جب احقر نے یہ جواب دیا کہ میرے پاس کوئی کام نہیں ہے اور میں بے کام ہوں۔ تو مجھے حضرت والا نے اپنے گلے سے لگالیا اور یہ فرمایا کہ ہم ایسے ہی بے کاروں کو ڈھونڈتے ہیں جس کی بظاہر رسوائی پر ساری مخلوق خندہ زن ہو اور اُس کے دن کاٹے نہ کٹ رہے ہوں، ہمیں ایسا ساری اُمیدوں کا ہارا ہوا درکار ہے کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ کے راستے کا غم دینا اور اُس کے لیے

قبول کر کے چلنا بہت آسان ہوتا ہے۔

اسی لیے جو شخص عشقِ بتاں کی ضرب سے مارا ہوا ہو اور اپنے کیے پر اسے بہت زیادہ قلق اور بے چینی ہو اور شرمندہ ہو کر اپنے ماضی پر پچھتا رہا ہو۔ ساری دنیا اُس کے لیے ظلم وستم کی جگہ بنی ہو، یہ اختر ایسے شخص کو اپنے آغوشِ کرم میں لینے کے لیے تیار ہے اور اُس کی رسوائی کا بھرم رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ اور کیسا ہی دل شکستہ اس کے پاس آئے یہ اُس کے دُکھ بھرے دل پر ایسا کرم کرے گا کہ جس سے وہ ساری دنیا کے ستم بھول جائے گا اور اُس کی زندگی دوسروں کے لیے قابلِ رشک بن جائے گی۔ بس یہی ہمارا زندگی کا مقصد ہے اور یہی راہِ سلوک طے کرنے والوں کے لیے اُن کی آرزوؤں اور اُمیدوں کا خون کرنے کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُلفت ورحمت کا ملنے والا وعدہ، اثر اور نتیجہ ہے۔ لہٰذا کسی بھی حال میں مایوسی اور اُداسی سالک کے قریب نہیں آنی چاہیے۔ اور بس اپنے کو کسی اللہ والے کے حوالے کر کے سارے غموں سے بے غم ہو جانا چاہیے۔ پھر اُس کو وہ کیف حاصل ہوگا کہ ساری دنیا کے کیف وسرور والے اُسے دیکھ کر رشک کریں گے اور اس کو گدائی میں شاہی کا لطف اور فقیری میں سلطانی کا مزہ ملنا یقینی ہے۔ جیسا کہ آج کل اگر ان الفاظ کو حقیقت کے عملی سانچے میں ڈھلا ہوا کوئی دیکھنا چاہے تو ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم اور اُن کے خادمِ خاص حضرت میر صاحب کی آکر زیارت کرے اور تھوڑا احوال کا مطالعہ کرے کہ خانقاہ کے یہی مختصر سے دو کمرے روحانی ہسپتال ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی بھی ایسا ہاسپٹل (Hospital) بنے ہوئے ہیں کہ جس میں ایک سے ایک اعلیٰ درجے کی بیماری کے علاج کی مشینیں موجود ہیں جو کہ بہت سے ہاسپٹلوں میں بھی میسر نہیں۔ اور علاج کے ایسے جدید طریقے موجود ہیں جو بہت سے ہاسپٹل (Hospital) والوں کے لیے باعثِ رشک ہیں۔ یہاں تک کہ خود معالجین اور ڈاکٹرز (Doctors) بھی مفت اور فری میں اپنی خدمات پیش کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔

تلخیِ شامِ غمِ ہجراں سے گھبراتا ہے دل

تلخیِ شامِ غمِ ہجراں سے گھبراتا ہے دل
آمری آہِ سحر تجھ سے بہل جاتا ہے دل

اپنی ہر اک آہ سے گو خود جلا جاتا ہے دل
پھر نہ جانے آہ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دل

میں بتاؤں آہِ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دل
خوں بہائے خونِ دل ہر آہ کو پاتا ہے دل

غم پہ جب کچھ اختیار اپنا نہیں پاتا ہے دل
ہر نفَس دست طلب اس در پہ پھیلاتا ہے دل

صفحۂ ہستی پہ میرے ایسے افسانے بھی ہیں
اُف تصور سے بھی جن کے منہ کو آجاتا ہے دل

جب تجلّی اُن کی ہوتی ہے دلِ برباد میں
آرزوئے ماسوا سے خود ہی شرماتا ہے دل

آرزوئے دل کو جب زیر و زبر کرتے ہیں وہ
ملبۂ دل میں انہیں کو مہماں پاتا ہے دل

لاکھ شمعیں جل رہی ہیں ہر طرف اخترؔ مگر
وہ نہیں تو روشنی میں تیرگی پاتا ہے دل

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **تلخی:** سختی۔**ھجراں:** جدائی۔**آہِ سحر:** رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رونا۔**آہِ پیھم:** مسلسل۔**خوں بھائے:** خون کا بدلہ۔**خونِ دل:** دل میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف پیدا ہونے والی خواہشات پر عمل نہ کرنے کا غم۔**نَفَس:** ہر سانس، ہر لمحے۔**دست:** ہاتھ۔**طلب:** سوال، بھیک۔**صفحۂ ھستی:** روئے زمین۔**افسانے:** واقعات۔**تصور:** سوچنے سے۔**تجلّی:** جلوہ۔**دلِ برباد:** اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف دل میں پیدا ہونے والی خواہشات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ٹوٹ جانے والا دل۔

کچھ خاص احوال وکوائفِ اہلِ دل

تلخیِ شامِ غمِ ہجراں سے گھبراتا ہے دل
آ مری آہِ سحر تجھ سے بہل جاتا ہے دل
اپنی ہر اک آہ سے گو خود جلا جاتا ہے دل
پھر نہ جانے آہِ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دل
میں بتاؤں آہِ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دل
خوں بہائے خونِ دل ہر آہ کو پاتا ہے دل

اللہ والوں کو رات کے آخری حصے سے ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اُس وقت اُٹھ کر آہِ سحر بھرنے کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رات کی تنہائیوں میں عبادت وتلاوت اور ذکر ومناجات کی لذت کو صبح سے یاد کرتے اور اُس کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے شام کے اوقات بظاہر دل پر دشوار اور کٹنے مشکل ہوتے ہیں، اس لیے شام میں حاصل ہونے والے غمِ ہجراں کی وجہ سے جو دل کو تلخی اور جدائیگی کا صدمہ ملتا ہے اُس سے دل گھبراتا رہتا ہے۔ اور بس وہ جلد صبح ہونے کے منتظر رہتے ہیں تا کہ اپنے خالق ومالک سے اُٹھ کر فریاد کر سکیں اور اُسے یاد کر کے اپنے دل کو بہلا سکیں کیونکہ دل کے بہلانے اور اُس کو سکون پہنچانے کا راستہ اس سے بڑھ کر اور کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

خاص طور پر جن لوگوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ میں بہت زیادہ جلے بھنے ہوتے ہیں تو انہیں یہ آہ بھر کر دل کی گرمی کو اس طرح نکالنا ہوتا ہے کہ جیسا کہ انجن کی شدید گرمی اسٹیم (Steam) اور بھاپ کی شکل میں نکالی جاتی ہے۔ اگر چہ وہ نکلنے والی ہر اک آہ شدتِ گرمی میں خود ایسی ہوتی ہے کہ اُس آہ سے خود میرا دل جلا جاتا ہے۔ مگر کیا کروں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُٹھائے جانے والے غموں کی وجہ سے اور ناجائز حسرتوں کے خون کرنے کی وجہ سے جو دل میں اللہ تعالیٰ کی شدید محبت کی آگ لگی ہے یہ آہیں بھرنے کی بدولت اُس کو کچھ قرار واطمینان، سرور ونشاط اور ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ہر آہِ دل میرے خونِ دل کا خوں بہا ہے کہ جب میں آہ کر لیتا ہوں تو وہ خونِ دل اُس کے ذریعے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

غم پہ جب کچھ اختیار اپنا نہیں پاتا ہے دل
ہر نفس دستِ طلب اس در پہ پھیلاتا ہے دل

یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ جس کا حقیقت میں خالص ادراک صرف اس راہ سے گزر کر ہی ہوسکتا ہے اور وہی جان سکتا ہے جسے اگر چہ پورے طور پر نہیں لیکن کسی درجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی چسک دل میں حاصل ہوگئی

ہو۔ اور یہ آہیں بھر بھر کر گویا بندہ اللہ تعالیٰ کے در پر ہاتھ پھیلا رہا ہے کہ اے اللہ! میرے دل میں آپ کی محبت کے غم کو سہارنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی اظہارِ قصور و عجز اپنے مولیٰ کے دربار میں پیش کرنا اُس محبتِ خداوندی میں مزید اضافے اور قرب کا سبب ہے جس کی کوئی حد اور انتہا مقرر نہیں ہے۔ اس لیے یہ دل جب اُس غم پر اپنا کچھ اختیار نہیں پاتا تو ہر سانس اللہ تعالیٰ ہی کے در پر آہیں بھر کر اپنا دستِ طلب پھیلاتا ہے۔

صفحۂ ہستی پہ میرے ایسے افسانے بھی ہیں
اُف تصور سے بھی جن کے منہ کو آجاتا ہے دل
جب تجلی اُن کی ہوتی ہے دلِ برباد میں
آرزوئے ماسوا سے خود ہی شرماتا ہے دل
آرزوئے دل کو جب زیر و زبر کرتے ہیں وہ
ملبۂ دل میں انہیں کو مہماں پاتا ہے دل

اے ظاہر کے دیکھنے والے لوگو! میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ صفحۂ ہستی پر میرے کچھ ایسے افسانے بھی ہیں جن کو بیان کر دینے سے عقلیں حیران اور پریشان ہو جائیں گی اور جن کی تعبیر سے لغت قاصر اور عاجز و بے بس رہیں گی لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ وہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ یہ وہی صورتحال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دل کے اوپر ہر قسم کے غم اُٹھائے جا رہے ہوں اور انتہائی عاشق مزاج ہوتے ہوئے تمام حسین وحسیناؤں سے دل کو ایسا بچایا گیا ہو کہ زندگی بھر ایک نظر خراب کر کے بھی اپنے دل کو پلید اور ناپاک نہ ہونے دیا ہو اور سخت سے سخت مخلوق کی طرف سے ایذائیں پہنچانے کے باوجود اور طعن و تشنیع کی بارش اور گالیوں کی بوچھاڑ ہونے کے ساتھ کبھی کسی کو ایک جملہ بھی اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لیے سخت وسست جواب میں نہ کہا ہو تو ایسے دلِ شکستہ اور برباد میں جب اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو اُس دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ آرزوئے ماسواء سے خود ہی دل شرماتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور تمنا اس دل میں گزرے یہ تو بہت دور کی بات ہے، خود دل کا یہ سماں ہوتا ہے کہ وہ اُس کے علاوہ کی تمنا سے شرم محسوس کرتا ہے، مگر یہ بات جب ہی ہے کہ آدمی صرف زاہدِ خشک نہ ہو کہ محض صرف کچھ عبادات اور ذکر و اذکار کر لینے کو کافی سمجھتا ہو بلکہ بعض مرتبہ دین کے تقاضے سے جائز آرزوؤں کو بھی زیر و زبر کر ڈالے، تب اُسے یہ نظر آتا ہے کہ میرے ٹوٹے ہوئے دل کے ملبے میں اللہ تعالیٰ مہمان بن گئے اور گویا اُس وقت دل اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہو جائے۔

لاکھ شمعیں جل رہی ہیں ہر طرف اختر مگر
وہ نہیں تو روشنی میں تیرگی سی پاتا ہے دل

آخری شعر میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! اختر علی الاعلان یہ کہہ رہا ہے کہ گو دنیا میں لاکھ شمعیں جل رہی ہوں اور ہر طرف دیے روشن ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ دل میں تجلی فرما نہیں ہیں تو پھر دل میں تیرگی اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اور یہ جب ہی ہوگا کہ حق تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں کو پورے طور پر چھوڑ دیا جائے اور جو تمنائیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں اُن کا خون کردیا جائے ورنہ اگر ذکر و اذکار کی شمع جل رہی ہو اور تلاوت و مناجات کے دیے روشن ہوں اور اوراد و وظائف کی لائٹیں بھی نور پھیلائے ہوئے ہوں اور اس طرح ہر طرف لاکھوں شمعیں روشن ہوں مگر جب تک گناہوں میں ملوث ہونا باقی رہے گا تو دل میں تیرگی موجود رہے گی۔

ذکرِ یارانِ بنگلہ دیش

کچھ نہ پوچھ لطف بنگلہ دیش کا ہر طرف مجمع ہے خیر اندیش کا
ہر طرف دریائے اُلفت ہے رواں ہے نظارہ کیسا بنگلہ دیش کا
فکرِ عقبیٰ جس کو ہوجائے نصیب ہے یہی انعام دُور اندیش کا
عشقِ حق سے بھاگتا ہے بس وہی جو فقط عاشق رہا سندیش کا
یہ بھی فیضِ مرشدِ ابرار ہے ہے پتا اب نفس کے ہر نیش کا
جب ملے انوارِ تسلیم و رضا ہوگیا عاشق وہ رنجِ خویش کا
گرچہ اختؔر ہے بدیشی پھر بھی وہ آدمی لگتا ہے اپنے دیش کا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ لطف: مزہ۔ **اندیش:** اچھی سوچ رکھنے والا۔ **اُلفت:** محبت۔ **رواں:** جاری۔ **فکرِ عقبیٰ:** آخرت کی فکر۔ **اندیش:** عقلمند۔ **فیض:** فائدہ۔ **مرشد:** اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کا راستہ بتلانے والا۔ **ابرار:** حضرت والا دامت برکاتہم کے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ **ھو نیش:** ڈنک، نفس کے حیلے بہانے مراد ہیں۔ **انوار:** نور کی جمع یعنی روشنی۔ **تسلیم:** اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا، بندگی بجالانا۔ **رضا:** اللہ تعالیٰ مرضی پہ راضی رہنا۔ **رنج خویش:** اپنوں (عزیزواقارب) کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف۔ **بدیشی:** پردیسی، غیرملکی۔ **دیش:** ملک، وطن۔

بنگلہ دیش اور وہاں کے احباب کا ذکر

ان اشعار میں حضرت والا نے بنگلہ دیش اور وہاں کے احباب کے کچھ احوال کا ذکر کیا ہے اور ماشاء اللہ بنگلہ دیش کے احباب کو یہ خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ہمارے اکابر علماء وہاں بکثرت تشریف لاتے رہے اور اُن کا فیض بہت زیادہ بنگلہ دیش کی سرزمین پر واقع ہوا اور یہاں کے لوگوں میں اکابر اولیاء اللہ کی قدر و عظمت اور اُن سے محبت اس درجہ پائی جاتی ہے کہ جو دوسرے مقامات پر دیکھنے میں نہیں آتی۔ اسی لیے ''عرفانِ محبت'' کی جلد اوّل میں ایک پوری نظم اسی مضمون پر گزری ہے کہ حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ بنگلہ دیش تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں

نے کس قدر حضرت کا استقبال کیا اور منکرات پر نکیر اور احیائے سنت کے معاملے میں حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ کے مشن کو بڑی مضبوطی سے قبول کرتے ہوئے خوب اُس کے لیے جدوجہد اور کوشش ہوئی۔ اور ہمارے حضرت والا بھی بنگلہ دیش کے پچیس تیس سفر فرما چکے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ دین اور دینداروں کی بڑی قدردانی کرتے ہیں اور نصیحت قبول کر کے اُس پر بڑی مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو کر اس مشن کے پھیلانے میں لگ جاتے ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ حضرت والا کے بالواسطہ اور بلاواسطہ کئی لاکھ متعلقین پائے جاتے ہیں۔ بس اسی مناسبت سے حضرت والا نے خاص طور پر اپنے اشعار میں بنگلہ دیش کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اشعار کی تشریح کا تعلق ہے تو اس میں کوئی خاص مضمون مذکور نہیں ہے بلکہ الفاظ ہی سے اُس کی تشریح ظاہر ہے۔

اور بنگلہ دیش حضرت والا کی آمد اس کثرت سے ہوئی ہے کہ خود اپنے متعلق حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں اگرچہ بدیشی ہوں یعنی میرا اصل وطن بنگلہ دیش نہیں ہے مگر پھر بھی یہاں کے احباب سے محبت اور کثرت سے آمد و رفت اور لمبے لمبے قیام کی برکت سے ایسا لگتا ہوں کہ میں خود بنگلہ دیش کا ایک فرد ہوں۔

وہ کون سا ہے وقت کہ تم پر فدا نہیں

یا رب مرے گناہ کی گو انتہا نہیں ۔۔۔ لیکن ترے کرم کی بھی تو انتہا نہیں
وہ کون سا ہے وقت کہ تم پر فدا نہیں ۔۔۔ وہ کون سی ادا ہے جو حسنِ ادا نہیں
تم خود ہی آ گئے ہو میرے جذبِ عشق سے ۔۔۔ میرا تو میر تم سے کوئی مدعا نہیں
آنکھوں سے ربط میکدہ پہچانا میر نے ۔۔۔ چہرہ سے میرے کوئی نشہ رونما نہیں
رکھتا ہے میر رشکِ چمن دردِ دل نہاں ۔۔۔ اہلِ خرد کی رائے میں گو خوشنما نہیں
کشتی میں اس کی بدگماں تو بیٹھ کر تو دیکھ ۔۔۔ کہتا ہے کون پیر مرا ناخدا نہیں
اشعار سب ہوئے ہیں یہ مرشد کے فیض سے ۔۔۔ کیا صاحبِ نسبت کا یہ فیض رسا نہیں
جو بزم غیر سے بھی ہے مانوس آہ آہ ۔۔۔ اخترؔ وہ عشق حق سے ابھی آشنا نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ گو: اگرچہ۔ **ادا:** طریقہ، عادت۔ **حُسنِ ادا:** اچھی/بہتر عادت۔ **مدعا:** مطالبہ۔ **میکدہ:** میکدے (جہاں اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی شراب پی اور پلائی جاتی ہے) کا تعلق۔ **رُونما:** ظاہر۔ **رشکِ چمن:** جس پر باغ رشک کرے۔ **نہاں:** پوشیدہ/چھپا ہو۔ **اھل خرد:** عقل والے۔ **رائے:** تجویز۔ **خوشنما:** خوبصورت، دیکھنے میں اچھا۔ **بدگماں:** بُرا گمان رکھنے والا۔ **ناخدا:** کشتی چلانے والا۔ **فیض:** برکت۔ **نسبت:** جسے نسبت حاصل ہو جائے اور نسبت اللہ تعالیٰ کا بندے سے اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق قائم ہو جانے کا نام ہے۔ **فیض رسا:** فائدہ پہنچنے والا۔ **بزم غیر:** اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگوں کی محفل۔ **مانوس:** اُنسیت رکھنے والا۔ **آشنا:** واقف۔

اعترافِ قصور و تذکرۂ میر و فیضِ مرشد

اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے بندے کا یہ اقرار اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے کہ اے اللہ! میں اتنا گنہگار ہوں کہ بظاہر میری بخشش کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور کیسا ہی عابد و زاہد ہو کر بھی ایک اللہ والے کے لیے یہی سب سے بڑا قیمتی سرمایہ ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں اپنے قصور کا اقرار کرتا رہے۔ آخر یہی تو وجہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فضیلت و مرتبے میں کوئی بڑھ نہیں سکتا ہے لیکن پھر بھی وہ لوگ اپنی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت پر نظر کر کے اس درجۂ اظہارِ قصور کیا کرتے تھے کہ اُن کے آنسو نہ رُکتے تھے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات میں یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یوں کہتے تھے: اے اللہ! میں بہت قصوروار ہوں، مجھ پر خاص اپنا لطف و کرم کر دینا، میرے گناہ بہت ہیں اور میرا زادِ راہ بہت ہی کم ہے۔

اور بات یہ ہے کہ کیسا ہی بڑا گنہگار ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم کی کوئی حد اور ٹھکانہ نہیں، وہ بڑے سے بڑے گنہگار کو معافی اور بخشش دیتا ہے۔ پس ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت یہی کہتے رہنا چاہیے کہ میری غفلتوں اور تقصیرات و کوتاہیوں کی کوئی حد نہیں ہے اور میں اپنے گناہوں کے سمندر میں مستغرق اور ڈوبا ہوا ہوں، اس لیے آپ مجھے کوئی نعمت میرے استحقاق کی وجہ سے دیں اس کا تو میں دعویٰ نہیں کرتا لیکن جب آپ کریم ہیں اور بے انتہا کرم کرنے والے ہیں تو پھر میں آپ کے کرم سے ہر خیر اور بھلائی مانگتا ہوں۔ اور اس کی بھی آپ ہی سے توفیق مانگتا ہوں کہ مجھے آپ یہ خوبی عطا فرما دیں کہ ہر دم میں آپ ہی پر فدا رہوں اور آپ ہی کی ہر ادا اور فیصلے پر میں دل سے راضی اور خوش ہو کر اُس پر قربان ہو جاؤں۔ مجھے رضا بالقضاء کی نعمت حاصل ہو جائے کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی ہر ادا اور عمل خیر و حکمت سے بھری ہوئی ہے۔

اس کے بعد اگلے چند اشعار حضرت میر صاحب دامت برکاتہم سے متعلق ہیں۔ جس کے متعلق خود میر صاحب نے لکھا ہے کہ دارالعلوم مدنیہ بفیلو میں بعد از طعام دوپہر جب حضرت والا استراحت فرما رہے تھے اُس وقت چند منٹ میں یہ اشعار وارد ہوئے اور جب احقر کے متعلق یہ شعر فرمایا ؎

تم خود ہی آگئے ہو میرے جذبِ عشق سے
میرا تو میرؔ تم سے کوئی مدعا نہیں

اس وقت حضرت والا کی محبت میں حضرت والا ہی کی برکت اور فیضانِ توجہ سے احقر نے یہ شعر عرض کیا ؎

دیکھے ہزار شمس و قمر کائنات میں
دنیا میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں

خلاصہ ان اشعار کا یہ ہے کہ حضرت والا کی کمالِ محبت اور وفورِ عشق سے حضرت میر صاحب خود ہی حضرت

والا کی طرف متوجہ ہوئے اور گویا حضرت کے جذبِ عشق نے میر صاحب کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ خوبی ہر شخص میں نہیں ہوتی، اللہ کے خاص بندوں کو ہی یہ عطا ہوتی ہے کہ وہ اپنے متعلقین سے ایسی محبت ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو اُن سے مل لیتا ہے وہ اُنہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اکثر بزرگوں سے متعلق یہ بات سنی جاتی ہے اور کیوں نہ ہو یہی ہمارے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خوبی اور وصفِ کمال تھا کہ دُشمن بھی آپ سے مل کر اپنائیت محسوس کرتا تھا۔ اس لیے حضرت والا کا یہ فرمان بالکل بجا ہے کہ حضرت کے جذبِ عشق کا اثر میر صاحب کا وجود ہے۔ ورنہ میر صاحب سے حضرت کو کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اور یہ حضرت میر صاحب کی خوش نصیبی ہے کہ اُس دور میں جبکہ کوئی خاص حضرت کے ماننے اور جاننے والے لوگ نہیں تھے، میر صاحب کو ربطِ میکدے کی دولت میسر آئی کہ جہاں سے اُن کو شرابِ محبتِ خداوندی پلایا جانا اللہ کی طرف سے منظور ہو چکا تھا۔ ورنہ ظاہر میں حضرت والا اپنی ایسی مشیخت کی شان بنائے ہوئے نہیں تھے اور نہ ہی اُس وقت حضرت والا کے اردگرد مریدین اور متعلقین کا کوئی بھیڑ اور جمگھٹا رہتا تھا، اس لیے اس کو حضرت میر صاحب کی کمالِ بصیرت کہا جائے گا کہ اپنی مزاجی مناسبت کے مطابق وہ اپنا شیخ پہچان کر اس پر مضبوطی سے جم گئے۔ اگر چہ لوگوں کی طرف سے کچھ ملامتیں اور اعتراضی جملے بھی سننے پڑے۔ مگر حضرت میر صاحب نے اُن کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جیسا کہ ماقبل مقام پر بھی گزر چکا ہے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگر چہ دیکھنے میں حضرت میر صاحب اہلِ دنیا کی نگاہوں میں خوشنما نہیں ہیں اور نہ ظاہری زیبائش و آرائش کے اعتبار سے کوئی اونچی شخصیت معلوم ہوتے ہیں، نہ عمدہ گاڑیاں اور بنگلے اُن کے پاس موجود ہیں لیکن وہ جو دردِ دل اپنے سینے میں نہاں رکھتے ہیں وہ ہزار بنگلوں اور چمنوں کے لیے باعثِ رشک ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میرے شیخ کے مطابق بدگمانی نہ کرو، ذرا اُس کی کشتی میں بیٹھ کر دیکھو پھر تمہیں پتا چل جائے گا کہ یہ ایسا ماہر کشتی کا ناخدا ہے کہ جب بھی حالات کے طوفانوں اور موجوں کی بھنور میں کشتی پھنستی ہے تو یہ کس خوش اسلوبی کے ساتھ اس میں سوار مسافروں کو بچا لیتا ہے۔ اور کیسے خوب انداز سے کشتی کو ساحل پر لگا دیتا ہے۔ لیکن جو بدنصیب اپنے مقدر میں بدگمانی لیے ہوئے ہو تو نہ وہ کشتی میں بیٹھنا پسند کرتا ہے اور نہ اُسے ساحل کا لطف کبھی حاصل ہو پاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ جتنے بھی اشعار ہیں میرے مرشد کا فیض ہے۔ ورنہ یہ مضامینِ عالیہ اور علومِ رفیعہ میرے پاس موجود ہیں اور نہ ہی میں نے شعر و شاعری کہیں سیکھی ہے۔ بس مرشد کے فیض سے حق تعالیٰ کرم فرماتے ہیں اور قلب پر یہ علوم و معارف القاء کر دیتے ہیں جن کو اختر اشعار کی صورت میں ڈھال کر پیش کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا صاحبِ نسبت اللہ والے سے وابستہ ہونے اور اُن سے اصلاحی تعلق کر کے فیض اُٹھانے کا اثر ہے۔

اخیر میں حضرت والا نے وہی نصیحت دھرائی ہے جو کتاب میں جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہوئے چلے آ رہے ہیں کہ اے اللہ کی محبت کے چاہنے والو! یہ بات یاد رکھنا جب تک غیرِحق تعالیٰ سے دل کسی بھی درجے میں مانوس رہے گا اور اُس سے اُمید وخوف کے کسی بھی پہلو سے قلب کو وابستگی رہے گی یا غلط سلط تعلقات سے دل جڑا رہے گا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ سے آشنائی نہیں ہوسکتی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب اور اس کی معرفت بھی حاصل ہوجائے اور غیراللہ دل میں بسا رہے اور بزمِ غیر سے دل آشنا رہے یہ دو باتیں کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا اگر عشقِ حق پانا چاہتے ہو تو بزمِ غیر کو خیرآباد کہنا پڑے گا اور خالص اپنے مولا کا بننا ہوگا۔

آہ جو دل ترے غم کا حامل نہیں

آہ جو دل ترے غم کا حامل نہیں ۔۔۔ دو جہاں کا مزہ اس کو حاصل نہیں
ورنہ ہم چاہنے کے تو قابل نہیں ۔۔۔ آپ چاہیں ہمیں یہ کرم آپ کا
اس کا غم غم نہیں، اس کا دل دل نہیں ۔۔۔ صحبتِ اہلِ دل جس نے پائی نہ ہو
ہو کے منزل بھی وہ میری منزل نہیں ۔۔۔ جس جگہ آپ کا قرب ملتا نہ ہو
تیری اُلفت کے غم کا وہ حامل نہیں ۔۔۔ غیرِحق سے لگاتا ہے جو اپنا دل
کوئی لیلیٰ نہیں کوئی محمل نہیں ۔۔۔ آپ کا ہوں میں بس اور کسی کا نہیں
بحرِ اُلفت کا کوئی بھی ساحل نہیں ۔۔۔ کہہ رہا ہے یہ اختر بہ بانگِ دہل

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **حامل**: اُٹھانے والا۔ **صحبت**: ساتھ رہنا۔ **اہلِ دل**: اللہ والے۔ **قرب**: نزدیک ہونا، خاص تعلق۔ **محمل**: کجاوہ لکڑی کی وہ چیز جسے اونٹ پر بیٹھنے کے لیے رکھتے ہیں۔ **ببانگِ دہل**: علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر۔

حضرت والا کی چند قیمتی نصیحتیں

اس نظم کے تمام اشعار کے مضامین کتاب کے مختلف حصوں میں کثرت کے ساتھ آچکے ہیں۔ بس ان کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا خاص درد دل میں حاصل نہ ہو اُسے آخرت کا مزہ نصیب ہوگا ہی نہیں لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ اُس کی دنیا کی زندگی بھی بڑی بے مزہ اور مکدر کردی جاتی ہے اور اُسے یہاں بھی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں حاصل کرلے تو اُسے لطفِ دو جہاں حاصل ہوجاتا ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کا محبوب بن جانا صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اثر اور نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہم جیسے نالائقوں کو اپنا محبوب بنالیتے ہیں، ورنہ حقیقت میں ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں چاہیں، کیونکہ اللہ کی پاکی اور عظمت و بڑائی اور ہم جیسے ماءِ مہین (ناپاک قطرے) سے پیدا ہونے والی مخلوق اور ہر طرح سے ناقص اور بے

حیثیت اور نا قابل و نا کارہ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے اپنی ولایت و دوستی کا اعلان فرماتے ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ یہ شانِ محبوبیت اور حق تعالیٰ کا دردِ محبت اور اُس کا خاص غم عطا کیا جانا سنت اللہ یہی ہے کہ انہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اہلِ دل اللہ والوں کی صحبت اُٹھائے ہوئے ہوں۔

اللہ کے نیک بندوں کے لیے وہی جگہ محبوب ہوتی ہے کہ جہاں کچھ اللہ والے رہتے ہوں اور اُس جگہ میں حق تعالیٰ کی عظمت و محبت کی باتیں ہوتی ہوں اور محبتِ خداوندی کے خزانے تقسیم کیے جاتے ہوں حقیقت میں طالبِ صادق کی منزل ایسی ہی جگہ ہوا کرتی ہے۔ یوں تو اہلِ دنیا کی نگاہوں میں بہترین مکانات، شاندار بنگلے، عمدہ سیر و تفریح گاہیں وغیرہ وغیرہ بہت سی منزلیں ہوا کرتی ہیں لیکن حضرت والا فرماتے ہیں اے میرے اللہ! جس جگہ مجھے آپ کا قرب ملتا نہ ہو تو وہ جس کی منزل ہو سو ہوا کرے، مگر وہ میری منزل نہیں۔

اس کے آگے حضرت فرماتے ہیں کہ جو شخص غیرِ حق تعالیٰ سے اپنا دل لگاتا ہے تو اُسے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے غم کا حامل نہیں ہے اور اور اسے حق تعالیٰ کی اُلفت حاصل نہیں ورنہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسا محبوب اللہ دل میں ہوتے ہوئے وہ دنیا کی چیزوں اور حسینوں سے دل کو لگاتا کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات ہر طرح کے کمال و جمال سے مکمل و مجمل ہے، جس میں نہ کوئی نقص ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی کمی۔ بس کسی اور جگہ دل لگانا یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی دل میں مولا موجود نہیں۔

ورنہ جس کے دل میں مولا آجائے اُس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے اللہ پر فدا رہتا ہے اور زبانِ حال سے ہر گھڑی اُس کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ اے خدا! میں صرف آپ کا ہوں اور کسی کا نہیں ہوں۔ اور اگر بظاہر دوسروں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا اور اُن کے حقوق ادا کرنے کا کام انجام دے رہا ہوں تو وہ آپ ہی کے محبت کے تقاضے سے کر رہا ہوں ورنہ میں کسی کو قریب بھی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ دل کا حال یہ ہے نہ میری کوئی لیلیٰ ہے اور نہ ہی کوئی محمل ہے، نہ میں نے اپنے دل میں کسی کو بسایا ہے اور نہ ظاہری میرا کسی قسم کا کوئی سہارا ہے۔ اس لیے میں ہر اعتبار سے صرف آپ ہی کو اپنا سمجھتا ہوں، آپ کے سوا نہ میں کسی کا ہوں اور نہ کوئی میرا۔

آخری شعر میں حضرت والا ارشاد فرما رہے ہیں کہ اختر بابانگِ دہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی غیر محدود شے ہے جس کا کوئی ساحل اور کنارہ نہیں ہے، اس لیے اس دریا میں داخل ہونے کے بعد آدمی تیرتا رہے اور ہر قدم پر اپنی منزل پاتا رہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہت سی مرتبہ سالکین جب نئے اچھے حالات سے گزرتے ہیں تو اپنے پچھلے حالات کو سوچ کر مایوس اور اُداس ہونے لگتے ہیں حالانکہ اس راستے میں چلتے ہوئے ہر آنے والے دن جب بندہ ترقی کرتا ہے تو اگرچہ گزرے ہوئے حالات اُس درجے پر نہ ہونے کی وجہ سے اسے غفلتوں سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن اُن کو سوچ کر یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں

ہوا۔ اپنی اتنی پہچان ہو جانا کہ میں غفلت میں ہوں اور گزری ہوئی حالت کا اس طرح فرق و امتیاز ہو جانا یہ خود قلب میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کے درجات حاصل ہونے اور اس میں ترقی کی نشانی اور علامت ہے۔ اس لیے اس طرح کی صورتحال سے کبھی مایوس اور نا اُمید نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہر اللہ والے کو مرتے دم تک حاصل ہوتی رہتی ہے کہ وہ ہر آنے والے دن میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی نئی شان لیے ہوئے ہوتے ہیں اور اس میں دن بدن اضافہ اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے خود اولیاء اللہ کے مراتبِ قرب جدا جدا ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک کی شانِ محبت علیحدہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس لیے جس محبت کا تعلق اللہ کی ذات سے ہوگا اُس کے بارے میں یہ بات لازم اور ضروری ہے کہ اُس بحرِ اُلفت کا کوئی ساحل ہونا چاہیے۔

پھول ان کے سدا بہار نہیں

قلب جو غم سے ہمکنار نہیں ۔۔۔ خارِ صحرا ہے گلعذار نہیں
موسمِ گل جو کل خزاں ہوگا ۔۔۔ اس خزاں کو سمجھ بہار نہیں
ان کے عارِض کی عارضی ہے بہار ۔۔۔ پھول ان کے سدا بہار نہیں
جن کی آنکھوں سے کتنے بسمل تھے ۔۔۔ ان کا دیکھا ہے کیا مزار نہیں
ایسی اُلفت کا کیا سہارا ہے ۔۔۔ رنگِ فانی کا اعتبار نہیں
موت سر پر کھڑی ہے اے عشرت ۔۔۔ اب تو غفلت میں دن گذار نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **ھمکنار**: بغل گیر، گلے ملنے والا۔ **خارِ صحرا**: صحرا کا کانٹا۔ **گلعذار**: گلعذار سے یہاں پھول مراد ہے۔ **موسمِ گل**: بہار کا موسم۔ **عارض**: رخسار/گال۔ **عارضی**: ختم ہوجانے والی/ذرا دیر کی۔ **سدا**: ہمیشہ تروتازہ رہنے والا۔ **بسمل**: زخمی۔ **مزار**: قبر۔ **فانی**: فنا (ختم ہوجانے والا)۔ **عشرت**: حضرت والا کے خادم خاص میر صاحب کا نام۔

عارضی حسن کی بہار کسی حسین کے مزار میں دیکھو

اللہ تعالیٰ کی محبت جن دلوں میں موجود نہیں ہوتی اور وہ محبتِ خداوندی یا راہِ خداوندی کے غم سے ہمکنار نہیں ہوتے تو چاہے اُن کے پاس ظاہری زیب و زینت کے نقشے خوب موجود ہوں لیکن ان سب نقشوں کے باوجود اور سامانِ عیش و عشرت کے ہوتے ہوئے اُن کو وہ گلعذار نہیں ہوتے کیونکہ دل اُن کا خارستان بنا ہوتا ہے اور تکلیفوں و پریشانیوں کے کانٹے دل میں چبھ کر اُنہیں اس قدر بے چین کیے رہتے ہیں کہ پھر اُن کو خارِ صحراء کہنا بالکل بجا اور درست ہوتا ہے۔

ایسے گل اور پھول کہ جن کا موسم آج بظاہر تروتازہ دکھ رہا ہے لیکن کل وہ خزاں میں تبدیل ہونے والا ہے، اُس کو بہار سمجھنے کا انجام اسی بلبل کی طرح ہے جو موسمِ بہار کو دل دے کر خزاں میں روتی پھرتی ہے۔ یہی حال کسی کے محبوب کے عارض کی پُرکشش اور جاذب صورت حال ہے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ کر دیوانہ بنا دیتی ہے، مگر وہ بہار

بھی عارضی ہے۔عنقریب بڑھاپا جب آ لگے گا تو اُس کی بہار بھی ختم ہوتی نظر آئے گی۔اسی طرح وہ معشوق و معشوقائیں جن کی آنکھوں سے کتنے ہی بسمل ہو جاتے اور اُن کی محبت میں دیوانہ ہو کر تڑپ اُٹھتے تھے، کوئی غور کرکے تو دیکھے آج زیرِ زمین ہو کر اُن کی قبریں عبرت کا نشان بنی ہوئی ہیں۔

سوچو تو سہی! ایسی اُلفت و محبت کا کیا سہارا ہے جس کی بنیاد ہی رنگِ فانی اور حسنِ عارضی پر رکھی گئی ہے۔ اے نادان! تیرے سر پر موت کھڑی ہوئی ہے، کیا تجھے یہ پتہ نہیں کہ اپنے مولا سے دن گزار کر اُسے جواب دینا مشکل ہوگا اور پھر ان غفلت کی گھڑیوں پر ایسی ندامت و حسرت ہوگی جس کی تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ رہے گی۔ اس لیے موت سے عبرت پکڑ اور اُس سے سبق لے کہ جس محبوب اور دوست کے مرنے کے بعد بھی جدائیگی نہیں ہے اُس سے دوستی رکھ اور جو کچھ عارضی ہے اُسے اپنے دل سے نکال باہر کر۔

غیر فانی بہار دیتا ہے

نفس اپنا جو مار دیتا ہے — روح کو صد قرار دیتا ہے
شیخ کامل کے فیض کو دیکھو — رند کو بھی سنوار دیتا ہے
عشق تجھ پر ہو بارشِ رحمت — غیرفانی بہار دیتا ہے
نفس دُشمن کی بات مت مانو — گُل کے بدلے یہ خار دیتا ہے
عشق مجبور بے زباں ہو کر — دیدۂ اشکبار دیتا ہے
کیا ملے گا گناہ سے اختؔر — لعنتیں بے شمار دیتا ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ صد: سو۔ **قرار**: چین اور سکون۔ **رند**: شراب پینے والا، گنہگار۔ **سنوار**: سنوارنا یعنی سجانا، اصلاح کرنا مراد۔ **غیر فانی**: ہمیشہ کی۔ **گُل**: پھول۔ **خار**: کانٹا۔ **دیدۂ اشکبار**: رونے والی آنکھ۔ **لعنتیں**: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ﴾

(الحدیث)

کہ عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو کنٹرول کرے اور اُس کی خواہش اور تقاضے پر عمل نہ کرے بلکہ اُس کو مغلوب کردے۔اور بالفاظ دیگر اپنے نفس کو مار دے اور بے وقوف آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے ڈال دے اور نفس کی چاہت اور اُس کے تقاضوں پر عمل کرنے لگے۔اس سے معلوم یہ ہوا کہ نفس کی چاہت اور تقاضے پر عمل نہ کرنے سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ایمان کی حلاوت ملتی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں ایسے آدمی کو عقلمند اور

سمجھدار قرار دیا جاتا ہے اور یہی چیز روح کی غذا ہے ورنہ جب نفس کی چاہتوں کو پورا کیا جاتا ہے تو قلب و روح بے چینی اور پریشانی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو اپنا نفس مارتا ہے وہ اپنی روح کو صد قرار دیتا ہے اور سمجھدار آدمی کے لیے سمجھنے کے واسطے یہ بات کافی ہے کہ دیندار بننے سے سکون کیوں ملتا ہے؟ اس لیے کہ دیندار آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے اور نفس کی خواہش کو پیچھے ڈال دیتا ہے تو پھر اُس کی روح کو قرار و اطمینان نصیب ہو جاتا ہے جو انسان کے چین وسکون کی جڑ اور بنیاد ہے۔

اور جو لوگ بآسانی اس نعمت کو پانا چاہیں تو وہ کسی شیخ کامل کے ساتھ جڑ جائیں جس کی صحبت میں یہ اثر ہوتا ہے کہ اُس سے رند بھی سنور جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو گناہوں کی لذتوں سے آشنا ہو کر اُسی کے ہو بیٹھے ہیں وہ بھی شیخ کامل کے فیض سے رشکِ اولیاء بن جاتے ہیں۔

اور انہی کی صحبت میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا عشق حقیقی انسان کو نصیب ہوتا ہے جو اتنی قیمتی چیز ہے کہ بقول حضرت والا اے عشق! تجھ پر ہزار بار بارشِ رحمت ہو کہ تیری برکت سے ہمیں غیر فانی بہار نصیب ہوئی کیونکہ اللہ کی محبت سے جو بہار ملتی ہے اُسے نہ دنیا میں رہتے ہوئے کسی بھی موسم اور حالت میں خزاں لگتی ہے اور نہ مرنے کے بعد اُسے زوال لاحق ہوگا، وہ دائمی اور باقی رہنے والی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ اور اگر نفس دُشمن کی باتوں میں پڑ جائے، اُس کو کنٹرول نہ کرے تو پھر وہی انسان جو اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کو حاصل کرتا اور اُسے زندگی میں مختلف قسم کے پھولوں کی نعمت ملتی اور مختلف قسم کی راحتوں اور لذتوں سے اسے سرفراز کر دیا جاتا مگر اب جبکہ نفس دُشمن کی بات مان کر زندگی گزار رہا ہے تو یہ سمجھو کہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو ایسی پُر خار وادی میں ڈال دیا ہے جہاں سوائے زخموں کے اور اُن سے ہونے والی تکلیفوں کے اور کچھ میسر نہیں۔ جیسا کہ رات دن گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی حالتوں کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ انہیں کسی طرح چین وسکون میسر نہیں آتا۔

اور اللہ تعالیٰ کے عشق کی ایک خوبی یہ ہے کہ اگر عاشق کبھی اپنے محبت کے جذبات کو لوگوں میں زبانی طور پر ظاہر نہ کر سکے پھر بھی حق تعالیٰ کی محبت کا دریا جو اُس کے دل میں مؤجزن ہے اُس سے کچھ قطرے، اُس کی اشکبار آنکھوں میں نظر آ جاتے ہیں اور اُسے یہ دیدۂ اشک بار مل جاتی ہے جو خود حق تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے کہ اُس کا ایک قطرہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے۔

اے لوگو! اختر کی یہ نصیحت سن لو کہ گناہوں میں پڑ کر سوائے اللہ تعالیٰ کی لعنت وغضب اور عقاب وعذاب کے اور کچھ میسر نہیں۔ دنیا میں بھی لعنتی زندگی اور آخرت میں بھی انتہائی تکلیف اور بے چینی والی حیات فاسقوں و فاجروں کو نصیب ہوگی۔ اس پر ایک بات دل میں آتی ہے جس کو یہاں عرض کرنا مناسب ہے کہ ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا گناہ اُتنے کرو جتنا تم میں عذاب سہنے کی طاقت ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہم کتنا عذاب سہنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اسے میں صرف ایک مثال سے یوں عرض کیا کرتا ہوں کہ کبھی غسل خانے میں شاور کھولتے وقت ٹھنڈے اور گرم پانی کو ملایا نہ جائے بلکہ صرف گرم پانی کھول کر اس کے نیچے بیٹھ کر دیکھا جائے کہ میرے اندر کتنی دیر اس کو سہارنے کی طاقت و ہمت ہے، جبکہ وہ صرف گرم پانی ہے آگ نہیں اور اگر آگ بھی ہو تو دنیا کی آگ ہے آخرت کی نہیں جو کہ انہتر گنا مزید بڑھائی ہوئی ہے۔ اور ایک مؤمن کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان سے یہ خبر بتائی ہوئی سچی خبر ہے جس پر ایمان لانا لازم اور ضروری ہے تو غور کر لینا چاہیے کہ اُس کو سہنے کی طاقت و ہمت ہمارے اندر کتنی موجود ہے؟ اور پھر گناہ کی جرأت و جسارت پر نظرِ ثانی کر لینی چاہیے۔

بہارِ عشق حقیقی

عشق دل کو بہار دیتا ہے جذبۂ جاں نثار دیتا ہے
طاعتِ مختصر پہ میرا کریم اجر کیا بے شمار دیتا ہے
اہلِ دل کے کرم کا کیا کہنا دردِ دل بار بار دیتا ہے
کیا کرامت ہے نورِ تقویٰ کی روح کو اک قرار دیتا ہے
حسن فانی سے دھوکہ مت کھانا ایک فانی خمار دیتا ہے
پھول بس اپنی بے وفائی سے عندلیبوں کو خار دیتا ہے
راہِ تقویٰ میں غم جو ہے اختؔر زندگی پُر بہار دیتا ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **جاں نثار**: جان قربان کردینے کا جذبہ۔ **طاعتِ مختصر**: چھوٹی سی نیکی۔ **اجر**: بدلہ، ثواب۔ **اھلِ دل**: اللہ والے۔ **کرامت**: بڑائی۔ **تقویٰ**: اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گناہوں سے بچنا۔ **قرار**: چین اور سکون۔ **خمار**: نشہ۔ **عندلیبوں**: بلبل۔ **راہ**: راستہ۔

عشق سے دل کی بہار قائم ہے

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ جسم کے رب ہیں اسی طرح روح کے بھی رب ہیں۔ تو جسم کے غذا کے ساتھ ساتھ اللہ روح کی غذا کا بھی انتظام فرماتے ہیں۔ اور جب انسان کو دونوں طرح کی غذا ملتی ہوں تو اُس کا جسم اور روح دونوں صحیح سلامت رہتے ہیں۔ جسم کی سلامتی کی غرض اور مقصد اُس کا اس سمت میں استعمال ہونا ہے جدھر اللہ تعالیٰ نے اُسے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور روح کی سلامتی اور صحت کا مقصد انسان کے اندر وہ جذبہ پیدا کرنا ہے کہ پورا بدن اُس جذبۂ حق کی وجہ سے صحیح رُخ پر کام کر رہا ہو۔ تو جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عشق و محبت کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ عشق دل کو بہارِ حقیقی عطا فرماتا ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ پر جاں نثار کرنے کا جذبہ عطا کرتا ہے۔

اس لیے کہ بندگی کا صحیح تقاضا یہی ہے کہ جس نے جان دی ہے اور قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تو وہ

جان اور اُس کی تمام صلاحیتیں اُسی عطا کرنے والے خالق و مالک پر فدا ہونی چاہیے۔ اس لیے روح میں عشقِ خداوندی میں حاصل ہونے کی نشانی اور پہچان یہی ہے کہ پھر وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر فدا اور نثار رہتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کو بھی نہیں توڑتا اور جن جگہوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہاں سے قوت کے ساتھ پرہیز کرتا ہے۔ یہی اصل جذبۂ جانثاری کی حقیقت ہے۔

طاعت مختصر پر کریم کا کرم دیکھئے

اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس پر فدا کرتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے اُسے عظیم الشان بدلہ دیا جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی شانِ کریمی سے طاعتِ مختصر پر اجر بے شمار اور لامحدود عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم اگر غور سے دیکھیں تو دنیا میں انسان کی قیمتی عبادتیں زیادہ سے زیادہ سو ڈیڑھ سو سال ہوا کرتی ہیں لیکن اس پر ملنے والا اجر جو جنت کی صورت میں عطا ہوتا ہے وہ ایک لامحدود مدت کے لیے ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ انسان کی اطاعت مختصر اور محدود اوقات میں ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو اجر اُس پر عطا فرماتے ہیں وہ دنیا و آخرت دونوں میں بے شمار دیتے ہیں۔ ورنہ جتنا وقت عبادت میں گزرا بظاہر اُتنا ہی اجر ملنا چاہیے یا جتنا عمل کیا اُتنا ہی بدلہ بھی ہو مگر اللہ تبارک وتعالیٰ ایک کو بڑھا کر دس میں اور پانچ سو میں اور پھر پانچ لاکھ میں اور بے حساب اضافہ اپنی شایانِ شان عنایت فرمادیتے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب بڑھانے کے لیے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہی نماز گھر پر پڑھی جائے اُس کے مقابلے میں اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی تو اُس کا ثواب ستائیس گنا مزید بڑھ جاتا ہے اور پھر اگر مسواک کر کے پڑھی جائے اور بیت اللہ میں پڑھی جائے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلا ہوا ہو اور رمضان المبارک کا مہینہ ہو پھر یہی نماز پڑھی جائے تو اجر اس طرح بڑھتا چلا جاتا ہے کہ بظاہر دنیا کے کمپیوٹر بھی اس کا حساب نہیں لگا سکتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا معاملہ ہے کہ اجر و ثواب نیت و اخلاص کے مطابق اتنا زیادہ بڑھتا چلا جاتا ہے کہ معمولی مال اخلاص کے مطابق اجر و ثواب میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا اور خود اپنی ذات کے ساتھ صحیح ہمدردی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر فدا ہو اور اپنی زندگی اُسی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں خرچ کر دے۔

اور اللہ تعالیٰ جنہیں اپنی محبت کا دردعطا فرماتے ہیں اور جو لوگ واقعی معنی میں اہلِ دل اولیاء اللہ ہوا کرتے ہیں، اُن کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص معاملہ ہوا کرتا ہے کہ اُنہیں اپنی محبت کا درد نعمتِ خاصہ کی شکل میں بار بار نئی شان کے ساتھ عطا فرماتے رہتے ہیں اور اُن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم بار بار نازل ہوتا رہتا ہے کہ انہیں حق تعالیٰ اپنی محبت میں قدم بہ قدم اضافہ عطا فرماتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے دل پر اُس کا فضلِ خاص نصیب ہوتا رہتا ہے۔

روح کا قرار تقویٰ کی کرامت ہے

جسے اللہ تعالیٰ نورِ تقویٰ عطا فرما دیتے ہیں تو اس کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کی روح بہت ہی عافیت اور راحت میں رہتی ہے اور تقوے کی برکت سے اُس کے دل کو عجیب قرار اور سکون میسر آ جاتا ہے۔ بے چینی اور پریشانی جو اصل میں قلب و روح کی صفت ہے وہ اس سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر اُس کی بدولت اس کے جسم و جان مجسم چین و سکون بن جاتے ہیں۔ دوسری جانب وہ لوگ جو حسنِ فانی کے چکروں میں پڑ کر گندے عشق کے راستے سے سکون اور آرام پانا چاہتے ہیں اور اپنی روح کو لذت دینے کی تمنا میں پھرتے ہیں انہیں سوائے ایک فانی خمار اور نشے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لیے اے لوگو! حسنِ فانی سے دھوکہ مت کھاؤ ورنہ بظاہر اس کا نشہ روح کو چڑھ جائے گا جو تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔ تم غور سے دیکھو کہ پھول نے بلبل کو کس طرح ظاہری طور پر وفا کے خواب دکھائے تھے لیکن جب وہ مرجھا کے موسمِ خزاں میں ختم ہو گیا تو بلبل اُس پھول کی بے وفائی سے اب اُسے کانٹا سمجھ رہی ہے اور انجام کار بلبل کے لیے وہ ایسے ہی باعث تکلیف بن گیا جیسا کہ کانٹا باعثِ اذیت ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی راستے میں جو گناہوں سے بچنے کا غم اگرچہ ظاہری طور پر دل کو وہ صدمہ و رنج میں مبتلا کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ راہِ تقویٰ میں غم اُٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ اُس شخص کو پُر بہار زندگی دے دیتے ہیں۔ گویا اُس غم کا نتیجہ خوشی میں اور تکلیف کا راحت میں سامنے آتا ہے۔

شانِ گل ننگِ خار ہوتی ہے

جب خدا پر نثار ہوتی ہے　　زندگی پُر بہار ہوتی ہے
جرمِ غفلت کی مرتکب ہو کر　　زندگی بے قرار ہوتی ہے
صحبتِ اہل دل کی برکت سے　　ہر کلی گلعذار ہوتی ہے
کون رُخصت ہوا گلے مل کے　　ہر کلی اشکبار ہوتی ہے
روحِ اخلاص گر نہیں شامل　　یادِ حق کاروبار ہوتی ہے
اُن کی ناراضگی سے اے اختر　　شانِ گل ننگِ خار ہوتی ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ نثار: قربان۔ **مرتکب**: ارتکاب کر کے مرتکب ہونا یعنی کسی کام کو کرنا۔ **بے قرار**: بے چین۔ **گلعذار**: پھول بننا یعنی اللہ تعالیٰ کی جستجو کرنے والا اللہ والوں کے ساتھ رہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کو پالیتا ہے۔ **رخصت**: جدا۔ **اشکبار**: آنسو بہانا۔ **روحِ اخلاص**: ہر کام خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا۔ **یادِ حق**: ذکر و فکر۔ **ننگِ خار**: جس سے کانٹا بھی شرما جائے۔

ذاکر پُر بہار اور غافل بے قرار

جب زندگی اللہ تعالیٰ پر فدا ہوتی ہے تو بلاشک وشبہ اُس آدمی کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی میں عجیب بہار میسر آجاتی ہے اور اُس کے لیے حق تعالیٰ ہر سمت میں بہاریں اور رونقیں رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس کی اولاد اور گھر والے، اُس کے اقرباء واعزاء اور دوست واحباب بھی اُس سے ایک خاص قسم کی عزت وعظمت کا معاملہ کرتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں ہوتی۔ اپنا اور پرایا سب اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُس کے کاروباری مسائل اور زندگی کے دوسرے انفرادی واجتماعی حالات اُس کے لیے بالکل سہل اور آسان کردیے جاتے ہیں اور سب کچھ اُسے اپنی تائید وحمایت میں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اس کے وعدے مذکور ہیں جن کا تذکرہ مختلف مقامات پر آیا بھی ہے۔

لیکن جو شخص غفلت کے جرم کا مرتکب ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے احکام کی پابندی سے غافل ہوکر زندگی گزارتا ہے تو پھر اُسے زندگی کی ظاہری تمام راحتوں اور عیش وعشرت کی چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی قرار اور سکون میسر نہیں آتا۔ اور اُس کی زندگی عجب بے چینی اور پریشانی کا شکار رہتی ہے۔ کیونکہ گناہوں میں جہنم کا اثر رکھا گیا ہے کہ جس طرح جہنم میں داخل ہوکر انسان بے چین وپریشان رہے گا اسی طرح دنیا میں گناہوں میں پڑ کر اُسے بھی دے دی جاتی ہے۔

صحبت اہل دل اور اخلاص کی اہمیت

البتہ اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے جس میں معمولی صلاحیت ہو وہ بھی نکھر کر ایسا ہوجاتا ہے جیسا کلی کو اللہ تعالیٰ گلعذار کردیتے ہیں۔ جن کی صحبت کی برکت سے اور اُن کی ملاقات ومعیت ورفاقت سے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا ایسا خاص انعام عطا فرماتے ہیں کہ اُس کو ہر دلعزیز بنادیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص اس کی ملاقات کا خواہاں اور متمنی ہوتا ہے اور اس کی جدائیگی پر اشکبار نظر آتا ہے

یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر عمل اخلاص کے ساتھ ہی معتبر اور بارآور ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت اور اُس کی یادوں اور تذکروں کا معاملہ بھی اخلاص ہی کے ساتھ دنیا وآخرت کے چین وسکون کا ضامن ہے۔ اور اگر روحِ اخلاص شامل نہ ہو تو پھر یادِ حق بھی ایک کاروبار ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ بہت سے دنیادار پیر اور مشائخ اس کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ اور کاروبار بنائے ہوئے ہیں اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے دنیا کی عارضی اور فانی لذت اور جاہ وعزت کے حصول کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غصے کا باعث ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوں تو پھر ظاہری زیب وزینت اور شان وشوکت کے ہوتے ہوئے وہ شخص کسی بھی طرح سے کامیاب اور بامُراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ایسی خطرناک چیز ہے کہ جس سے

شانِ گل ننگِ خار ہوجاتی ہے۔ اور بڑے بڑے ظاہری اسبابِ عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگیوں کے باعث حقیقی راحت وآرام سے محروم کردیے جاتے ہیں اور وہ پھولوں میں ہوتے ہوئے کانٹوں کی تلخیاں چکھتے ہیں، اس لیے اُن کی شانِ گل ننگِ خار بن جاتی ہے۔ اس لیے ہم سب کے لیے سب سے زیادہ بچنے کی چیز اللہ تعالیٰ کا غصہ اور اُس کی ناراضگی ہے اور جب حق تعالیٰ کی اطاعت نہ ہو اور گناہوں سے حفاظت اور بچنے کا اہتمام نہ ہو یا پھر سب کچھ ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی یاد اخلاص کے ساتھ نہ ہو تو ایسی صورتوں میں حق تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ نازل ہوتا ہے جس سے ظاہری اچھی زندگی بھی تلخ اور کڑوی کردی جاتی ہے اس لیے سب سے زیادہ بچنے کی چیز یہی ہے۔

سنو طرزِ فریاد آہ وفغاں میں

عنادل بھی ہیں زاغ بھی بوستاں میں
کرو منتخب صحبتیں اس جہاں میں

ہے محبوب کس کی رفاقت بتادو
گلوں کی یا خاروں کی اس گلستاں میں

گلوں کی حفاظت ہے خاروں سے ناداں
نہیں بے ضرورت ہیں یہ بوستاں میں

یہ خیر القروں سے چلا آرہا ہے
منافق بھی تھے محفلِ دوستاں ہیں

ستائے اگر کوئی ظالم کسی کو
سنو طرزِ فریاد آہ و فغاں میں

بفیضانِ مرشد ولایت ملے گی
عبادت کرے لاکھ زاہد جہاں میں

خدا نے بنایا ہے بے مثل اُن کو
محمد ہیں بے مثل دونوں جہاں میں

اگر خار ہیں سایۂ گل میں اختر
نہیں بارِ خاطر دلِ باغباں میں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **عنادل**: بلبل۔ **زاغ**: کوا۔ **بوستاں**: باغ۔ **صحبتیں**: ساتھ رہنا۔ **محبوب**: پسندیدہ۔ **رفاقت**: ساتھ رہنا۔ **گلستاں**: باغ۔ **خیر القروں**: بہترین زمانہ، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ مراد ہے۔ **محفلِ دوستاں**: دوستوں کی محفل۔ دوستوں سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ **طرز فریاد**: اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ۔ **آہ و فغاں**: رونا دھونا۔ **بفیضان مرشد**: اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلانے والے کے ذریعہ۔ **ولایت**: اللہ تعالیٰ کی دوستی۔ **زاهد**: دنیا کی خواہش نہ رکھنے والا۔ **سایۂ گل**: پھول کی روٹ میں۔ **بارِ خاطر**: ناگوار، ناپسند۔ **باغباں**: مالی۔

جنس ہم جنس کی طرف مائل ہوا کرتی ہے

اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خیر وشر، نیکی اور بدی، بُرائی اور بھلائی سب کو پیدا فرمایا اور اُن کے مرکزوں کو بھی وجود بخشا، اب جس کی تقدیر میں سعادت لکھی ہوتی ہے تو وہ خیر اور نیکی اور اچھائی اور بھلائی کی طرف چلتا ہے اور اُس کے مراکز ومعادن کی تلاش کرتا ہوا ہوتے ہوتے وہاں تک پہنچ جاتا ہے اور جس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شقاوت وبدبختی لکھ دی گئی وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد بُرائی وبدی اور فحش وبے حیائی کی طرف بڑھتا ہے اور اُس کے مراکز ومعادن کی تلاش میں پھرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُسے حق تعالیٰ کی طرف سے وہاں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بوستاں وگلستاں میں جہاں بلبلیں ہوتی ہیں جو مہکتے ہوئے پھولوں کی دیوانہ ہوا کرتی ہیں وہیں دوسری جانب زاغ اور کوّے بھی ہوتے ہیں جو غلاظت وگندگی کھاتے رہتے ہیں اور اس پر مرتے ہیں تو گویا بلبلوں کی خصلت میں پھول کی خوشبو سے تعلق اور لگاؤ رکھا گیا ہے اور کوّے کی طبیعت میں گندگی اور نجاست کے ساتھ مناسبت رکھ دی گئی۔

جیسی صحبت ویسی تاثیر

بس ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ جن بندوں کو نیکی اور خیر کی راہ پر چلا کر اپنے خاص محبتوں سے نوازنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنی محبت کے پھولوں پر فدا ہونے والی عنادل یعنی اپنے خاص محبوب اور پیارے بندے جنہیں ہم اولیاء اللہ اور اہلِ دل کہتے ہیں اُن کے ساتھ اُن بندوں کا تعلق قائم کر دیا جاتا اور انہیں اُن کی صحبتیں میسر آجاتی ہیں جبکہ اس کے برخلاف بُرائی اور بدی کی طرف چلنے والے اور اس سے رغبت رکھنے والوں کی طبیعتوں کو روئے زمین پر بسنے والے کوے اور گِدھ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور غلاظتوں وگندگیوں میں رات دن گزارنے والے اللہ کے نافرمان فاسق وفاجر بندوں کے ساتھ اُن کا تعلق اور لگاؤ پیدا کر دیا جاتا ہے تو اوّل جماعت خیر وخوبی میں ترقی کرتی ہے اور دوسری شر اور بُرائی کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ اب یہ بندے کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اُسے عنادل کی صحبتیں درکار ہیں یا وہ زاغ اور کوّے سے تعلق کو ترجیح دیتا ہے۔ مگر کائنات کا نظام یہ ہے اور عالم میں سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جس کی صحبتیں منتخب کی جائیں گی اُس کو ویسا ہی بنا دیا جائے گا۔ یہ انسان کو خود سوچنا چاہیے کہ میں گلوں کی صحبت اختیار کر رہا ہوں یا کانٹوں کی صحبت میں جا رہا ہوں، کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اتنی فہم اور سمجھ دی اور یہی بنیاد اور مدار ہے انسان کو اختیار دیئے جانے کا جس کی بنیاد پر جزا وسزا کا نظام مقرر فرمایا گیا ہے۔

اگرچہ ہم اپنے بے فائدہ ہونے اور ضرر رساں اور نقصان دہ ہونے میں کانٹوں کی طرح ہی کیوں نہ ہوں اور ہم اُن کمالات اور اوصاف کے حامل نہ ہوں کہ جن کی بنیاد پر انسان پھول کی خوشبو کی طرح مہکنے لگتا ہے اور

آفتاب ومہتاب کی طرح چمکنے اور عالَم کو روشن کرنے لگتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کانٹوں کا پھولوں کے دامن میں رہنا ہی اُن کا سب سے اچھا مقام ہے کیونکہ اس کی برکت سے اُن کی قیمت گلوں اور پھولوں کے ساتھ لگادی جاتی ہے۔ اس لیے ہم کو گلوں کے دامن میں پناہ لینی چاہیے۔

اگرچہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پھول کے دامن میں کانٹوں کا وجود ہی بے فائدہ اور عبث نہیں ہے بلکہ اُس کی جہاں بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں اُن میں سے ایک جو ظاہری نظر میں سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کانٹے نہ ہوتے تو گلوں کی حفاظت ایک مشکل کام ہوجاتا کیونکہ پھر معمولی سا گزرنے والا ایک بچہ بھی انہیں باغ سے توڑ کر بے نام ونشان کردیتا، اس لیے خاروں کا گلوں کی جڑ میں پیدا کیا جانا یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے خالی نہیں ہے اور کسی بھی گلستاں و بوستاں میں پھول کے درختوں میں کانٹے ہونا بظاہر اس حکمت کے پیشِ نظر ہے۔

خیرالقرون سے محفلِ دوستاں میں منافق کا وجود

سو اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے نظام میں اچھوں کے ساتھ بُرے اور اپنوں کے ساتھ پرائے اور دوستوں کے ساتھ دُشمن اور مؤمن کے ساتھ منافق بھی ساتھ چلے آرہے ہیں تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بہت اونچی حکمت پر مبنی ہے، اس لیے حق تعالیٰ کا ایسا نظام خیرالقرون سے چلا آرہا ہے کہ جہاں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضور کے سچے عاشقین کے ساتھ ساتھ منافقین بھی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے مختلف آیتوں میں اس طرح کے دُشمن منافقین اور کفار کی تخلیق اور پیدائش کی حکمتوں کے متعلق تذکرہ فرمایا ہے۔

مگر ایک عقلمند انسان کو اپنے ہوش اور عقل اختیار کرتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ میں کون سی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں؟ جس کی صحبت اور دوستی اختیار کی جائے گی اُسی کے اثرات اور اوصاف وخواص طبیعت میں آتے چلے جائیں گے، اس لیے ہمیں خاروں کے بجائے گلوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ تو ہوتے ہوتے ہمارے اندر وہی پھولوں کی شان پیدا ہوجائے گی۔ اور گو کہ ہم خود ابتدائی درجے میں کانٹے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں پھولوں کے فوائد ومنافع عطا فرمادیں گے اور سارے عالَم میں اسی طرح مہکائیں گے اور چمکائیں گے۔ جس طرح کہ پھولوں کی خوشبو عالَم کو معطر کرتی رہتی ہے اور آفتاب ومہتاب کی چمک کائنات کو روشن کیے رہتی ہے۔

اور جب بھی یہ اللہ والوں کے دُشمن کفار ومنافق اور فساق وفجار کسی نبی یا ولی کو ستانے پر اُترتے ہیں تو پھر اگرچہ وہ خود اُن سے انتقام نہ لیتے ہوں لیکن اُن کے آشیاں سے نکلنے والی آہ وفغاں ہر نظر رکھنے والے اور کانوں سے سننے والے کے لیے واضح طور پر دکھائی اور سنائی دیتی ہے۔ اور اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سے انتقام کی کارروائی کا موجب بن جاتی ہے اور پھر چند دن مہلت دیے جانے بعد ایسے ظالموں کو حق تعالیٰ صفحۂ ہستی سے مٹادیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ولایت اسی صورت سے ممکن ہے کہ کسی مرشد کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس کی خدمت کر کے مقاماتِ ولایت طے کیے جائیں ورنہ یوں دنیا میں بہت سے زاہدو عابدعبادتوں میں زندگی گزار رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص کا مزہ اور مقامِ دردِ دل اہلِ دل اللہ والوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوتا ہے جن کے سینے میں لگی ہوئی اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ اُن کے پاس رہ کر اور اُن کی صحبتوں میں زندگی گزار کر سینے سے سینے میں اسی طرح منتقل ہوتی ہے کہ جیسا کہ ایک جگہ پر لگی ہوئی آگ دوسری چیزوں میں خود بخود لگ جاتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل اور آپ کے صحابہ بھی

یہی تو وجہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں بے مثل بنایا اور ایسے کمالات اور اوصاف عطا فرمائے جو اوّلین و آخرین میں کسی کو نہیں دیئے گئے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا جس کے نتیجے میں انہیں ایسی فضیلت حاصل ہوئی کہ تمام اہلسنۃ والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ کوئی اُن کے بعد آنے والا اُن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اُن کو خاص طور پر اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیا گیا جبکہ دوسرے بہت سے القاب جیسے کہ مجاہد، مبلغ، داعی، معلّم وغیرہ وغیرہ موجود تھے مگر صحابیت کا شرف سب سے اونچا شرف تھا اور اسی نام سے موسوم کیے جانے میں صحبت کے فائدے اور اُس کی اہمیت قیامت تک آنے والی اُمت کے سامنے ظاہر کرنی تھی، اس لیے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانی اپنے صحابہ کو اصحابی کا لقب دیا جس سے صاف واضح نظر آتا ہے کہ صحبت کا کیا مقام ہوا کرتا ہے لہٰذا جو لوگ اپنے بڑوں کی صحبت اُٹھاتے ہیں اور وہ بڑے اپنے بڑوں کی، اور اسی طرح یہ سلسلہ سید الانبیاء جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اُن کا علم، علمِ معتبر ہے اور اُن کا تقویٰ اور محبتِ خداوندی حقیقت میں محبت کہلانے کے لائق ہے۔

لہٰذا پوری نظم کا خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح صحابۂ کرام نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار فرمائی تو آج بھی دین کی صحیح سمجھ اور حقیقی معرفت و خداوندی کا حصول اسی طرح سے ممکن ہے کہ ہم عنادل یعنی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کریں تو پھر اگر سایۂ گل میں خار ہوں تو باغبان کے دل میں یہ بات بارِ خاطر نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی گئی کہ یہ سنت اللہ جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں اور بندوں کے بہت سے مصالح پوشیدہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی تکوینی نظام کے تحت سایۂ گل میں خار رکھیں ہیں اور اپنے اولیاء کے ساتھ ایسے اعدائے دین بھی رکھیں ہیں جو مثل کانٹوں کے بلکہ اُن سے بڑھ کر ہیں۔ لہٰذا اُن سے بچنا چاہیے اور اولیاء کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ تب ہی یہ بات ممکن ہے کہ ہم ولایت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہوتا دیکھ سکیں۔ ورنہ بصورتِ دیگر یہ تمنا انسان قبر میں ساتھ لے کر چلا جاتا ہے۔ اور اُس کو عملی طور پر تقویٰ اور ولایت سے واسطہ نہیں

پڑتا گو کہ وہ جتنا ہی بڑا عابد و زاہد بن جائے لیکن حقیقی معنی میں آدمی نہیں بن پاتا۔ اور اہلِ دل کی فہرست میں اُس کی فہرست کا شمار نہیں ہوتا۔ یہ محض الفاظ نہیں بلکہ ایسے حقائق ہیں جن سے وقت کے علماء بالخصوص حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات بھرے ہوئے ہیں۔

جبینِ عشق رشکِ آسماں ہے

خوشی تیری امانِ دو جہاں ہے ترے تابع زمین و آسماں ہے
محبت کی یہ کیسی داستاں ہے فدا جس پر زبانِ عاشقاں ہے
سرِ عاشق اور ان کا آستاں ہے جبین و عشق رشکِ آسماں ہے
بہ فیضِ دردِ نسبت غم نہاں ہے نہیں ہرگز عبث آہ و فغاں ہے
گناہوں کا اگر بارِ گراں ہے تو بحرِ مغفرت بھی بے کراں ہے
تری ناراضگی میں موت پنہاں خوشی تیری حیاتِ جاوداں ہے
جہنم سے اشد خفگی ہے تیری رضا تیری مجھے رشکِ جناں ہے
عدو ہے درپئے نقصاں رسانی مگر اس سے قوی تر نگہباں ہے
فدا بر مرکزِ لذاتِ عالَم کہ جس کہ جس سے دل میں لطفِ دو جہاں ہے
گناہوں پر جسارت بھی بُری ہے مگر مایوسیاں کفرِ عیاں ہے
بدوں توفیق تیری دل ہے مردہ کرم سے تیرے یہ آہ و فغاں ہے
تری توفیق کا صدقہ ہے یارب جو تیری یاد میں مشغول جاں ہے
یہ سب احسان ہے اخترؔ پہ تیرا جو تیری حمد میں رطبُ اللساں ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ دوجهاں: دونوں جہان کا آرام اور حفاظت۔ **تابع:** فرمانبردار، کہنا ماننے والے۔ **آستاں:** چوکھٹ، دروازہ۔ **جبین:** پیشانی۔ **رشکِ آسماں:** جس پر آسمان بھی رشک کرے۔ **به فیض دردِ نسبت:** نسبت کے قائم ہوجانے کی فکر کی برکت سے۔ **غمِ نہاں:** اللہ تعالیٰ کو خوش رکھنے میں دل پر لگنے والی چھپی ہوئی چوٹ۔ **عبث:** بے کار۔ **بارِ گراں:** بھاری بوجھ۔ **بحرِ مغفرت:** معافی کا سمندر۔ **بے کراں:** بے انتہا۔ **پنہاں:** پوشیدہ۔ **حیاتِ جاوداں:** ہمیشہ کی زندگی۔ **اشد خفگی:** زیادہ سخت ناراضگی۔ **رشکِ جناں:** جس پر جنتیں بھی رشک کریں۔ **عدو:** دُشمن۔ **درپئے:** خواہش رکھنا، پیچھے پڑنا۔ **نقصاں رسانی:** نقصان پہنچانا۔ **قوی تر نگہباں:** والا زیادہ مضبوط حفاظت کرنے۔ **فدا:** قربان۔ **بر:** پر۔ **مرکز:** مدار۔ **لذات:** لذتیں، مزے۔ **عالَم:** دنیا۔ **جسارت:** دلیری۔ **عیاں:** ظاہر، کھلا ہوا۔ **بِدوں:** بغیر۔ **حمد:** تعریف۔ **رطبُ اللساں:** زبان تر ہے، ہر وقت مشغول۔

اول مصرعہ دعویٰ اور دوسرا دلیل ہے

یہ مضمون کتاب میں جگہ جگہ آرہا ہے جو اس نظم کے پہلے شعر کا خلاصہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو خوش کرنا دونوں جہان کے چین وسکون اور امن واطمینان والی زندگی کا ضامن ہے۔ جس کی وجہ حضرت نے اگلے مصرع میں پیش فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی کے تابع زمین وآسمان کا سارا نظام ہے۔ جب بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فیصلے ہی سے اس دنیا کے اندر ہونے والی ہر نقل وحرکت وجود میں آرہی ہے تو پھر یہ بات بھی واضح اور کھلی حقیقت ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا تو پھر حق تعالیٰ کے فیصلے اُس کی حمایت وتائید میں ہوں گے۔ اور اُس کو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت پریشانی وبے چینی میں مبتلا کرسکتی ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کی پریشانی اور اُلجھن اور دُکھ ودرد وتکلیف اُس کے دل ودماغ کو بے چینی کا شکار کرسکتا ہے۔

اس لیے کہ حقیقت میں بے چینی اور پریشانی دل کی صفت ہے اور اہل اللہ کے قلوب ہر وقت مطمئن اور پُرسکون رہتے ہیں۔ درحقیقت یہی اس جملے کا مطلب ہے کہ اللہ والے کبھی بے چین وپریشان نہیں ہوتے۔ رہ گئی ظاہری آزمائشوں کا آنا اس سے انبیاء واولیاء بھی بری نہیں ہیں۔ اس لیے احقر یہ عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کا یہ ایک شعر ایک انسان کے لیے پوری زندگی گزارنے کے واسطے کافی ہے کہ وہ ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا میرا مقصدِ حیات ہے اور رضائے خداوندی ہی میں امانِ دو جہاں مضمر اور پوشیدہ ہے جس کی وجہ بالکل ظاہر وباہر ہے کہ اسی خالق سبحانہ وتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں زمین وآسمان کا سارا نظام ہے۔ تو اپنے اولیاء کے خلاف اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ کبھی بھی ممکن نہیں، بلکہ جب روئے زمین پر اچھائیاں اور بُرائیاں وجود میں آتی ہیں تو پھر کائنات کا نظام ان کے نفع کے لیے حرکت میں لایا جاتا ہے۔ اس لیے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اس مضمون کے سلسلے میں وارد ہے کہ کس کس قسم کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا ہی میں کیسے کیسے عذاب لوگوں پر ڈالے جاتے ہیں۔

افسوس صد افسوس! آج اپنی امن واطمینان والی زندگی حاصل کرنے کے لیے خود مسلمان بھی ہر قسم کی کوشش میں تو لگا ہوا ہے لیکن جو بنیادی کوشش اُسے کرنی چاہیے تھی اُس سے وہ غافل ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جاتا کہ پھر اس کے نتیجے میں، وہ احکم الحاکمین، ارض وسماء کا مالک اُس کے لیے امن وسکون والی زندگی کا فیصلہ فرمادیتا ہے کیونکہ دنیا جس کو امن وعزت ملی ہے وہ خود اُتر کر آسمان سے نہیں آئی بلکہ اُسی احکم الحاکمین کے فیصلے سے ملی ہے۔

محبت کی داستان اور زبان عاشقاں

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی محبت دے کر اُس کو بیان کرنے کے لیے ایسی زبان عطا فرمائی ہے کہ میں خود اس پر حیران ہوجاتا ہوں اے اللہ! آپ کی محبت جس دل کو عطا ہوجائے تو پھر اُسے

آپ داستانِ دردِ دل اس درجہ عطا فرماتے ہیں کہ عاشقوں کی زبان اُس پر فدا ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی محبت کو بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اپنے دل کی کہانی کہتے ہیں جس کا حال اُن لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو محض زبانی کچھ رَٹے ہوئے کلمات اور فصیح و بلیغ جملے یاد کر کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر بیان کرتے ہیں۔

اس لیے اللہ والے جب یہ کہانی کہنا شروع کرتے ہیں تو انہیں ایسا لطف آتا ہے کہ اُس پر فدا ہو جاتے ہیں اور اُن کی زبان بیان کرتے کرتے نہ تھکتی ہے نہ رُکتی ہے۔ اور یہ حال ہوتا ہے جس کو حضرت نے اس شعر میں ذکر کیا ہے ۔

میں تھک جاتا ہوں اپنی داستانِ درد سے اخترؔ
مگر میں کیا کروں چپ بھی نہیں مجھ سے رہا جاتا

اور اللہ تعالیٰ کے عاشق اس میں مزہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کا سر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے در پر پڑا رہے یعنی وہ بارگاہِ رب العزت میں سربسجود ہوں کیونکہ جب ایک اللہ کے عاشق کی پیشانی زمین پر سجدے میں ہوتی ہے تو وہ رشکِ آسمان ہوا کرتی ہے جیسا کہ کئی جگہ اس کی تفصیل ذکر ہوئی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی نسبتِ خاصہ عطا ہو جاتی ہے تو اُس نسبت کی برکت سے دل کو حاصل ہونے والا دردِ محبت اور غمِ عشقِ الٰہی جو کہ دل میں نہاں ہوتا ہے وہ آہ و فغاں کی شکل میں اُس عاشق کی زبان سے ظاہر ہونے لگتا ہے اس لیے جو اللہ والے وقتاً فوقتاً آہ و فغاں کرتے رہتے ہیں وہ بے کار و عبث نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت وہ اندر میں تڑپتے ہوئے دل کی ترجمان ہوا کرتی ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنا چاہے خواہ کتنا ہی گنہگار رہا ہو اور وہ گناہوں کا بارِ گراں اُٹھائے ہوئے ہو تو اُسے یہ بات یاد رکھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ مغفرت بھی اتنی زیادہ ہے کہ اُس کے گناہوں کا بارِ گراں اللہ تعالیٰ کی شانِ مغفرت کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ حق تعالیٰ کا بحرِ مغفرت بھی بے کراں ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔

اور جو لوگ گناہوں کی زندگی گزارنے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور وہ حق تعالیٰ کو ناراض کر کے جینا چاہتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ انہیں جینے کا لطف حاصل ہوتا ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں موت پنہاں ہوتی ہے۔ اور جس طرح مرنے والا تڑپتا اور پریشان ہوتا ہے اس طرح یہ شخص اپنے جیتے جی موت کی تلخی اور کڑواہٹ چکھتا رہتا ہے۔ بس حیاتِ جاوداں اور لذتِ دو جہاں کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو خوش اور راضی کرنا۔

رضائے مولیٰ رشک جناں ہے

اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگرچہ جہنم انسان کی عذاب پانے کی جگہ مقرر کی گئی ہے اور اُس کا عذاب اتنا سخت ہے کہ جس کو نہ الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے، نہ ذہن ودماغ سے سوچا جاسکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ ایک سچے مؤمن کے لیے جہنم سے بھی زیادہ ڈرنے کی چیز ہے کیونکہ جہنم سے اشد اور بھاری اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ اگر کسی سے حق تعالیٰ ناراض نہ ہوں تو پھر اُسے جہنم کا سامنا کرنا ہی نہ پڑے گا۔ اس لیے اصل بنیاد اور جڑ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہوا اور جہنم میں جانے کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگئی۔ پس بندۂ مؤمن کی ہر لمحہ بنیادی فکر یہ ہونی چاہیے کہ میں اللہ کو راضی کرلوں۔ اور اُس کی ناراضگی سے بچ جاؤں کیونکہ اُس کی رضا مؤمن کے لیے رشکِ جناں ہے اور اُس کی ناراضگی جہنم سے اشد ہے اسی لئے جنت سے پہلے اللہ کی رضا اور جہنم کی پناہ چاہنے سے پہلے اللہ کی ناراضگی سے پناہ چاہی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا یوں منقول ہے ''اللھم انی اسألک رضاک والجنۃ واعوذبک من سخطک والنار''۔

اور دنیا میں رہتے ہوئے جس طرح نفس وشیطان ہمیں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کے کاموں میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو ہمیں اسی طرح یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ و نگہبان ہے، ہم اُس کی طرف قدم بڑھا کر اپنے آپ کو اُس کی پناہ اور نگہبانی میں دے دیں۔ اور اسی سے دُشمن کے شر سے پناہ مانگے اور حق تعالیٰ کی بتائی ہوئی دُشمن کی چالیں اور سازشیں سمجھ کر ہر وقت اُن سے بچنے کی فکر کریں کیونکہ ہر عقلمند جانتا ہے کہ دُشمن کبھی اچھا مشورہ نہیں دیتا اور وہ کبھی خیرخواہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اُس کی اتباع کرنا عقلمندی اور سمجھداری کیسے ہوسکتی ہے؟ اور اُس کے پیچھے دنیا وآخرت کے خسارے اور ناکامی سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

مؤمن کو چاہیے کہ وہ اُس ذات پر فدا ہو کہ جس پر فدا ہونے کے نتیجے میں دنیا وآخرت کی تمام لذتیں عطا کردی جاتی ہیں کیونکہ کائنات میں جو بھی حسین ولذیذ چیز پائی جاتی ہے اُس کا حسن ولذت حق تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات مرکزِ لذاتِ عالَم ہے۔ لہٰذا جو اس پر فدا ہوگا اور اُسے اپنے دل میں پائے گا تو اُس کے نتیجے میں لطفِ دو جہاں کا حصول ایک لازمی اور بدیہی بات ہے۔

لیکن گناہوں پر جسارت کرنا یہ ایسی بُری خصلت ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ممکن نہیں۔ ہاں البتہ گنہگار کو یہ پیغام ضرور ہے کہ تو مایوس نہ ہونا اور کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہوجانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کی رحمت سے مایوس ہونے کو کفر قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ بات صرف شیطان کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے لہٰذا اے بڑے سے بڑے گنہگار انسان! ہمت سے قدم اُٹھا اور گناہوں پر جسارت چھوڑ دے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جا۔ تیرے سارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے

جائیں گے۔ اور اس کے لیے اللہ سے توفیق مانگ کیونکہ جب تک حق تعالیٰ کی توفیق نہ ہو تو نہ ہم گناہوں سے بچ سکتے ہیں اور نہ طاعت پر پابند ہو سکتے ہیں جس کے بغیر دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اور حیاتِ قلبی ختم کر دی جاتی ہے اس لیے کہ اس کی غذا ذکر اللہ اور تقویٰ ہے جب اُسے وہ نہیں ملتی اور مسلسل گناہ کیے جاتے ہیں تو پھر دلوں کو مردہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر دل کو مردہ ہونے سے بچانا ہے تو اللہ سے توفیق مانگ کر گناہوں کو چھوڑ دے اور نیکیوں پر لگ جائے تو حق تعالیٰ اپنے کرم سے وہ دردِ دل عطا فرمائیں گے جس کی بدولت آہ وفغاں نصیب ہوگی۔ اور اُسی کی توفیق کی برکت ہر وقت اُس کی یاد میں مشغول رہنا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت ومحبت میں تقریر و بیان یا وعظ ونصیحت کرنا اور اُس کی بڑائی اور عظمت کے لیے اشعار کہنا یہ سب حق تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے۔ اور حضرت فرماتے ہیں کہ اختر کو جو یہ توفیق ملی ہے کہ وہ ہر وقت تیری تعریف میں رطب اللسان ہے یہ تیرا احسان اور خصوصی کرم ہے۔

فلک پر ہیں ستارے تجھ پہ نازاں

نہ جاؤ میر سوئے بزمِ زاغاں — وہ کیا جانیں حیاتِ شاہبازاں
شکستِ آرزو کا یہ ثمر ہے — کہ عاشق ہے امامِ عشق بازاں
مبارک تجھ کو اے اشکِ ندامت — فلک پر ہیں ستارے تجھ پہ نازاں
صلہ دیکھو یہ خونِ آرزو کا — ملی پرواز رشکِ شاہبازاں
یہ منزل کا کرم ہے سالکوں پر — بہ ہر لمحہ ہے امدادِ چراغاں
اگر روباہ پر ان کا کرم ہو — تو پائے ہمت شیر بیاباں
یہ دردِ دل کی نعمت آہ اختر — کرم ہے رب کا تجھ پر ہو نہ نازاں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سوئے بزمِ زاغاں**: کووں کی محفل کی طرف۔ **شاهبازاں**: باز، شکرے سے بڑا ایک پرندہ۔ اللہ والے مراد ہیں۔ **شکست آرزو**: دل میں پیدا ہونے والی ناجائز خواہشات کا ٹوٹنا۔ **ثمر**: بدلہ، پھل۔ **عشق بازاں**: اللہ تعالیٰ کا عشق کے حصول کی کوشش کرنے والا۔ **اشک ندامت**: اپنے اعمال پر شرمندگی کے آنسو۔ **فلک**: آسمان۔ **نازاں**: فخر کرنا۔ **صلہ**: بدلہ، انعام۔ **خونِ آرزو**: حرام خواہش کے پورا نہ کرنے پر دل کو پہنچنے والا غم۔ **پرواز**: اُڑان۔ **سالکوں**: اللہ تعالیٰ کی محبت کے رستہ پر چلنے والے۔ **امدادِ چراغاں**: دل میں اللہ تعالیٰ کے جلووں کا چراغاں مراد ہے۔۔ **روباہ**: لومڑی۔ **بیاباں**: جنگل۔ **نازاں**: اکڑنے اور اترانے والا۔

اس تمام نظم کے اشعاروں میں جو مضامین قدرِ مشترک ذکر کیے گئے ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو دوسری نظموں کے تحت تفصیل سے آچکے ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس مادّی دنیا اور اس کی شکل وصورتوں پر اسی طرح حسین وحسیناؤں پر اپنا دل نہیں دینا چاہیے بلکہ انسان کو شاہباز والی خصلت اختیار کر کے زندہ حی وقیوم اللہ پر فدا ہونا

چاہیے۔اور اس راستے میں اس کی جتنی بھی آرزوئیں ٹوٹیں تو انہیں خوشی سے ٹوٹنے دے کیونکہ اس کا بدلہ یہ ملتا ہے کہ اُسے اتنے اونچے درجے کا عشق نصیب ہوتا ہے کہ وہ پھر عشق بازوں کا امام بن جاتا ہے۔اور جو گناہ ہوجائیں اُن پر آدمی ندامت کے آنسو بہادے کہ وہ آنسو اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ آسمان پر ستارے اُن پر ناز کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حرام آرزوؤں کا خون پینے کا صلہ اتنا عظیم الشان عطا فرماتے ہیں کہ اُس کی پرواز معارف وتقوی کے باب میں اتنی بلند ہوجاتی ہے کہ وہ رشکِ شاہباز ہوجاتا ہے۔

حق تعالیٰ کی محبت ورضا بندۂ مؤمن کی ایسی منزل ہے کہ ہر قدم پر ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل کا مزہ ملتا رہتا ہے اور وہ ایسا کریم اللہ ہے کہ کیسے ہی کم ہمت بزدل انسان پر اُس کی رحم وکرم کی بارش ہوجائے تو اُسے شیروں جیسی طاقت وہمت عطا ہوجاتی ہے۔اور جسے بھی اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا درد عطا فرماتے ہیں یہ اُس کا خاص عطیہ اور خصوصی فضل وکرم ہوتا ہے۔اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے اختر! تجھے جو دردِ دل کی نعمت ملی ہے یہ رب کا تیرے اوپر خصوصی کرم ہے، اس پر ناز اور فخر نہ کرنا کیونکہ ناز اور فخر سے نعمت چھین لی جاتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکبر پسند نہیں اور ناز وفخر تکبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔اس لیے جو نعمت ملے بندہ اُسے بلا استحقاق اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم قرار دے تو پھر وہ قائم رہتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اُس میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔

ہمارے آب وگل میں دردِ دل کب سے ہوا شامل
کہ جب سے احتساب تلخ ساقی کا ہوا نازل
زبانِ دردِ دل سے اس طرح تفسیرِ قرآں کی
یہ لگتا کہ جیسے آج ہی قرآں ہوا نازل
یہ عرفانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت ہے
کہ موجوں کی طرف خود آ گیا بڑھتا ہوا ساحل
نہ جانے کتنے خورشید و قمر دل میں اُتر آئے
ہمارے آب وگل میں دردِ نسبت جب ہوا شامل
تجلّی خالقِ شمس و قمر کی جب ہوئی دل میں
نہ جانے کتنے خورشید و قمر کا نور تھا شامل
مری کشتی کو طوفانوں میں بھی اُمیدِ ساحل تھی
مرے خوف تلاطم میں تھا اُن کا آسرا شامل

مشکل الفاظ کے معنیٰ: آب و گل: پانی اورمٹی۔ **احتساب**: گرفت کرنا، پکڑ کرنا۔ **تلخ**: ناگوار۔ **ساقی**: اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پلانے والا یعنی کہ شیخ۔ **نازل**: اُترا۔ **عرفانِ محبت**: معرفت، پہچان۔ **فیضانِ محبت**: محبت کا فائدہ۔ **خورشید**: سورج۔ **تجلّی**: چمک، روشنی۔ **خالقِ شمس و قمر**: سورج اور چاند پیدا کرنے والا۔ **تلاطم**: موجوں کا زور، طوفان۔ **آسرا**: اُمید۔

محبت ومعرفت الٰہی کی کچھ ضروری مفید باتیں

حقیقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کامل درجے میں قلب میں اُسی وقت راسخ ہوتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُسی کی بڑائی سامنے رکھتے ہوئے دل کو اُس کے خوف وخشیت سے لبریز کردے اور اُسے یہ ہر وقت سامنے رہے کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے اعمال میں نے کرلیے اور مجھے حق تعالیٰ کے غصے اور ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا تو میرے لیے یہ صورتحال ناقابلِ برداشت ہوگی۔ بس اسی خوف سے کانپتے رہنا اور ڈرتے رہنا انسان کے دل میں تقویٰ کی حقیقت اور محبت کا کمال پیدا کردیتا ہے اور پھر یہ آب وگل کا ڈھانچہ اپنے اندر دردِ دل پیدا کرلینے سے رشکِ ملائکہ، کروبیاں بن جاتا ہے۔ مگر جب تک یہ کیفیت نہ ہوتو گو ایمان باقی رہتا ہے اور وہ درمیانی درجے کا مؤمن بھی شمار ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جسے دردِ دل کہا جاتا ہے اُس سے وہ بے خبر رہتا ہے۔

اور یہ عظیم الشان نعمت ہے کہ جب کوئی انسان زبانِ دردِ دل سے قرآن کی تفسیر اور احادیث کی تشریح

کرنے بیٹھتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ قرآن وحدیث آج ہی پہلی بار سنا جارہا ہو اور گویا اس سے پہلے قرآن کا یہ حصہ نازل ہی نہ ہوا تھا اور یہ حدیثیں کبھی کانوں سے گزری ہی نہ تھیں مگر جب درد دل سے بیان ہوا اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کی گئی، دل ودماغ ایسے معطر اور روشن ہوگئے کہ جس کیفیت کو دیکھ کر ہر اہل مجلس یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن آج ہی نازل ہوا ہو، کیونکہ جب تفسیرِ قرآن وحدیث کی تشریح کے ساتھ دردِ دل شامل ہوجاتا ہے تو پھر یہ زبان دل میں رچے بسے ہوئے جذباتِ محبت اور عظمتِ الٰہی کی ترجمانی کیا کرتی ہے جس کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ محبت کا کرشمہ اور اس کا فیضان ہے کہ جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت آجاتی ہے تو نوع بہ نوع مختلف موافق و ناموافق حالات میں گھرا ہوا بندۂ مؤمن اپنے کو عین اسی وقت میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے اس کی رضا اور خوشنودگی کا اہل پاتا ہے۔ اور یہ محبت کا خاص اثر ہے کہ موجوں کی طرف خود ساحل بڑھتا ہوا چلا آتا ہے۔ یعنی کہ اسے راستے کے راہِ خداوندی کے غم اُٹھانے کے دوران ہی منزلِ مقصود یعنی رضائے خداوندی اور لطفِ حیات عطا کردیا جاتا ہے۔

اور جب اس آب وگل کے ڈھانچے میں دردِ نسبت شامل ہوتا ہے تو پھر حق تعالیٰ اپنی تجلیات خاصہ کے ساتھ دل میں آجاتے ہیں جس کے بعد ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ نہ جانے کتنے خورشید وقمر میرے دل میں اُتر آئے ہیں۔ اُس دل کی روشنی اور چمک اور انوار وتجلیات کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا کہ یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ خورشید وقمر کے ساتھ تشبیہ محض ایک سمجھانے کے طور پر دے دی جاتی ہے۔ ورنہ دنیا کے خورشید وقمر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات کے سامنے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس لیے اگر سیکڑوں اور ہزاروں خورشید وقمر کا نور بھی شامل کرلیا جائے تب بھی خالقِ شمس وقمر کی تجلی کے سامنے وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس لیے اُس دل کے چمکنے اور روشن ہونے کو بظاہر سمجھایا نہیں جاسکتا۔

جو شخص اپنی محبتِ خداوندی کی کشتی اُس کی راہ کے غموں کے طوفانوں میں ڈال دیتا ہے تو عین تلاطمِ امواج میں پھنسے ہوئے ہونے کے عالم میں بھی اُس کا آسرا اور اُمید اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم اور اُس کی ذات کریمی اور رحیمی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ طوفانوں میں بھی اُمیدِ ساحل لیے رہتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ غم اور مشقتیں اللہ کے لیے اُٹھائے جانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اُس کے مددگار بن جاتے ہیں۔ اور کیسے ہی طوفانوں میں اُس کی کشتی پھنسی ہو اور اُس سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آرہی ہو مگر حق تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اُسے اسی حالت میں بھی ایسی اُمیدِ ساحل عطا فرماتے ہیں کہ وہ بالکل پُرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ اس لیے اس شعر میں یہ پیغام ہے کہ بندۂ مؤمن کو اللہ کے راستے کے غموں میں بلاخوف وخطر پوری ہمت وجرأت کے ساتھ کود جانا چاہیے۔ اور اُس سے ذرّہ برابر گھبرانا یا پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ ساری دنیا کے غم اپنوں اور غیروں کی ملامتیں وقتی اور عارضی ہوا کرتی ہیں۔ بالآخر عزت وراحت اور کامیابی وکامرانی ایسے ہی شخص کے قدم چومتی ہے۔

جس دل میں ہے تجلیٔ مولائے کائنات
اس کی نظر سے گر گئی لیلائے کائنات

وہ رشکِ سلطنت بھی ہے اور رشکِ کائنات
دل میں تری نسبت کی جسے مل گئی سوغات

محسوس جب ہوئے ہیں ترے قرب کے نفحات
جیسے مری حیات کو ملتی ہے صد حیات

جلوہ فگن ہے جب سے ترا فیضِ اسمِ ذات
مشہود ہوئے جاتے ہیں جیسے کہ مغیبات

ہوتا ہے ورد جب بھی ترا نام زباں پر
ہے رشکِ سلاطیں ترا مسکینِ کائنات

جلوؤں سے ترے سب مری نظروں سے گر گئے
انجم ہو یا قمر ہو کہ خورشیدِ کائنات

تاجوں کے موتیوں سے بھی افضل ہیں دوستو
جوتوں میں اہلِ دل کے جو ہیں خاک کے ذرّات

جب کہتی ہے اللہ زباں ایسا لگے ہے
کرتی ہے ذکر ساتھ مرے ساری کائنات

جس وقت تری یاد میں ہوتا ہوں میں مشغول
گر جاتی ہے نظروں سے مری ساری کائنات

اخترؔ کے جو لمحات تری یاد میں گذرے
ہیں بس وہی لمحات مرے حاصلِ حیات

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سوغات**: تحفہ، عمدہ اور بہترین چیز۔ **نفحات**: نسیم کرم کے جھونکے۔ **صد حیات**: سینکڑوں زندگی۔ **فگن**: متجلی، جلوہ آرا۔ **اسمِ ذات**: اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا نام۔ **مشہود**: ظاہر۔ **مغیبات**: وہ چیزیں جو کہ چھپی ہوئی ہیں۔ **ورد**: باربار کہنا۔ **سلاطیں**: سلطان کی جمع، بادشاہ۔ **مسکین**: فقیر محتاج۔ **انجم**: ستارہ۔ **خاک**: مٹی۔

لیلائے کائنات نظروں سے کب گری

جس دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلی حاصل ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اپنی عظمتوں کے ساتھ متجلی ہوجاتے ہیں تو پھر اُس کی نظر سے دنیا کا جہاں گر جاتا ہے اور اُس کا دل لیلائے کائنات سے بالکل خالی ہوجاتا ہے۔ بس اتنی بات ضروری ہے کہ واقعی معنی میں مولائے کائنات کی تجلی دل میں حاصل ہوچکی ہو۔ اور پورے طور سے دل حق تعالیٰ کی تجلیات کا مورد بن گیا ہو تو پھر لازمی اور ضروری بات ہے کہ اُس کی نظروں میں لیلائے کائنات کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے گی۔ اور اگرچہ وہ دنیا کو استعمال تو کرے گا لیکن اُس کی نظر وقلب سے دنیا کی وقعت وحیثیت ختم ہوجائے گی۔ یعنی وہ تارک الدنیا ہوجائے گا اور یہی مطلوب ہے، اگرچہ متروک الدنیا نہ ہو۔

اور کائنات کو لیلیٰ کے ذریعے تعبیر کرنا یہ درحقیقت اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں فطری طور پر عورتوں اور اپنی اولادوں، مال و دولت، زمین و جائیداد، تجارت و کاروبار، زراعت وکھتیاں، عمدہ سواریاں اور گاڑیاں وغیرہ کی محبت رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے۔ اب بندۂ مؤمن کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ ان محبتوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے دل میں ان محبتوں کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں رکھتا۔ پس جب سارا جہان نظر وقلب سے بالکل گر چکا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی تجلی قلب میں موجود ہے۔ جیسا کہ سورج کے وجود سے ستاروں کی روشنی بے حیثیت ہوجاتی ہے تو حق تعالیٰ کی تجلی کے سامنے یہ سارا جہان بالکل بے حیثیت ہوکر رہ جاتا ہے۔

اور اللہ والوں کا معاملہ یہاں تک ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت حاجی صاحب کی صحبت اُٹھانے کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ اب میرے دل کا یہ حال ہوچکا ہے کہ مدح وذم دونوں برابر ہوچکی ہیں۔ یعنی اگر کوئی تعریف کرے تو اس سے مجھے عجب وخود پسندی پیدا نہیں ہوتی اور اگر کوئی بُرائی کرے تو اُس کی وجہ سے طبیعت متاثر نہیں ہوتی۔ یعنی اس درجہ خالق پر نظر ہوتی ہے کہ مخلوق کی مدحت و مذمت سے ذہن بالکل ہٹ چکا ہوتا ہے کیونکہ امرِ واقعی بھی یہی ہے کہ مخلوق کتنی ہی تعریف کرے لیکن اگر اللہ راضی اور خوش نہ ہو تو پھر اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہی حال دوسری صورت میں ہے۔ اس لیے اللہ والوں کے قلب سے کائنات اور اس کی تمام اشیا گر چکی ہوتی ہیں۔

نسبت کی سوغات ملی تو رشک کائنات بن گیا

اور پھر یہ شخص فقیری میں ہوتے ہوئے رشکِ سلطنت ہوجاتا ہے اور کائنات کو دل سے نکال کر رشکِ کائنات بن جاتا ہے کیونکہ جو تحفہ اور سوغات اُسے مل جاتی ہے عالَم اس سے خالی ہوتا ہے، اس لیے اہل اللہ اسی نسبتِ خاصہ کو لیے ہونے کی وجہ سے فقیری میں بادشاہت کا مزہ پاتے ہیں۔ اور پھر جب حق تعالیٰ سے قرب کے

مزے اور لطف اُن کو نصیب ہوتے ہیں اور نفحاتِ قرب کی بہاریں اُنہیں اپنے دل میں محسوس ہوتی ہیں تو پھر حق تعالیٰ انہیں اسی حیات میں ایسا مزہ دیتے ہیں کہ اُن کی حیات رشکِ صد حیات ہو جاتی ہے کہ ایک ہی جان میں گویا کہ سیکڑوں جان نصیب ہو رہی ہو۔ اور جسے حقیقت میں جینے کا مزہ کہنا چاہیے پھر اُن کو وہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ والے اپنے متعلقین کو یہ تاکید کرتے ہیں کہ اپنی فانی زندگی کو اللہ تعالیٰ پر قربان کر دو تو اُس کے نتیجے میں تمہیں عجیب وغریب قسم کی حیات نصیب ہوگی۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اُس کے نام کو بار بار لیا جاتا ہے تو اُس کا فیض قلب میں ایسا سما جاتا ہے کہ دل میں مغیبات مشہود ہو جاتے ہیں اور ایسا عالَمِ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے کہ کتنی ہی وہ چیزیں جو عام مؤمنین سے پردۂ غیب میں رہتی ہیں اہل اللہ کے سامنے وہ بالکل مشاہدہ کی طرح نظر آنے لگتی ہیں۔

جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق یہ بات منقول ہے کہ اپنی نگاہوں سے لوگوں کے وضو کرنے کے دوران حضرت امام صاحب کو اُن سے صادر ہونے والے گناہوں کے آثار وضو کے پانی میں نظر آتے تھے۔ اور اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کسی مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ابلیس جو اپنا عرش پانی پر لگاتا ہے وہ مجھے کھلی آنکھوں سے نظر آتا ہے اور میں اُس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ غرض یہ کہ ذکر اللہ کی برکت سے اور اللہ کا نام لینے کی کثرت سے قلب آئینے کی طرح ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ بہت سی باتیں اپنی ایمانی فراست اور قلبی بصیرت سے ایسی بیان فرماتے ہیں کہ مستقبل میں بالکل اسی طرح صادر ہوا کرتی ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذات قلب کو ایسا چمکا دیتا ہے کہ بہت سے مغیبات مشہود ہو جاتے ہیں۔

اس مسکین کائنات کو ملتی ہے صد حیات

اور حق تعالیٰ کے نام کا مزہ اولیاء اللہ کو ایسا نصیب ہوتا ہے کہ جس وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو سلاطین و بادشاہوں کو اپنی سلطنت وحکومت میں وہ مزہ نصیب نہیں ہوتا جو اس مسکینِ کائنات کو اپنے بوریے پر بیٹھ کر اور اپنی گدڑی میں ملبوس ہو کر اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے، اس لیے یہ لفظ اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ یہ مسکینِ کائنات اس وقت رشکِ سلاطین ہوتا ہے۔ اور اس کی ایک دلیل یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سلاطین تو بہت سے ایسے مل جائیں گے جو اپنی سلطنت چھوڑ کر اللہ والوں کے پاس اُس کا ذکر سیکھنے اور فقیری کو پانے کے لیے آتے ہیں۔ لیکن کوئی اللہ تعالیٰ کا دیوانہ صاحبِ نسبت ولی اللہ اپنی فقیری کو سلطنت کے حاصل کرنے کے لیے قربان نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کی برکات ایسی ہوتی ہیں کہ قلب کے ہر ہر گوشے میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات ایسے سما جاتی ہیں کہ اُس کے جلوؤں کی وجہ سے عاشق کی نظر سے سب گر جاتے ہیں اور پھر انجم ہوں یا قمر یا خورشید کائنات ہو کوئی اُس کی نظروں میں نہیں بھاتا۔

اور یہ اللہ والے بارگاہِ خداوندی میں اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ بقول علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ،

میں اللہ والوں کی جوتیوں سے اُڑنے والے خاک کے ذرّات کو بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ بالکل یہی معاملہ ان اللہ والوں کو حاصل ہوجاتا ہے کہ تاجوں کے موتیوں سے بھی اہلِ دل کے جوتوں کے خاک کے ذرّات افضل بن جاتے ہیں۔

عقلی دلیل سے اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ والے جس زمین پر چل رہے ہیں یہ زمین کل قیامت کے دن اُن کے حق میں گواہی پیش کرے گی اور اِن کے قدموں کے نیچے آنے والے ذرّات ان پر صاحبِ نسبت ولی اللہ کے گزرنے کی وجہ سے قیمتی بن جاتے ہیں جبکہ بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں کو یہ بات حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کا ولی جہاں سے گزرتا ہے وہاں حق تعالیٰ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ لکھا:

﴿لَوْ أَنَّ وَلِيًّا مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ مَرَّ بِبَلْدَةٍ لَنَالَ بِرَكَةِ مُرُوْرِهٖ أَهْلُ تِلْكَ الْبَلْدَةِ حَتّٰى يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ﴾

(مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، باب اسماء الله تعالى)

جب اللہ کے اولیاء میں سے کوئی ولی کسی بستی کے پاس سے گزرتا ہے تو بستی والے اس کی برکات سے محروم نہیں رہتے۔ اس لیے ان خاک کے ذرّات کی قیمت کا بڑھ جانا بالکل واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔

پوری کائنات یادِ الٰہی میں مشغول ہے

اور قرآن کریم کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ہے کہ **وان من شئ الا یسبح بحمده** کہ نہیں ہے کوئی چیز مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس لیے جب اللہ والا زبان سے اللہ، اللہ پکارتا ہے تو اُس کے قلب کی جو کیفیت وحالت اُس وقت تعلق مع اللہ میں ہوتی ہے اور اُسے پوری یکسوئی اور توجہ الی اللہ نصیب ہوتی ہے اُس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری کائنات اُس کے ساتھ ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تو جانوروں نے اور پتھروں تک نے اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ جیسا کہ مختلف روایات سے اُن کا بولنا ثابت ہوا ہے اور کتاب میں دوسرے مقام پر مذکور بھی ہوچکا ہے۔ مگر یہ خاص مقامِ قرب اُسی شخص کو ملتا ہے جو اللہ کا ذکر اس طرح دیوانہ وار کررہا ہو کہ اُس کے دل ودماغ سے سارا غیر اللہ نکل چکا ہو، پھر اُسے یہ لذت محسوس ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ساری کائنات اللہ کا نام لینے میں میرے ساتھ مشغول ہے۔

یادِ مولیٰ کے لمحات ہی حاصلِ حیات ہیں

حقیقت یہی ہے کہ جس وقت پورے طور پر بندہ اللہ کو یاد کرنے میں مشغول ہو اور اُس کے دل میں علائق

دنیا و یہ موجود نہ ہوں بلکہ وہ پوری توجہ سے اور دھیان اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو تو اس وقت اُس کی نظروں سے سارا عالَم غائب ہو جاتا ہے اور اس کے قلب سے ساری کائنات کے معاملات و واقعات بالکل دور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ایک سچے عاشق اور اللہ کے ولی کے واسطے یہی لمحاتِ زندگی سب سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے بندے کے لیے پوری زندگی کا حاصل اور نچوڑ ہوا کرتے ہیں۔ جس کو حضرت نے یوں فرمایا کہ اختر کے، جو لمحات اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرے ہیں بس وہی لمحات اُس کے حاصلِ حیات ہیں۔ اس لیے کہ جو اللہ سے غفلت میں زندگی گزری ہے اُس پر مرنے کے بعد انسان کو حسرت و افسوس اور ندامت کا سامنا کرنا اور پچھتانا پڑے گا لہٰذا اس میں ایک سبق بھی ہے کہ ہر آدمی بقدرِ ضرورت دنیا سے ربط و تعلق رکھے اور اُس کے مشاغل میں اپنی زندگی صرف کرے اور باقی اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے ذکر میں خرچ کرے۔ جیسا کہ روایتِ ذیل میں یہ مضمون وارد ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

﴿عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ یَذْكُرِ اللهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا یَذْكُرُ اللهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ﴾

(سنن أبي داؤد، باب الأدب، كتاب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ اُس پر باعثِ حسرت و افسوس ہوگی اور اسی طرح جو کسی میں آرام کرنے کی جگہ لیٹا جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے اوپر باعثِ حسرت و افسوس ہوگا۔

اشکِ ندامت اور آہِ مضطر

آہ سے راز چھپایا نہ گیا
منہ سے نکلی مرے مضطر ہو کر
چشمِ نم سے جو چھلک جاتے ہیں
ہیں فلک پر وہی اخترؔ ہو کر

مضطر: مجبور۔ **چشمِ نم**: آنسوؤں والی آنکھیں۔ **فلک**: آسمان۔ **اختر**: ستارہ۔

جب عشق بولنے لگا اشک رواں کے ساتھ

اس طرح دردِ دل بھی تھا میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دل بھی تھا میری زباں کے ساتھ

دنیائے عقل ہوگئی خاموش و بے زباں
جب عشق بولنے لگا اشکِ رواں کے ساتھ

سجدہ میں سر کے قرب کا عالم نہ پوچھئے
جیسے کہ یہ زمیں ہے ترے آسماں کے ساتھ

مؤمن کے دل پہ معصیت بارگراں ہے یوں
جیسے کہ ہر گناہ ہو کوہِ گراں کے ساتھ

یادِ خدا سے دل کو ملا چین دوستو
پاتا ہے چین کب کوئی عشق بتاں کے ساتھ

جس پر خدا ہو مہرباں رہتا ہے چین سے
ہرگز نہ ہوگا بے سکوں نامہرباں کے ساتھ

ربِ جہاں کے ساتھ ہے جس دل کو رابطہ
اختؔر دعا بھی اس کی ہے آہ و فغاں کے ساتھ

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ اشکِ رواں: بہتے ہوئے آنسو۔ **عالَم**: دنیا۔ **معصیت**: گناہ۔ **بارِ گراں**: بھاری بوجھ۔ **یوں**: اس طرح۔ **کوہِ گراں**: بہت بڑا پہاڑ۔ **نامہرباں**: بُرا چاہنے والا، دُشمن۔ **رابطہ**: تعلق۔

چند قیمتی مضامین قربِ الٰہی

اس نظم کے اشعار کے مضامین اکثر تفصیل کے ساتھ ذکر کیے جا چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صاحبِ نسبت ولی اللہ منبر پر بیٹھ کر جس وقت بیان کرتا ہے تو اس کی گفتگو میں ایسا سوزِ باطن اور دردِ دل شامل ہوا کرتا ہے کہ اُس کی تاثیر بالکل جدا اور مختلف ہوتی ہے اور سننے والا محسوس کرتا ہے کہ اس بیان کے ساتھ اس طرح دردِ دل شامل نظر آرہا ہے جیسا کہ زبان کے ساتھ ساتھ دل بھی آگیا ہو۔ اور اس وقت بڑے بڑے عقلمند ذہین و ہوشیار علم والے اور اونچی سمجھ رکھنے والے بے زبان و خاموش ہو جاتے ہیں جب کوئی اللہ والا حق تعالیٰ کے عظمت و محبت کی باتیں آنکھوں کی اشکباری کے ساتھ بیان کرنی شروع کرتا ہے۔

یہ ایک مشاہدہ ہے جس کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جسے دونوں قسم کے واعظوں اور مقرروں کے وعظ وتقریر

سننے کا موقع میسر آیا ہو۔ ہاں لیکن جسے کسی اللہ والے کے بیانات سننے کا موقع ہی کبھی میسر نہ آیا ہو اور اُن کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی دولت نہ ملی ہو تو پھر اُسے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

اُس کے بعد حضرت وہی مضمون بیان کرتے ہیں جو جگہ جگہ کتاب میں آیا ہے کہ جب اللہ والا سجدہ میں حق تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے تو اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ زمین آسمان کے ساتھ ہے اور درمیان کے سب علائق و حجابات اُٹھا دیئے گئے ہیں اور ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں پڑا ہوا ہے۔

اس کے بعد یہ مضمون ذکر کیا جا رہا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے گناہ کرنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے جبکہ کوئی منافق و کافر گناہ اس طرح کر گزرتا ہے جیسے کہ ناک پر مکھی بیٹھ جائے لیکن مؤمن و مسلمان کے لیے ہر ایک گناہ کوہِ گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات کہ اُس کو معصیت و نافرمانی میں بارِ گراں محسوس ہو اور ہر گناہ کو وہ کوہِ گراں سمجھ رہا ہو یہ اُس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور صحیح ایمان ہونے کی نشانی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَفْسِهٖ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَأَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى أَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا قَالَ أَبُوْ شِهَابٍ بِيَدِهٖ فَوْقَ أَنْفِهٖ﴾

(صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التوبة)

خلاصہ روایت کے مضمون کا یہ ہے کہ مؤمن اپنے گناہوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسا کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اُسے اندیشہ لاحق ہو کہ وہ پہاڑ اُس پر گر پڑے گا۔ اور کافر و فاجر اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح محسوس کرتا ہے جو کہ اُس کی ناک کے اوپر بیٹھ گئی ہو اور گذر گئی ہو اور پھر اس کے لیے ابو شہاب نے اپنی ناک کے اوپر اشارہ کر کے بتایا۔

دراصل یہ مثال جو ذکر کی گئی ہے کہ منافق میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد گناہ کر گزرتا ہے لیکن مؤمن کا ایمان اُسے گناہ کرنے سے روکتا ہے اور اگر وہ اُس طرف چلتا ہے بھی تو اُس کو بہت دشوار محسوس ہوتا ہے۔ گو کہ کبھی نفس کے تقاضے سے گناہ کا صدور ہو جائے لیکن پھر وہ جلد تائب ہوتا ہے۔

خاص طور پر عشقِ بتاں کے چکروں میں پڑ جانا اور اس گناہ کا ارتکاب کرنا یہ تو دل کے چین و سکون کا بالکل صفایا کر دیتا ہے اور ایک مؤمن کو یادِ خدا سے اور اللہ کی محبت اور تعلق سے جو چین میسر آتا ہے وہ دنیا کی کسی شے میں بھی ممکن نہیں۔ جو عشقِ بتاں میں سکون ڈھونڈتے ہیں یہ اُن کا فریب اور دھوکہ ہے۔ اصل چین و سکون حاصل ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور خصوصی کرم بندے کے ساتھ شاملِ حال ہو اور یہ وعدہ صرف اُس کے اطاعت شعار بندوں سے ہے کیونکہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رحیم و کریم ہونے کی بات فرمائی وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنَّ رحمت الله قريبٌ من المحسنين کہ میں رحیم و کریم اللہ ہوں مگر یہ بات سمجھ لینی

چاہیے کہ میری رحمت نیکو کاروں اور محسنین کے قریب ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحم و کرم بندے کو مطلوب ہو تو پھر اُسے حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جانا چاہیے اور تمام گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔

اور ایسا ہی آدمی جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا رہتا ہو اور حق تعالیٰ کی اطاعت اُس کا شعار ہو، دل میں بھی خالص اللہ ہی سے رابطہ ہو، غیر اللہ کے ساتھ اُس کا دل لگا ہوا نہ ہو تو پھر حضرت والا فرماتے ہیں کہ ربِ جہاں کے ساتھ جس دل کو رابطہ ہوتا ہے اُس کی دعا بھی آہ و فغاں کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ ہم نے بار ہا یہ دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ دعاؤں اور عبادتوں میں دل نہ لگنے کی بات کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی لطف و مزہ محسوس نہیں ہوتا۔ گویا طبیعت پر یہ چیزیں بہت بھاری اور گراں ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب اُن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن کو ٹی وی، وی سی آر اور انٹرنیٹ وغیرہ پر آنے والے گندے مناظر دیکھنے کی عادت ہے یا وہ عشق بازی میں پڑ کر اپنے دل میں حسین لڑکے اور لڑکیوں کو بسائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اُن کا دل ایسا ویران ہو چکا ہے اور اُس پر ایسا زہر چڑھ گیا ہے کہ اب گانے بجانے اور حرام کاریوں میں تو دل کو لذت اور مزہ نصیب ہوتا ہے لیکن نماز و تلاوت اور ذکر و تسبیح اور دعاؤں اور مناجات میں اُن کا دل نہیں لگتا اور نہ زبان سے اللہ کو پکارنے میں آہ و فغاں نکلتی ہے۔ ورنہ جس دل کا حق تعالیٰ سے گہرا رابطہ ہو تو پھر جب وہ خدا کو پکارتا ہے تو عام طور پر دیکھا جاتا ہے آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اور زبان پر آہ و فغاں جاری رہتی ہے جو دعا کی قبولیت کی نشانیوں میں سے ہے۔

بے سروسامانیٔ عشق

گرچہ میں بے گھر رہا بے در رہا
پر ترے ہی در پہ میرا سر رہا
ان کو ہر لحظہ حیاتِ نو ملی
زیرِ خنجر عاشقوں کا سر رہا

لحظہ: ہر لمحہ، ہر گھڑی۔ **حیاتِ نو**: نئی زندگی۔ **زیرِ خنجر**: خنجر کے نیچے یعنی اللہ تعالیٰ کے کلموں کے آگے اپنی خواہشات کو پورا نہ کرنا۔

گردش میں کوئی خاک بھی ہے آسماں ساتھ کے

کرتی ہے عقل نشر محبت زباں کے ساتھ
لیکن بیاں ہے عشق کا آہ و فغاں کے ساتھ

کرتا کوئی دعا ہے فقط اس زباں کے ساتھ
لیکن زباں کسی کی ہے اشک رواں کے ساتھ

رہتی کسی کی خاک ہے اس خاکداں کے ساتھ
گردش میں کوئی خاک بھی ہے آسماں کے ساتھ

آنسو جو گر گئے ہیں محبت میں دوستو
گر کر زمیں پہ رہتے ہیں وہ اختراں کے ساتھ

گلشن ہوا ہے مجھ کو بیاباں بدونِ دوست
صحرا ہوا ہے رشک چمن دوستاں کے ساتھ

اختر کی یہ دعا ہے کہ یارب کرم سے تو
دونوں جہاں میں رکھنا مجھے عاشقاں کے ساتھ

مشکل الفاظ کے معنیٰ: نشر: پھیلانا۔ **اشکِ رواں**: بہتے آنسو۔ **خاکداں**: دنیا۔ **گردش**: گردش میں ہونا یعنی گھومنا، چکر لگانا۔ **اختراں**: ستارے۔ **بِدون**: بغیر۔

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بیان دنیا کے دانشوروں اور عقلمندوں کا ہوا کرتا ہے اور ایک بیان اللہ تعالیٰ کے سچے عاشقوں اور اولیاء کا ہوا کرتا ہے، دونوں کا فرق سامعین اہلِ مجلس اس طرح محسوس کر لیتے ہیں کہ اوّل کی تاثیر صرف وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور دوسرے کی تاثیر دائمی اور باقی رہنے والی ہوتی ہے۔

جس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اہلِ عقل جب محبتِ خداوندی کو نشر کرتے ہیں اور اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں تو اُس میں دل شامل نہیں ہوتا اور نہ ہی آہ و فغاں اور اشکِ رواں اُس کے ساتھ شامل ہوتی ہے جبکہ اہلِ دل کے بیان کا بیاں ایسی آہ و فغاں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اِن کے بیان میں وہ دردِ دل شامل ہے اور خاص اندرونی تڑپ اور لگن بیان کے ساتھ ملی ہوئی ہے جو سامع کو اپنی بات کو تسلیم کروانے پر بخوشی تیار کر دیتی ہے۔ جیسا کہ ایک وہ درخواست ہے جو کوئی وکیل کسی جج کے سامنے مدلل انداز سے پیش کر کے اپنے مدعا کو تسلیم کروانے کے لیے کیا کرتا ہے۔ اور دوسری جانب میں ایک وہ درخواست ہے جو چھوٹا بچہ بے زبان ہوتے ہوئے اپنی ماں کے ساتھ آہ و فغاں اور اشک بار آنسوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم سب ان دونوں کی تاثیر کے فرق سے بخوبی واقف ہیں۔

بس بالکل اسی طرح اس بیانِ اہلِ عشق اور اہلِ عقل کے درمیان بھی فرق کر لینا چاہیے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرنے کا بھی ہے کہ ایک تو وہ دعا ہے جو صرف زبان سے کی جارہی ہو یعنی مانگنے کے بجائے پڑھی جارہی ہو اور اُس میں اندرونی تڑپ اور لگن شامل نہ ہو اور دوسری وہ دعا ہے جو ایسی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کی جارہی ہو جس میں آنکھوں کے آنسو بھی شامل ہوں جو اندر کی تڑپ اور لگن بتلا رہے ہوں تو پھر یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں بڑی جلد قبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ احقر نے بچے کی مثال پیش کی ہے یہی مثال حضرت مولانا رومی نے اس مضمون کو سمجھانے کے لیے دی ہے۔

ٹھیک اسی طرح اہلِ دل اولیاء اللہ اور غیروں میں یہ ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے کہ غیر اپنے اس آب و گل کے ڈھانچے کو لے کر اسی زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور اللہ کے اولیاء اور خاص بندے گو کہ وہ بھی اسی آب و گل کو لیے ہوئے زمین پر رہتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کی خاک آسمان کے ساتھ گردش میں ہوا کرتی ہے اور وہ باطنی اور معنوی طور پر اپنے قلب سے حق تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی اُس کو ایسا عالمِ قرب اور حضور عطا ہو جاتا ہے کہ وہ خلق میں رہتے ہوئے بھی خالق سے جڑے رہتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں جو آنسو گر جاتے ہیں اگرچہ وہ بظاہر زمین پر گرتے ہیں لیکن وہ اپنی حقیقت وحیثیت میں ستاروں سے کم نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا اس کی تشریح کی گئی ہے اور ایسے اولیاء اللہ کی یہ حالت ہوا کرتی ہے کہ وہ گلشن میں رہتے ہوئے بھی اگر حق تعالیٰ کا وصال حاصل نہ ہو اور کسی خوبصورت عمدہ جگہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں اور گناہوں کا صدور ہو رہا ہو تو اُن کے لیے وہ گلشن بیابان بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ کسی بوریا یا چٹائی پر بیٹھے ہوں یا صحرا و جنگل میں بے سروسامان رہ رہے ہوں لیکن وہاں کچھ اللہ والے اللہ کو پکارنے اور اس کی یاد میں مشغول ہوں اور حق تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حفاظت ہو رہی ہو تو پھر یہ صحرا رشکِ چمن بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور خاص بندوں کا ساتھ رہنا اور ان کی ملاقات اتنی عظیم نعمت ہے کہ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

نفس مطمئنہ کو خطاب کر کے یہ حکم ہوگا کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

جب نفس مطمئنہ کو خطاب کیا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی تو پہلے اس کو یہی حکم ہوگا کہ میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یعنی عباد الرحمٰن، اولیائے کرام کے ساتھ مل کر جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔

اسی مضمون کو حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں پہلے اللہ کے صالح اور مخلص بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے پھر جنت میں داخل ہونے کا، تو اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ کے صالح مخلص بندوں کے زمرے میں شامل ہو، ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت ومعیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی اُن کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اسی لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا: "وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ" اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا میں فرمایا: "وَاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ" معلوم ہوا کہ صحبتِ صالحین وہ نعمتِ کبریٰ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی دعا سے مستغنی نہیں۔ (معارف القرآن، جلد: ۸، صفحہ: ۷۴۵)

اس لیے حضرت والا یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کے کرم سے یہ بھیگ مانگتا ہوں کہ مجھے دونوں جہاں میں اپنے عاشقوں کے ساتھ رکھنا۔

دو عبرت و نصیحت کے واقعات

اس آیت کے ضمن میں احقر کو بعض عبرتناک واقعے ذہن میں آئے جن کو حضرت مفتی شفیع صاحب نے اس آیت کے تحت نقل کیا ہے:

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا طائف میں انتقال ہوا۔ جنازہ تیار ہونے کے بعد ایک عجیب وغریب پرندہ جس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی آیا اور جنازہ کی نعش میں داخل ہوگیا، پھر کسی نے اُس کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا جس وقت نعش قبر میں رکھی جانے لگی تو قبر کے کنارے ایک غیبی آواز نے یہ آیت پڑھی: "یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ الخ سب نے تلاش کیا کون پڑھ رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ (ابن کثیر)

اور امام حافظ طبرانی نے "کتاب العجائب" میں اپنی سند سے فتان بن رزین ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمیں بلادِ رُوم میں قید کرلیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کافر بادشاہ نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس کا دین اختیار کریں اور جو اس سے انکار کرے گا، اُس کی گردن مار دی جائے گی، ہم چند آدمی تھے۔ ان میں سے تین آدمی جان کے خوف سے مرتد ہوگئے، بادشاہ کا دین اختیار کرلیا۔ چوتھا آدمی پیش ہوا۔ اُس نے کفر کرنے اور اس کے دین کو اختیار کرنے سے انکار کیا۔ اس کی گردن کاٹ کر سر کو ایک قریبی نہر میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس وقت تو وہ سر پانی کی تہ میں چلا گیا۔ اس کے بعد پانی کی سطح پر اُبھرا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر ان کے نام لے کر آواز دی کہ فلانے فلانے اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ

النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ''، اس کے بعد پھر پانی میں غوطہ لگا دیا۔

یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ کر تقریباً سب مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا۔ یہ تین آدمی جو مرتد ہو گئے تھے، یہ سب پھر مسلمان ہو گئے اور پھر خلیفہ ابوجعفر منصور نے ہم سب کو اُن کی قید سے رہا کرایا۔ (معارف القرآن، جلد:۸، صفحہ:۷۴۶)

چنانچہ اس موضوع پر بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں کہ جب بعض خاص بندۂ مؤمن دنیا سے چلے جاتے ہیں تو اُن کی روحوں کو باقاعدہ "علیین ''میں رکھا جاتا ہے جو اللہ کے خاص بندوں کی روحوں کے رہنے کی جگہ ہے اور پھر وہاں اُن کی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی ہوا کرتی ہیں اور اُن کو اس طرح پہچانتی ہیں کہ جس طرح ہم لوگ ایک دوسرے کو دنیا میں پہچانا کرتے ہیں۔ اس مضمون کی روایت حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' میں تفصیل سے نقل کی ہیں۔ جس میں عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے احوال کے متعلق تفصیل سے روایات ذکر کی گئی ہیں۔

گزری ہے جو حیات بھی عشقِ بتاں کے ساتھ
گزرا ہے اس کا ہر نفس آلامِ جاں کے ساتھ

عشاقِ حق جہاں بھی ہیں آہ و فغاں کے ساتھ
رہتے ہیں مست لذتِ دونوں جہاں کے ساتھ

رہتا نہیں جو دوستو ربِ جہاں کے ساتھ
کیا فائدہ جو رہتا ہے سارے جہاں کے ساتھ

حال ہے جسے ہے تیری معیت ہر اک نَفَس
صحرا میں بھی رہ کر کے ہے وہ بوستاں کے ساتھ

نسبت عطا ہوئی جسے مرشد کے فیض سے
ہر لمحۂ حیات ہے سلطانِ جاں کے ساتھ

طائر نہیں جو واقفِ آدابِ گلستاں
ممکن نہیں گزر ہو کسی باغباں کے ساتھ

اختر مرے مرشد کا ذرا فیض تو دیکھو
کس طرح دردِ دل کیا میرے بیاں کے ساتھ

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ نَفَس: ہر سانس، ہر لحہ۔ **الام:** الم کی جمع یعنی دُکھ اور پریشانی۔ **مست:** کوش، مگن۔ **معیت:** ساتھ۔ **سلطانِ جاں:** اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ **طائر:** پرندہ، سالک مراد ہے۔ **واقف:** آشنا، جاننے والا۔ **گذر:** نباہ۔ **باغباں:** مالی، اللہ تعالیٰ کے راستے کا رہبر یعنی کہ شیخ مراد ہے۔ **بیاں:** تقریر، وعظ۔

جس شخص کو اپنی زندگی میں کبھی بھی عشقِ بتاں کے ساتھ واسطہ پڑا ہو تو وہ بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے خواہ وصالِ محبوب کی صورت ہو یا فراقِ محبوب کی ہر صورت میں اسے کیسی تلخیٔ حیات ملی ہے اور اس کا ہر سانس کتنا عالمِ جاں کے ساتھ گزرا ہے جو اس راہ سے گزر کر پھر اپنے اللہ کی محبت کی طرف آتے ہیں اور انہیں سکون اور لطفِ حیات نصیب ہوتا ہے، تب اُن کو اس کا احساس اور بڑھ جاتا ہے کہ ہم اُس عشقِ بتاں کے زمانے میں اتنے کرب و بے چینی اور رنج و غم کی زندگی گزار رہے تھے، اب جب عشقِ حق کی دولت نصیب ہوئی جس کی برکت سے آہ و فغاں کی دولت بھی مل گئی تو اسی دنیا میں رہتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اتنی اونچی نعمت مل گئی ہے کہ جیسے کہ دونوں جہاں کی لذت عطا ہوگئی ہو، اس لیے یہ لوگ دونوں جہاں کی لذت کے ساتھ مست رہتے ہیں۔

بھلا وہ زندگی کوئی زندگی کہلانے کے قابل ہے جو زندگی دینے والے سے بغاوت کرکے اور اُس کی نافرمانیوں کے ساتھ گزاری جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور خصوصی مدد و نصرت ایسے بندے سے چھوٹ جاتی ہے اور اُس کا ہر نفس بے چینی اور پریشانی میں گزرتا ہے حالانکہ اصل ایسی گزری ہوئی زندگی کا عذاب اور سزا آخرت میں دیا جائے گا لیکن اسی دنیا میں کچھ نہ کچھ حصہ اُس کا عطا کردیا جاتا ہے۔ اور اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بغیر جو زندگی گزر رہی ہے خود اسی حیاتِ دنیاویہ میں بھی اُس کو جینے میں کوئی لطف میسر نہیں ہوتا۔ اس لیے بالکل حق اور سچ ہے کہ اے میرے دوستو! جو ربِ جہاں کے ساتھ نہ رہتا ہو تو اُسے سارے جہاں کے ساتھ رہنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ قیمتی حیات تو اس شخص کی ہے جسے ہر سانس اللہ تعالیٰ کی معیت اور ساتھ حاصل ہو جائے جو کہ تقویٰ کے ذریعے سے ہوا کرتا ہے پھر تو اس کا معاملہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ وہ صحرا میں رہ کر بھی بوستاں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب خصوصی اللہ تعالیٰ کی نسبت عطا ہو جاتی ہے جو کہ اپنے شیخ و مرشد کی توجہات اور دعاؤں کے نتیجے میں بآسانی مل جایا کرتی ہے تو پھر اُس کا ہر لمحۂ حیات خالقِ حیات کے ساتھ گزرتا ہے۔ یعنی وہ کسی گھڑی بھی اپنے مولا سے غافل نہیں رہتا جو کہ اصل مقصدِ حیات ہے۔

بھلا جو طائر آدابِ گلستان سے واقف نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اُس کا کسی باغبان کے ساتھ گزر ہو جائے۔ پس اسی طرح جو انسان دنیا میں زندگی گزارتا ہو لیکن اُسے جینے کے آداب اور طریقے معلوم نہ ہوں اور اُسے اس خالقِ جہان کی اطاعت و فرمانبرداری سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا باغی بن کر نافرمانی اور گناہوں میں زندگی گزارتا ہو تو کس طرح یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ اس دنیا میں اسے آسائش اور راحت کے ساتھ جینے کی نعمت میسر آجائے۔ بلکہ جس طرح وہ باغبان اس پرندے کو وہاں رہنے نہیں دے گا اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ ایسے آدمی کو دنیا میں لطف کی زندگی جینے نہیں دیں گے۔

اخیر میں حضرت والا وہی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اختر کو ایسا مرشد اور مصلح، صاحبِ دردِ دل شیخ عطا کیا ہے کہ جن کی صحبت اور خدمت کی برکت سے آج اختر فضلِ الٰہی اور توفیقِ الٰہی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہے کہ اُسے ایسے بیانات کرنے کی نعمت عطا ہوئی ہے جو اپنے اندر عجیب دردِ دل لیے ہوئے ہے جس سے اہلِ مجلس جھوم اُٹھتے ہیں اور اپنے سینے میں اللہ تعالیٰ کا تعلق اور دوستی محسوس کرتے ہیں۔ یہ بات ہم متعلقینِ حضرت والا اور اہلِ مجلس رات و دن بخوبی دیکھتے رہتے ہیں اور سارے عالَم میں حضرت والا کے عام و خاص احباب اس بات کو بکثرت بیان کرتے ہیں۔

اب ہو گئے ہیں وقف کسی آستاں کے ساتھ

کچھ سابقہ ضرور ہے دردِ نہاں کے ساتھ
ہے میرا رابطہ اگر آہ و فغاں کے ساتھ

اخلاص سے جو رہتا ہے پیرِ مغاں کے ساتھ
رہ کر زمیں پہ رہتا ہے وہ آسماں کے ساتھ

جو حسرتوں سے رہتا ہے زخمِ نہاں کے ساتھ
وہ دل سے رہا کرتا ہے ربِ جہاں کے ساتھ

رہتے تھے میر جو کبھی حسنِ بتاں کے ساتھ
اب ہوگئے ہیں وقف کسی آستاں کے ساتھ

مشغول تھی جو روح کبھی این و آں کے ساتھ
رہتی ہے شب و روز وہ ربِ جہاں کے ساتھ

چلتا نہیں ہوں میں کبھی اہلِ جہاں کے ساتھ
میں چل رہا ہوں دوستو ان کے نشاں کے ساتھ

رو پڑتے ہیں کیوں لوگ میری داستاں کے ساتھ
شاید کہ میرا دل بھی ہے میری زباں کے ساتھ

دھوکہ نہ کھایئے کبھی اہلِ فغاں کے ساتھ
باطن میں ہے بہار بظاہر خزاں کے ساتھ

طائر کی دوستی ہے اگر باغباں کے ساتھ
محروم نہ ہوگا وہ کبھی آشیاں کے ساتھ

اخترؔ مجھے تو آہِ بیاباں سے عشق ہے
رکھتی ہے جو کہ وقف مجھے جانِ جاں کے ساتھ

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔ **سابقہ**: واسطہ، تعلق۔ **رابطہ**: تعلق۔ **اخلاص**: اللہ تعالیٰ کے لیے۔ **پیرِ مغاں**: شراب بیچنے والا، مراد شیخ ہے۔ **وقف**: کسی کام کے لیے وقف ہونا یعنی اس میں اتنا زیادہ مشغول اور مصروف ہونا کہ کسی اور کام کی طرف توجہ نہ ہوسکے۔ **آستاں**: چوکھٹ، دروازہ، شیخ کی خانقاہ مراد ہے۔ **این و آں**: اِس اور اُس، یہ اور وہ، مراد غیر اللہ ہے۔ **شب و روز**: رات دن ہے۔ **اہلِ فغاں**: وہ اللہ والے جو بظاہر پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ **باطن**: اندر، دل۔ **طائر**: پرندہ، سالک مراد ہے۔ **باغباں**: مالی، شیخ مراد ہے۔ **آشیاں**: گھر، گھونسلہ، اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزل مراد ہے۔ **جانِ جاں**: محبوب، اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔

یہ بات دنیا کے محسوسات میں ہم یہ بات بخوبی جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جہاں کوئی اندرونی تکلیف اور بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بلاارادہ اُس کی زبان سے آہ آہ نکلتی رہتی ہے۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ اس موقع پر بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی محبت میں گھائل ہو اور اُسے حق تعالیٰ کا دردِ محبت قلب میں عطا ہو گیا ہو تو وہ بھی اسی طرح آہ و فغاں کیا کرتا ہے اور اُس کی آنکھ سے اشک جاری رہتے ہیں جو اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ اس کے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ لگی ہے اور اسے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد حاصل ہے۔ اس لیے دردِ نہاں کو آہ و فغاں کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے۔ بغیر وجہ اور سبب کے کوئی آہ و فغاں نہیں کیا کرتا۔

اور جو آدمی کسی اللہ والے کے ساتھ اخلاص کے ساتھ رہ لے گا تو سنت اللہ یہ ہے کہ اُسے حق تعالیٰ اپنی نسبتِ خاصہ اور قرب کی دولت عطا فرمادیں گے جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ زمین پر رہنے کے ساتھ ایسا محسوس کرے گا کہ میں آسمانوں میں ہوں۔ بس شرط یہی ہے کہ اخلاص کے ساتھ تعلیمات کی اتباع کرتے ہوئے اور اپنے احوال کی اطلاع کے ساتھ تجویزِ شیخ پر پورے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ عمل پیرا ہو رہا ہو جو حقیقت میں شیخ سے استفادے کی صحیح صورت ہے اور جس میں سے کسی ایک کے فقدان کے ساتھ پورا فائدہ میسر نہیں ہوتا۔

اور صحبتِ شیخ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُٹھائے جانے والے غم اور حسرت سہنے کی عادت ڈال لے اور نافرمانی و گناہوں کو چھوڑنے کی وجہ سے دل پر زخم لگنا گوارا اور منظور کرلے تو پھر اُسے ایسا دل عطا ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معیتِ خاصہ میں رہتا ہے اور وہ دل سے گویا ربِ جہاں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بارہا یہ بات دیکھی گئی جب کوئی حسنِ بتاں کا دلدادہ اور فانی حسینوں کے چکر میں پھنسا ہوا انسان کسی اللہ والے کی چوکھٹ سے جڑ گیا اور اُس کا وہاں سے رابطہ پیدا ہو گیا تو پھر اُسے حق سبحانہ وتعالیٰ این و آں کے چکر سے محفوظ فرمالیتے ہیں۔ اور اُس کے دل کو دنیا کی مختلف فکروں اور عشق بازی کی بے چینی و پریشانیوں سے بچا کر ایسی کیفیت عطا فرمادیتے ہیں کہ وہ دل دل میں ہر گھڑی حق تعالیٰ کی ملاقات کا شرف حاصل کر کے اُس کی لذت اور فرحت پاتا رہتا ہے۔

اور جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اپنا خاص نشان بتادیتے ہیں تو پھر اُس کا اہلِ جہاں اور دنیا والوں کے ساتھ نہ دل لگتا ہے نہ اُس کا اُن کے ساتھ رہ کر وقت گزر پاتا ہے، اس لیے اُسے صرف اللہ والے ہی اپنی محفل کا ساتھی نظر آتے ہیں اور وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں کبھی اہلِ جہاں کے ساتھ نہیں چلتا ہوں، اس لیے کہ اُن کے ساتھ چلنے میں بہت سے کام حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کرنے پڑتے ہیں۔ بس میں ایک ایسے نشان کے پیچھے چل رہا ہوں کہ جس میں حق تعالیٰ کی مرضی پر میں اپنی مرضی کو قربان کر چکا ہوں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں میرے مولا کی مرضی ہو وہاں میری مرضی ہے اور جہاں میرا مولا ناراض ہو تو اُس کے قریب جانا میرے لیے ہلاکت و بربادی سے کم نہیں۔ اس لیے میری زندگی گزارنے کا یہ معیار ہے اور یہی

وہ نشان ہے جس کے ساتھ میں چل رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس طرح زندگی گزارتے ہیں اور پھر اُن کو اللہ تعالیٰ اپنی خاص محبت دے دیتے ہیں تو جب وہ اپنی داستانِ محبت دھرانے بیٹھتے ہیں اور اپنے دردِ دل کو خاص اسلوب میں پیش کرتے ہیں تو لوگ اُسے سن کر تائب ہوتے ہیں اور رو پڑتے ہیں۔ اور یہی اس بات کی نشانی ہے کہ وہ محض ظاہری زبان سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ اُن کے سینے میں ایک درد ہے جو لوگوں کو اہلِ درد بنا رہا ہے۔

اس لیے بسا اوقات یہ اہلِ دل لوگ ظاہری طور پر خستہ حالی میں ہوتے ہیں لیکن اپنے باطن میں ایسی بہار لیے ہوئے ہوتے ہیں جس کا اُن کے ظاہر کو دیکھ کر کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا۔ یعنی بہار بظاہر خزاں کا منظر ہوتا ہے، صورتاً تو بے سروسامانی اور چاک گریبانی کا عالم ہے لیکن اندر میں ایک عجب بہارِ بے خزاں کا عالم موجود رہتا ہے۔

اس کا فلسفہ اور حکمت یہی ہے کہ جب بندہ اللہ کے ساتھ دوستی کرلے گا تو اُسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی لذتِ لازوال سے محروم نہیں کریں گے۔ اب یہ دوستی جس درجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط اور طاقتور ہوگی اسی درجہ میں قلب کو لذتِ قرب بھی میسر آئے گی۔ اور پھر اُس کی حالت وہ ہوجائے گی جو حضرت نے اخیری شعر میں پیش فرمائی کہ الحمدللہ اختر کا حال یہ ہے کہ اُسے تو آہیں بیابانی سے عشق ہو چکا ہے جس کی برکت سے دل کا حال یہ ہوگیا ہے کہ میرا قلب ہر وقت جانِ جاں یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ وقف رہتا ہے۔ اگرچہ ظاہری حالات اور معاملاتِ دنیاویہ بشری تقاضے کے مطابق انجام دینے پڑتے ہیں۔ یہی اعلیٰ مقامِ قرب ہے کہ ہر وقت دل اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو اور اُس پر غفلت نہ گزرنے پائے۔

دیوانۂ زنجیرِ شریعت

پا بہ زنجیر جو دیوانہ نظر آتا ہے
وہی اسرارِ محبت کی خبر لاتا ہے
جانِ مضطر کو بصد شوق فدا کرنے کو
سوئے مقتل تر دیوانہ بڑھا جاتا ہے

پابہ زنجیر: قیدی جس کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں۔ **اسرار:** راز۔ **جان مضطر:** بےچین و بےقرار۔ **بصد شوق:** بہت زیادہ اشتیاق کے ساتھ۔ **سوئے مقتل:** قتل کرنے کی جگہ کی طرف۔

لیکن بہارِ قلب ہے یادِ خدا کے ساتھ

رہتے ہیں میر ان دنوں بادِ صبا کے ساتھ
اور دل ہے مست جام شرابِ وفا کے ساتھ
گلشن کی ہے بہار تو بادِ صبا کے ساتھ
لیکن بہار قلب ہے یادِ خدا کے ساتھ
ہر وقت اس کا کیف ہے رشکِ شہانِ ارض
جیتا ہے جو غلام خدا کی رضا کے ساتھ
توبہ خطا کے بعد ضروری ہے دوستو
شامل اگرچہ ان کا کرم ہو خطا کے ساتھ
اخترؔ وہ باخدا کبھی ہوجائے گا ضرور
رہتا ہے روز و شب جو کسی باخدا کے ساتھ

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **بادِ صبا**: صبح کی ہوا۔ **مست**: مگن، خوش۔ **جام**: شراب کا پیالہ۔ **کیف**: مزہ۔ **رشکِ شہانِ ارض**: زمین کی بادشاہت کے مزے۔ **خطا**: گناہ، غلطی۔ **باخدا**: اللہ والا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دنیا کے طیبات اور لذیذ چیزوں کو حرام نہیں فرمایا اور اولیاء اللہ بھی دنیا کی ظاہری خوشیاں اور لذتیں اُٹھانے میں صرف رضائے الٰہی کی پابندی کرتے ہیں کہ اُن خوشیوں میں کوئی معصیت و نافرمانی شامل نہ ہو ورنہ اگر کسی کو ظاہری نعمتیں میسر آجائیں اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور جامِ شرابِ وفا کے ساتھ مست ہو تو پھر ظاہر کی خوشیو اور لذتوں کو حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ اور تنگی و پریشانی نہیں ہے۔

بس اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہو اور اِن خوشیوں میں لگ کر حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں تو پھر جس طرح گلشن کی بہار بادِ صبا کے ساتھ ہوتی ہے، اسی طرح قلب میں حق تعالیٰ کی یاد کے ساتھ عجب بہارِ بے خزاں آئی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کو ایسا کیف و سرور حاصل ہوتا ہے جو رشکِ شہانِ ارض ہے۔ لیکن یہ اُسی وقت تک حاصل رہے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں کی کوئی پوری پابندی کرتے رہیں اور گناہوں سے مکمل پرہیز اور اجتناب کا اہتمام ہو۔ ہاں اگر کبھی بتقاضائے بشریت کسی گناہ کا صدور ہوجائے تو فوراً توبہ کرلی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خطا کے بعد توبہ کے ہونے کے نتیجے میں بندہ ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ کوئی بندہ کے وضو ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ وضو کر کے پاکی حاصل کرلے۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا وضو توبہ ہے، مایوس کبھی نہ ہونا چاہیے۔ اگر کبھی بھی تقویٰ ٹوٹ جائے تو توبہ کر کے پھر سے اُس کو جوڑ لے۔

اور آخر میں حضرت وہی نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! یاد رکھو ایک نہ ایک دن وہ شخص ضرور باخدا ہو جائے گا جو شب و روز کسی باخدا کے ساتھ رہے گا۔ جیسا کہ حضرت تائب صاحب دامت برکاتہم کا شعر ہے ؎

سلسلہ والوں سے اگر ہم سلسلہ رکھا کریں
خود پہنچنے کا خدا تک سلسلہ ہوجائے گا
باخدا کے پاس جو آتا رہے جاتا رہے
باخدا ہوجائے گا وہ باخدا ہو جائے گا

زخمِ حسرت کی بدولت محرمِ منزل ہوا

نعمت بے کیف و کم نسبت کا جو حامل ہوا
وہ گروہِ اولیاء میں فضل سے شامل ہوا

جو خدا والوں کی صحبت سے ذرا غافل ہوا
اس کا دل فانی حسینوں کی طرف مائل ہوا

لطف دردِ دل کا جس کی روح کو حاصل ہوا
عاشقوں میں وہ خدا کے بالیقیں شامل ہوا

جو حسینوں کی طرف اک ذرّہ بھی مائل ہوا
پس اسی دم دور اس کے قرب کا ساحل ہوا

حسن فانی سے نظر جس نے بچائی دوستو
زخم حسرت کی بدولت محرمِ منزل ہوا

اہلِ دل کی بزم میں اختؔر جو شامل ہوگیا
اس کے آب و گل میں داخل جلد دردِ دل ہوا

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **بے کیف و کم**: جس کی حد بندی ہوسکے نہ کیفیت بیان کی جاسکے۔ **گروہ**: جماعت۔ **اولیاء**: ولی کی جمع، اللہ تعالیٰ کے دوست۔ **فضل**: اللہ تعالیٰ کی مہربانی۔ **مائل**: راغب۔ **بالیقیں**: یقیناً۔ **اسی دم**: اسی وقت۔ **حسرت**: وہ غم جو خواہش کے پورا نہ ہونے سے پیدا ہو۔ **بدولت**: ذریعہ، سبب۔ **محرم**: واقف، آشنا۔ **آب و گل**: پانی اور مٹی مراد جسم ہے یا دل۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے نسبت مع اللہ کی حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان کو دوامِ طاعت اور کثرت ذکر والی کیفیت حاصل ہوجائے یعنی ہر وقت ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا حکم یاد رہے اور اطاعت و

فرمانبرداری اُس کی عادتِ ثانیہ بن جائے اور ذکر اللہ سے کسی لمحہ بھی غافل نہ ہو۔ جس آدمی کو یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گروہِ اولیاء میں شامل ہو جاتا ہے اور یہ نعمت ایسی عجیب وغریب ہے کہ اس کا کوئی خاص کم وکیف نہیں ہے ہاں جسے حاصل ہوتی ہے وہ اس کو محسوس کرتا ہے اور آثار واحوال سے اس کو سمجھا اور جانا جاتا ہے۔ لیکن لفظوں سے بیان نہیں کیا جاتا اور اگر بیان کر دیا جائے تو کماحقہٗ اس کا سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

اُس کے حصول کی آسان صورت اللہ والوں کی صحبت میں رہنا ہے جو شخص اہل اللہ کی صحبت سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اُس کا دل دنیا کی طرف مائل ہونے لگتا ہے اور آج کل کے مرض کے اعتبار سے وہ خاص وبائی بیماری یعنی حسینوں اور حسیناؤں کے چکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ غفلت کا خاص اثر ہے ورنہ جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں قائم رہے گی جس کی آسان صورت اہل اللہ کی صحبت میں رہنا ہے، تب تک وہ ان فانی حسینوں اور دنیا کے چکروں سے محفوظ رہے گا کیونکہ حدیثِ پاک میں اہل اللہ کی صحبت کا ایک بڑا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد حاصل ہو جاتی ہے اور ذکرِ خداوندی غفلت کی ضد ہے۔ تو جب اللہ کی یاد ہوگی تو غفلت نہیں ہوسکتی اور جب غفلت نہیں ہوگی تو پھر دنیا کے فانی عیش وعشرت اور حسینوں کی عارضی لذت کی طرف اُس کا دل مائل نہ ہوگا۔

اسی صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے آدمی کو بسہولت وعافیت بلکہ بصد حلاوت ولذت خاص محبتِ خداوندی حاصل ہو جاتی ہے جس کو ہم دردِ دل سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا لطف روح کو مل جانے کے بعد بلاشبہ وہ بندہ اللہ کے عاشقوں اور دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اُس کا دل تھوڑی دیر کے لیے بھی دنیا کی طرف مائل ہو اور حسین اور حسینہ کے چکروں میں پڑنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اُس کے قرب کا ساحل دور جا چکا ہے۔ ہاں حسنِ فانی سے نظر بچانے میں جو طبیعت میں غم اور دُکھ، حسرت وتکلیف ہوگی اُس کے زخم کی بدولت اللہ تعالیٰ اُسے محرمِ منزل کر دیں گے اور وہ جلد ساحل کو پالے گا۔

بس اخیر میں حضرت اسی بات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ جو شخص اہلِ دل کی بزم میں شامل ہو گیا تو سمجھ لو کہ اُس کے آب وگل میں بڑی جلد دردِ دل داخل ہو جاتا ہے۔ اس لیے جسے یہ مقام حاصل کرنا ہو تو اُس کا آسان اور سہل راستہ اہلِ دل کی بزم میں شامل ہونا ہے۔ ان کے ساتھ سفر وحضر میں رہنا اور اُن کی خدمت وصحبت سے اس نعمت کا مل جانا تمام بزرگوں اور اسلاف کا تجربہ رہا ہے۔

دھواں اُٹھا نشیمن سے یہ کہہ صیادِ ظالم سے

منور کردے یارب مجھ کو تقویٰ کے معالم سے
ترے در تک جو پہنچادے ملادے ایسے عالم سے

علاجِ حزن و غم ہے صرف توبہ کر گناہوں سے
اندھیرے بے سکونی ہیں معاصی کے لوازم سے

جو دل سے غیر مخلص ہو وفاداری سے عاری ہو
بہت محتاط رہنا چاہیے پھر ایسے خادم سے

کیا برباد جس نے آخرت کو اپنی غفلت سے
بھلا پھر فائدہ کیا اس کو دنیا کے مغانم سے

نہ اہلِ دل کی صحبت ہو نہ دردِ دل کی نعمت ہو
تو پڑھ لکھ کر بھی وہ محروم ہوگا قلبِ سالم سے

کسی کی آہِ سوزندہ فلک پر نعرہ زن بھی ہو
تو پھر ظالم کو ڈرنا چاہیے اپنے ظالم سے

کہیں شامل نہ ہو طائر کی بھی آہ و فغاں اس میں
دھواں اُٹھا نشیمن سے یہ کہہ صیادِ ظالم سے

کتب خانے تو ہیں اختر بہت آفاقِ عالم میں
جو ہو اللہ کا عالم ملو تم ایسے عالم سے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **منور**: روشن۔**معالم**: معلم کی جمع،نشانی۔**حزن**: رنج۔**معاصی**: معصیت کی جمع، گناہ، نافرمانی۔**لوازم**: لازمی چیز۔**عاری**: خالی محروم۔**خادم**: خدمت کرنے والا۔**مغانم**: نعمتیں مراد ہیں۔**قلب سالم**: تندرست دل۔**سوزندہ**: جلا ڈالنے والی۔**نعرہ زن**: فریاد کرنا مراد ہے۔**مظالم**: ظلم اور زیادتی۔**نشیمن**: مسکن، گھر، گھونسلہ۔ **صیاد**: شکاری۔**آفاق**: اطراف۔**عالم**: دنیا۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث پاک میں یہ دعا منقول ہے جس میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے عاشقوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت حق تعالیٰ سے مانگی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچادے۔

یہ حضرت والا کی مانگی ہوئی دعا کچھ اسی طرح سے ہے کہ ایک طرف تو حضرت نے تقوے کے اعمال کی

اللہ سے درخواست کی ہے اور ایسی عبادات وطاعات کی درخواست فرمائی ہے کہ جو تقوے کے معالم اور مظاہر ہیں۔ اور فرمایا کہ اے اللہ! مجھے تقویٰ کے معالم سے منور فرمادے اور پھر اللہ کے ایسے عاشق کی بھی درخواست کی ہے کہ جو مجھے آپ کے در تک پہنچادے۔ ظاہر ہے ایسا شخص صرف عالم نہیں ہوسکتا بلکہ وہی عالمِ ربانی جس نے کسی اہلِ دل کی صحبت اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد حاصل کیا ہوا جسے ہم اپنی اصطلاح میں شیخ کامل اور مصلح و مرشد کہتے ہیں کیونکہ جب ایسے عالم سے واسطہ پڑ جائے گا اور اُس سے ملاقات اور اُس کے ساتھ تعلق نصیب ہوجائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اور تقوی کے اعمال کی توفیق ملنا سہل اور آسان ہوجاتا ہے۔

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے گنہگارو! تم گناہوں کے ذریعے سے سکون حاصل کرنا چاہ رہے ہوتو یہ تمہاری ناسمجھی اور نادانی ہے کیونکہ جتنے معاصی اور نافرمانیاں ہیں وہ سب اندھیرے اور ظلمتیں ہیں۔ اور بھلا اندھیروں اور ظلمتوں میں پڑ کر کسی کو سکون ملا کرتا ہے؟ لہٰذا توبہ کرکے گناہوں سے باز آجاؤ اور اپنے غم اور پریشانی کا علاج کرلو کیونکہ توبہ کی برکت سے تمہارے یہ اندھیرے ختم ہوکے اُجالے نصیب ہوں گے اور بےسکونی ختم ہوکر پُرسکون زندگی عطا ہوجائے گی۔ اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص ظاہری طور پر کسی شیخ کے سے تعلق رکھتا ہو اور وفاداری کا دم بھرتا ہو لیکن وہ دل سے مخلص نہ ہو اور صحیح شیخ کی صحبت میں رہنے کی شرائط پوری نہ کررہا ہو تو پھر ایسے شخص سے شیخ کو محتاط رہنا چاہیے کیونکہ جب اُس کے اندر اخلاص اور وفاداری کا مادّہ نہیں ہے تو وہ کسی بھی موڑ پر پہنچ کر شیخ کے لیے باعث اذیت وتکلیف ہوسکتا ہے۔ اور دوسرے متعلقین اور محسنین اور صحیح خیرخواہوں کے حق میں ضرررساں ثابت ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اس طرح کے واقعات سے تاریخ بھری ہوئی ہے کہ اہل اللہ کے پاس ایسے لوگ خادموں میں رہ کر صحیح سچے طلبِ صادق رکھنے والے مخلص ساتھیوں کو بےانتہا ضرر اور نقصان پہنچایا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنی غفلت سے آخرت کو برباد کرلیا ہو تو اُس کے لیے یہ دنیا کوئی راحت وآرام کی جگہ نہیں ہے۔ اور اسے اس دنیا اور اس کی نعمتوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے بنظرِ حقیقت کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ نقصان ہی نقصان ہوا کیونکہ فائدہ جب پہنچتا جب وہ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بناتا اور یہاں رہ کر غفلت کی زندگی نہ گزارتا ہو۔

بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اُس کی دی ہوئی دنیا کو اُسی کی راہ میں استعمال کردیتا۔ جس کی آسان صورت یہی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت مل جائے ورنہ جو اس سے محروم ہوا تو اُسے دردِ دل کی نعمت بھی نہیں ملتی۔ ہم نے کتنے ہی پڑھے لکھے اہلِ علم دوستوں کو دیکھا گو کہ اُن کے پاس کتابوں کا مطالعہ اور معلومات کا ذخیرہ بہت موجود ہے اور وہ اپنی معلومات اور علمی صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت سے ہم عصروں پر فائق اور بڑھے ہوئے ہیں اور اُن کا نام خوب مشہور ومعروف ہے لیکن قلب سالم اور دلِ دردمند سے وہ محروم رہتے ہیں۔ اس کی ایک دو مثال ہو تو پیش

کروں، سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں ہمارے معاشرے کے اندر موجود ہیں کہ پوری زندگی درس و تدریس میں لگے رہنے کے باوجود اُن کے دل کا حال اور زندگی کے نقشے جب آئینۂ سنت و شریعت میں دیکھے جاتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ کوئی تعلق ہی جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زندگی سے نہیں۔ اس لیے اصل چیز دنیا میں رہتے ہوئے قلبِ سلیم اور قلبِ منیب حاصل کرنے کی فکر کرنا ہے جو قلبِ سلیم والوں سے اور قلبِ منیب والوں ہی سے حاصل ہوگی۔

اس کے بعد حضرت والا ایسے بدگمان، نادان اور جاہل شخص کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ جو اللہ والوں سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اُن کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اور اُن کی راحت رسانی کے بجائے ایذا رسانی کا باعث بنتا ہے کہ اے نادان! تجھے یہ نہیں پتہ کہ جب مظلوم کی آہ فلک پر جا کر نعرہ زن ہوتی ہے تو وہ ظالم کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور وہ اُس سے بچ کر نہیں جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مظلوم اگر کافر بھی ہو تو اُس کی آہوں سے ظالم مسلمان بھی نہیں بچ سکتا۔ اس لیے جو لوگ کسی پر ظلم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بالخصوص اہل اللہ کے دُشمن بنے ہوئے ہیں اُن کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیے۔ ورنہ آخرت کی تباہی کے ساتھ ساتھ اُن کی دنیا ہی تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔ جیسا کہ ماضی میں انبیاء و اولیاء کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے والے عبرت کا نشان بن گئے کیونکہ جب مظلوم کی آہ و فغاں نکلے گی تو اُس کی دل پر لگی ہوئی چوٹ اور تکلیف کا ایسا اثر ہوگا کہ وہ ظالم کے نشیمن جو جلا کر رکھ دے گا اور جب وہ اُجڑے گا اور برباد ہوگا تو اُسے اس کے قلبی شقاوت کی وجہ سے اگرچہ اُس کے دوسرے اسباب نظر آئیں گے جو اُسے ظاہر میں دکھائی دے رہے ہوں لیکن حقیقت میں درپردہ اُس مظلوم کی آہ اُس میں شامل ہوگی۔

اور سب سے آخری شعر میں حضرت والا نے بڑی قیمتی بات ارشاد فرمائی کہ اے اختر! آفاقِ عالم میں جا کے اور گھوم پھر کر دیکھو گے تو کتب خانے تو بہت مل جائیں گے اور اُن میں کتابوں کے ذخیرے خوب نظر آئیں گے لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ تمہیں جو کچھ حاصل ہوگا وہ اسی صورت میں ہوگا کہ تم اللہ کے عارف سے ملو اور جس نے خدا کو پہچانا ہو اُس کے قریب رہو، بے شک کتابوں کا مطالعہ تو رہے لیکن اگر صرف کتابوں کے ہو کے رہ جاؤ گے اور کتب بینی کرتے رہو گے جبکہ قطب بینی سے غافل ہو گے تو پھر سوائے ظاہری معلومات اور علمی دلائل و براہین کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قرآن نے صاف اعلان کر دیا کہ اگر تم مجھے پہچاننا چاہتے ہو تو میرے کسی باخبر بندے سے جا کے مل لو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "الرحمٰن فاسئل به خبيرا" کہ رحمٰن کی خبر کسی باخبر بندے دریافت کرو۔ اس لیے حضرت نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو ہو اللہ کا عالم ملو تم ایسے عالم سے۔ اسی سے مل کر اصل منزلِ مقصود تک رسائی ممکن ہوا کرتی ہے ورنہ یوں تو ہمارے معاشرے میں علماء کی کوئی کمی نہیں ہے۔ سیکڑوں نہیں اور ہزاروں بھی نہیں لاکھوں کی تعداد میں ہند و پاک میں علماء فارغ ہوتے ہیں لیکن اہلِ دل اہل اللہ کی صحبت نہ اُٹھانے کی وجہ

سے وہ معاشرے میں ضم ہوکر رہ جاتے ہیں اور کوئی دین کا انقلابی کام اور اونچی خدمت جو کسی اللہ والے کا فیض ہوا کرتی ہے، اُس سے وہ محروم رہتے ہیں۔

خدا کے حکم پر اپنا سر تسلیم خم کردو

خدا کے حکم پر اپنا سرِ تسلیم خم کردو
گناہوں پر ندامت سے تم اپنی چشم نم کردو
دلِ ویراں کو یادِ حق سے تم باغِ اِرم کردو
عجم کو نورِ حق سے مظہرِ نورِ حرم کردو
گناہوں کی خوشی کو خوفِ محشر سے اَلم کردو
اور اپنے آنسوؤں میں اپنا خونِ دل بہم کردو
گنہ کی صبح خوف خدا سے شامِ غم کردو
ندامت سے پھر اپنے دل کو رشکِ جامِ جم کردو
گر اُن کی راہ میں تم قلب و جاں کو وقفِ غم کردو
فلک سے اس زمین سجدہ کو تم اپنی ضم کردو
خدا کے نام پر قربان تم ساری نعم کردو
اور اختؔر اپنے قلب و جاں کو تم نذرِ حرم کردو

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سر تسلیم**: اپنے کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے حوالے کردینا۔ **خم**: جھکانا۔ **ندامت**: شرمندگی۔ **چشم**: آنکھ۔ **نم**: تر۔ **باغ ارم**: جنت کا باغ۔ **عجم**: عرب سے باہر کا علاقہ۔ **مظہر**: ظاہر ہونے کی جگہ۔ **نور حرم**: حرم کا نور یعنی بیت اللہ کا۔ **خوف محشر**: اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف۔ **الم**: رنج وغم۔ **بھم**: ساتھ۔ **جامِ جم**: بادشاہ جمشید کا پیالہ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سارے حالات اس میں دیکھ لیتا تھا۔ **وقفِ غم**: اس قدر مصروف ومشغول کہ کسی اور طرف توجہ نہ ہوسکے۔ **نذر**: قربان فدا۔

سب سے بڑی عبدیت اور بندگی یہی ہے کہ خوشی ہو یا غمی، فقر ہو یا غنا، شاہی ہو یا گدائی، خلوت ہو یا جلوت، اپنوں میں ہو یا غیروں میں، غرض کہ جس حالت میں بھی ہو اور جو بھی جس نوع کا معاملہ ہو بس ہر قدم پر اپنے اللہ سے یہی کہہ دے کہ اے اللہ! میرا سر آپ کے حکم کے سامنے تسلیم ہے۔ اور میں آپ کے ہر فیصلے پر راضی ہوں، جو بھی آپ کا حکم میرے لیے ہو میں بسر وچشم اُس کو تسلیم کرتا ہوں۔ اور جب کوئی گناہ اور نافرمانی کا صدور ہوجائے تو فوراً اپنے اللہ کے سامنے نادم اور شرمندہ ہوکر گریہ وزاری کرے اور اپنے اللہ کو راضی کرلے کیونکہ گناہ پر

ندامت یہ مؤمن کی شان ہے اور اُس پر جرأت و جسارت اور دلیر ہو جانا یہ کافر و منافق کی عادت ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے تو ان دونوں باتوں کو اپنی زندگی میں پیدا کرلو۔

اگلی نصیحت حضرت والا فرماتے ہیں کہ دلوں کی آبادی اللہ کی یاد سے ہے لہٰذا جو دل یادِ حق سے غافل ہے وہ حقیقت میں آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔ چاہے اُسے ظاہر میں اُس کی سب خوشیاں حاصل ہو رہی ہوں اور اُس کا ہر مطلوب و مدعا اُسے میسر ہو لیکن دل کی آبادی کا اُس وقت تک سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُسے یادِ حق سے آباد نہ کیا گیا ہو۔ ہاں! جب اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں بسی ہوئی ہو تو پھر یہ دلِ ویراں باغِ ارم بن جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسا کہ وہ عجم جو کہ مظہرِ ظلماتِ کفر و شرک اور فسق و فجور رہے جب اُس میں نورِ حق شامل ہوتا ہے تو وہ مظہرِ انوار و تجلیاتِ حرم بن جاتا ہے۔

وہ گنہگار جو گناہوں اور نافرمانیوں کی مجرمانہ لذت اور خوشی اُٹھا کر اپنے دل کو وقتی خوشی پہنچا رہے ہیں انہیں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جسے روزِ حساب کہا جاتا ہے اور سب کو وہاں میدانِ محشر میں اکٹھا ہو کر اپنی زندگی میں کی ہوئی تمام نافرمانیوں اور فرمانبرداریوں کی جزا اور سزا پانا ہے۔ اس لیے اے وہ شخص! جو نافرمانی کرکے اپنی آخرت کو خراب کررہا ہے غور سے سن لے کہ یہ خوشیاں اُس دن تباہی و بربادی کا باعث بنیں گی، اس لیے اس خوشی کو اللہ تعالیٰ کے غم میں بدل دے اور اپنے آنسوؤں میں اپنا خونِ دل اور خونِ جگر شامل کردے کہ سارے گناہوں کی تمام خوشیاں اور لذتیں شیرِ نر کی طرح مردانہ ہمت اختیار کرکے چھوڑنے کے ساتھ اور ہر طرح کے ارمانوں کا خون کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں تیرے آنسو بہہ رہے ہوں۔ تو ان آنسوؤں میں جب یہ خونِ جگر شامل ہوگا تو پھر حق تعالیٰ کے یہاں یہ آنسوؤں کے قطرے شہید کے خون کے قطروں کے برابر شمار کیے جائیں گے۔ اور جہاں تو گناہوں میں لذت پاتا تھا اب تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اب تو ان لذتوں کو چھوڑ دے اور گناہ کی صبح کو خوفِ خدا کو خوفِ خدا سے شامِ غم میں تبدیل کردے۔

اور یہ بات یاد رکھ! ہر شام اور رات نئی صبح کی آمد کی خبر دیتی ہے، اس لیے جب تو اپنی خوشیوں کو اللہ تعالیٰ کے غم میں بدل دے گا اور اپنے کیے پر ندامت و شرمندگی سے پچھتائے گا تو پھر تیرا دل رشکِ جامِ جم ہو جائے گا۔ یعنی اُس کو ایسی محبتِ خداوندی کی شرابیں عطا ہوں گی کہ دنیا کے جام و مینا اُس کے سامنے بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے۔ اور تو وہ شراب پی کر ایسا ساقی بنے گا کہ تجھ سے اُس کو پینے والے کتنے ہی پیاسے سیراب ہو ہو کر خود اپنی جگہ پر محبت کے مے کدے کے ساقی بن جائیں گے۔ اور جب تم اُن کے راستے میں اپنے دل و جان پر حرام خوشیوں کا غم اُٹھاؤ گے تو تم یہ دیکھ لو گے کہ تمہاری یہ زمینِ سجدہ جا کے فلک سے مل رہی ہے اور اللہ اتنا محبوب ہے کہ اُس کے نام پر ساری نعمتیں قربان کردینی چاہیے۔ اور ہر وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ سے ہمیں غافل کرنے والی ہو اُسے اللہ کے لیے اُسی کے نام پر قربان کردینا چاہیے۔ پھر دیکھو کہ اس کا کیا صلہ ملتا ہے کہ زمین پر رہتے ہوئے ایسا محسوس ہوگا کہ میں اللہ

تعالیٰ کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو رہا ہوں۔

اور آخر میں حضرت نصیحت فرماتے ہیں کہ اے اختر! تم اپنے قلب و جان کو حرم کی نذر کر دو اور اگر حرم سے دور ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال اسی طرح رکھو جیسا کہ حرم میں رہتے ہوئے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال رکھا جاتا ہے، دور رہتے ہوئے بھی اپنا یہی حال رکھو۔ تو اگرچہ تم حرم سے دور رہو گے مگر حرم والے سے دور نہیں ہو گے۔ اور اگرچہ تم اللہ کے گھر سے دور ہو گے لیکن گھر والے سے دور نہیں ہو گے۔ اور بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ حرم سے دور رہتے ہوئے حرم کا مزہ نصیب ہوتا رہے گا۔

وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

بحمد للہ مرے دل میں وہ سلطانِ جہاں آیا
لغت تعبیر سے قاصر ہے مافوق البیاں آیا

سنا ہے جلوہ اس کا کیف و کم سے پاک ہے لیکن
دلِ عارف میں آیا کس طرح فوق اللساں آیا

اسی کو اہلِ نسبت صوفیا حضرات کہتے ہیں
جو سلطانِ جہاں ہوکر کے بے نام و نشاں آیا

علامت اہلِ دل کی دوستو ظاہر نہیں ہوتی
مگر منبر پہ جب آیا تو باآہ و فغاں آیا

معیت خاصہ کا دل میں گو احساس رہتا ہے
نگاہوں میں مگر اس کا اثر تو بے زباں آیا

بڑی مدت سے دردِ دل لیے خاموش تھا ظالم
مگر محفل میں جب آیا تو باآتش فشاں آیا

طفیلِ مرشدِ کامل جو نسبت کا ہوا حامل
وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

شکستِ آرزو سے دل شکستہ ہوگیا لیکن
ہمارا دردِ دل بن کر کے خورشیدِ جہاں آیا

لگایا جس نے غیر اللہ سے دل ایسے ظالم کو
جہاں دیکھا اسے اے دوستو نوحہ کناں آیا

ہزاروں خونِ حسرت سے بہت خونِ تمنا سے
شکستہ دل میں آیا اور پھر کیسا عیاں آیا

معیت خاصہ جب اہلِ دل کو مل گئی اختؔر
وہ جب آیا ہے منبر پر تو باسحرِ بیاں آیا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ بحمد للہ: اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ۔**سلطان:** بادشاہ۔**جہاں:** دنیا۔**لغت:** زبان، ڈکشنری۔**تعبیر:** بیان کرنا، بتلانا۔**قاصر:** عاجز۔**ما فوق البیان:** جس کے بارے میں بیان نہ کیا جا سکے۔**جلوہ:** چمک یا

روشنی۔ **کیف و کم**: کیفیت یا مقدار۔ **عارف**: اللہ کی معرفت پہچان والا۔ **فوق اللسان**: زبان جس کی وضاحت سے عاجز ہو۔ **صوفیا**: صوفی کی جمع۔ **علامت**: نشانی۔ **با**: ساتھ۔ **معیت**: ساتھ ہونا۔ **خاصہ**: خاص قسم کا۔ **ظالم**: ظالم محبوب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ **با آتش فشاں**: اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی آگ برساتے ہوئے۔ **خاکی**: انسان۔ **شکستِ آرزو**: ٹوٹنا، پوری نہ ہونا۔ **شکستہ**: شکستہ ہونا یعنی ٹوٹ جانا۔ **نوحہ کناں**: نوحہ (زور زور سے رونا) ماتم کرتے ہوئے۔ **عیاں**: ظاہر۔ **سحر بیاں**: جادو بیانی کے ساتھ۔

اس نظم کے تمام اشعار میں خلاصے کے طور پر چند مضامین بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی دل میں جلوہ فرماں ہوتے ہیں تو وہ ایک ایسی حالت ہوتی ہے جس کو لغت تعبیر نہیں کر سکتی اور کوئی اُس کو لفظوں سے بیان نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اُس کی تجلیات ہر طرح کی کیف وکم سے پاک ہے۔

اور دوسری چیز ان اشعار میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قلب میں تجلّی فرمانے ہی کو حضراتِ صوفیاء نسبت سے تعبیر کرتے ہیں جو اگر چہ ایک مخفی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کی کوئی ایسی نشانی اور علامت اُس اہلِ دل کے اندر نظر نہیں آتی لیکن جب نسبت حاصل ہوتی ہے اور دردِ دل مل جاتا ہے تو اُس کا ایک خاص اثر اور نشانی یہ ہوتی ہے کہ ایسا شخص جب منبر پر آتا ہے تو اُس کے بیان میں بڑا سوز وتڑپ اور آنکھوں میں گریہ وزاری اور زبان پر آہ وفغاں رہتا ہے۔

اسی طرح تیسری بات یہ کہ جب اللہ کے اولیاء کو یہ معیت خاصہ مل جاتی ہے تو وہ اپنے دل میں ہر وقت اس کو محسوس کرتے ہیں اور اُس کے آثار قلب میں موجود پاتے ہیں۔ اور دوسرے حضرات اُن کی نگاہوں سے اس کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

اور ایک بات یہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ مرشدِ کامل کے فیض ہی سے عادتاً کوئی شخص نسبت مع اللہ حامل ہوتا ہے اور جب یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اپنی فطرت میں خاکی ہونے کے باوجود جس زمین پر آتا ہے آسمان بن کر آتا ہے۔ یعنی اُس کی آنکھوں سے ایسا دریا بہتا ہے جیسا کہ آسمان سے بارانِ رحمت اُترتی ہے۔ اور پھر وہ آنسوؤں کا دریا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کے سبب ہوتا ہے۔

اس کے بعد وہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ کر جب دل ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حق تعالیٰ اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں اور خاص دردِ دل دے دیتے ہیں۔ جس کی بدولت وہ انسان ایسا چمکا دیا جاتا ہے اور لوگوں میں مقبول بنا دیا جاتا ہے اور اُس کے فیض کو عام کر دیا جاتا ہے جیسا کے خورشیدِ جہاں کا فیض سارے عالَم کو منور اور روشن کیے ہوئے ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جو غیر اللہ سے دل لگالیتا ہے وہ ساری زندگی ہر قدم پر نوحہ کناں رہتا ہے، اُسے خوشی اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

اور آخری بات ارشاد فرمائی کہ جب معیت خاصہ کسی کو نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ جادو بیانی دے دیے

جاتے ہیں یعنی حق تعالیٰ اُن کے بیان میں اس قدر تاثیر رکھ دیتے ہیں کہ جو لوگوں کی زندگیوں کی کایہ پلٹ دیتی ہے اور قوم بآسانی اُس شخص کی بات کو تسلیم کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں روز و شب کے مشاہدات ہیں جن کا کل خلاصہ یہ ہے کہ اللہ والا بننے کے نتیجے میں حق تعالیٰ اُسے اندرونی متاعِ بے بہا یعنی اپنے قرب و معرفت کا خزانہ عطا فرماتے ہی ہیں لیکن اُس کے وجود کو مخلوق کے لیے اس قدر نافع بنا دیتے ہیں کہ اُس کی تقریر و تحریر، تصنیف و تالیف اور وعظ و بیان سے ایک خلقِ کثیر نفع اُٹھاتی ہے اور دین پر چل کر اپنی منزلِ مقصود یعنی رضائے خداوندی یعنی قربِ الٰہی کو پا جاتی ہے۔

ظلمت معصیت و انوار طاعت

پوچھے نہ کوئی اُف دلِ برباد کا عالَم
جیسے کہ جہنم میں ہو جلّاد کا عالَم
واللہ کہوں کیا دلِ آباد کا عالَم
جنت کی بھی جنت ہے تری یاد کا عالَم

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **ظلمت معصیت و انوار طاعت**: گناہ کا اندھیرا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے انوار۔ **دل برباد**: تباہ، گناہوں کے کرنے کی وجہ سے بے چین و بے سکون۔ **جلاد**: سزا دینے پر مامور۔ **واللہ**: خدا کی قسم۔ **دلِ آباد**: اللہ تعالیٰ کے ذکر و طاعت کی برکت سے دل کا خوش اور مسرور رہنا۔

زندگی کردو فدا مالک کے نام

جو بھی ہوگا ساقی مے کا غلام
رہ نہیں سکتا وہ ہر گز تشنہ کام

ایک دن عاشق کی سعی ناتمام
لطف سے مالک کے ہوگی خوش مرام

نازِ تقویٰ کب ہے عاشق کا مقام
وہ ندامت سے ہے ہر دم شاد کام

جس کی قسمت میں ہے جنت کا مقام
راہِ سنت کا ہے اس کو اہتمام

جو نہیں کرتا بڑوں کا احترام
اس کا ذلت سے لیا جاتا ہے نام

لے بُرائی سے جو اہل اللہ کا نام
اس سے کہہ دو چپ ہو ظالم بے لگام

اہلِ دل کا جو ہوا دل سے غلام
عاشقوں کا ہوگا وہ اِک دن امام

حسن کے ساقی کو دے دو یہ پیام
مت لگا منہ سے مرے جامِ حرام

آسمانوں سے اُترتی ہے جو مے
اس کے پینے کو کہا کس نے حرام

دیکھئے فیضانِ تسلیم و رضا
صبح گلشن ہے ہمارے غم کی شام

حاسدوں کا بس یہی انعام ہے
جل رہے ہیں کیسے ان کے صبح و شام

جو ہنسے بغلیں بجاکر صبحدم
اُن سے سنتا ہوں فغانِ طبلِ شام

دوستو سن لو یہ اختر کی صدا
زندگی کردو فدا مالک کے نام

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ ساقی: اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پلانے والا۔ **تشنہ کام:** پیاسا، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم۔ **سعی:** کوشش۔ **نا تمام:** نامکمل۔ **لطف:** مہربانی۔ **خوش مرام:** اپنے مقصود کو پالینا۔ **نازتقویٰ:** گناہوں سے بچنے کو اپنا کمال سمجھ کر فخر وغرور میں مبتلا ہونا۔ **ہر دم:** لمحہ، گھڑی۔ **شاد کام:** کامیاب۔ **اھل اللّٰہ:** اللہ والے۔ **بے لگام:** گستاخ، بے ادب۔ **پیام:** پیغام۔ **تسلیم و رضا:** اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا اور ان کی ہر مرضی پر راضی رہنا۔ **حاسدوں:** جلنے والے، کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ خواہش کرنے والے کہ کاش اس سے یہ نعمت چھن جائے۔ **بغلیں بجا کر:** خوشی میں اچھلنا کودنا۔ **صبحدم:** صبح کے وقت۔ **فغان:** رونا۔ **طبل:** نقارہ۔ **صدا:** آواز، پیغام۔

جس طرح دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ساقی مے کا غلام ہوتے ہوئے پھر تشنہ کام رہ جائے تو اسی طرح یہ بات بھی بالکل مسلّم اور طے شدہ ہے کہ اللہ والے کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ رہ کر کوئی شخص محروم اور تشنہ و پیاسا رہ جائے اور اُسے شرابِ خداوندی پینے کی سعادت میسر نہ ہو، ایسا ممکن نہیں ہے۔ بس عاشقِ صادق کا کام یہ ہے کہ اپنی سعی کوشش نہ چھوڑے اور مسلسل جدوجہد میں لگا رہے جیسا کہ دنیا کے عشاق کا معاملہ یہی ہے تو اللہ تعالیٰ کا عاشق تو بڑے اونچے معاملے کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے کیونکہ مقصدِ حیات ہی ہمارا اپنے پالنے والے کو راضی کرنا ہے

اس لیے اگر اس کی کوششیں ناتمام بھی ہوں تو ہرگز چھوڑ دینا نہیں چاہیے اور نہ ہی نا اُمید ہونا چاہیے کیونکہ جو شخص مسلسل لگا رہتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے اور حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے لطف وکرم سے اُسے مقصد و مراد میں کامیاب اور بامراد کردیتے ہیں۔ اور جب بھی کبھی کوئی نامناسب کام ہوجائے یا معصیت و نافرمانی اور غفلت کا صدور ہوجائے تو عاشق کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنی عبادات پر نازاں رہے بلکہ فوراً ندامت وشرمندگی کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے۔ اور ویسے بھی عام حالات میں اپنی عبادت اور ذکر واذکار پر اعتماد و بھروسہ نہ کریں بلکہ اُن کو حق تعالیٰ کی شانِ عظمت سے کم سمجھتے ہوئے نادمانہ اور تائبانہ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار رہے کیونکہ ندامت بندے کا ایسا پسندیدہ فعل ہے کہ ہر قدم پر اُس کے لیے خوشخبری لانے والا ہے۔

آگے حضرت والا بہت ہی اہم بات ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی مقامات ہوں اور راہِ سلوک میں جتنے بھی مجاہدات ہوں، اصل انسان کو جنت تک پہنچنا اور رضائے خداوندی کا ملنا بہ راہِ سنت پر پورے طور پر گامزن ہونے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور اس کے مکمل اہتمام والتزام کے ساتھ ہی جنت کا مقام میسر آسکتا ہے۔ اور اے سالک! تجھے دوسرے مجاہدات وریاضتوں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو بڑوں کا احترام نہیں کرتا تو لوگوں میں بھی اُس کا احترام نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ کتنا محترم ہی ہو، ہوتے ہوتے اُس کو لوگوں میں ذلیل اور بے عزت کردیا جاتا ہے اور ہم نے بہت مرتبہ بہت سے اونچے نام والے بزرگوں اور بڑوں کی شان میں گستاخی کرنے اور اُن کا احترام نہ کرنے کے سبب ذلیل ہوتے دیکھے ہیں۔

اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے سامنے اہل اللہ کی شان میں گستاخی کرے اور اُن کا نام بُرائی یا بے ادبی کے ساتھ لے تو ہمیں اُن سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ اے نادان ظالم! اپنی زبان کو لگام دے دے اور چپ ہوجاؤ ورنہ یہ چیز تباہی وبربادی اور ذلت ورسوائی کا باعث ہوگی۔ جس طرح اہل اللہ کے ساتھ بے اکرامی کرنے والوں کا معاملہ ذلت ورسوائی کی طرف چلا جاتا ہے اس کے بالکل برخلاف اہلِ دل کا احترام کرنے والوں کا حال ہے کہ جس نے دل سے اُن کا اکرام کیا اور عزت واحترام کے ساتھ پیش آیا اور اُن کی خدمت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا تو تاریخ میں یہ دیکھا گیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اہلِ دل اللہ والا بن گیا بلکہ عاشقوں کا امام بنادیا گیا۔

اس کے بعد حضرت خاص نصیحت فرماتے ہیں کہ حسن کے ساقی کو یہ پیغام دے دو کہ میرے منہ سے جامِ حرام مت لگائے۔ میں تو اپنے اللہ کے حسن وجمال پر فدا ہوں اور میرے پینے کو آسمانوں سے مئے اُترتی ہے، میں نے اُس کا ذائقہ چکھ لیا ہے اور وہ ایسی شراب ہے جس کا پینا حرام نہیں بلکہ اُس کو پی کر حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے، اس لیے مجھے حرام شرابوں میں منہ نہیں ڈالنا۔

پھر حضرت والا کی یہ نصیحت ہے کہ جو تسلیم ورضا کے جوہر کو اختیار کرلے اور اس کی زینت سے آراستہ

ہو جائے تو اُس کا فیضان یہ ہوتا ہے کہ سارے غم خوشی میں بدل جاتے ہیں اور بالفاظِ حضرت والا غم کی شام صبحِ گلشن بن جاتی ہے۔ افسوس! اُن لوگوں پر کہ جو کسی کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوں اور صبح و شام اُنہیں دیکھ دیکھ کر جل رہے ہوں، اگر اُن میں کچھ سمجھ ہوتی تو وہ یہ جان جاتے کہ ہمیں ہمارے حسد کی سزا دنیا میں یہی دی جارہی ہے کہ ہم جل جل کے خود اپنا چین و سکون غارت کیے ہوئے ہیں۔

جبکہ حسد کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر اُس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو حاسد درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کررہا ہوتا ہے کیونکہ وہ بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! آپ نے فلاں شخص مال و دولت، عزت و منصب کیوں دے دیا ہے، وہ اس کا اہل نہیں تھا، اُس سے اس کو چھین لیجئے۔ اس طرح وہ حق تعالیٰ کے فیصلے پر بزبانِ حال اعتراض کررہا ہوتا ہے جس کی سنگینی اور اس کا بھیانک ہونا ظاہر و باہر ہے۔ اسی طرح جو وقت دوسروں پر ہنسی کرتے رہتے ہیں اور طنزیہ جملے کستے ہیں اور طرح طرح کے تنقید و تبصرے کرتے ہیں جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے لوگوں کے انجام کے مطابق حضرت فرماتے ہیں کہ جو صبح سویرے بغلیں بجا کر دوسروں پر ہنس رہے ہوتے ہیں مجھے شام کو اُن کی درد و تکلیف کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

بس آخری اور سب سے اہم نصیحت اختر کی یہ سن لو اور یہ ایسی نصیحت اور اعلان ہے کہ جو اختر بابانگِ دہل صدا لگا کر سب دوستوں کو کرنا چاہتا ہے کہ اس زندگی کو اسی پر فدا کردو جو اس کا خالق اور مالک ہے۔ یہی دونوں جہان میں کامیابی کا راز ہے اور اسی میں سارے مصائب و مشکلات کا حل ہے۔ اور اگر غور سے دیکھیں تو یہی پوری شریعتِ اسلامیہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہے کیونکہ زندگی جب اللہ پر فدا ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں اور کسی بھی لمحۂ حیات میں وہ بندہ اپنی من مانی پر نہیں چلے گا بلکہ رب چاہی پر عمل کررہا ہوگا اور اسی میں ہر خیر و بھلائی چھپی ہوئی ہے اور یہی بندوں کی بندگی کا اصل تقاضا ہے۔

جو بندہ ترا تابع فرمان رہے گا

جو غیرِحق پہ قلب سے قربان رہے گا
انسان کی صورت میں وہ شیطان رہے گا

ممکن نہیں کہ قلب میں وہ چین پاسکے
جب تک کہ کوئی عاملِ عصیان رہے گا

فانی بتوں کے عشق میں ہوگا جو مبتلا
تاعمر دوستو وہ پریشان رہے گا

دونوں جہاں میں پائے گا وہ چین کی حیات
جو بندہ ترا تابعِ فرمان رہے گا

فانی بتوں سے صرفِ نظر گر نہیں کیا
دریائے قلب میں ترے طوفان رہے گا

ظالم اگر رہے تو مری انجمن سے دُور
اے حسن ترا عشق پہ احسان رہے گا

سنتا ہوں میں عالم میں یہ اخترؔ کی زباں سے
عاصی کو قربِ خاص سے حرمان رہے گا

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **عاملِ عصیان**: گناہ گار۔**تا عمر**: ساری زندگی، ہمیشہ۔**تابع فرمان**: اللہ تعالیٰ کے حکموں کی اتباع کرنے والا۔**صرف نظر**: نظر کا پھیرنا، ہٹالینا۔**انجمن**: محفل۔**حُسن**: حسن مجاز مراد ہے۔**عشق**: عشق حقیقی مراد ہے۔**عاصی**: نافرمان، گناہگار۔**حرمان**: محرومی۔

اس نظم کے چند مضامین یہ ہیں۔ اصل بندے کو اللہ پر فدا ہونا چاہیے لہٰذا اگر کوئی غیرِحق تعالیٰ پر قربان ہونے کی باتیں کررہا ہو جیسا کہ آج کل جوان فانی بتوں کے عشق میں مبتلا ہو کر ایسے جملے زبان سے بولتے رہتے ہیں تو حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صورتاً تو انسان ہے لیکن حقیقت میں وہ شیطان ہے کیونکہ وہ شیطان کے کہنے پر چل رہا ہے اور شیطنت کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ نہ اُسے دونوں جہان میں چین میسر ہوگا اور نہ اُس کے قلب کو یکسوئی اور اطمینان حاصل ہوگا۔ بلکہ اُس کے دریائے قلب میں بے چینی اور پریشانی کا ایک طوفان بپا رہے گا۔

پھر دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ گناہ خواہ کوئی بھی ہو اُس کے ارتکاب کے بعد دل میں چین باقی نہیں رہتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دل کے چین وسکون کو اپنی اطاعت اور یاد کے ساتھ جوڑ دیا ہے، اس لیے ایسے آدمی کو سکون

میسر نہیں ہوسکتا۔

پھر حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حسینوں اور حسیناؤں کے چہرۂ حسن! تم ہماری انجمن سے دور رہو تو تمہارا یہ عشق پر احسان ہوگا، ہم تمہارا قرب نہیں چاہتے کیونکہ عشق کو اگر تمہارا قرب مل گیا تو گویا تم نے عشق پر بہت بڑا ظلم کردیا کہ اُس کو غلط رُخ اور سمت میں ڈال دیا۔ صورت میں وہ عشق نظر آتا ہے مگر حقیقت میں وہ فسق ہوتا ہے۔ اور عاصی اور گنہگار آدمی جو فسق و فجور میں لگا ہوا ہو وہ کبھی بھی حق تعالیٰ کے قربِ خاص کو نہیں پاسکتا۔

حضرت والا علی الاعلان یہ بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اختر کی زبان سارے عالم میں یہ اعلان کرتی ہے اور ہر شخص اس کو غور سے سن لے کہ عاصی اور نافرمان کو کبھی بھی حق تعالیٰ کا قربِ خاص میسر نہیں ہوگا۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کررہا ہے

حسنِ بتاں سے جو دل آباد کررہا ہے
وہ اپنی زندگی کو برباد کررہا ہے

جو نفس کو گناہوں سے شاد کررہا ہے
وہ روح کو معذب ناشاد کررہا ہے

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کررہا ہے
اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کررہا ہے

جو یاد کررہا ہے مولیٰ کو اپنے دل میں
سمجھے کہ اس کا مولیٰ بھی یاد کررہا ہے

انعام ذکر کا یہ قرآن نے بتایا
ذاکر کو اس کا مولیٰ بھی یاد کررہا ہے

پیاسوں کا یاد کرنا پانی کو ہے مسلّم
پانی بھی اپنے پیاسوں کو یاد کررہا ہے

گر یاد کررہی ہے یہ خاک آسماں کو
اختؔر فلک زمیں کو بھی یاد کررہا ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **شاد**: خوش۔ **معذب**: عذاب میں مبتلا۔ **نا شاد**: ناخوش۔ **خاطر**: سبب، راضی کرنے کے لیے۔ **اجڑے ہوئے**: اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی۔ **ذاکر**: ذکر کرنے والا۔ **مسلّم**: تسلیم شدہ بات۔ **خاک**: مٹی، انسان مراد ہے۔

ابتدائی اشعار میں حضرت والا نے اسی مضمون کو اپنے دوسرے انداز سے ذکر کیا ہے کہ بظاہر دنیا کے عشاق اپنے معشوق ومعشوقاؤں کو پالینے کی صورت میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے دل کو آباد کرلیں گے اور ہمیں سکون میسر ہوجائے گا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو برباد کرتے ہیں اور نفس کو تو شاد کرلیتے ہیں لیکن قلب وروح کو معذب اور ناشاد کرلیتے ہیں، انہیں خوشی کبھی میسر نہیں ہوتی۔

اور جو دل اللہ تعالیٰ کی خاطر فریاد کررہا ہوتا ہے اُس کی یہ فریاد اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے کیونکہ اُس کی فریاد کے انداز اور طور طریقوں جو کہ وعظ و بیان کی شکل میں ہوتے ہیں یا گریہ وزاری یا آہ وفغاں کی صورت میں تو اس کے ذریعے وہ لوگ جن کے دل اُجڑے ہوئے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے دوسروں کے

دلوں کو آباد کرلیتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے اللہ کو دل دل میں یاد کررہا ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا مولا بھی یاد کررہا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فاذکرونی اذکر کم'' کہ تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ جس کی تفسیر میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم مجھے اپنے دل دل میں یاد کروگے تو میں بھی تمہیں اسی طرح تنہائی میں یاد کروں گا، اور اگر تم مجھے کسی جماعت میں مجھے یاد کروگے تو میں اُس سے بہتر جماعت میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور یہ یاد کرنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا اندازہ اس مثال سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کو یہ خبر ملے کہ آج تمہیں صدرِ مملکت کے یہاں خاص اُن کے وزراء کے درمیان یاد کیا جارہا تھا اور تمہارا تذکرہ ہورہا تھا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے اور جگہ جگہ اِس کو بطور فخر کے بیان کرتے پھریں کہ آج فلاں مجلس میں میرا تذکرہ تھا اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک اللہ کے بندے کا کیا ہی اونچا مقام ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کررہا ہوتا ہے۔

اور اس شعر کے مضمون میں ایک عجیب وغریب حلاوت بھی ہے کہ جب بھی ذاکر اللہ کو یاد کرنے بیٹھے تو وہ دل میں ضرور سوچے کہ مجھے بھی میرا اللہ اس وقت مجھے یاد کررہا ہے تو بڑا استحضار اور حلاوت نصیب ہوگی۔ اور ایک قدم آگے بڑھ کے احقر یہ عرض کرتا ہے کہ حقیقت میں بندے کا ذکر کرنا اللہ کے ذکر کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہے، کیونکہ اُس کا ذکر خود حق تعالیٰ کی توفیق سے ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اُسے یاد کیا تب اُسے توفیقِ ذکر بخشی ہے۔

عام طور پر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ پیاسا پانی کو تلاش کررہا ہے اور اُس کی یاد میں تڑپ رہا ہے اور بھوکا اپنے کھانے کو یاد کررہا ہے اور اُس کا ہر طرف متلاشی ہے، لیکن حدیث شریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح بندہ روزی کو تلاش کرتا ہے خود روزی بھی بندے کو تلاش کرتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس کے لیے لکھی جاچکی ہوتی ہے۔ روایت میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

﴿اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ﴾

(شعب الایمان للبیهقی، باب الرزق یطلب العبد)

رزق انسان کو اسی طرح تلاش کرتا ہے کہ جس طرح اُس کی اجل اس کو تلاش کرتی ہے۔ اور جس طرح یہ اجل ایک نہ ایک دن اُس کو پہنچ کر رہے گی اسی طرح اُس کی روزی ایک نہ ایک دن ضرور پہنچ کر رہے گی۔

اور آخری بات حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ خاک آسمان کو یاد کر رہی ہے اور انسان زمین پر رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے تو پھر یہ بات بھی مسلّم ہے کہ فلک بھی زمین کو یاد کر رہا ہے۔ وہاں بھی اُس کے چرچے اور تذکرے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے:

﴿عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ﴾

(صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے درمیان رات اور دن کے فرشتے باری باری ایک کے بعد دوسرے آتے ہیں، اور ہر روز فجر اور عصر کی نماز میں وہ جمع ہوتے ہیں۔ پھر جنہوں نے تم میں رات گزاری وہ اوپر چلے جاتے ہیں تو اُن سے اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں (اُن پر بندوں کا حال ظاہر کر کے اُن کی فضیلت و برتری بتانے کے لیے) ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم آئے بھی اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ تو غرض یہ کہ بندے جس طرح یہاں نماز پڑھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی آسمانوں میں اپنے بندوں کو یاد کر رہا ہے، اس لیے اگر یہ خاک آسمان کو یاد کرے تو فلک بھی زمین کو یاد کرتا ہے۔

ذلت وخواری عاشق مجازی

روتا ہے سر پہ خاک اُڑا کر وہ کو بکو
منزل پہ گامزن نہ ہوئی اس کی جستجو
جیب و گریباں پھار کے کرتا ہے ہاوہو
کوئل کی طرح باغ میں کرتا ہے کووکو

اس آہوئے ختن کے لیے سو جتن کیے
پھرتے ہیں میر دشت میں سر پر کفن لیے

مدت کے بعد جب نظر آیا وہ نازنیں
ماضی کی داستان محبت تھی سرنگوں
دونوں کی آبرو بھی تھی مدفون قبر میں
اور کربلائے قتل محبت سے اشک خوں

سنبل کے تازیانہ سے سوسن کے دار سے
بھاگے ہے میر نالہ کناں کوئے یار سے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **کو بکو**: گلی گلی۔ **گامزن**: گامزن نہ ہونا یعنی نہیں چلنا۔ **جستجو**: کوشش۔ **جیب و گریباں**: دامن۔ **ها و هو**: شور۔ **کو و کو**: کوئل کی آواز۔ **آهوئے ختن**: ترکستان کے علاقہ ختن کی طرف منسوب ہرن جس کے نافے میں مشک ہوتا ہے، معشوق مراد ہے۔ **سو جتن**: کوشش۔ **دشت**: صحرا۔ **نازنیں**: محبوب۔ **سرنگوں**: سر جھکائے۔ **آبرو**: عزت۔ **مدفون**: دفن۔ **اشک**: آنسو۔ **سنبل**: ایک قسم کی خوشبودار گھاس۔ **تازیانه**: کوڑا۔ **سوسن**: آسمانی رنگ کا ایک پھول۔ **دار**: سُولی۔ **ناله کناں**: روتا ہوا۔ **کوئے یار**: محبوب کی گلی۔

ان اشعار میں بس ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جس کا خلاصہ عنوان میں موجود ہے کہ عاشقِ مجاز کس درجہ ذلیل وخوار ہوتا ہے چاہے اُس کو حاصل ہو یا فراق، دونوں صورتوں میں اُس کا انجام ذلت ہی ہے۔ باقی ان اشعار کا مفہوم ومطلب الفاظ ہی سے ظاہر اور واضح ہے۔

عشقِ مجازی کا علاج

دل کو دے کر حسن فانی پر نہ اُجڑا جائے گا
حسن کا اُجڑا ہوا منظر نہ دیکھا جائے گا

یہ حسیں تجھ کو کبھی آباد کرسکتے ہیں
تیرے دل کو جزا لم کچھ شاد کرسکتے ہیں

عشق صورت ہے عذاب نارِ عاشق کے لیے
زندگی کس درجہ ہے پُرفاسق کے لیے

صورتِ گل ہیں مگر خاروں سے بڑھ کر پُر اَلم
صورتاً ان کا کرم عاشق پہ ہے صد ہا ستم

اے خدا کشتی مری طوفانِ شہوت سے بچا
ان حسینوں کے عذابِ نارِ اُلفت سے بچا

چار دن کی چاندنی پر میر مت جانا کبھی
آفتاب حق سے ظلمت میں نہ تم آنا کبھی

عارض و گیسو کی ہیں یہ عارضی گل کاریاں
چند دن میں ہوں گی یہ ننگ خزاں پھلواریاں

ان کے چہروں سے نمک کچھ دن میں جب جھڑ جائے گا
میر اُن کو دیکھ کر تو شرم سے گڑ جائے گا

ایک دن بگڑا ہوا جغرافیہ ہوگا صنم
دیکھ کر جس کو تو ہوگا محوِ حسرت محوِغم

مال و دولت دین و ایماں آبرو و چین و وقار
سب لٹا کے ایک دن ہو یقیناً شرمسار

بارہا دیکھا کہ کیسے کیسے خورشید و قمر
چند دن گذرے کہ آئے وہ خمیدہ سی کمر

آہ جن آنکھوں سے شربت روح افزا تھا عیاں
چند دن گذرے کے ان آنکھوں سے اُٹھتا تھا دھواں

سرخیِ رُخسار جو تھی آہ گُل برگِ گلاب
عاشقوں کا دل تھا جس کو دیکھ کر مثلِ کباب

چند دن گذرے کہ وہ چہرے ہونق ہوگئے
عاشقوں کے چہرۂ الفت بھی احمق ہوگئے

ڈھونڈتا ہے میر اب اُن کے لبوں کی سرخیاں
پر نظر آئیں فقط چہرے پہ ان کے جھرّیاں

ان کی زلفِ سیاہ پر جب سے سفیدی چھاگئی
ہر کلی اختؔر غم حسرت سے پھر مرجھاگئی

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **جُز**: سوا۔ **الم**: غم۔ **شاد**: خوش۔ **عذاب نار**: آگ کا عذاب۔ **پر خار**: کانٹوں بھری، بے چین۔ **فاسق**: گناہگار۔ **صورت گل**: دیکھنے میں پھول معلوم ہوں۔ **صدھا**: سینکڑوں، بہت زیادہ۔ **طوفان شہوت**: جنسی خواہش۔ **آفتاب**: سورج۔ **ظلمت**: اندھیرا۔ **عارض**: رخسار، گال۔ **گیسو**: بال۔ **عارضی**: تھوڑی دیر کی۔ **گل کاریاں**: نقاشی، بیل بوٹے۔ **ننگ خزاں**: جن سے خزاں بھی شرمائے۔ **پھلواریاں**: باغات۔ **نمک**: حسن مراد ہے۔ **بگڑا ھوا جغرافیہ**: جغرافیہ بگڑنا یعنی شکل وصورت میں تبدیلی واقع ہونا۔ **صنم**: محبوب۔ **محو**: مشغول۔ **آبرو**: عزت۔ **وقار**: قدرومنزلت۔ **شرمسار**: شرمندہ۔ **بارھا**: کئی مرتبہ۔ **خورشید و قمر**: وہ محبوبانِ مجازی جن کے حسن وجمال کا چرچا تھا۔ **خمیدہ**: جھکی ہوئی۔ **روح افزا**: جو روح کی تازگی اور نشاط کا باعث ہو۔ **عیاں**: ظاہر۔ **دھواں**: آنکھوں سے دھواں اٹھنا۔ **سرخی**: لالی، لال ہونا۔ **رخسار**: گال۔ **برگ**: پتہ۔ **ہونق**: جن سے بیوقوفی ظاہر ہو۔ **لبوں**: ہونٹوں۔ **فقط**: صرف۔ **جھرّیاں**: وہ شکنیں یا سلوٹیں جو کم زوری یا بڑھاپے کی وجہ سے کھال ڈھیلی ہونے سے پڑتی ہیں۔ **زلف**: بال۔ **سیاہ**: کالے۔

الحمدللہ! حضرت والا نے ان اشعار میں عشقِ مجازی کا اتنا شاندار علاج بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی غور اور طلب کے ساتھ بصدقِ اخلاص ان اشعار کو پڑھ لے تو ان شاء اللہ اُس کا علاج بھی ہوجائے گا اور اس گناہ سے اس کی حفاظت بھی رہے گی۔ اور جو حقائق حضرت والا نے بیان فرمائے یہ اس قدر واقعی اور سچ ہیں کہ ایک یا دو نہیں بلکہ بے شمار واقعات اس نوع کے پیش آرہے ہیں جس سے ان تمام باتوں کی صداقت وسچائی سورج کی روشنی سے زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

اور جہاں تک اس کے حسنِ فانی کے زوال کا معاملہ ہے یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے سوائے نفس کی شرارتوں اور حرام خباثتوں میں پڑ کر اپنی ناجائز تمناؤں کے پورا کرنے کے اور جوانی کی مجنونانہ حرکتوں میں لگ کر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنے کے اور کچھ بھی اس کا انجام نہیں ہے۔ اس لیے ان اشعار کو عبرت کی نگاہ سے پڑھ کر اپنے واسطے مشعلِ راہ بنالینا چاہیے۔ اور مبتلا کے لیے ان اشعار میں علاج اور دوسروں کے لیے انتہائی قیمتی حفاظت کا نسخہ

ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اور خاص طور پر پوری اُمت کے جوانوں اس پھیلے ہوئے وبائی مرض سے محفوظ فرمادے۔ اور یہود ونصاریٰ کے پھیلائے ہوئے شہوت پرستی کے اس جال سے ہم سب کی مرتے دم تک حفاظت فرمادے۔

مرقع عبرت

کتابی چہرے جو ہوں گے بینگن ۔۔۔ تو ٹوٹ جائیں گے سارے بندھن
وہ شاہزادی لگے گی بھنگن ۔۔۔ اگرچہ پہنے وہ لاکھ کنگن
وہ شاہزادہ لگے گا بھنگی ۔۔۔ اگرچہ کر کے آئے وہ کنگھی
یہ دانت ہل کر اُکھڑ پڑیں گے ۔۔۔ لگائیں ان پر ہزار منجن
نہ سننا اے میر اُن کی ہر گز ۔۔۔ کہ نفس و شیطاں ہیں تیرے دُشمن
لگا بڑھاپے سے مجھ کو فتو ۔۔۔ اگرچہ پہنے ہوئے ہے اچکن
ہوئے ہیں پیری میں مثل بلّی ۔۔۔ جو تھے جوانی میں شیر افگن
بچاؤ اپنی نظر کو اخترؔ ۔۔۔ یہی ہے بس اِک طریقِ احسن

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ مرقع عبرت: البم (تصویروں کی کتاب) جسے دیکھ کر عبرت حاصل ہو۔ **کتابی:** لمبائی لیے ہوئے۔ **بینگن:** پچک کر بینگن کی طرح ہوجانا۔ **بندھن:** عہد و پیمان مراد ہیں۔ **فتو:** بدصورت۔ **اچکن:** شیروانی۔ **پیری:** بڑھاپا۔ **شیر افگن:** شیروں کو بچھاڑ دینے والا۔ **طریق احسن:** بہترین راستہ۔

حسنِ مجازی کے زوال اور فنائیت پر حضرت والا دامت برکاتہم کے یہ اشعار بھی ایک نصیحت حاصل کرنے والے کے انتہائی عبرت آموز ہیں کہ غور کرنا چاہیے اُس محبوب ومحبوبہ کے چہروں کے نقشے اور اُن کی شکل وصورت بگڑ کر کیا سے کیا ہوجاتی ہے۔ آخر اُن کے اوپر دل دینا انجام کار پچھتانے اور رسوا ہونے کے سوا کسی اور نتیجے تک پہنچانے والا نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا آدمی ان اشعار کو غور سے پڑھے اور اچھی طرح اپنے مستقبل کے متعلق سوچ وفکر کر کے اپنی حرکتوں سے باز آئے ورنہ جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے۔ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے زوال وفنائیت کو اس لیے بتایا کہ تا کہ میری اُمت اُس کے ساتھ دل نہ لگائے۔ بالکل ٹھیک اسی طرح حضرت والا نے حسنِ مجازی کے معاملات کو ذکر کیا ہے اور اُس کی فنائیت کو انداز بدل بدل کر سمجھایا ہے تا کہ اس وبائی مرض سے اُمت کو محفوظ رکھا جا سکے۔

معراجِ عشق

رہوں روز و شب گرچہ باغِ ارم میں — وہ دونوں جہاں دیں عمومِ کرم میں
کروں عیش گو ہر طرح کی نِعم میں — عطا ہفت اقلیم ہو ہر قدم میں
میرے دل میں تیرا اگر غم نہیں ہے
تو یہ ساری راحت کم از سم نہیں ہے

بہت خوش نما ہیں یہ بنگلے تمہارے — یہ گملوں کے جھرمٹ یہ رنگیں نظارے
ارے جی رہے ہو یہ کس کے سہارے — کہ مرنے سے ہوجائیں گے سب کنارے
اگر قربِ جان بہاراں نہیں ہے
یہ ننگ خزا ہے گلستاں نہیں ہے

تمہیں سے ہے جنت بھی جنت ہماری — نہ ہوتم تو جنت میں بھی ہوں میں ناری
محبت کی دل پر لگے ضرب کاری — مری کامیابی کی آجائے باری
مری جاں کا کوئی سہارا نہیں ہے
بجز تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے

یہ ہے عشق میں امتحاں کس بشر کا — بنائے ذبیحہ جو اپنے پسر کر
پدر سے ہے اعجازِ قلب و جگر کا — پسر سے اعجازِ تسلیم سر کا
ترے حکم پر کیا گوارا نہیں ہے
کوئی تجھ سے بڑھ کر پیارا نہیں ہے

ترے [illegible]شق کے غم کا [illegible] ہے — کہ جاں سر بہ کف زیر تیغ و تبر ہے
بکوئے [illegible]امت کوئی دربدر ہے — [illegible] شہادت کوئی دار پر ہے
اگر آپ کا غم ہمارا نہیں ہے
مجھے ہر دو عالَم گوارا نہیں ہے

ملائک زخونِ شہیدانِ ملت — محبت کی ہمت سے ہیں محوِ حیرت
کہا تھا کہ مفسد بشر کی ہے فطرت — ولے شاد باش اے جنونِ محبت
ترے غم سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہے
بشر سے یہ اعجازِ غم کم نہیں ہے

بہت سے سلاطیں ہوئے گھر سے بے گھر دلوں میں جب ان کے کیا عشق نے گھر
مزہ ان کو آیا جو اس سنگِ در پر تو پایا فقیری کو شاہی سے بہتر
وہ دل جس میں جلوہ تمہارا نہیں ہے
وہ دل سب کا ہو پر تمہارا نہیں ہے

کبھی تو بہ آہ و فغاں رو رہا ہوں کبھی دل ہی دل میں نہاں رو رہا ہوں
کبھی اک خلش سی محض پارہا ہوں کبھی خون آنکھوں سے برسا رہا ہوں
ترے غم کا جو ہائے مارا نہیں ہے
کسی کا وہ ہو پر تمہارا نہیں ہے

جگہ ہے وہی ساری دنیا میں خوشتر جہاں آپ کے در پہ ہوگا مرا سر
نہ ہرگز مرا سر ہو اور غیر کا در یہی ہے شب و روز فریادِ اختؔر
جو ہے آپ کا بس وہی ہے ہمارا
ہمارا نہیں جو نہیں ہے تمہارا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ معراج عشق: عشق کا اعلیٰ ترین درجہ۔ **روزوشب:** دن رات۔ **باغ ارم:** جنت۔ **عموم کرم:** احسان وسخاوت کی وہ صفت جو کہ عام ہو۔ **عیش:** مزے۔ **نعم:** نعمتیں۔ **عطا:** عطا ہونا، یعنی ملنا۔ **ھفت اقلیم:** سات سلطنتیں۔ **کم از سم:** زہر سے کم۔ **خوش نما:** خوب صورت۔ **گملوں:** مٹی کے وہ برتن جن میں پودے لگاتے ہیں۔ **جھرمٹ:** زیادہ تعداد میں ایک جگہ ہونا مراد ہے۔ **جی:** جینا یعنی زندگی گزارنا۔ **سہارے:** بھروسے پر۔ **کنارے:** ایک طرف۔ **جان بہاراں:** بہاروں کی جان یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ **ننگ خزاں:** جس سے خزاں بھی شرمائے۔ **ناری:** دوزخی۔ **ضرب کاری:** سخت چوٹ۔ **بجز:** سوائے۔ **بشر:** انسان، حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ **ذبیحہ:** ذبیحہ بنانا یعنی ذبح کرنا، قربان کرنا۔ **پسر:** بیٹا، حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں۔ **پدر:** باپ۔ **اعجاز:** معجزہ۔ **تسلیم سر:** اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا۔ **گوارہ:** منظور۔ **ادنیٰ:** بہت تھوڑا۔ **سر بکف:** سر ہتھیلی پر لیے ہوئے جان دینے کو تیار۔ **تیغ و تبر:** تلوار اور کلہاڑی کے نیچے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے تابع خواہ وہ حکم نفس پر کتنے ہی شاق کیوں نہ ہوں۔ **بکوئے ملامت:** ملامت کی گلی میں۔ **دربدر:** اِدھر اُدھر پھرنا، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرتے ہوئے ملامت کرنے والوں کی ملامت کر برداشت کرنا۔ **بشوق شہادت:** شہادت کے شوق میں۔ **دار:** سُولی۔ **ہر دو:** دونوں۔ **ملائک:** فرشتے۔ **زخون شہیدان ملت:** قوم کے شہیدوں کے خون سے۔ **مفسد:** فسادی۔ **فطرت:** طبیعت۔ **ولے:** لیکن۔ **شادباش:** شاباش، خوش رہ۔ **جنونِ محبت:** اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانگی۔ **سلاطیں:** بادشاہ۔ **بہ آہ و فغاں:** یعنی آواز سے۔ **نہاں:** پوشیدہ طور پر۔ **خلش:** چبھن۔ **محض:** صرف۔ **خوشتر:** بہتر۔ **فریاد:** آہ و نالہ۔

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کے ہمراہ نواب چھتاری کی منزل علیگڑھ میں تشریف فرما تھے۔اسی وقت حضرت نے یہ اشعار کہے ہیں، جبکہ حضرت والا کی عمر تقریباً بیس بائیس سال تھی۔اور یہ نواب چھتاری ایک بڑے دنیادار اونچے نوابوں میں سے تھے۔انگریزی گورنمنٹ اور حکومتوں میں وہ بڑے عہدے اور منصب پر فائز تھے۔ان کے یہاں قیام کے دوران جبکہ حضرت والا اپنے شیخ کے ساتھ خادمانہ طور پر حاضر تھے، یہ اشعار کہے ہیں۔اور اپنی دنیا سے لاتعلقی اور بیزاری کا پورے طور پر بہت مدلل اور مؤثر انداز میں اظہار فرمایا کہ سننے والوں کے بھی دل کانپ اُٹھیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں میں تقابل اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ اُس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

خود حضرت والا نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ میں نے ۱۹۵۸ء میں علیگڑھ کا ایک سفر کیا تھا۔یہ سفر حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہوا تھا۔ اس سفر میں ہم لوگوں کی ملاقات ریاست چھتاری کے نواب چھتاری سے بھی ہوئی اور انہیں کے یہاں بیان طے ہوا۔

میں جب نواب صاحب کے یہاں پہنچا تو ان کے وسیع و عریض بنگلے اور مکانات دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور دل میں خیال آیا کہ اکثر حالات میں ایسے حسین و جمیل مکانات اور عیش و آرام کے نقشے ایک انسان کو خدا سے دور کردیتے ہیں حالانکہ انسان کا کمال یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسا نہ کھو جائے کہ وہ نعمت دینے والے اپنے منعم حقیقی کو بھول جائے۔اس موقع پر علیگڑھ کے معززین بھی موجود تھے۔مسلم یونیورسٹی علیگڑھ شعبۂ دینیات کے صدر بھی تشریف فرما تھے۔اللہ سے دعا کررہا تھا کہ موقع اور محل کی مناسبت سے ایک نظم موزوں کرادے۔اس دعا اور توجہ الی اللہ کے نتیجہ میں اس وقت ایک ایسی ہی نظم بفضل خدا تعالیٰ موزوں ہوگئی جسے میں نے مجمع کو سنائی۔(باتیں ان کی یاد رہیں گی،صفحہ:۲۴۴)

دنیا کے سب سہارے مرتے ہی ہوگئے کنارے

چنانچہ پہلے دو پیراگراف میں یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ مجھے اگر چہ دنیا میں کیسا ہی عیش و عشرت مل جائے اور روز و شب باغِ اِرم کی سیر حاصل ہو اور سلطنتِ ہفت اقلیم ہر قدم پر مل رہی ہو، لیکن دل میں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے اور اُس کا درد و غم موجود نہیں تو یہ سارا سامانِ عیش و عشرت اور اسبابِ عزت و راحت میرے لیے کسی زہر سے کم نہیں ہے۔یعنی جس طرح زہر انسان کے لیے باعثِ تکلیف اور عذاب ہے اسی طرح دنیا کی یہ چیزیں میرے لیے ایک طرح کا عذاب ہے اور اگر چہ یہ بنگلے دیکھنے میں بہت خوشنما ہوتے ہیں اور ان میں لٹکائے ہوئے گملوں کے جھرمٹ اور ہر طرف رنگین نظارے دل کو لبھانے والے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہیے کہ یہ سب خارجی اور بیرونی چیزیں ہیں، ان کے سہارے زندگی

گزارنا بہت بڑی نادانی ہے، کیونکہ جیسے ہی انسان دنیا سے جائے گا تو یہ سارے سہارے ایک طرف رہ جائیں گے۔ صرف ایک اکیلے اللہ کا سہارا ایسا سہارا ہے جو دنیا و آخرت میں ہر قدم پر انسان کے ساتھ ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے دولت وثروت والے اور شاندار بنگلوں اور محلوں والے جب اس دنیا سے جاتے ہیں تو ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ سب خالی ہاتھ چلے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اُن کا یہیں رکھا رہ جاتا ہے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اگر قربِ جانِ بہاراں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا تعلق اور معیت خاصہ حاصل نہ ہو تو یہ ساری بہاریں ننگِ خزاں ہیں، گلستاں نہیں ہیں۔ جب انسان کو آخری لمحاتِ حیات سے گزرنا ہوتا ہے تو یہ دنیا میں زندگی گزارنے کے دوران سنی ہوئی باتیں اور بیانات وتقریریں اُس وقت ایک حقیقت بن کر سامنے آتی ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھتا ہوا ہوتا ہے اور زبانِ حال یہ کہہ رہا ہوتا ہے جس کو شیخ عبدالرحمٰن سدیس امامِ حرمِ مکی اپنی ختمِ قرآن کی دعا میں اکثر ان الفاظ سے ذکر فرمایا کرتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ يَا رَجَائَنَا اِذَا انْقَطَعَتِ الْاَسْبَابُ وَيَا فَرَجَنَا اِذَا اُغْلِقَتِ الْاَبْوَابُ وَتَفَرَّقَتِ الْاَهْلُ وَالْاَصْحَابُ وَالْاَحْبَابُ وَالْجِيْرَانُ﴾

اے ہماری امیدوں کے مرکز! اُس وقت جب سب اُمید کے اسباب ٹوٹ چکے ہوں گے اور ہمارے اہل وعیال، دوست واحباب اور رشتے دار وغیرہ جدا ہو رہے ہوں گے اور حقیقت کی نگاہ سے یہ نظر آجائے گا کہ اب سوائے اللہ کے سہارے کے سوا کوئی اور سہارا نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں ہے:

﴿يَا اَحَدَ مَنْ لَّا اَحَدَ لَهٗ وَيَا سَنَدَ مَنْ لَّا سَنَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَآءُ اِلَّا مِنْكَ﴾

(کنز العمال)

اے وہ ذات! جس کا کوئی نہ ہو آپ اس کے ہیں اور جس کا کوئی سہارا نہ ہو اُس کا آپ سہارا ہیں، سب اُمید ٹوٹ چکی ہے مگر صرف آپ کی ذات سے اُمید وابستہ ہے۔

حقیقت میں تو یہ صورتحال مؤمن کے دل کی اس دنیا کے جیتے جی ہونی چاہیے کہ وہ ہر غیر اللہ کے سہارے کو کلی طور پر دل سے نکال چکا ہو اور اپنے ہر معاملے میں صرف اکیلے اللہ کو اپنا سہارا بنائے ہوئے ہو۔ اس کے بغیر زندگی گزارنا اور دنیا کے سہاروں پر اعتماد و بھروسہ کرنا یہ ناعاقبت اندیشی ہے اور قطعی طور پر نادانی ہے۔

جنت مجھے مطلوب تو ہے مگر آپ کی وجہ سے

اس کے بعد حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ گو کہ جنت مجھے مطلوب ہے اور میں اُس کا سوال آپ سے کرتا ہوں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے اُس کا سوال کیا ہے اور یہی سنت ہے لیکن مجھے جنت اس لیے مطلوب نہیں ہے کہ وہاں حور وقصور ہیں یا وہاں نہریں اور باغات ہیں بلکہ اے خدا! مجھے جنت اس لیے مطلوب

ہے کہ وہاں آپ ہیں ورنہ اگر آپ نہ ہوں اور مجھے آپ سے علیحدہ کردیا جائے تو ایسی جنت میری جنت نہیں ہے۔ تو پھر وہاں میری کوئی راحت، راحت نہ ہوگی۔ میرا اصل مقصد اور مدعا آپ کی ذات ہے اور میں اسی کا متلاشی ہوں کہ مجھے ایسی محبت نصیب ہوجائے کہ میری ہر ادا آپ پر فدا ہو اور آپ ہی میرے قلب ونظر میں سما جائیں اور ہر عمل کی غایت اور انتہا آپ کی ذاتِ پاک ہو۔ میرے دل پر محبت کی ایسی ضرب کاری لگ جائے کہ کامیابی میرے قدم چوم لے اور مجھے آپ کا قرب نصیب ہوجائے، کیونکہ اے اللہ! میری جان کا سوائے آپ کے کوئی سہارا نہیں ہے۔

اللہ کی شانِ محبوبیت قصۂ ابراہیم واسمٰعیل کی روشنی میں

اس کے بعد اگلے پیراگراف میں حضرت والا اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے ایک خاص انداز سے پیش فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ہمارے راستے میں ذبح کردو۔ اِدھر حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو یہ خبر دے رہے ہیں:

﴿یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ﴾

(سورۃ الصافات، اٰیۃ: ۱۰۲)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! میں خواب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں، بس تم دیکھو تمہارا کیا خیال ہے؟ تو حضرت اسماعیل جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرا ابّا! آپ کو جس چیز کا حکم ہے اُسے کر گزریئے، مجھے آپ صابرین میں پائیں گے۔

اس واقعہ سے ایک طرف حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کا پتہ چلتا ہے اور دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے اور اُن کو محبت کا اعلیٰ مقام عطا کیے جانے کا اندازہ ہوتا ہے۔ بالخصوص بیٹے کو ذبح کرنا اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اپنے سر کو اپنا سرِ تسلیم خم کردینا۔ جہاں ایک طرف باپ کے لیے بہت بڑی آزمائش اور امتحان کا معاملہ تھا وہیں دوسری جانب خود بیٹے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شانِ رضا بالقضاء کا اعلیٰ مقام بھی ظاہر ہورہا ہے کہ باپ اپنے لختِ جگر کے گلے پر چھری چلانے کے لیے تیار ہے۔ اور دوسری طرف بیٹا حق تعالیٰ کے اس فیصلے کے سامنے اپنے باپ کو مکمل طور پر سپرد اور حوالے کررہے ہیں کہ جو بھی آپ کو اللہ کا حکم ملا ہے آپ اُس کو بلادریغ مجھ پر نافذ فرمادیجئے۔

کیونکہ اللہ کی ذات اتنی پیاری ہے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں۔ پس انسان کو اپنی سب سے پیاری چیز یعنی جان اُسی پر قربان کرنی چاہیے اور اگر جان قربان کرنے کا تقاضا حق تعالیٰ کی طرف سے سامنے نہ ہو تو پھر اس جان کو اور اس کی صلاحیتوں کو حرام کاریوں میں لگاکر نفس کی خواہشات کی تکمیل سے اپنے کو باز رکھنا چاہیے، یہ

بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کا اجر وثواب رکھتا ہے۔ اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کے حکم پر سب کچھ گوارا اور منظور ہے۔ اپنی ہر خواہش اور تمنا میں آپ کے حکم پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ بس مجھے آپ کا غم اور دردِ محبت چاہیے، اُس کے بدلے میری ہر خواہش آپ کی رضا کے لیے قربان ہے۔

اس کے بعد اگلے پیراگراف میں حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کو اس طرح ذکر فرما رہے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے حقیقی تعلق اور محبت حاصل ہوگئی تو پھر جہاں وہ جان دینے سے دریغ نہیں کرتے وہیں یہ اہل اللہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر زیرِ تیغ وتبر رہتے ہیں۔ اور نفس کی خواہشات پر اللہ تعالیٰ کی محبت کی تلوار چلا کر انہیں ذبح کر دیتے ہیں۔ اور اگر تلواروں سے گردن جدا کی جارہی ہو تو بھی وہ اللہ کی راہ میں منظور کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک اللہ والے کا قصہ ہے کہ اُن کو پہلے ہی سے کشف ہوگیا کہ آج میں شہید ہونے والا ہوں اور میرے سر کو تن سے جدا کر دیا جائے گا تو مارے خوشی کے وہ صبح ہی سے یہ شعر پڑھتے پھر رہے تھے ؎

سر جدا کرد از تنم یارِ بہ کہ یار بود
قصہ کوتاہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

اور بعض اللہ والے ایسے ہیں کہ جن کو ہر طرف سے ملامتوں کا سامنا ہے اور اُن پر طعن وتشنیع کی بارش ہے جس کی وجہ سے وہ گھر سے نکال دیئے جاتے ہیں اور اُن کو دربدر ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں لیکن اپنے اللہ کی محبت میں وہ اس محبوبِ حقیقی کو چھوڑنا منظور نہیں کرتے۔ اور کوئی شہادت کے شوق میں سولی پر لٹکا ہوا ہے، مگر حق کو پکارنا اور اُس کے عشق و محبت کو چھوڑ دینا کسی صورت میں گوارا نہیں۔ یہی وہ چیز ہے جب انسان کو عطا ہوجاتی ہے تو پھر جان تو جان اگر اُسے سیکڑوں اور ہزاروں جانیں بھی مل جائیں اور دونوں عالَم کی ساری دولتیں اور نعمتیں میسر ہوجائیں تو بھی وہ اللہ کے لیے اُن کو قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔

ملائکہ خونِ شہیداں سے محوِ حیرت ہیں

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ شہدائے اُمت جو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی گردنیں کٹاتے ہیں جب ملائکہ اُن کا یہ حال دیکھتے ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح اللہ کی راہ میں جانیں پیش کرنے کا حال ذکر فرما کر اُن سے یہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا کہ بشر کی فطرت تو فسادی ہے اور یہ تو مفسد ہیں، لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس بات کو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ جب وہ محبت کی ہمت دیکھتے ہیں تو محوِ حیرت رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ جنونِ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ پر اپنی سب سے محبوب چیز یعنی جان کو فدا کرنے کے لیے اُمتِ مسلمہ کے اہلِ ایمان حضرات کو اُبھارتا اور حوصلہ وہمت دیتا ہے۔ اور جب یہ دولت کسی کو عطا ہوجاتی ہے تو پھر اُس کے لیے جان دینا معمولی بات ہوتی ہے۔

آپ کے سنگِ در کا مزہ فقیری کو رشکِ سلطانی بنا دیتا ہے

آگے حضرت والا فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشہ بڑے بڑے سلاطین نے چکھ لیا تو اپنے گھروں کو چھوڑ کر بے گھر ہوگئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے در پر وہ مزہ آیا کہ جو بادشاہت میں بھی نصیب نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے فقیری کو شاہی سے بڑھ کر پایا۔ جیسا کہ اس گفتگو کو سمجھنے کے لیے حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمہ اللہ کا واقعہ بہت واضح ہے جو کتاب میں ماقبل میں نقل کیا جاچکا ہے اور حضرت والا کی ''معارفِ مثنوی'' میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

اسی کے ضمن میں حضرت میر صاحب دامت برکاتہم نے حضرت والا یہ ملفوظ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تاریخ میں اس کی تو بہت مثالیں ملتی ہیں کہ بادشاہوں اور سلاطین نے اپنی بادشاہت وسلطنت کو چھوڑ کر نسبت مع اللہ کے حصول کے لیے نکل کھڑے ہوئے، لیکن اس کے برخلاف دوسری مثال پوری تاریخ میں ایک بھی نہیں ملتی کہ کوئی اہلِ دل اللہ والا اپنی نسبتِ خاصہ اور تعلق مع اللہ کو چھوڑ کر اُس کے بدلے دنیا کی حکومت و سلطنت لینے پر راضی ہوگیا ہو، کیونکہ ایک مرتبہ جس آدمی کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات راسخ ہوجاتی ہیں اور اُسے کمالِ محبتِ خداوندی نصیب ہوجاتی ہے تو پھر یہ وہ شاہی تحفہ ہے جس کے متعلق علماء واسلافِ اُمت کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے دیئے جانے کے بعد پھر واپسی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ شاہی تحفہ ہے اور بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب ایک مرتبہ کسی کو تحفے کے طور پر کوئی چیز دے دیتے ہیں تو پھر اُسے لوٹایا نہیں جاتا۔ اس کی دلیل میں وہ روایت ہے جس کو حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے التکشف میں نقل فرمایا ہے اور احقر ماقبل میں اس کو ذکر کر چکا ہے۔

حضرت والا کے قلب میں محبت الٰہیہ کی کیفیات عجیبہ

آخر میں حضرت والا اپنے دل کا ایک حال اُس ابتدائے جوانی کے عالَم کا پیش کر رہے ہیں کہ میرا دل تو مادّی ساز وسامان سے اور اسبابِ عیش وعشرت سے گھبراتا ہے۔ میں تو اپنے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی محبت اور اُس کا درد وغم پا رہا ہوں جو مجھے کبھی تو آہ وفغاں سے رلاتا رہتا ہے اور کبھی چپکے چپکے دل ہی دل میں اپنے محبوب اللہ کو یاد کر کے روتا رہتا ہوں اور کبھی ایک عجیب وغریب قسم کی خلش محسوس کرتا ہوں جو ایک ایسی کیفیت ہے کہ اس کی حقیقت وہی سمجھ سکتا ہے جس کو عشق ومحبت سے کچھ واسطہ اور تعلق رہا ہو کہ یہ مختلف محبت کے زمانے میں اوقات ہوا کرتے ہیں جن کو حضرت نے اپنے حال میں ذکر کیا ہے۔ اور پھر آگے ارشاد فرمایا کہ کبھی میں آنکھوں سے خون برسا رہا ہوتا ہوں لیکن چونکہ وہ آنسو ہے لیکن میں نے اپنے دل پر اللہ تعالیٰ کے راستے کے بہت زیادہ رنج وغم اور صدمے اُٹھائے ہیں، اس لیے وہ میری حسرتوں اور آرزوؤں کا خون آنکھوں کے راستے سے آنسوؤں کی شکل میں جاری ہوتا اور بہتا دکھائی دیتا ہے، اس لیے اس کو خون سے تعبیر کرنا بالکل بجا اور درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اے

اللہ! جو آپ کے غم کا مارا ہوا نہ ہو تو پھر حقیقت میں وہ آپ کا نہیں ہے۔

جس کی خاص پہچان اور نشانی یہ ہے کہ انسان کے قلب کا یہ حال ہو جائے کہ بس اُس کا دل وہیں لگتا ہو جہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کی باتیں ہوں یا کچھ بندے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں اور یا پھر حق تعالیٰ کے در پر اُس کا سر، سر ہو اور وہ اپنے اللہ سے سجدہ ریز ہو کر اپنی بندگی کے جذبات پیش کر رہا ہو، کیونکہ جو شخص دوسروں کے در پر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہو اور اپنی اُمید و خوف کا تعلق وہاں سے جوڑے ہوئے ہو تو پھر حقیقت میں یہ آپ کے غم کا مارا ہوا نہیں ہے اور اُس کا تعلق آپ سے اس درجے کا نہیں ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ صرف آپ کا ہے کسی اور کا نہیں۔ اے اللہ! بس شب و روز میری یہی فریاد ہے کہ میرے قلب کی ایسی حالت کر دے کہ ہر وقت میرا سر آپ کے در پر ہو اور میری نظر صرف آپ کی ذاتِ عالی پر رہے اور دل کسی غیر کے خیال سے پاک و صاف ہو۔

بس اختر کا یہ اعلان ہے کہ جو آپ کا ہے اور اُسے آپ سے نسبت و تعلق حاصل ہے وہ ہمارا بھی ہے اور اے اللہ! جو آپ کا نہیں وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔ یعنی میری محبت بھی آپ کی بنیاد پر اور میری بغض و عداوت بھی آپ کی بنیادوں پر ہے۔ جیسا کہ روایت میں مذکور ہے:

﴿إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ عُرَى الْإِيْمَانِ أَوْثَقُ قَالَ الْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ﴾

(شعب الایمان للبیہقی، باب فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ایمان کی مضبوط تھامے جانے والی چیز سب سے زیادہ مضبوط کون سی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے لیے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا ہے۔ یعنی جس سے محبت ہو اُس کی بنیاد بھی دین ہو اور جس سے نفرت اور بغض ہو وہ بھی دین کی وجہ سے ہو۔

یعنی اختر کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور مرنا جینا اور کھانا پینا غرض کہ دنیا کے تمام امور آپ ہی محبت و نسبت پر دائر و منحصر ہیں۔ اب یہی نسبت و رشتہ باقی تمام دوسرے رشتوں اور نسبتوں پر غالب ہے۔ اگر کوئی بندہ آپ کا ہو خواہ وہ ہمارے رنگ و نسل کا ہو یا نہ ہو، اور اُس کا تعلق ہماری قوم و وطن سے ہو، لیکن جب وہ آپ کا ہو تو پھر وہ ہمارا ہے اور اگر کوئی دنیاوی ہر لحاظ سے ہمارا ہو لیکن اُسے آپ سے محبت و تعلق نہ ہو تو وہ آپ کا باغی کافر و مشرک، اور فاسق و فاجر تو پھر ہمارا بھی اُس سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہے۔ یہی وہ محبت للہ اور بغض للہ ہے جس پر احادیث شریفہ میں بہت ساری فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور جس کی برکت سے انسان کے قلب میں ایمان کی حلاوت ملتی ہے اور عرش کے سائے کے نیچے قیامت کے دن سایہ نصیب ہوتا ہے اور اللہ نے اپنی محبت واجبی اور ضروری طور پر دیئے جانے کا اعلان ایسے بندوں کے لیے فرمایا ہے۔

جس پس منظر میں حضرت والا نے یہ اشعار کہے ہیں اُس کو سامنے رکھتے ہوئے اور پھر اِن اشعار کے مضامین پر غور کرنے کے بعد حضرت والا کے قلب کی کیفیت وتعلق مع اللہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہ اُس ابتدائی جوانی کی عمر میں جبکہ انسان کی اُمنگوں اور تمناؤں کا عالمِ شباب ہوتا ہے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت کا قلب دنیا اور اُس کے تعلقات سے کس قدر خالی تھا اور مادّی عیش وعشرت کے سامانوں سے کس درجہ بیزاری کا عالَم حضرت والا کے قلب کو حاصل تھا۔ یہ درحقیقت ظاہری صورتحال اور علامت کے اعتبار سے حضرت والا کے بچپن ہی سے ولی کامل ہونے کی ایک واضح علامت ونشانی ہے۔ جو کہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا اور اُس کا فضل وکرم ہی کہا جاسکتا ہے۔

نصیحت برائے عاشقینِ مجاز

حسینوں کا جغرافیہ میر بدلا
کہاں جاؤ گے اپنی تاریخ لے کر
یہ عالَم نہ ہوگا تو پھر کیا کروگے
زحل مشتری اور مریخ لے کر

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **جغرافیہ میر بدلہ**: جغرافیہ بدلنا یعنی شکل وصورت میں تبدیلی واقع ہونا۔ **تاریخ**: عشق مراد ہے۔ **زحل، مشتری، مریخ**: سیاروں کے نام ہیں۔

خون کا سمندر

(یعنی مجاہدۂ راہِ سلوک)

عارفاں زانند ہر دم آمنوں
کہ گذر کردند از دریائے خوں

سنو داستانِ مضطر ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر
یہ لہولہاں کا منظر مرا سر ہے زیرِ خنجر
مرے خوں کا بحرِ احمر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

میں کلی ہوں ناشگفتہ مری آرزو شکستہ
میں ہوں ایک ہوش رفتہ مرا درد راز بستہ
مری حسرتوں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرے دل میں غم نہاں ہے مری چشم خوں فشاں ہے
مرے لب پہ وہ فغاں ہے کہ فلک بھی نوحہ خواں ہے
مری بے کسی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

یہ تڑپ تڑپ کے جینا لہو آرزو کا پینا
یہی میرا جام و مینا یہی میرا طورِ سینا
مری وادیوں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مری آہ کا اثر ہے مرے درد کا ثمر ہے
کہ جہاں بھی سنگِ در ہے مرے آنسوؤں سے تر ہے
مری عاشقی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرا غم زدہ جگر ہے مری چشمِ تر ہے
مرا بحر خوں سے تر ہے مرا بَر لہو سے تر ہے
مرے بحر و بر کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

وہ جو خالق جہاں ہے وہی میرا راز داں ہے
مرا حال خود زباں ہے مرا عشق بے زباں ہے
کسی بے زباں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مری فکر لامکاں ہے مرا درد جاوداں ہے
مرا قصہ دلستاں ہے مری رگ سے خوں رواں ہے
مرے خون کا سمندر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرا غم خوشی سے بہتر مرا خار گل سے خوشتر
مری شب قمر سے انور غمِ دل ہے دل کا رہبر
غمِ رہنما کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

یہ کرم ہے ان کا اخترؔ جو پڑا ہے اُن کے در پر
کوئی زخم ہے جگر پر غمِ شام ہے سحر پر
مری زندگی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **بے کسی**: عاجزی ولاچاری۔ **جام**: شراب پینے کا برتن۔ **مینا**: وہ صراحی جس میں شراب رکھی جائے۔ **طورِ سینا**: وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں تجلی فرمائی تھی۔۔ **ثمر**: پھل، فائدہ، نتیجہ۔ **بَر**: خشکی۔ **رازداں**: راز جاننے والا۔ **فکر**: سوچ۔ **لامکاں**: عالمِ قدس، اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ **جاوداں**: ہمیشہ رہنے والا۔ **داستاں**: دلوں کو اپنی طرف مائل کر لینے والا۔ **کوشتر**: بہتر۔ **رہبر**: راستہ بتانے والا۔ **سحر**: صبح۔

ان اشعار میں حضرت والا دامت برکاتہم راہِ سلوک کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو پیش فرما رہے ہیں کہ اس سلسلے میں ترقی کا اصل دار و مدار اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُٹھانے والی مشقتوں اور تکلیفوں کے اوپر ہے۔ جتنا جو مجاہدہ سے گزرتا ہے اتنا اُسے مشاہدۂ حق اور دل میں تجلیاتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہیں۔ جس میں سب سے بڑا مجاہدہ انسان کے اوپر اُس وقت آتا ہے جب وہ اپنے گناہوں کی خواہشات کو حکمِ الٰہی کی وجہ سے کنٹرول کرتا ہے اور اللہ کے حکم کو توڑنا گوارا نہیں کرتا۔ جیسے مثلاً کسی بات پر غصہ آ گیا یا کسی حسین لڑکی کے سامنے ہونے پر اُس کو دیکھنے کی خواہش دل میں آئی یا کسی سے عشق ہو گیا اور اُس کی تکمیل اور تمنا کی آرزو دل میں پیدا ہوئی اور طبیعت اُس طرف مائل ہونے لگی لیکن حق تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اُس طرف قدم نہیں بڑھاتا۔ اور اپنے کو محفوظ رکھتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایذائے خلق یعنی مخلوق کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سہنا اور برداشت کرنا اور اُن سے جوابی کارروائی کر کے نہ بدلہ لینا اور نہ اُن کو اپنی طرف سے تکلیف پہنچانے کا منصوبہ بناتا جو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق العظیم قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ گزری ہوئی آسمانی کتابوں میں بھی آپ کے اس اخلاق کا خاص تذکرہ آیا کہ آپ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے تھے۔ اور تکلیف دینے والوں کی راحت کی فکر کرتے تھے اور راہ میں کانٹے بچھانے والوں کے لیے آپ پھول بچھاتے تھے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

﴿عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ قَالَ أَجَلْ وَاللهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِصِفَتِهِ فِي الْقُرْاٰنِ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَحِرْزًا لِلْاُمِّيِّيْنَ أَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَسْتَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا﴾

(تفسیر ابن کثیر، الأحزاب، آیة: ۴۵)

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے یہ عرض کیا کہ مجھ کو تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے متعلق کچھ بتایئے۔ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تورات میں وہی اوصاف ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں کہ اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنایا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنایا اور اُمّیوں یعنی اہلِ مکہ کے لیے حرز و حفاظت کا ذریعہ بنایا، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے (خوب بھروسہ کرنے والے) آپ نہ تند خو نہ بدمزاج ہیں اور نہ سخت اخلاق والے ہیں، نہ ہی آپ بازاروں میں شور مچانے

والے ہیں اور بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کرتے ہیں اور درگزر فرمادیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے، یہاں تک کہ آپ کے ذریعہ سے ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرمادیں، پس کھول دیں گے اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُٹھائی جانے والی تکلیفیں اور راہِ سلوک میں کیے جانے والے مجاہدات وصول الی اللہ کی بنیاد اور اس سلسلے میں ترقی کی جڑ ہے۔ جو جتنے مجاہدوں سے گزارا گیا اور اس کو اس راہ میں دُکھ اُٹھانے پڑے اُس کے قلب میں ویسی ہی تجلّی حق اور قربِ الٰہی عطا کردی گئی۔ حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ والے خون کے دریا سے گزر کر اللہ تک پہنچتے ہیں، اس لیے وہ ہردم مطمئن اور امن کے ساتھ رہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ عِظَمُ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ﴾

(سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جزاء وثواب کا زیادہ ہونا آزمائش کے بڑے ہونے کے ساتھ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب فرماتے ہیں تو اُن کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی اس آزمائش پر راضی رہا تو اُس سے اللہ بھی راضی ہوجاتے ہیں اور جس نے اُس سے اظہارِ ناراضگی کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔

یعنی جتنی اونچی آزمائش انسان پر آتی ہے اُس کا بدلہ بھی اُس کو اتنا ہی اونچا ملتا ہے۔ اور آزمائش کا آنا اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہونے یا معذب ہونے کی نشانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کی نشانی ہے لہٰذا دنیا میں کسی کو آزمائشوں میں دیکھ کر یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہیں۔ اور خود بھی انسان کو یہ چاہیے کہ اگر چاروں طرف سے فتنوں اور گمراہیوں کی آزمائشوں میں گھر جائے تو ہمت وجرأت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کرے تو اُن گناہوں اور خواہشات سے بچنے میں جتنا زور دل پر پڑے گا اور آرزوؤں کا خون ہوگا اُتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقامِ قرب نصیب ہوگا اور قلب مشاہدۂ حق کی دولت سے مالا مال ہوجائے گا۔ اسی کو حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ مضطر وبے قرار کی داستان ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سنو، کیونکہ اس کا منظر خون میں لہولہان ہے۔ یہ وہی خون ہے کہ اُس نے خواہشات کے اوپر اللہ کی محبت کی تلوار رکھ کر اُن کا خون بہایا جس کے نتیجے میں اُس کے خون کی حالت کسی بحرِ احمر سے کم نہیں ہے جس طرح دنیا میں پانی کا سمندر بہتا ہے اسی طرح اُس شخص کے خون کا سمندر دل میں بہہ رہا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی کلی ہوں جو نا شگفتہ ہوں، کیونکہ اپنی خوشیوں پر میں نے اپنی زندگی کو نہیں ڈھالا بلکہ حکمِ الٰہی کی پابندی کی وجہ سے سب حرام خوشیوں کو اندر ضبط کرلیا ہے اور میری سب آرزوئیں ٹوٹ چکی ہیں جس کی وجہ سے دل بھی ٹوٹ کے پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ اور اُس کی بدولت مجھے ایک ایسا مرتبہ حاصل ہوا کہ میرے ہوش اُڑے ہوئے ہیں اور مجھے وہ درد حاصل ہوا جو ایک ایسا راز ہے جسے سوائے اللہ کے اور کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ بقول حضرت مولانا رومی ؎

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیرِ خدا محرم نبود

اور میرے ٹوٹے ہوئے دل کے ملبے کے تحت حسرتوں کا ایک عظیم ذخیرہ دبا ہوا ہے کہ اُس کو اگر کھود کر دیکھا جائے تو انسان کے ہوش اُڑ جائیں۔ اس لیے میری حسرتوں کا منظر دیکھنے والا ذرا سنبھل کر دیکھنا اور یہ جب تک حاصل نہیں ہوتا جب تک دل کو اللہ کے لیے توڑا نہ گیا ہو۔ اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے
تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر
ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فضل فرمایا ہے کہ میرے دل میں اپنی محبت کا غمِ نہاں رکھ دیا ہے۔ اور انہی حسرتوں اور آرزوؤں کی خون کی بدولت جب میری آنکھیں آنسو برساتی ہیں تو حقیقت میں وہ آنکھ چشمِ خونفشاں ہوتی ہے۔ اور اسی راز کی ترجمانی میری زبان سے نکلنے والی آہ وفغاں ہے کہ جب وہ آہیں نکل کر آسمان کی طرف جاتی ہیں تو فلک بھی اُس پر نوحہ کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ وہ آہ انتہائی درجہ دل کی شکستگی کے نتیجے میں نکلتی ہے۔ جو آسمان سے برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا سبب بنتی ہے۔ اور میرا حال بظاہر ایک بے کس و بے بس انسان کی طرح ہوتا ہے کہ جو اپنی اُمیدوں کے تقاضوں پر عمل کرنے سے با امر خداوندی روک دیا گیا ہو اور بظاہر بے کس و بے بس نظر آرہا ہو، اس لیے اے میری بے کسی کا منظر دیکھنے والو! ذرا سنبھل کر دیکھنا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے راستے میں جس کو تڑپاتے ہیں بس یہی دلیلِ عشق ہوتی ہے اور یہی اس کی نشانی ہوتی ہے کہ اس شخص نے اپنی حرام آرزوؤں کا حق تعالیٰ کی راہ میں خون کردیا ورنہ پھر اسے تڑپنا نصیب نہ ہوتا۔ اور یہی خونِ آرزو کے گھونٹ قدم قدم پر رہ کر پینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے جام و مینا کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی میرا طورِ سینا ہے۔ تم میری دل کی وادیوں میں آ کے دیکھو تو تمہیں تجلی حق سے میرا دل طورِ

سینا کا منظر پیش کرتا ہوا نظر آئے گا، اس لیے میری وادیوں کا منظر ذرا سنبھل سنبھل کر دیکھئے۔ حضرت والا نے کیا ہی خوب کہا کہ ؎

آتا ہے مجھے نالوں میں مزا، اے زاہدِ ناداں طنز نہ کر
جب عشق ہے ان کا دل میں مرے پھر کیوں نہ مجھے تڑپائیں گے

اور بحمد اللہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دردِ دل دے کر جو آہوں کا ایک تحفہ دے دیا ہے تو اِن آہوں اور غموں کا اثر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا سنگِ در پاتا ہوں وہیں سجدہ ریز ہو کر اُسے آنسوؤں سے تر کر دیتا ہوں۔ یہ آنسوؤں کا خزانہ اُسی شخص کو ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی یاد میں تڑپ رہا ہو۔ اور پھر اُسے کوئی پابندِ سکوت و خاموشی کرنا چاہے یا آنکھوں کو جامد اور خشک رکھنے کی تلقین کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نصیحت کرنے والا اس شخص کے عاشقی کے مقام سے واقف نہیں ہے۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت والا نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ؎

بلبل کو نہ تُو کر اے ناداں پابندِ سکوت و خاموشی
جب اس کو چمن یاد آئے گا نالے بھی لبوں تک آئیں گے

خدا کا فضل ہے میں اپنے سینے میں حق تعالیٰ کے غم میں ڈوبا ہوا جگر رکھتا ہوں اور میں اپنے چہرے پر ایسی آنکھیں رکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی محبت و خوف سے چشم تر رہتی ہے۔ اور میرے پاس اپنی آرزوؤں کے خون کا سمندر بھی موجود ہے جس سے میں نے اپنے بر و خشکی کے حصے کو لہو سے تر کر رکھا ہے۔ اس لیے میری زندگی میں غور کرنے والوں اور مجھے دیکھنے والوں تمہیں میرے اندر بحر و بر کا منظر نظر آئے گا۔ لیکن جب اسے دیکھنے چلو تو ذرا سنبھل کر دیکھنا کہ یہ دنیا کا دوسرا بر و بحر نہیں ہے، یہ آنسوؤں اور لہو سے لبریز بر و بحر ہے۔

جس کو جاننے والا اس روئے زمین پر کوئی بشر نہیں ہے بلکہ صرف میرا خالق و مالک اللہ ہی میرے دل میں رکھے ہوئے رازِ نہاں کا راز داں ہے۔ ہاں کچھ آثار و قرائن سے بعض لوگ صرف میری اندرونی حالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور بظاہر وہی میری حالت خود زبان بن کر لوگوں کو بتا رہی ہے کہ میں اپنے سینے میں ایک تڑپتا ہوا دل رکھتا ہوں۔ ورنہ عشق کی ترجمانی کسی زبان سے ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے درحقیقت یہ جملہ اپنی جگہ درست ہوتا کہ عشق بے زبان ہوا کرتا ہے۔ تو ایسے بے زبان کا منظر ذرا سنبھل کر دیکھئے۔

میری فکر و سوچ زمین و آسمان کے چاند و ستاروں میں اور بر و بحر کے نقشوں اور زیب و زینت کی چیزوں میں نہیں ہے اور نہ مجھے دنیا و مافیہا سے وابستگی اور تعلق نظر آتا ہے، اس لیے جہاں میری فکر پہنچی ہوئی ہے وہ فکر لامکاں کہلانے کی مستحق ہے اور میرا درد و غم کسی دنیا کے فانی معشوق اور حسین کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ نہ ہی دنیا کے بنگلوں کے اور محلوں کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ میرا درد و غم اُس حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے، اس لیے میں اپنے غم

کو غمِ جاوداں کہتا ہوں۔ اگر تم میرے درد و غم کے قصوں کو سنو تو تمہارا دل بھر آئے گا اور تم اگر واقعی میری حالت کا اندازہ لگالو تو تمہیں یہ پتہ چل جائے گا کہ میری رگ رگ سے اللہ کے عشق میں خون بہہ رہا ہے۔ اس لیے میں درحقیقت میرا خونِ حسرت اتنا زیادہ ہے کہ گویا کہ میں خون کے سمندر میں ہوں تو جو دیکھنا چاہے میرے خون کے سمندر کو سنبھل کر دیکھے۔

اور میں اس حقیقت کو بہت شرح صدر اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ جو غم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ دنیا اور اہلِ دنیا کی ہزار ہا خوشیوں سے بڑھ کر ہے اور میرا اس راہ کا کانٹا اہلِ دنیا کے پھولوں سے ہزار درجہ خوشتر ہے۔ اور میں اپنی راتوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور تعلق کے ذریعے سے چاند سے زیادہ روشن پاتا ہوں اور خود میرے دل کا غم میرے دل کا رہبر بنا ہوا ہے، کیونکہ محبتِ خداوندی خود انسان کو آدابِ محبت سکھانے کے لیے اور راستے پر چلنے کے واسطے طور طریق بتانے کے لیے کافی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے جس کو سینے میں حق تعالیٰ کی محبت عطا ہو جائے پھر پوری شریعت و دین پر چلنا اُس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ درد و غم ہی خود اُس کے دل کا رہبر بن جاتا ہے۔ وہ یہ جان جاتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ پس کیا ہی عمدہ غم ہے کہ جو غم خود ہی رہنما بن رہا ہو۔ پس میرے رہنما غم کا منظر دیکھنا تو سنبھل کر دیکھنا کیونکہ یہ دنیا کے دوسرے غموں کی طرح نہیں ہے۔

اور آخر میں بس اختر یہ عرض کرتا ہے کہ جو کچھ ہے سارا اللہ کا کرم ہے اُسی کے فضل سے اختر ہر لمحہ اُن کے در پر پڑا ہوا ہے اور اُسی کی توفیق سے اُس کے قلب و جگر پر اُس کی محبت کا زخم لگا ہوا ہے کہ جس کی بدولت کوئی دنیا کی خوشی اچھی نہیں لگتی بلکہ میرے غم میں مجھے ہزار خوشیاں سے بڑھ کر مزہ اور لطف ملتا ہے اور مجھے ہر صبح یہ تمنا لگتی رہتی ہے کہ کب شام آئے اور میں اپنے مولا کے ساتھ سرگوشی میں لگ جاؤں اور گریہ وزاری کر کے اپنے مولا کے ساتھ آہ و فغاں کروں۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ میری زندگی کا منظر اور ہر اللہ کے عاشق کی زندگی کا حال کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جو عام انسانی سمجھ سے باہر ہے۔ اس لیے کوئی سوچ سمجھ کر اگر قریب رکھ کر دیکھنا چاہے تو وہ کچھ اندازہ لگا سکتا ہے مگر حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر سرسری طور پر اُسے سمجھنے کی فکر کرے تو پھر اُس کو اس کا کچھ حال معلوم ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ سوائے پریشانی اور اُلجھن میں پڑنے کے اور کچھ ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ درد و غم کی کہانی اور یہ خونِ آرزو کا سمندر اور اُس میں تڑپ تڑپ کے جینا یہ ایک ایسی کہانی جسے عاشق ہی کچھ سمجھ سکتا ہے، دوسرا اس سے واقف نہیں۔

اس لیے احقر یہ عرض کر سکتا ہے کہ کوئی عام انسان اگر حضرت والا کے اس نظم کے اشعار کو پڑھے گا تو ساری نظم پڑھ کر وہ یہ ہی سوچتا رہے گا کہ آخر یہ خون کا سمندر اور یہ ساری کہانی ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے۔

مری چشمِ تر خون برسا رہی ہے

مری چشمِ تر خون برسا رہی ہے
جہاں بھی کہیں سنگِ در پا رہی ہے
مری آہ کی کچھ خبر لا رہی ہے
صبا آج باچشمِ تر آ رہی ہے
یہی آہِ دل دل کو گرما رہی ہے
محبت کی تکمیل فرما رہی ہے
نہ پوچھو تجلی آہِ سحر کو
ضیائے مہ و مہر شرما رہی ہے
بصد شوق بحرِ تلاطم کے اندر
مری ناؤ زیر و زبر جا رہی ہے
تجھے جذبِ خورشید شبنم مبارک
سوئے یار بے بال و پَر جا رہی ہے
مبارک تجھے اے مری آہ مضطر
کہ منزل کو نزدیک تر لا رہی ہے
بکوئے حبیبِ دل تشنہ کامے
فغاں میری شام و سحر جا رہی ہے
خوشا آں نگارے نگہ پر خمارے
کہ عشاق کو دار پر لا رہی ہے
نہ پوچھو شبِ غم کی تاریکیوں میں
اب آہ سحر جلوہ فرما رہی ہے
ہٹو میری نظروں سے امواجِ رنگیں
یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے
بتا اے خرد اس کے جلووں کے آگے
بہ ایں لاف و دعویٰ کدھر جا رہی ہے
ہے مسرور دل کی تباہی پہ اختؔر
کہ ہر سو تجلّی نظر آ رہی ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **صبا**: صبح کی ہوا جو مشرق سے چلتی ہے۔ **باچشم**: ساتھ۔ **تکمیل فرما**: مکمل کرنا، پورا کرنا۔ **ضیائے**: روشنی۔ **مہ و مہر**: سورج چاند۔ **ناؤ**: کشتی۔ **زیر و زبر**: اوپر نیچے ہوتے ہوئے۔ **جذب**: کھینچ لینا۔ **سوئے یار**: دوست کی طرف۔ **بکوئے حبیبے دل تشنہ کامے**: میرے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے کوچے یعنی عرشِ الٰہی تک میرے اللہ کی محبت کے پیاسے دل کے ساتھ۔ **خوشا آں نگارے**: کیسی پیاری خوبصورتی ہے۔ **نگہ پر خمارے**: اللہ تعالیٰ کے عشق کے نشے والی آنکھ۔ **دار**: سولی۔ **پیا**: محبوب، اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ **نگر**: بستی، شہر۔ **خرد**: عقل۔ **بہ ایں لاف**: اس لڑائی کے ساتھ۔ **ہر سو**: ہر طرف۔

اللہ تعالیٰ جس بندے کو خاص محبت عطا فرماتے ہیں پھر اُسے رونے والی آنکھیں بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ بزرگوں میں اس کی بہت بڑی تعداد ملتی ہے۔ چنانچہ بعض مصنفین نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں جیسا کہ ایک کتاب کا نام ہے: ''**دموع الصالحین**'' یعنی اللہ والوں کے آنسو۔ اس لیے حضرت فرماتے ہیں کہ جہاں بھی میں آپ کا سنگِ در دیکھ رہا ہوں وہی میری آنکھیں خون برسا رہی ہیں اور جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج میری آنکھوں سے آنسو جاری ہے تو یہ سمجھ لیتا ہوں کہ اس میں میری آہ و فغاں شامل ہے۔ اور وہ درد و غم جو دل کے اندر چھپا ہوا ہے یہ اُس کے اثرات ہیں۔ اور یہی آہیں دل کو گرماتی رہتی ہیں اور صبح و شام، رات و دن اللہ تعالیٰ کے

سامنے آہ وفغاں کرنے کے ذریعے سے میری محبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اور جب میں صبح کو آہ بھرتا ہوں اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتا ہوں تو میرے قلب میں ایسی تجلی آہِ سحر عطا ہوتی ہے کہ جس کے سامنے چاند اور سورج کی روشنی شرما جاتی ہے۔

اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کے غموں کے سمندر میں موجوں کے تلاطم کے باوجود بصد شوق ورغبت میری کشتی زیروزبر چلی جارہی ہے۔ یعنی کبھی موافق اور ناموافق حالات ہونے کے باوجود میں اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنا بند نہیں کرتا اور اُس سے پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے آگے بڑھا چلا جارہا ہوں۔ چاہے میرے جذباتِ دین کے خلاف ہزار ہا مخالفتیں ہوں اور کیسے ہی لوگوں کی طرف سے طعن وتشنیع اور ملامتیں کی جارہی ہوں اور چاہے کتنی ہی پریشانیوں ومشقتوں سے گزرنا پڑرہا ہو مگر میں چلنا نہیں چھوڑتا اور اگر کبھی گر جاتا ہوں تو پھر سے اُٹھ کر چلنا شروع کرتا اور کبھی تیزی کے ساتھ اور کبھی آہستگی سے اور کبھی اوپر تو کبھی نیچے، مگر مسلسل میری کشتی ساحل کی طرف چلی جارہی ہے۔ اور یہی کامیابی کی پہچان اور نشانی ہے۔ اور آنکھوں کے آنسو بہہ بہہ کر زمین پر گرتے ہیں اور خشک ہوتے رہتے ہیں تو اپنے محبوب اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لیے آنکھوں سے آنسو نکل کر بہہ جانا سالک کو مبارک ہو کہ اُسے بے بال وپر اللہ تعالیٰ اپنی طرف اُڑا کر لے جارہے ہیں۔ جس طرح وہ شبنم زمین پر ہوتی ہے لیکن آسمان پر نکلنے والا سورج اپنی روشنی میں جذب کر لیتا ہے، اس طرح یہ شبنم بے بال وپر سورج کی روشنی میں جا کر جذب ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ سالک جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں تو یہ آنسو جب بہہ کر زمین پر گرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لے جا کر جوڑ دیتے ہیں۔

اور مبارک ہو وہ آہیں کہ جو حق تعالیٰ کے سالک کے لیے خاص عطیہ ہیں کیونکہ یہ آہ وفغاں اُسے اللہ تعالیٰ سے قریب سے قریب تر کر دیتی ہے۔ میرے دل میں جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی پیاس لگی ہوئی ہے، میری آہ وفغاں صبح وشام نکل کر میرے محبوب کی جانب تیزی سے جارہی ہے اور اس طرح میرے دل کی پیاس کی خبر دے رہی ہے۔ اور اس کی برکت سے دل کو قرار اور سکون اور اطمینان نصیب ہو رہا ہے۔ خوش بخت ہے وہ شخص کہ جو اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت میں اس درجے پر پہنچ چکا ہو کہ اُس کے قلب ونگاہ حق تعالیٰ کی شرابِ محبت سے ایسے مست ہو چکے ہوں کہ اگر اُن کو سولی پر بھی لٹکایا جائے تو وہ خوشی کے ساتھ اُس پر لٹکنا منظور کر لیں اور انہیں اللہ کی راہ میں جان دینا آسان ہو جائے۔

میں کیا بتاؤں اُن شبِ غم کی تاریکیوں کا مزہ کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس کے درد وغم کو لے کر صبح سویرے آہ وفغاں کر رہا ہوتا ہوں کہ شبِ غم کی تاریکیاں چھٹتی چلی جاتی ہیں اور آہِ سحر کی تجلی میرے قلب پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ اور مجھے اس کے جلوے عطا ہوتے رہتے ہیں۔

اے دنیا کے کھیل تماشو! اور زیب و زینت لیے ہوئے منظرو! میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور اے امواجِ رنگیں! تم میری نظروں سے ہٹ جاؤ، اس کشتی کا رُخ اپنی طرف موڑنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ یہ کشتی جس سمت میں جارہی ہے وہ میرے محبوب کی سمت اور جانب ہے، اسے اُدھر جانے سے روکنے کی کوشش نہ کرو۔

اے عقل! تو خود فیصلہ کرکے بتادے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کے آگے مجھے تو کچھ سمت میں لے جانا چاہتی ہے۔ اور اگر میں تیرے تقاضوں پر عمل کرنے لگوں تو پھر میری کشتی ساحل پر نہ پہنچ سکے گی اور میں القائے محبوب سے محروم رہ جاؤں گا۔ جب تک میرے مولا کی تجلیات قلب کو حاصل نہ ہوں تو ہزار عقلی دلیلیں اور فلسفیانہ موشگافیاں اور ظاہری عقل وخرد کے ہزار کامیابیوں کے نقشے مجھے میری منزل تک نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

اور اختر اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ادا کرتا ہے کہ وہ اپنے دل کی تباہی پر خوش اور مست ہے، کیونکہ دل تباہ ہونے کے بعد اُسے ہر سُو اللہ تعالیٰ کی تجلی نظر آرہی ہے جس کا وعدہ بہت سی احادیثِ شریفہ میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا گیا کہ دل ٹوٹنے کے بعد اُس میں حق تعالیٰ کی خاص تجلیات کے ساتھ سما جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہ مضمون کتاب کی بہت سی نظموں میں مذکور ہوا ہے۔

علاجِ تکبر

المارئ اسرار کے تالہ کو ذرا کھول
ظاہر ہوا جاتا ہے ترے ڈھول کا سب پول
اے نطفۂ ناپاک تو آنکھیں تو ذرا کھول
زیبا نہیں دیتا ہے تکبر کا تجھے بول

الماری اَسرار: رازوں کی الماری۔ **ڈھول:** طبل، گانے بجانے کا ایک مشہور آلہ۔ **پول:** کھوکھلا پن، اندر سے خالی ہونا۔ **نطفۂ ناپاک:** منی کا قطرہ مراد ہے۔ **زیبا نہیں دیتا ھے:** اچھا نہیں لگتا۔

پھر نعرۂ مستانہ ہاں اے دلِ دیوانہ

پھر نعرۂ مستانہ ہاں اے دل دیوانہ
زنجیر علائق پر پھر ضرب ہو رندانہ

پھر اشک بداماں ہو پھر چاک گریباں ہو
پھر صحرا نوردی کا دھرا کوئی افسانہ

کیوں رشک گلستاں ہے خاموشی ویرانہ
صحرا کی طرف شاید پر ہے رُخِ دیوانہ

رو رو کے کوئی مجنوں زنداں میں کہہ رہا تھا
یا رب مرا ویرانہ یا رب مرا ویرانہ

دست جنوں کی طاقت دیکھے کوئی فرزانہ
زندانِ علائق سے بھاگا ہے وہ دیوانہ

فرزانگی کو بدلے دیوانگی سے دم میں
مل جائے اگر اے دل تجھ کو کوئی مستانہ

محبوبِ حقیقی سے کب تک رہے گا غافل
ہاں نفس پر تو کردے اک وار دلیرانہ

گر اہلِ دل کی صحبت پاجائے کوئی اخترؔ
ہو خاک تن سے ظاہر مخفی کوئی خزانہ

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **نعرۂ مستانہ**: وہ نعرہ جو مستی و مدہوشی کے عالم میں بلند کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی مستی مراد ہے۔ **علائق**: تعلقات۔ **ضرب**: چوٹ۔ **رندانہ**: آزادانہ، انجام سے بے پرواہ ہوکر۔ **اشک بداماں**: آنسوؤں سے دامن تر کرنا۔ **چاک گریباں**: گریبان پھاڑ لینا۔ **صحرنوردی**: صحرا میں پھرنا۔ **افسانہ**: قصہ۔ **رُخ**: چہرہ، توجہ۔ **مجنوں**: دیوانہ، پاگل۔ **زنداں**: قیدخانہ۔ **دست**: ہاتھ۔ **فرزانہ**: عقل کے پیچھے چلنے والا۔ **دم میں**: ایک لمحے میں۔ **مستانہ**: محبت میں مست و سرشار عاشق۔ **وار**: حملہ۔ **دلیرانہ**: بہادری اور جرأت کے ساتھ۔ **مخفی**: پوشیدہ، چھپا ہوا۔

جب دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانہ ہوجاتا ہے تو پھر وہ مست ہوکر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو ایسے یاد کرتا ہے کہ اُس میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اُس کے دل و دماغ میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہی باقی رہتی ہے اور دوسرے دنیوی تعلقات کی زنجیر کو توڑ ڈالتا ہے اور اُس پر ایک رندانہ ضربِ کاری لگاتا ہے کیونکہ وہ دنیا

کی شراب کے نشے میں تو مست نہیں ہے لیکن اُسے شرابِ محبتِ خداوندی کے نشے نے اپنے اللہ کو دیوانہ وار یاد کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔اس لیے اس کی زبان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یادوں کے تذکرے اور اُس کی محبت وعظمت کی باتیں گونجتی رہتی ہیں اور وہ اُسی کی یاد میں مگن رہتا ہے۔اس لیے وہ تعلقات کی زنجیریں توڑ ڈالتا ہے اور گو کہ ظاہر میں اُس سے تعلق قائم رہے مگر اُس کا دل اُن سے بالکل بیزار ہو چکا ہوتا ہے۔اور بقول حضرت خواجہ صاحب ؎

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانۂ دل آباد رہے

اور یہ کیفیت جب ہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کو دل میں رچالیا اور بسالیا گیا ہو اور اُس کے دامن پر آنکھوں سے آنسو بہہ کر گر رہے ہوں اور اُس کا چاک گریبان ہو۔اور اُسے جنگلوں کی تنہائیاں محبوب کردی گئی ہوں۔وہاں جا کر پھر وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و یاد کے افسانے کو دہرا رہا ہو۔جیسا کہ یہی عاداتِ شریفہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے نبوت کے زمانے میں حدیث میں مذکور ہوئی ہے۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے:

﴿عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ﴾

(صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا معاملہ نیند میں سچے خواب تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کے نمودار ہونے کی طرح بالکل واضح اور کھلا ہوا ہوتا تھا، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت محبوب کردی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تنہا رہا کرتے تھے اور وہاں عبادت کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شروع شروع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلوت محبوب رکھی گئی تھی اور یہ وہ صحرا و جنگل ہیں کہ جب اللہ والے وہاں بیٹھتے ہیں اور اُس کی یادوں کی داستان چھیڑتے ہیں تو گو کہ وہ ظاہر میں ویرانے ہوتے ہیں لیکن اُن ویرانوں کی خاموشی رشکِ گلستان بن جاتی ہے۔جس کا سبب یہی ہے کہ وہاں کوئی اللہ کا دیوانہ پہنچ کر اللہ کو یاد کرنے میں مشغول ہے تو زمین کا وہ حصہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے جس پر اُسے یاد کیا جا رہا ہو۔اس لیے دنیا کے یہ گلستان اُس پر رشک کرتے ہیں۔

حقیقی اللہ والوں کو دنیا کے رنگین نقشوں اور زیب وزینت والے بنگلوں اور عمدہ اور اعلیٰ درجے کے چمنوں

اور پارکوں میں قید معلوم ہوتی ہے۔ اُن کا مزہ تو اسی میں ہوتا ہے کہ وہ کسی ویرانے میں جہاں یہ سب دنیاوی آسائش و زیبائش نہ ہوں اور سامانِ عیش و عشرت نہ ہوں تو یکسو ہو کر دل کو ان سب سے خالی کر لینے کے بعد اپنے مولا کو یاد کر رہا ہو۔ اس لیے جو اللہ کی محبت میں مجنوں اور دیوانہ ہوتا ہے اُسے اس قید خانے کے بجائے کوئی کنارۂ دریا یا دامنِ کوہ اور صحرا زیادہ پسند اور مرغوب ہوتا ہے کیونکہ وہ وہاں آزادی کے ساتھ اپنے اللہ کو یاد کرنے میں مست رہتا ہے۔

اور جب یہ محبتِ خداوندی کا جنوں کسی کو لگ جاتا ہے تو پھر کوئی ظاہری عقل رکھنے والا آکے دیکھے کہ وہ کتنی تیزی کے ساتھ اُسے اللہ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے۔ اور وہ بہت جلد اپنی منزلِ مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو پالیتا ہے اور عقلمند اپنی عقل و خرد کے بنائے ہوئے منصوبوں اور اسکیموں میں پھنس کر نفع و نقصان کی سوچ میں پڑا رہتا ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس لیے جو یہ چاہے کہ مجھے اللہ کی محبت اور قرب حاصل ہو تو یہ دیوانگی والا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہی دیوانگی بڑی جلد دنیا سے دور اور آخرت سے قریب کر دیتی ہے۔

اگر کوئی اللہ کا واقعی دیوانہ بننا چاہے تو اسے کسی مستانے سے ملنا پڑے گا تاکہ وہ اُس کی فرزانگی (عقل کے تقاضے پر چلنا) کو دیوانگی سے بدل دے۔ اور بڑی جلد ہی عقل و خرد سے راہِ خداوندی طے کرنے کے نقصانات اور دیوانگی سے حق تعالیٰ تک پہنچنے کے منافع کھل کر سامنے آجائیں گے۔ اے اللہ کے طالب! اگر تجھے واقعی محبوبِ حقیقی تک پہنچنا ہے تو پھر ہم تجھے ایک نسخۂ کیمیا بتاتے ہیں کہ اپنے نفس کی خواہشات پر شیرِ نر کی طرح ایک مردانہ اور دلیرانہ حملہ کرو۔ یہی ایک راستہ ہے جو غافل انسان کو ذاکر بنا دیتا ہے اور پھر اُسے واصل کر دیتا ہے۔ اس کے بغیر بڑے سے بڑے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بھی اور کیسی ہی ذکر و تسبیح کے باوجود بھی محبوبِ حقیقی کا وصال میسر نہیں ہوتا۔ پس جو لوگ کم ہمتی میں پڑ کر گناہوں سے نہیں بچنا چاہتے اور نفس کے تقاضوں اور طبیعت کی چاہتوں پر عمل کرتے رہتے ہیں اُن کے لیے اس میں ایک خاص سبق ہے کہ جب تک وہ ہمت استعمال کر کے گناہوں سے بچنے میں پوری جرأت و بہادری نہیں دکھائیں گے تب تک حق تعالیٰ کا قرب محض ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

اور اختر آخر میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ اے لوگو! اہلِ دل کی صحبت اختیار کرو، تمہیں بہت جلد تمہارا مقصود مل جائے گا اور عنقریب نظر آجائے گا کہ اسی آب و گل کے نقشے سے اور مٹی کے ڈھیر سے اللہ کی معرفت کے ایسے خزانے ظاہر ہوں گے اور اُس کے قرب کے ایسے ہیرے جواہرات نکلیں گے اور بندگی کے ایسے موتی چمک اُٹھیں گے کہ ساری دنیا دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔ اور خود اُسے کچھ دیر تک کے لیے سمجھ نہ آسکے گی کہ میں کیا تھا اور مجھے صحبتِ شیخِ کامل کی برکت سے حق تعالیٰ نے کیا سے کیا کر دیا ہے۔

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمید نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے

جسے حاصل کرم سے اُن کے توفیقِ انابت ہے
یقیناً اس کو حاصل رشکِ صد اقلیم دولت ہے

کرم ہے اُن کا جو حاصل تجھے حسنِ خطابت ہے
مگر رب کی مشیت پر ہی تاثیرِ ہدایت ہے

اگر حاصل کسی کو راہِ حق پر استقامت ہے
تو یہ اللہ کی جانب سے رحمت اور نصرت ہے

اگر خونِ تمنا سے ہمارے دل میں حسرت ہے
مگر پوشیدہ اس میں اُن کی قربت رشکِ جنت ہے

گناہوں کی تمنا آہ ظالم کیسی فطرت ہے
کہ جس کی ابتدا تا انتہا ظلمت ہی ظلمت ہے

ہمیشہ یاد رکھنا ان کو اختر دردِ نسبت ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **اشاعت:** پھیلانا، نشر کرنا۔ **انابت:** رجوع کرنا۔ **رشک صد اقلیم:** جس پر سو سلطنتیں بھی رشک کریں۔ **حسنِ خطابت:** بہترین اندازِ بیان۔ **مشیّت:** مرضی، چاہت۔ **تاثیرِ ہدایت:** اثر انداز ہونا، اثر کرنا۔ **استقامت:** مضبوطی اور جماؤ۔ **نصرت:** مدد۔ **ابتدا تا انتہا:** شروع سے لے کر آخر تک۔

نہیں ہے صاحبِ نسبت جو ظالم اہلِ غفلت ہے

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اختر کو جو کچھ دردِ محبت ملا ہے یہ سب اُس کے شیخ و مرشد محی السنہ حضرت شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ کا فیض ہے جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے یہ دردِ محبت عطا فرمایا ہے۔ اور اپنے شیخ ہی حکم اور ایما پر اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے اس کی اشاعت کر رہا ہوں ورنہ مجھے بھی اپنی فطرت کے اعتبار سے کوئی دریا کا کنارہ اور کوہِ دامن ہی مرغوب اور پسندیدہ ہے، مگر اُمت کے نفع کے لیے اس درد کی اشاعت کر رہا ہوں۔

میری یہ بات کبھی نہ بھولنا جس کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انابت اور توجہ الی اللہ کی توفیق حاصل ہوگئی اور وہ اپنے گناہوں اور غفلتوں سے نادم اور شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور شب و روز اُس کی یاد میں لگ

گیا تو یہ اتنی بڑی نعمت اُس کو حق تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کہ جو رشکِ صد اقلیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو انابت الی اللہ کی دولت مل جانا اتنی عظیم دولت ہے کہ اگر سینکڑوں اقلیم اور سلطنت وحکومت اُس کو دے دی جائیں تب بھی اُسے وہ مزہ اور لطف حاصل نہ ہوگا جو اس دولت میں ہے۔

اور کوئی اس کو مبالغہ پر محمول نہ کرے اس لیے کہ یہ ایک امرِ واقعی اور حقیقی ہے، جس کی وجوہات تو بہت ساری ہیں لیکن ظاہری طور پر اتنا سمجھ لیجئے کہ ہفت اقلیم اور صد اقلیم یہ سب خارج اور باہر کی چیز ہے اور انسان کو زندگی کا لطف اور مزہ اندرونی اوصاف وکمالات سے حاصل ہوتا ہے، جس میں سب سے بڑا وصف حق تعالیٰ سے قرب اور تعلق کا ہے۔ پھر اسی طرح جتنے بھی سلطنتیں مل جائیں یہ فانی اور ختم ہونے والی ہیں جو مرنے کے ساتھ ساتھ یہیں رکھی رہ جائیں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کی دولت یہ اُس کو قبر وحشر نشر میں کام آنے والی اور جنت میں ہمیشہ کے لیے پہنچا دینے والی ہے، اس لیے یہ بات بالکل درست اور صحیح ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں سلطنتیں بھی اُس کا بدل نہیں بن سکتیں۔

آگے حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے حسنِ خطابت سے نوازا ہے لیکن کوئی خطیب کتنا ہی اچھا اور بیان وتقریر کرنے والا ہو، ہدایت دینا اُس کا کام نہیں ہوتا، اس لیے سچا مخلص خطیب اور واعظ وہ ہے جو حسنِ خطابت کے ساتھ ساتھ اپنے اللہ سے اہلِ مجلس سامعین کی ہدایت کا بھی طلبگار رہے۔ اور اپنے وعظ و خطاب میں تاثیرِ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے جو کہ اصل مقصودِ خطابت ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اپنی تقریر سے لوگوں میں مقبول ومحبوب بننا چاہے اور ان کی زبان سے اپنی تعریفی کلمات سننے کا خواہاں ہو تو پھر اس کا یہ خطاب حق تعالیٰ کی نگاہ میں نہ صرف یہ کہ پسند نہیں بلکہ اُس کی ناراضگی کا موجب ہے۔ اور قیامت کے دن اُس کو کوئی اجر ہی نہیں ملے گا بلکہ وہ باعث عذاب وعقاب ہوگا۔ جیسا کہ روایت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے علم سیکھنے پر سخت وعید آئی ہے:

﴿حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ﴾

(سنن الترمذي، كتاب العلم، باب ماجاء فيمن يطلب بعلمه الدنيا)

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے علم کو اس غرض سے سیکھا تاکہ وہ اُس کے ذریعے علماء سے مقابلہ کرے اور یا جہلاء سے مجادلہ کرے اور یا لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب پھیرے (خواہ عوام کی توجہ یا طلبہ کا رُخ اپنی طرف پھیرنا یعنی لوگوں کے درمیان شہرت کا طالب رہنا) تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس شخص کو جہنم میں داخل کردیں گے۔ اس لیے ہر خطیب کے دل میں یہ تمنا رہنی چاہیے اور اُس

کے لیے اللہ سے بھیک مانگنی چاہیے کہ اے خدا! میری خطابت کو ہدایت کا ذریعہ بنا کر انسانوں کو اپنی ذات کا تعلق عطا کر دے اور آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔

حضرت جی مولوی یوسف کاندھلوی نے کیا ہی خوب جملہ کہا تھا کہ اگر یوسف کا بیان سن کر تم یوسف کے ہو گئے تو سمجھو کہ بیان بے کار ہو گیا اور اگر اللہ کے ہو گئے تو میں کہوں گا کہ یہ بیان کار آمد ہوا اور چونکہ ہدایت کسی خطیب کے بس میں نہیں ہے بلکہ یہ حق تعالیٰ کی مشیت پر ہے اس لیے اس سببِ ہدایت کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اس میں تاثیر ہدایت کی بھیک مانگنی چاہیے۔ ہم اگر غور سے دیکھیں تو تمام انبیاء کی سنت یہی رہی ہے کہ ایک طرف وہ قوموں کو دعوت دیتے اور دوسری طرف تنہائی میں اپنے اللہ سے اُن کے لیے ہدایت کی بھیک مانگتے تھے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اس طریقے کو اختیار کرنے کے بعد اگر لوگوں کو ہدایت نہ بھی ملے تب بھی اس واعظ و خطیب کو حق تعالیٰ ضرور مل جائیں گے اور یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا جو خطاب و وعظ کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد ہے۔ اس لیے اپنے خطاب و وعظ اور دعوت و تبلیغ میں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

آگے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو راہِ حق پر استقامت عطا ہو جائے اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پورا کرنے والا ہو تو یہ سمجھ لو کہ اُسے کائنات کی سب سے بڑی نعمت مل چکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے ساتھ خصوصی رحمت و نصرت کا معاملہ ہے۔ گو کہ آج کل لوگ ولایت اور بزرگی کا معیار کشف و کرامت اور دوسری فضول اور واہیات باتوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اللہ والا وہی شخص ہے کہ جو ہر وقت راہِ خداوندی پر مضبوطی سے قائم اور ثابت رہتا ہے۔ اور ایک لمحے کے لیے بڑے سے بڑے دنیاوی اغراض و مقاصد کی خاطر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دینا یا توڑ دینا منظور اور گوارا نہیں کرتا۔ اسی کو استقامت کہتے ہیں اور یہی سب سے بڑی اللہ کی نعمت ہے اور اُس کی رحمت و نصرت کی خاص نشانی ہے۔

الحمدللہ! ہم نے اپنی تمناؤں کا خون کیا اور حق تعالیٰ نے ہمیں اس کی توفیق بخشی تو اس کی بدولت ہمارے دل میں جو حسرت و غم ہے ہم اُس سے نہ مایوس ہیں اور نہ ہی نا اُمید ہیں بلکہ یہ سودا بہت اونچا اور قیمتی سودا ہے کہ محض خونِ تمنا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قرب عطا فرما دی جو ہمارے لیے رشکِ جنت ہے۔ اس لیے اس حسرت و غم میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے قرب کا شامل ہونا یہ ہمارے لیے اس حسرت و غم کو رشکِ جنت بنا دینے والا ہے۔ نادان ہے وہ شخص کہ جو گناہوں کی تمنا کر رہا ہے اور اُن میں مبتلا ہیں اور اس سے بڑھ کر حماقت یہ ہے کہ اُن میں لگ کر زندگی کی لذت اور راحت کا متمنی ہو، حالانکہ سوچنا چاہیے کہ گناہوں کی ابتدا تا انتہا ظلمت ہی ظلمت ہے، تو بھلا ظلمتوں اور تاریکیوں میں پڑ کر کبھی کسی کو سکون مل سکتا ہے۔ افسوس! اس ظالم کی کیسی فطرت ہے کہ یہ گناہوں اور گندگیوں میں پڑ کر سکون و راحت کا متلاشی ہے۔ جیسا کہ آج کل جوان بے حیائی کے گناہ میں مبتلا ہو کر اور اپنی من

مانی میں لگ کر شہوت کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے اپنے لیے راحتوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوری رحمہ اللہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں ؎

عشقِ بتاں میں اسعد کرتے ہو فکرِ راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خواب گاہیں

آخری شعر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنا کہ کسی وقت بھی اُس کی یاد سے غافل نہ ہو اور کوئی اللہ تعالیٰ کا حکم ٹوٹنے نہ پائے بس یہی درِ نسبت کہلاتا ہے۔ اور جو ظالم غفلت میں پڑا ہوا ہے خواہ وہ ذکر وتسبیح کر رہا ہو اور گناہوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے ایسا شخص صاحبِ نسبت نہیں کہلاتا۔

ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

ہے اسی طرح سے ممکن تری راہ سے گذرنا
کبھی دل پہ صبر کرنا کبھی دل سے شکر کرنا

یہ تری رضا میں جینا یہ تری رضا میں مرنا
مری عبدیت پہ یارب یہ ہے تیرا فضل کرنا

یہی عاشقوں کا شیوہ یہی عاشقوں کی عادت
کبھی گریہ و بکا ہے کبھی آہِ سرد بھرنا

یہی عشق کی علامت یہی عشق کی ضمانت
کبھی ذکر ہو زباں سے کبھی دل میں یاد کرنا

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یارب
ترے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگِ در پہ مرنا

یہ تری عنایتیں ہیں یہ تری مدد کا صدقہ
مری جانِ ناتواں کا ترے غم پہ صبر کرنا

یہ تری عطا ہے یارب یہ ہے تیرا جذبِ پنہاں
مرا نالۂ ندامت ترے سنگ در پہ کرنا

مرا ہر خطا پہ رونا ہے یہی مری تلافی
تری رحمتوں کا صدقہ مرا جُرم عفو کرنا

تری شان جذب ہے یہ تری بندہ پروری ہے
مرے جان و دل کا تجھ کو ہمہ وقت یاد کرنا

کسی اہل دل کی صحبت جو ملی کسی کو اخترؔ
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **عبدیت:** غلامی۔**شیوہ:** عادت۔**گریہ و بکا:** رونا۔**آہِ سرد:** ٹھنڈی آہ۔ **علامت:** نشانی۔**ضمانت:** زبان سے ذکر کرنا اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا، اللہ تعالیٰ کے عشق کی ضمانت ہے۔**زیست:** زندگی۔**ناتواں:** کمزور۔**جذبِ پنہاں:** چپکے سے اپنا بنالینا۔**نالۂ ندامت:** اپنے اعمال پر شرمندہ ہوکر آنسو بہانا۔**تلافی:** نقصان کا بدلہ۔**عفو کرنا:** معاف کرنا۔**بندہ پروری:** احسان۔**ہمہ وقت:** ہروقت۔

ظاہر ہے کہ انسان دنیا میں دو ہی قسم کے حالات سے گزرتا ہے۔ کبھی اچھے حالات ہوتے ہیں اور خوشی و مسرت اور فرحت بخش، سازگار اور موافق حالات کا سامنا ہوتا ہے۔ کبھی اس کے برخلاف دوسری صورت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے پر بڑا کرم فرمایا کہ دونوں راستوں سے اپنے تک پہنچنا آسان کردیا۔ جب نعمت اور راحت کی شکلیں ہوں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور جب بظاہر تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہو تو اس پر صبر کیا جائے۔ شکر کے راستے سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور نعمتوں میں اضافہ فرماتے ہیں اور صبر کے راستے سے بھی اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ نصیب ہوتی ہے اور صابرین پر حق تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوا کرتی ہیں۔ جیسا کہ ''عرفانِ محبت'' جلد اوّل میں احقر اس کو تفصیل سے لکھ چکا ہے کہ بندۂ مؤمن کا فائنل ڈیسٹینیشن وایا (Final Destination Via) شکر ہو یا صبر جنت ہی ہے۔ اسی کو حضرت فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے گزرنا اسی طرح ہوا کرتا ہے کہ کبھی صبر ہو رہا ہو اور کبھی شکر ہو رہا ہو۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیاری سنت بھی ہے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات کہی گئی کہ اگر آپ چاہیں ہم ان پہاڑوں کو سونے چاندی کا بنادیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک دن سیراب ہو جاؤں تو شکر ادا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تو صبر کروں، اس لیے ان دونوں راستوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے اور سالک کو وصول الی اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِی اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یَّجْعَلَ لِیْ بَطْحَآءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَارَبِّ وَلٰكِنْ اَجُوْعُ يَوْمًا وَاَشْبَعُ يَوْمًا فَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُّكَ وَشَكَرْتُكَ وَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَدَعَوْتُكَ تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَّحْيٰی﴾

(شعب الایمان للبیهقی، باب فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اللہ نے مجھ پر یہ بات پیش کی کہ میرے لیے پورے بطحاء مکہ کو سونے میں تبدیل کردے تو میں نے عرض کیا کہ نہیں اے میرے اللہ! اور لیکن میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیراب ہوں، پس جب میں سیراب ہوں گا تو آپ کی حمد اور شکر ادا کروں گا اور جب میں بھوکا ہوں گا تو آپ کی طرف تضرع و عاجزی اور آپ کو پکاروں گا۔

اور اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک دوسری روایت بھی منقول ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبِ الْاَنْصَارِیَّ اَتٰی رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ادْعُ اللهَ اَنْ يَّرْزُقَنِیْ اللهُ قَالَ وَيْحَكَ يَا ثَعْلَبَةُ قَلِيْلٌ تُؤَدِّیْ شُكْرَهٗ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرٍ لَا تُطِيْقُهٗ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ادْعُ اللهَ اَنْ يَّرْزُقَنِیْ مَالًا قَالَ وَيْحَكَ يَا ثَعْلَبَةُ اَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِثْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لَوْ سَاَلْتُ اَنْ يَّسِيْلَ لِیَ الْجِبَالَ ذَهَبًا وَّفِضَّةً لَسَالَتْ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ مال دے دے، ارشاد فرمایا کہ افسوس اے ثعلبہ! (کیسی درخواست کرتے ہو یہ بات سن لو) تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کردو بہتر ہے اُس زیادہ سے کہ جس کی تم طاقت نہ رکھ سکو۔ پھر دوبارہ سے یہی درخواست کی اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیجئے کہ مجھ کو مال عطا فرمادیں، ارشاد فرمایا کہ افسوس اے ثعلبہ! کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوجاؤ، اللہ کی قسم! اگر میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ ان پہاڑوں کو میرے لیے سونا چاندی بنا کر بہا ڈالیں تو البتہ ایسا ہی ہوجائے کہ وہ سونا چاندی بن کر بہنے لگے۔ (مگر میں اس بات کو پسند نہیں کرتا بلکہ اختیاری طور پر فقر کو ترجیح دیتا ہوں)

کیونکہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب انسان کو مال ودولت مل جاتی ہے تو اُس میں غرور وتکبر پیدا ہوکر اللہ تعالیٰ کو بھولنے والی خرابی آجاتی ہے اور جب فقر اور پریشانی سامنے آتی ہے تو پھر وہ بے صبرا ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا:

﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا﴾

(سورۃ المعارج، اٰیۃ: ۲۰)

ترجمہ: جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حدِ جواز سے زیادہ) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوقِ ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے (یہ تتمہ ہوگیا موجبات عذاب کا جومَن ادبر سے شروع ہوئے ہیں) مگر وہ نمازی (یعنی مؤمن ان موجباتِ عذاب سے مستثنیٰ ہیں) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن، جلد: ۷، صفحہ: ۵۵۳)

یعنی انسان کی کم ہمتی اور بے صبری کا یہ عالم ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف ومصیبت پیش آجاتی ہے تو صبر سے کام نہیں لیتا اور جب کوئی راحت وآرام اور مال ودولت مل جائے تو بخیل بن جاتا ہے، بخل سے مراد فرائض و [illegible]ات کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔ البتہ عام انسانوں کی اس خصلتِ مذکورہ سے مؤمنین صالحین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے [illegible] کے اعمال اور اخلاقِ صالحہ کا تذکرہ قرآن نے اگلی آیتوں میں کیا ہے۔ کیا ہی خوب شاعر کا شعر ہے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا
خواہ کتنا ہی ہو صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
اور جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اور یہ صبر وشکر کا مضمون قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن ہر حال میں اللہ کے فیصلے پر راضی رہے اور موافق ونا موافق

حالات میں رضا بالقضا اختیار کرے۔ یہی سچے پکے مؤمن کی شان ہے اور یہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی توفیق عطا کی جاتی ہے اور بندے کی عبدیت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے کہ وہ اُسی کی رضا میں جینا پسند کرے اور اُسی کی رضا میں مرنا پسند کرے۔ یعنی ہر کام صبح سے شام تک اور حیات سے موت تک اللہ تعالیٰ کی رضا میں کرنا پسند کرتا ہو۔

اور اللہ والوں کی ایک خاص عادت یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو گریہ و بکا اُن کی آنکھوں سے جاری ہوتا ہے اور کبھی وہ زبان سے آہِ سرد بھرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کبھی زبان پر ذکر جاری ہوتا ہے، کبھی دل دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکرتے رہتے ہیں۔ مگر ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رہتے خواہ زبان سے ہو یا دل میں ہو اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں۔ درحقیقت سچے عاشق کے عشق کی ضمانت و گارنٹی یہی ہے کہ اُس کی زندگی اسی طرح گزر رہی ہو۔ البتہ یہ بات حاصل کرنے کے لیے عاشقوں میں جینے اور عاشقوں میں مرنے والا جذبہ دل میں پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اور انہی کی صحبت میں رہ کر یہ زندگی حاصل ہوتی ہے اور پھر اُس کا ہر لمحہ یہی اعلان ہوتا ہے کہ میری زندگی کا یہی خلاصہ اور نچوڑ ہے اور یہ میری زیست کا یہی سہارا کہ میں ہر وقت اللہ کے سچے عاشقوں میں زندگی گزاروں اور میرا مرنا جینا اُنہی کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جیسے دوست دنیا میں ہوں گے ویسے ہی آخرت میں ملیں گے۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون ثابت ہوا ہے۔ اس لیے جس کی تمنا دنیا میں یہ ہوگی اور اسے یہ نعمت عطا ہو جائے گی۔ سمجھ لو یہ اس کی نشانی ہے کہ اُس کی موت بھی اور موت کے بعد بھی انہی لوگوں میں رہنا نصیب ہوگا۔

آگے حضرت فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میں تو کچھ نہیں جانتا تھا کہ دردِ محبت کیا ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ آج بہت سے لوگ ہم سے بھی یہ سوال کرتے ہیں کہ دردِ محبت اور غمِ جاوداں اور راہِ خداوندی کا غم وغیرہ یہ سب کیا چیزیں ہیں؟ تو درحقیقت اس کا پتہ جب تک نہیں چلتا جب تک عاشقوں میں نہ رہا جائے، انہی سے یہ بات سیکھی جاتی ہے کہ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے سنگِ در پر مرنا ہی کمالِ ایمان ہے اور اسی کو دل میں حاصل ہونے والا دردِ محبت کہتے ہیں اور یہی اس کی پہچان اور نشانی ہے کہ ایک حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ٹوٹنے نہ پائے اور کوئی گناہ کو دور کی بات ہے غفلت کا بھی دل پر گزر نہ ہو۔

اور اے اللہ! یہ صرف آپ کی عنایتیں ہیں اور آپ ہی مدد کا صدقہ ہے کہ میری جانِ ناتواں آپ کے دردِ محبت کے غم کو اُٹھائے اور برداشت کیے ہوئے ہے ورنہ میں تو ایک کمزور سا انسان ہوں، اتنے عظیم غم کو اُٹھانا میرے بس میں نہ تھا۔ اب درحقیقت بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی دل میں یہ غم دینا چاہتے ہیں تو پھر اُس کو اس قابل بنا دیتے ہیں، کیونکہ جب تک وہ دل اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے قابل نہ ہو اور اس دردِ غم کے اُٹھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تب تک یہ بات ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ یہ غم عطا کرنا چاہتے ہیں تو اس دل کو اس قابل بنا دیتے ہیں۔

اور اے اللہ! یہ بھی میں آپ کی عطا اور دین ہی سمجھتا ہوں اور صرف آپ کے جذبِ پنہاں کا اثر جانتا ہوں کہ میرا نالۂ ندامت آپ کے سنگِ در پر ہوتا رہتا ہے۔ یعنی جب ایک گنہگار اور غفلت شعار کو اللہ تعالیٰ اس کے

گناہوں اور غفلتوں سے کھینچ لیتے ہیں اور اسے اپنے در پر ندامت کے آنسو بہانے کی توفیق دیتے ہیں تو اس سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ گو کہ ظاہر میں کچھ نظر نہیں آتا مگر یہ حق تعالیٰ کا جذب پنہاں اور مخفی ہوا کرتا ہے کہ دل دل میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی جیب و گریبان کو کھینچے لیے جا رہا ہو۔ یہی اس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ اُس بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جذب کر لیا ہے۔

اے اللہ! بس میں اس بات کی بھیک مانگتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دینا اور اب میری زندگی بھر کے گناہوں اور غفلتوں کی یہی تلافی ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی ہر خطا کو روتا رہوں اور میں آپ کو آپ کے رحم و کرم کا واسطہ دے کر اس بات کی بھیک مانگتا ہوں کہ آپ میرے گناہوں اور غفلتوں کو معاف فرما دیں۔ گو کہ میں اس کا مستحق نہیں ہوں اور نہ ہی استحقاق کا دعویٰ کر رہا ہوں، لیکن صرف آپ کے رحم و کرم پر مجھے پورا بھروسہ اور اعتماد ہے اور اسی کا واسطہ دے کر میں آپ سے اپنے جرم و خطا کی معافی کی بھیک مانگ رہا ہوں۔

اے اللہ! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی طرف جذب فرمایا ہے اور یہی آپ کی بندہ پروری ہے اور آپ کے ربِ جسم و روح ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ میری حالت یہ ہے کہ میرے جان و دل ہر وقت آپ کو یاد کر رہے ہیں کہ وہاں نہ کسی غیر کا گزر ہے اور نہ اُن میں کسی کی یاد موجود ہے، بلکہ ہر لمحہ کبھی دل سے تو کبھی زبان سے، تو کبھی گریہ و زاری سے اور کبھی آہ و فغاں سے میں آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں۔

اور یہ بھی اختر پر آپ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اُسے اہلِ دل کی صحبت میسر آ گئی جس کی برکت سے جینے اور مرنے کا ڈھنگ آ گیا ہے، کیونکہ جس شخص کو اہلِ دل کی صحبت مل جاتی ہے پھر اُسے جینا بھی آتا ہے اور مرنا بھی آتا ہے یعنی وہ یہ بات جان جاتا ہے کہ زندگی وہی زندگی ہے جو اللہ پر فدا کی جائے اور جینا وہی جینا ہے جو اپنے مولا کو راضی کرنے کے لیے ہو اور اسی طرح مرنا بھی آ گیا کہ ایک اکیلے اللہ پر اپنی ساری خواہشات کو مار دینا چاہیے اور پھر مردہ خواہشات کے صلے میں ملنے والے درد و غم سے جو نسبت مع اللہ حاصل ہوگی اُس کی برکت ایمان پر خاتمہ ہونے پر ظاہر ہوگی۔ تو اس طرح حقیقت میں جینے میں جینا اور مرنے میں مرنا حاصل ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جینا بھی اللہ کے لیے اور مرنا بھی اللہ کے لیے ہو۔

حسنِ عارض کا عارضی ہونا

اس کے عارض کو لغت میں دیکھو
کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

عارض: رخسار، گال۔ **لغت:** ڈکشنری۔ **عارضی:** کچھ دیر کا، فنا ہو جانے والا۔

اشاعت میرے شعروں کی بامید نصیحت ہے

بہ فیض صحبت ابرار یہ دردِ محبت ہے
اشاعت میرے شعروں کی بامید نصیحت ہے

محبت درحقیقت اتباعِ راہِ سنت ہے
نبی کا راستہ ہی حاصل عشق و محبت ہے

یہ دعویٰ عشق کا جو بھی خلافِ راہِ سنت ہے
محبت نام کی تو ہے مگر دراصل بدعت ہے

محبت کو تو بس محبوب ہی سے خاص اُلفت ہے
کہاں اغیار سے اس کو بھلا ملنے کی فرصت ہے

یہ گانے اور ڈھولک اور طبلے کی جو علّت ہے
کہاں سنت سے ثابت ہے سراسر یہ ضلالت ہے

میسر جس کو سنت پر عمل کرنے کی نعمت ہے
تصوف میں اسے حاصل عظیم الشان عظمت ہے

وہی شیخ طریقت دوستو محبوبِ ملّت ہے
کہ جس کے ہاتھ میں ہر وقت شمع نورِ سنت ہے

ہوا پر اُڑ کے دکھلانے کی بھی گر اس کو قدرت ہے
اسے شیطان سمجھو گر خلاف راہِ سنت ہے

مرے مرشد کو حاصل جو غمِ احیاءِ سنت ہے
عظیم الشان دولت ہے عظیم الشان نعمت ہے

ضیاء و مہر شرمندہ بہ پیش نورِ سنت ہے
کہ سنت دوستو گویا کہ خود شمع نبوت ہے

وہ سالک جس کا دل بھی حاملِ دردِ محبت ہے
اسے غیروں کو دل دینے سے اختر سخت نفرت ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **راہِ سنت**: سنت کا راستہ۔ **اغیار**: غیروں کی جمع۔ **علّت**: خرابی، بگاڑ۔ **ضلالت**: گمراہی۔ **میسر**: آسان۔ **شیخ طریقت**: اللہ تعالیٰ کی محبت کے راستہ کا رہبر۔ **مِلّت**: قوم۔ **قدرت**: طاقت۔ **احیاءِ سنت**: سارے عالم میں سنت کو زندہ کرنے کی فکر۔ **ضیاء مہر**: سورج کی روشنی۔ **پیش**: سامنے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ دردِ محبت حاصل ہوا یہ میرے شیخ شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ کا فیضِ صحبت ہے۔ اور میرے شعروں کی اشاعت اس لیے ہورہی ہے تاکہ لوگوں کی خیرخواہی ہوجائے اور اُن کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔ اور اے لوگو! یہ بات سن لو کہ محبت درحقیقت اتباعِ راہِ سنت پر منحصر ہے اور راہِ سنت ہی تمام عشق ومحبت کے دعوؤں کا حاصل اور نچوڑ ہے۔ جیسا کہ کئی مرتبہ یہ مضمون ماقبل میں گزر چکا ہے کہ جو شخص عشق ومحبت کے بڑے دعوے کررہا ہو مگر اُس کی زندگی راہِ سنت پر نہ چل رہی ہو تو اُس کی یہ محبت نام کی ہے، حقیقت کی محبت نہیں۔ اور اسے محبت کے بجائے بدعت کہا جائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ محبت تو بس اپنے محبوب سے خاص اُلفت ہوا کرتی ہے، اُس کو غیر سے نہ ملنے کی فرصت ہوتی ہے اور نہ دل میں سوچنے اور نہ خیال میں لانے کی تمنا ہوتی ہے بلکہ وہ تو ہر گھڑی اپنے محبوب کو یاد کرکے اُسی کی اداؤں پر مرتا رہتا ہے۔ اور اس کی نقل اور اس کے نقشِ قدم پر چلنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے تو جو حقیقت میں حضور سے محبت رکھتا ہوگا تو وہ ضرور ہر قدم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کرے گا۔ یہی محبت کی علامت ہے اور یہی جنت کی ضمانت ہے۔ یہ جو لوگوں نے آج کل گانے اور ڈھولک اور طبلے بجا بجا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرنے کی عادت بنالی ہے جس کا نہ کہیں سنت سے ثبوت ہے اور نہ شریعت میں اس کا جواز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر ضلالت اور بدعت ہے اور گمراہی کے ملامت ہے۔
جس شخص کو سنت پر عمل کرنے کی نعمت میسر آجائے تو سمجھ لو کہ اُسے عظیم الشان دولت ہاتھ آگئی۔ جیسا کہ ماقبل احقر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مکتوب اس سلسلے میں نقل کیا ہے۔ اور حقیقت میں شیخ کامل اور مصلح ومرشد وہی معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے کہ جو اپنے ہاتھ میں ہر وقت شمعِ نبوت نورِ سنت لیے ہوئے ہو۔ اسی کو حقیقت میں شیخ طریقت کہنا چاہیے اور وہی محبوبِ ملتِ اسلامیہ ہوا کرتا ہے۔ اور ماقبل میں جیسا کہ احقر نے عرض کیا کہ ہوا میں اُڑنا یا پانی میں تیرنا اگر کسی انسان کو آجائے لیکن اُس کا عمل خلافِ سنت وشریعت ہو تو پھر اس کو شیطان سمجھنا اور شیطنت کا داعی تصور کرنا، اس کا ولایت اور طریقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بحمد اللہ! میرے مرشد حضرت شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ کو یہی غمِ احیائے سنت کی دولت حاصل ہے۔ اور حضرت کے رگ وریشے میں ہر وقت یہی فکر اور تڑپ دوڑ رہی ہوتی ہے کہ کس طرح سے اُمتِ مسلمہ میں سنت کو زندہ کیا جائے۔

الحمدللہ! احقر راقم السطور بھی یہ عرض کرتا ہے کہ ہمارے حضرت والا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو بھی اس کا عظیم اور وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ اور اپنے شیخ محی السنہ رحمہ اللہ کی احیائے سنت کی برکت سے یہی سنتوں کے احیا کا درد حضرت والا کو بھی اللہ تعالیٰ کو خاص طور پر عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت کا شعر بھی ہے ؎

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

اور اسی لیے اس موضوع پر حضرت والا نے کتاب بھی تحریر فرمائی جس کا نام ہی یہی ہے ''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ جسے نورِ سنت حاصل ہو جائے تو پھر آفتاب و ماہتاب بھی اُس کی روشنی کے سامنے شرمانے لگتے ہیں کیونکہ سنت وہ درحقیقت شمع نبوت ہے تو بھلا شمع نبوت کی روشنی اور اُس کی کرنوں کے سامنے یہ دنیا کے چاند وسورج کیا روشنی دکھا سکتے ہیں۔اس لیے ان کی روشنی سنتوں کی روشنی کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔

اور آخر میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ جس سالک کے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد حاصل ہے تو پھر اُسے غیروں کو دل دینے سے سخت نفرت ہوتی ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نہ غیروں کی طرف اس کا التفات رہتا ہے اور نہ ہی دل میں ان کا خیال آتا ہے۔یہ تو بہت دور کی بات ہے کہ وہ غیروں کو دل دینے کا سوچ بھی لیں، کیونکہ جب اُس کا دل حاملِ دردِ محبت خداوندی ہو گیا تو اب اُس میں کسی دوسرے کی جگہ باقی نہیں ہے۔

لہٰذا وہ لوگ اپنے لیے اس شعر میں نصیحت سمجھ لیں کہ جو کچھ عشقِ مجازی کے لیے پھرتے ہیں اور نماز روزوں کی طرف بھی لگے رہتے ہیں، بے شک ہمیں اُن کے ایمان سے انکار نہیں لیکن کمالِ ایمان اور حقیقی محبتِ خداوندی جو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اُس میں وہ کوتاہی کررہے ہیں۔اور اپنے ربِ حقیقی کی عظمتوں کا پورا حق ادا نہیں کررہے ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا بھی مل جائے اور صنم بھی باقی رہے۔جب خدا مل چکا ہو تو پھر صنم مٹ جاتا ہے۔جیسا کہ یہی تعلیم ہمارا کلمہ لا الٰہ الا اللہ دے رہا ہے۔اس لیے جب تک غیر کی طرف اُنس اور لگاؤ دل میں موجود ہو یا اُن کی محبت باقی ہو تو سالک کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرے دردِ محبتِ خداوندی میں ابھی تک نقص اور کمی ہے۔اور اس کی تلافی کرنے کے لیے اپنے شیخ ومرشد سے حال بتا کر اور رجوع کرکے فوراً پوری ہمت کے ساتھ لگ جانا چاہیے۔

ضمانت مغفرت کی دوستو! اشکِ ندامت ہے

یہ مانا معصیت میں مجرمانہ تھوڑی لذت ہے
مگر اس پالنے والے سے یہ کیسی بغاوت ہے

ذرا سی دیر کی لذت ہمیشہ کی ندامت ہے
جنازہ آبرو کا دفن کرنا کیا حماقت ہے

تری یہ سرکشی حق سے ارے کیسی جسارت ہے
خدا سے تیری بے خوفی بھی ظالم کیا قیامت ہے

یہ مرنا مرنے والوں پر کھلی کیسی حماقت ہے
اور ان کی زندگی دونوں جہاں میں کیسی غارت ہے

فنا ہوتا ہے جب جغرافیہ اس حسن فانی کا
پتہ چلتا ہے تب یہ عشق فانی کیسی لعنت ہے

زمین مجرماں ان مجرموں پر کیسی اُلٹی ہے
پھر ان پر پتھروں کی ایسی بارش کیسی لعنت ہے

عذابِ نار سے بچنا ہے تو کر توبۂ صادق
ضمانت مغفرت کی دوستو! اشکِ ندامت ہے

یہ توبہ جلد ہے مقبول اہلِ دل کی صحبت میں
جہاں اللہ والے ہیں برستی واں پہ رحمت ہے

وہ تقویٰ جلد پا جاتا ہے اخترؔ ان کی صحبت سے
گناہوں کی پُرانی گرچہ اس کی سخت عادت ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **معصیت**: گناہ۔ **بغاوت**: سرکشی۔ **ندامت**: شرمندگی۔ **آبرو**: عزت۔ **حماقت**: بے وقوفی۔ **جسارت**: دلیری۔ **غارت**: تباہ و برباد۔ **جغرافیہ**: جغرافیہ فنا ہونا یعنی شکل وصورت کا بگڑ جانا۔ **زمین مجرماں**: گنہگاروں کی زمین مجرماں سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ **عذابِ نار**: آگ کا عذاب۔ **توبۂ صادق**: سچی توبہ۔ **ضمانت مغفرت کی دوستو! اشکِ ندامت ھے**: ندامت کے آنسو بہانے کی وجہ سے ان شاء اللہ معافی مل جائے گی۔

عارضی لذت دائمی ذلت و زحمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر فطری اور خلقی طور پر گناہوں کی طرف ایک لگاؤ اُنس اور تعلق رکھا ہے اور نفس کو گناہوں کے ارتکاب میں ایک خاص لذت اور مزہ آتا ہے، اس لیے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو تھوڑی دیر کے عارضی لذت اس کو دے دی جاتی ہے اور درحقیقت یہی راز ہے اس حقیقت کا کہ دنیا دارالابتلا یعنی آزمائش کا گھر ہے تو ظاہر ہے کہ آزمائش ایسی ہی چیزوں سے ہوگی کہ جس طرف انسان کا نفس اور طبیعت مائل ہوتی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے کرنے سے منع کیا ہو اور پھر اپنی طبیعت پر بریک لگا کر اُس کو روک لے۔ تو نفس کے میلان اور خواہش اور اس کو اس میں لذت آنا یہ فطری طور پر انسان میں رکھا گیا ہے۔

جیسا کہ اسی کی طرف وہ روایت اشارہ کرتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کو نفس کی مرغوب چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے۔ اور اس کے اردگرد ایسی چیزیں ہیں کہ جو طبیعت کی چاہت اور خواہش ہے۔ لیکن حضرت والا فرماتے ہیں کہ عاصی اور گنہگار کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ جو اللہ مجھے پالنے والا ہے میں اُس کے حکم کو توڑ کر اور اُس کا باغی بن کر کیسی جرأت و جسارت کر رہا ہوں اور یہ بغاوت بھی ایسی ذات کی ہے کہ جو ہماری پالنے والی ذات ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کہ جن کے قبضۂ قدرت میں ہماری صبح وشام کی روزی اور ہر لمحہ کی حیات ہے۔ یہاں تک کہ جو سانس نکلتا اور جاتا ہے یہ بھی اللہ کی اجازت سے ہی اندر سے باہر اور باہر سے اندر جاتا ہے۔ تو بھلا اُس ذات کی بغاوت کہ جو ہمارے جسم وروح کی پالنے والی اور ہر لمحہ ہمیں حیات وزندگی عطا کرنے والی ہے کیسے درست ہوسکتی ہے۔ گویا اس شعر میں عاصی اور نافرمان کو معصیت سے روکنے کے ساتھ اُس کی دلیل بھی ذکر کردی گئی کہ جب وہ اللہ ہمارا پالنے والا ہے تو اُس کی نافرمانی کر کے ہم کیسے سکون اور چین پاسکتے ہیں۔

اور اگر دنیا میں بظاہر معصیت ونافرمانی کے باوجود خوب عیش وعشرت اور مزے کی زندگی مل گئی تو پھر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے جو حق تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کو دیا کرتے ہیں اور جو اُس کی طرف سے دی جانے والی سخت ترین سزا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾

(سورۃ الانعام، آیۃ: ۴۴)

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ (بدستور) اُن چیزوں کو بھولے (اور چھوڑے) رہے، جن کی ان کو (پیغمبروں کی طرف سے) نصیحت کی جاتی تھی (یعنی ایمان واطاعت) تو ہم نے اُن پر (عیش وعشرت کی) ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اِترا گئے (اور غفلت ومستی میں ان کا کفر اور بڑھ

گیا، اس وقت) ہم نے ان کو دفعتہً (بے گمان عذاب میں) پکڑ لیا (اور عذاب شدید نازل کیا جس کا ذکر قرآن میں جابجا آیا ہے)۔

اس آیت میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب اُن کی نافرمانی حد سے گزرنے لگی تو اب ایک خطرناک آزمائش میں ان کو مبتلا کیا گیا کہ ان پر دنیا کی نعمتوں، راحتوں اور کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

اس میں اس بات پر عام انسانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا میں کسی شخص یا جماعت پر عیش وعشرت کی فراوانی دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں کہ یہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں، اور یہی کامیاب زندگی کے مالک ہیں بلکہ بسا اوقات یہ حالت اُن مبتلاءِ عذاب نافرمانوں کی بھی ہوتی ہے جن کو سخت سزا میں دفعتہً پکڑ نا طے کر لیا جاتا ہے۔

(معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۲۱)

اسی لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ کسی شخص پر نعمت و دولت برس رہی ہے حالانکہ وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر جما ہوا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ استدراج ہو رہا ہے یعنی اس کی عیش و عشرت اس کو سخت عذاب میں پکڑے جانے کی ایک علامت ہے۔ (رواہ احمد)

عام طور پر ذہن میں آنے والا سوال اور اس کا جواب

یہاں بعض حضرات کے ذہن میں یہ سوال گزر سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں تو یوں ارشاد ہوا ہے کہ اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین سے نعمتیں کھول دے دیتے جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان سے نعمتوں اور دولت و وسعت کا ملنا یہ ایمان اور تقوے کی برکت سے ہے۔ گویا انسان کو دنیا میں بھی عیش وعشرت اور خوب برکتیں اور رحمتیں ایمان اور تقوے کی برکت سے ملتی ہیں۔ لہٰذا اس میں اور اُس آیت میں کیا تطبیق ہوسکتی ہے۔

اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس طرح سے دیتے ہیں: یہاں ایک یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ سورۂ انعام کی ایک آیت کے اندر کفار و فجار کے بارے میں آیا ہے: ”فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ“ یعنی جب ان لوگوں نے احکامِ خداوندی کو بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، اور پھر اچانک ان کو عذاب میں پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کے دروازے کسی پر کھل جانا کوئی حقیقی انعام نہیں بلکہ وہ ایک طرح کا قہرِ الٰہی بھی ہوسکتا ہے اور یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کھول دیتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برکاتِ آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی رضا کی علامات ہیں۔

بات یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور برکتیں کبھی گناہوں اور سرکشی میں حد سے گزر جانے پر ان کے جرم کو اور

زیادہ واضح کرنے کے لیے محض عارضی چندروزہ ہوتی ہیں، وہ قہر وغضب کی علامت ہوتی ہیں اور کبھی رحمت وعنایت سے دائمی صلاح وفلاح کے لیے ہوتی ہیں، وہ ایمان وتقویٰ کے نتیجہ ہوتی ہیں۔صورت کے اعتبار سے ان میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ انجام اور عاقبت کا حال کسی کو معلوم نہیں مگر اہل اللہ نے علامات کے ذریعہ پہچان بتلائی ہے کہ جب مال ودولت اور عیش وآرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شکر وعبادت کی اور زیادہ توفیق ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ رحمت ہے اور اگر مال ودولت اور عزت وراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اعراض اور گناہوں کی کثرت بڑھے تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ استدراج یعنی قہرِ الٰہی کی ایک صورت ہے۔''اَعَاذَنَا اللّٰہ منہ'' (معارف القرآن، جلد:۴، صفحہ:۲۱)

وقتی لذت اور نگاہوں میں بے عزت

اس لیے دنیا میں اگر چہ گناہ کرنے پر کچھ نہ کچھ وقتی لذت مل جاتی ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے اور یہ لذت باقی رہنے والی نہیں بلکہ تھوڑی سی دیر کی لذت ہوتی ہے جو جلد ہی ندامت میں بدل جاتی ہے۔ خاص طور پر جو لوگ عشقِ مجازی کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ایسے ہو جاتے ہیں کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے، خود آپس میں ایک دوسرے کی نگاہ میں ذلیل وخوار ورسوا ہو جاتے ہیں۔اس لیے یہ عقلمندی نہیں ہے کہ انسان اپنے آبرو کے جنازے کو دفن کر دے بلکہ یہ انتہائی درجے کی حماقت ہے کہ تھوڑی سی لذت کے لیے قوم اور معاشرے سے اپنی آبرو وعزت کا جنازہ نکال دے اور یہ خصوصیت تقریباً ہر گناہ کی ہے کہ جلد یا بدیر اُس کی سزا کے طور پر ندامت کا ہونا لازمی بات ہے۔اگر دنیا میں نہ ہو تو آخرت میں ضرور ندامت وحسرت کا سامنا کرنا پڑے گا جبکہ اُس وقت میں وہ ندامت انسان کے لیے نافع نہ ہوگی کیونکہ اُس وقت تو حسرت وافسوس تمام کفار ومشرکین کریں گے، لیکن اُس وقت کی حسرت کارآمد نہیں ہوگی۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف چلنا اور حق سے سرکشی اختیار کرنا یہ کیسی جسارت ہے کیونکہ جو شخص آخرت میں جزاوسزا پر اور حساب وکتاب پر ایمان رکھتا ہو اور اُسے یہ پتہ ہو کہ مجھے ایک دن قیامت میں جاکر اپنے سب کیے کا حساب دینا ہے اور اچھے کاموں پر جزا اور بُرے کاموں پر سزا ملنے والی ہے تو پھر اُسے معصیت ونافرمانی پر جسارت ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے درحقیقت جو شخص گناہوں میں مبتلا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بے خوف اور نڈر ہو چکا ہے۔

ورنہ ایک عقلمند آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کر کے آخرت کے یقینی عذاب کو دعوت نہیں دے سکتا۔ اسی لیے جو شخص عالم ہوتے ہوئے کسی معصیت میں مبتلا ہو تو اُس کو بالاتفاق علمائے اُمت جاہل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر حقیقی علم اُس کے پاس ہوتا تو وہ اتنی عظیم قدرت وطاقت والی ذات کو گناہ کر کے ناراض نہ کرتا اور اُس کے عذاب کو دعوت نہ دیتا۔اس لیے حضرت نے فرمایا کہ ارے ظالم! یہ خدا سے تیری بے خوف کیسی قیامت ہے۔

لڑکے کا لڑکے سے مبتلائے معصیت ہونا اور اس کا سخت عذاب

خاص طور پر جو لوگ مرنے والوں پر مر رہے ہیں اور حسنِ مجازی پر فدا ہو کر اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں یہ تو بہت ہی کھلی ہوئی حماقت ہے کیونکہ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ آخرت میں سزا و عذاب کا سامنا کریں گے اور اُن کی آخرت تباہ و برباد ہوگی بلکہ اِن لوگوں کی زندگی دونوں جہاں میں غارت ہو چکی ہوتی ہے۔ بے شک ظاہری طور پر چند دن کے لطف اور مزے اُڑاتے ہیں لیکن اُس کے بعد اپنے کیے کا نتیجہ خود اسی دنیا میں خون کے آنسوؤں کی شکل میں بھگتتے ہیں۔ اور بے شمار ایسے واقعات ہیں کہ پھر ایسا وقت آتا ہے کہ انہیں نہ کوئی پوچھنے والا ہوتا ہے اور نہ انہیں کسی طرح چین وسکون میسر آتا ہے۔ اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ مرنے والوں پر مرنے والوں کی زندگی دونوں جہاں میں کیسی غارت ہو جاتی ہے، کیونکہ جب اس حسنِ فانی کا جغرافیہ بدل جاتا ہے تو وہ عشقِ فانی ایک طرف رکھا رہ جاتا ہے اور پھر سمجھ میں آتا ہے کہ افسوس ہم کیسی لعنت میں مبتلا تھے۔

خاص طور پر کسی لڑکے کا لڑکے پر عاشق ہونا اور اس کے ساتھ غلط حرکت کا ارتکاب کرنا یہ ایسی بدترین خصلت ہے کہ جس کے متعلق قرآن میں یوں ارشاد فرمایا گیا کہ قومِ لوط سے پہلے اس عمل کا کوئی ارتکاب کرنے والا نہ تھا۔ اُن کو اتنی سخت سزا دی گئی کہ اُن مجرموں کی زمین اُن پر الٹ دی گئی اور اوپر سے ان پر ایسے پتھروں کی بارش کی گئی کہ جن پر نام لکھے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عمرو ابن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قوم سے پہلے دنیا میں کبھی ایسی حرکت نہیں دیکھی گئی اور نہ اہلِ سدوم سے پہلے کسی بُرے سے بُرے انسان کا ذہن اس طرف گیا تھا۔ اُموی خلیفہ عبدالملک نے کہا کہ اگر قرآن میں قومِ لوط علیہ السلام کا واقعہ مذکور نہ ہوتا تو میں کبھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ کوئی انسان ایسا کام کر سکتا ہے۔ اسی لیے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس جرم کو عام بدکاری سے شدید جرم اور گناہ قرار دیا ہے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا فعل کرنے والے کو ایسی ہی سزا دینی چاہیے جیسی قومِ لوط کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کہ آسمان سے پتھر برسے، زمین کا تختہ اُلٹ گیا اس لیے اُس شخص کو کسی اونچے پہاڑ سے گرا کر اوپر سے پتھراؤ کر دیا جائے۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ بروایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: ''**فاقتلوا الفاعل والمفعول به**'' یعنی اس کام کے فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

ان پر آنے والے عذاب کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوئی اور نیچے سے زمین کے پورے طبقے کو جبرئیل امین نے اُٹھا کر اوندھا پلٹ دیا۔ اور جن پتھروں کی بارش برستی وہ تہ بر تہ تھے یعنی ایسی مسلسل بارش ہوئی کہ تہ بر تہ جمع ہو گئے اور یہ پتھر نشان کیے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اُس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کی ہلاکت کے لیے پھینکا گیا تھا اور سورۂ حجر کی آیات میں اس عذاب سے پہلے

یہ بھی مذکور ہے: ''فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ'' یعنی آ پکڑا اُن کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمان سے کوئی سخت آواز چنگھاڑ کی صورت میں آئی، پھر اس کے بعد دوسرے عذاب آئے۔ ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چنگھاڑ کے بعد پہلے زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا، پھر اُس پر اُن کی مزید تذلیل وتحقیر کے لیے پتھراؤ کیا گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے پتھراؤ کیا گیا ہو بعد میں زمین کا تختہ اُلٹا دیا گیا ہو کیونکہ قرآنی اسلوب بیان میں یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کا ذکر پہلے ہوا ہو وہ وقوع کے اعتبار سے بھی پہلے ہو۔

قوم لوط علیہ السلام کے ہولناک عذابوں میں سے زمین کا تختہ اُلٹ دینے کی سے اُن کے فحش و بے حیائی عمل کے ساتھ خاص مناسبت بھی رکھتی ہے کہ انہوں نے قلب موضوع کا ارتکاب کیا ہے۔ سورۂ ہود کی آیات کے آخر میں قرآن کریم نے اہلِ عرب کی مزید تنبیہ کے لیے یہ بھی فرمایا کہ ''وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ'' یعنی یہ اُلٹی ہوئی بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ سفر شام کے راستہ پر ہر وقت ان کے سامنے آتی ہیں، مگر حیرت ہے کہ یہ اُس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اور یہ منظر صرف نزولِ قرآن کے زمانہ میں نہیں، آج بھی موجود ہے۔ بیت المقدس اور نہر اردن کے درمیان آج بھی یہ قطعہ زمین بحر لوط یا بحر میت کے نام سے موجود ہے۔ اس کی زمین سطح سمندر سے بہت زیادہ گہرائی میں ہے اور اُس کے ایک خاص حصہ پر ایک دریا کی صورت ایک عجیب قسم کا پانی موجود ہے جس میں کوئی جاندار مچھلی، مینڈک وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اُس کو ''بحر میت'' بولتے ہیں۔ یہی مقام سدوم کا بتلایا جاتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ وَغَضَبِهٖ.

اے وہ انسان! جو اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گناہوں میں گزار چکا ہے اور اُس کی زندگی غفلتوں کی نظر ہوگئی ابھی بھی وقت ہے جلد توبۂ صادق کر اور اپنے اللہ کو راضی کر لے، کیونکہ توبہ پر اللہ نے اپنے راضی اور خوش ہو جانے کا وعدہ کیا ہے اور تائب کو محبوب بنالینا قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں سے معافی چاہے اور توبۂ نصوح یعنی سچی توبہ کر لے تو پھر وہ دنیا و آخرت کی ذلت ورسوائی اور عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور خاص طور پر اپنے استغفار کو اشکِ ندامت کے ساتھ جوڑ دے، کیونکہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جب آنسو آنکھ سے نکل کر گر جاتے ہیں تو اُس بندے پر اللہ تعالیٰ جہنم کو حرام کر دیتے ہیں جس سے اشکِ ندامت کی انتہائی درجے فضیلت ثابت ہوئی۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ﴾

(سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحزن والبكاء)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کی آنکھوں سے اللہ کے خوف سے آنسو نکل جائیں اگر چہ وہ مکھی کے سر کے برابر (معمولی) ہوں اور پھر وہ اُس کے چہرے کے کسی حصہ پر پہنچ جائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام فرمادیتے ہیں۔

اس لیے حضرت والا نے فرمایا کہ اے میرے دوستو! اشکِ ندامت مغفرت کی ضمانت لیے ہوئے ہے اور یہی استغفار و توبہ اہلِ دل کی صحبت میں جلد مقبول ہوجاتی ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر یہ کہیے کہ گنہگار کو توبہ کی توفیق بھی نصیب ہوجاتی ہے، کیونکہ جہاں اللہ والے رہتے ہیں وہاں رحمت برستی رہتی ہے تو اُس رحمت کا حصہ اس پر بھی پڑتا ہے اور یہ بھی اُس رحم و کرم کی چادر کے نیچے ڈھک جاتا ہے جس کی صورت توبہ کی قبولیت پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے جہاں اللہ والے ہوں گنہگار کو اُن کا ساتھ اختیار کرنا چاہیے۔

جیسا کہ بنی اسرائیل کے مشہور واقعہ ہے جو کہ اس روایت میں منقول ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ یَسْاَلُ فَاَتٰی رَاھِبًا فَسَاَلَہٗ فَقَالَ لَہٗ ھَلْ مِنْ تَوْبَۃٍ قَالَ لَا فَقَتَلَہٗ فَجَعَلَ یَسْاَلُ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ ائْتِ قَرْیَۃَ کَذَا وَکَذَا فَاَدْرَکَہُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِہٖ نَحْوَھَا فَاخْتَصَمَتْ فِیْہِ مَلَائِکَۃُ الرَّحْمَۃِ وَمَلَائِکَۃُ الْعَذَابِ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَقَرَّبِیْ وَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَبَاعَدِیْ وَقَالَ قِیْسُوْا مَا بَیْنَھُمَا فَوُجِدَ اِلٰی ھٰذِہٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَہٗ﴾

(صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ننانوے لوگوں کو قتل کر چکا تھا، اب وہ اس غرض سے نکلا کہ کسی راہب سے جا کر توبہ کے متعلق سوال کرے۔ چنانچہ وہ ایک راہب کے پاس آیا اور توبہ کا سوال کیا کہ کیا اُس کے لیے ممکن ہے؟ اُس نے منع کر دیا اور اسے نا اُمید کر دیا۔ تو اُس نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ اور پھر یہی سوال کرنے لگا۔ ایک شخص نے اُن کو یہ جواب دیا کہ تم فلاں فلاں بستی میں جاؤ اور وہاں جا کے توبہ کرو۔ چنانچہ راستے میں اُس کو موت کا وقت آ گیا،، اس نے اپنے سینے کو بستی کی جانب موڑ دیا، تو اب ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب میں آپس میں جھگڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو یہ حکم دیا کہ تو قریب ہوجا، اور اُس زمین کو جس سے وہ یہ چلا تھا یہ حکم دیا کہ تو دور ہوجا اور پھر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ ان دونوں زمینوں کے درمیان کی مسافت اور دوری کو ناپ لو، چنانچہ اس دوسری زمین سے ایک بالشت کے برابر وہ قریب پایا گیا، اس لیے اس کی مغفرت کر دی گئی۔

اس لیے اہل اللہ کا وجود جاذبِ رحمتِ خداوندی ہے اور اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا خود انسان کے لیے اُس رحمت میں حصہ لینے اور شریک ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت اس

حدیث میں مذکور ہے:

﴿سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ مُرَّةَ قَالَ بِسْطَامُ فَلَا أَدْرِي عَنْ أَبِيهِ أَوْ عَنْ لُقْمَانَ أَنَّهُ قَالَ يَابُنَيَّ جَالِسِ الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِ اللهِ فَإِنَّكَ سَتُصِيْبُ بِمُجَالَسَتِهِمْ خَيْرًا وَّلَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ اٰخِرِ ذٰلِكَ أَنْ تَنْزِلَ الرَّحْمَةُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ فَتُصِيْبُكَ مَعَهُمْ﴾

(شعب الایمان للبیهقی، باب قصة ابراهیم فی المعانقة)

اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ مجالست یعنی اُٹھنا بیٹھنا رکھا کرو کیونکہ تم اُن کی صحبت سے خیر حاصل کرلو گے اور ہوسکتا ہے کہ اس کا بالآ خرانجام یہ ہو کہ اُن پر کوئی رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو اور تو ان میں بیٹھا ہو تو اُن کے ساتھ تجھے بھی وہ رحمت پہنچ جائے۔

اس لیے حضرت والا آخر شعر میں یہ بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے کیسی ہی گنہگار کہ جن کو گناہوں کی سخت عادت پڑی ہوئی ہو وہ بھی اللہ والوں کی صحبت سے متقی و پرہیز گار بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہ مضمون کتاب کے بہت سے حصوں میں کثرت سے ذکر کیا جاچکا ہے۔

ندامتِ عاشقانِ مجاز

اس کا جمال تھا فنا چہرہ پہ آگئی خزاں
اپنی تمام عاشقی بن گئی شرم کا علَم
اپنا سرِ نیاز تھا قدموں پہ آہ جن کے خم
ان کی خزاں کو دیکھ کر چشم ہے آج میری نم

جمال: خوبصورتی۔ **عَلَم:** نشانی۔ **سرِ نیاز:** عاجزی وانکساری سے متصف سر۔ **خم:** جھکا ہوا۔

اسی کی روح میں ہوتا ہے دردِ پنہانی

اسی کی روح میں ہوتا ہے دردِ پنہانی
جو رہ کے دنیا میں رہتا ہے بن کے یزدانی
گناہ کرنے سے آئے گی وہ پریشانی
کہ یاد آئے گی جس سے تجھے تری نانی
یہ نفس سخت ہے دُشمن نہ اس کا کہنا سن
نہیں تو ہوگی تجھے ایک دن پشیمانی
ذرا سی دیر کی لذت ہے دائمی ذلت
گناہ کرنا ہے اے دل بہت ہی نادانی
گناہ کرنے میں ہے سیکڑوں پریشانی
مرے پیامِ محبت کو سن لے اے اختؔر

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **پنہانی**: چھپا ہوا۔ **یزدانی**: اللہ والا۔ **نانی**: نانی یاد آنا یعنی ہمت ہار جانا۔ **پشیمانی**: شرمندگی۔ **دائمی**: ہمیشہ کی۔ **نادانی**: بے وقوفی۔ **پیام**: پیغام۔

تو اپنی روح کو بس کر خدا پہ دیوانی

جو شخص دنیا میں اس طرح زندگی گزارتا ہے کہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کرتا ہے اور اپنی خواہشاتِ نفس پر عمل نہیں کرتا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں اپنی خصوصی محبت کا دردِ پنہانی عطا کر دیتے ہیں اور پھر اُس کی روح کو ایسی تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے جو اس دنیا میں صرف اللہ والوں کو عطا کی جاتی ہے۔ اس لیے دنیا میں رہتے ہوئے جو بندہ یزدانی یعنی اللہ والا بن کر رہے گا تو اُسے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قلبِ منیب اور قلبِ سلیم کی نعمت عطا کر دی جاتی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑتا رہے اور زندگی کے ہر سانس میں رضائے الٰہی سامنے نہ رکھے گو کہ وہ بظاہر بہت نوافل وتسبیحات کا ادا کرنے والا ہو مگر اُس کی روح کو دردِ پنہانی عطا نہیں ہوتا۔

خاص طور پر جو انسان گناہ کا عادی ہوتا ہے تو اُس کے قلب سے عافیت اور راحت چھین لی جاتی ہے اور اُس کی روح دنیا میں رہ کر بھی ایک عجیب قسم کی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتی ہے، اس لیے حضرت والا کا یہ جملہ بالکل بجا اور درست ہے کہ گناہ کرنے سے اور اللہ کو ناراض کر کے زندگی گزارنے سے ایسی سخت پریشانیاں اور مصائب وحوادث انسان کے اوپر آتے ہیں کہ جن سے اُسے اردو کے محاورے میں کہتے ہیں ''نانی یاد آ جاتی ہے''۔ یعنی بہت زیادہ پریشانی لاحق ہوتی ہے اور اُس کے بعد اس کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ اور ہر سمت پریشانیاں اُس کو گھیرے ہوئے ہوتی ہیں، بظاہر بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ میں مبتلا روح کی بے چینی اور پریشانی کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے پیروں کو آگ کے اندر رکھ دے اور پھر یہ تمنا کرے کہ میرا جسم سکون اور اطمینان سے قائم رہے۔ جیسا کہ حضرت والا نے بعض مقامات پر یہ بات فرمائی کہ گناہ کے اندر جہنم ہی کی تاثیر ہے کیونکہ جو برانچ ہوتی ہے اُس میں ہیڈ آفس کا مزاج ہی کارفرما ہوتا ہے۔

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ گناہ کرنے میں تھوڑی دیر نفس کو لذت ملتی ہے۔اس تھوڑی سی دیر کی لذت کے لیے تو نفس کا کہنا مت مان اس لیے کہ نفس تیرا دُشمن ہے اور دُشمن ہمیشہ بُری بات کی طرف لے کر چلتا ہے جس سے کہ اُس کے حریف اور مقابل کو راحت نہیں مل سکتی بلکہ ہمیشہ مصیبت اور پریشان کے موڑ پر لا کر کھڑا کرتا ہے۔اس لیے دنیا کا کوئی عقلمند یہ نہیں کہتا ہے کہ دُشمن کی بات تسلیم کی جائے۔

لہٰذا ہمیں جب اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر اعتماد ہے اور قرآن وسنت میں ہم کو یہ بتا دیا گیا کہ نفس اور شیطان تمہارے دُشمن ہیں تو پھر اُن کا کہنا مان کر اور ان کی چاہت کے مطابق چل کر سوائے پشیمانی اور شرمندگی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔کبھی وہ پشیمانی اور شرمندگی اور ندامت اور ذلت اسی دنیا میں سامنے آجاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں چند روزہ زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ گنہگار کو ڈھیل دے کر خوب ظاہری عزت اور شان وشوکت عطا کرتے ہیں۔لیکن بالآخر مرتے ہی بہت زیادہ ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس لیے عقلمند آدمی کبھی بھی ذرا سی دیر کی لذت کے لیے دائمی ذلت کو برداشت نہیں کرے گا اور گناہ کی بس اتنی ہی حقیقت ہے کہ نفس کو تھوڑی دیر کے لیے مزہ ملتا ہے۔چاہے وہ شہوت پرستی کا گناہ ہو اور یا دوسرے گناہ ہوں۔

جیسا کہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے آج کل غیبت کے متعلق یہ بات ارشاد فرمائی کہ لوگ اب غیبت کو شیر مادر سمجھ کر پی رہے ہیں اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مجلس میں غیبت ہو تو اُس سے دفعتاً اُٹھ جانے اور اعراض کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں حالانکہ دراصل بات یہ ہے کہ اُس میں نفس کو مزہ آتا رہتا ہے۔اس لیے وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا ورنہ کیا بات ہے کہ اگر اُسی مجلس میں بیٹھے ہوئے چھت پر بیٹھ کر کوئی بچہ پیشاب کرنا شروع کرے اور نیچے وہ پیشاب آکر گرنے لگے تو سب کے سب دفعتاً اُٹھ کر وہاں سے مجلس بدل دیتے ہیں۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ بظاہر گناہ کرنے سے وقتی لذت تو ضرور ملتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس میں دائمی ذلت ہے اور تھوڑی دیر کی لذت کے لیے دائمی ذلت کو بدلے میں لینا یہ عقلمندی نہیں بلکہ نادانی ہے۔

اور حضرت والا اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ گناہ کرنے میں کچھ مزہ بھی نہیں ہے بلکہ سیکڑوں قسم کی پریشانیاں ہیں۔چنانچہ اسی عشق بازی کے گناہ کو دیکھ لیں کہ عامۃً دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ عشاقِ مجازی بے چین اور پریشان پھرتے رہتے ہیں۔

احقر کو خود بہت سے ایسے واقعات معلوم ہیں کہ گھروں کی چیزوں اور سامانوں کو توڑ ڈالا، کبھی اپنے کو جان سے مار ڈالا، کبھی بدن کو کاٹ کر گوشت ٹکڑوں کے ذریعے سے اپنے محبوب اور محبوباؤں کے نام لکھنے کے لیے شدید تکالیف سے گزرتے ہیں اور کبھی رات کی نیند اُڑا کر بے چینی اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں اور بے شمار اس طرح کے واقعات ہیں جن سے ان کی بے چینی اور پریشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہاں! اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جب گناہ کیا جاتا ہے تو بظاہر کچھ عارضی اور مزہ ضرور ملتا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے گندگی میں پڑے ہوئے کیڑے کو حقیقی خوشبو کا نہ پتہ ہوتا اور نہ جانتا اور وہ اسی کو خوشبو سمجھ کر اس میں مزہ لیتا رہتا ہے۔ مگر اُن پریشانیوں کے مقابلے میں جو گناہ کرنے پر دنیا میں بھی رکھ دی گئی یہ مزہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو اس بات کی تصدیق کرنا چاہے وہ گنہگاروں سے جاکے پوچھ لے کہ انہیں گناہ کرنے میں کیا کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آخری شعر میں حضرت فرماتے ہیں کہ اے اختر! میرے پیامِ محبت کو سن لے۔ بس وہ پیام صرف یہی ہے کہ تو اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست کردے اور حق تعالیٰ پر فدا اور دیوانی بنادے۔ یہی راستہ دنیا و آخرت کے چین وسکون کے حاصل کرنے کا ہے۔

نفس دُشمن ہے دُشمن کو ناشاد کر

اپنے مالک سے اُٹھ کرکے فریاد کر — دل کو سجدہ میں رو رو کے آباد کر
روح کو نورِ تقویٰ سے تو شاد کر — نفس دُشمن ہے دُشمن کو ناشاد کر
دل کو نورِ خدا سے تو آباد کر — اور گناہوں کی خواہش کو برباد کر
حمد سے اس اس زباں کو تو حمّاد کر — سر کو چوکھٹ پہ ان کی تو سجّاد کر
قلب و جاں کو تو اس در پہ عبّاد کر — اور سکون دل و جاں کو خلّاد کر
اپنی خوشیوں کو اخترؔ تو برباد کر — اپنے ربّ کی خوشی سے دل آباد کر

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **حمّاد**: اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد وتعریف کرنے والا۔ **چوکھٹ**: دروازہ۔ **سجّاد**: سجدہ کرنے والا۔ **عبّاد**: عبادت کلرنے والا۔ **خلّاد**: ہمیشہ رہنے والا۔

اس نظم میں حضرت والا نے بڑی قیمتی نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے شعر میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بندۂ مؤمن! تو راتوں میں اُٹھ کر اپنے مالک سے فریاد کرنے کی عادت ڈال لے، اس لیے کہ جو تیرا خالق یعنی دنیا میں موجود کرنے والا ہی وہ ہے اور پھر تیری حیات کے بقاء اور اس کے انتظام کا بھی وہی ایک اکیلا اللہ مالک ہے اور ہر خیر وشر، اچھائی و بُرائی سب اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے آسانی سے روزی دیتا ہے وہ بھی اُس کی طرف سے اور جسے عزت عطا کرتا ہے وہ بھی اسی کے خزانوں سے ہے۔

غرض یہ کہ وہ جس طرح وجودِ حیات کا مالک ہے اسی طرح بقائے حیات کا وہی مالک ہے تو اس پہلے شعر میں نصیحت کے ساتھ اس کی دلیل بھی مذکور ہے کہ جب وہ تیری ہر شے کا مالک ہے تو تو اُسی سے اُٹھ کر فریاد کرتا کہ تجھے تیرا مقصود حاصل ہو۔ اس لیے کہ مثال کے طور پر ایک شخص کسی علاقے میں رہتا ہے تو وہاں کا جو گورنر اور حاکم ہو جس کے

قبضے میں اُس کے تمام سرکاری معاملات ہیں اگر اُس نے اُس کو راضی کر رکھا تو ظاہر ہے اُسے ان معاملات میں کوئی پریشانی پیش نہ آئے گی۔ اور بصورتِ دیگر اُس کے وہ معاملات ومسائل سلجھنے کے بجائے اُلجھتے چلے جائیں گے۔

درحقیقت یہ بہت عظیم الشان نصیحت ہے، کیونکہ آج اُمت مسلمہ کا حال یہ ہے کہ وہ صبح ہی اُٹھنے کے ساتھ اپنے مسائل کو حل کرنے میں اور حالات کو بُرائی سے اچھائی کی طرف بدلنے میں لگ جاتے ہیں جبکہ اُن کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ تمہارے ان مسائل وحالات کا کنٹرول کرنے والا تمہارا مالک اللہ ہے۔ تم اپنے کام پر لگ جاؤ کہ اُٹھتے ہی فوراً اُس کے در کو کھٹکھٹاؤ اور سجدے میں گر کر رو کر اللہ کو مناؤ اور اپنے دل کو آباد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لینے سے ہر مسئلے کا حل اور ہر مشکل سے نجات بہ سانی میسر آ جاتی ہے۔ اور جو شخص اللہ کے سامنے سجدے میں رو رو کر دل کو آباد کر لیتا ہے تو پھر حق تعالیٰ اُس کے قلب کو اپنی تجلیات کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ اور یہ تمام اولیاء کا طریقہ اور صالحین کی سنت رہی ہے کہ وہ صبح اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے اور پھر اسی کے سامنے رو رو کر اپنے دل کو شاد اور آباد کرتے تھے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ روح کو نورِ تقویٰ سے شاد کر لو یعنی تمام گناہوں کو چھوڑ دو، اسی میں روح کی شادمانی اور خوشی ہے۔ ورنہ گناہوں میں لگنے کے ساتھ روح کو بے قراری اور بے چینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نفس کا کہنا مت مانو، کیونکہ نفس تمہیں گناہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اُسے گناہ کرتے وقت میں لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اب اگر تم اپنے دُشمن کو لذت اور مزہ دینا چاہو گے تو وہ تمہیں ذلت اور رسوائی کے مقام پر لا کھڑا کرے گا، اس لیے دُشمن کو ہمیشہ ناخوش کرو اور اُس کی ناخوشی گناہوں سے بڑھ کر تقوے والی حیات اختیار کرنے میں ہے۔ اور دل کو طاعت کے نور سے منوّر کر دو، کیونکہ جب بندہ نمازیں پڑھتا ہے اور ذکر واذکار میں لگتا ہے اور تسبیحات اور اوراد وظائف کا پابند ہوتا ہے تو پھر دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ منوّر اور روشن فرما دیتے ہیں جس طرح گنہگار کے قلب کو بالکل تاریک اور ظلمت کدہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس لیے خلاصہ یہ نکلا کہ گناہوں کو چھوڑ دو تو تخلیہ حاصل ہوگا یعنی دل غیر اللہ سے خالی ہوگا۔ اور پھر عبادات وطاعت کے انوار کے ذریعے سے اُس کو منور اور روشن کر لو۔ اور اس طرح سے جب تم زندگی گزارو گے تو آہستہ آہستہ گناہوں کی خواہش اور تقاضے مضمحل اور کمزور پڑ جائیں گے۔ تمہیں ایسی قوت و ہمت عطا ہو جائے گی کہ پھر گناہوں کا چھوڑنا مشکل معلوم نہ ہوگا۔

اگرچہ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ گناہوں کی خواہش کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی ہے جب تک بشر بشر ہے تو اس کی فطرتِ بشری میں گناہ کی طرف میلان رکھا گیا ہے۔ اور اسی میلان کی وجہ سے جب وہ حق تعالیٰ کا حکم اپنے اوپر نافذ کرتا ہے تو اس کا درجہ ملائکہ سے بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ ملائکہ کے اندر گناہ کرنے کا میلان ہی نہیں رکھا گیا۔ اس لیے جو سالک اس تمنا میں رہتے ہیں کہ اُن کے اندر سے گناہ کی خواہش ختم ہو جائے تو اُن کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ

یہ مقصود اور مطلوب نہیں ہے اور نہ یہ چیز حاصل کی جاتی ہے۔ اس لیے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں کی خواہش کو برباد کر یعنی خواہش ہوتے ہوئے اُس کے تقاضے پر عمل نہ کر۔ تو اس طرح دل منوّر اور روشن ہو جائے گا۔

آگے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اپنی زبان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر و ثناء میں لگائے رکھو کہ کبھی زبان ذکر اللہ میں مشغول ہو اور کبھی حق تعالیٰ کی حمد و ثناء میں لگی ہوئی ہو اور زیادہ سے زیادہ اوقاتِ حیات اپنی زبان کو حمدِ باری تعالیٰ میں لگائے رکھو۔ اور اس طرح اللہ کی حمد سے اس زبان کو حمّاد کر لو یعنی بہت زیادہ تعریف کرنے والی ہو جائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہی ہے کہ اس کی کبریائی اور بڑائی اور اُس کی عظمتوں کا تذکرہ خلوت و جلوت میں ہوتا رہے اور اس کی پاکی اور تقدس بیان کیا جائے۔ اسی درِ خداوندی پر اس کثرت سے سجدہ کرنے کی عادت ڈالو کہ تمہارا سر سجّاد ہو جائے یعنی بہت زیادہ سجدہ کرنے والوں میں شمار ہو جائے، کیونکہ بندہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب سجدے ہی کی حالت میں ہوتا ہے اور غایتِ تذلل اور انتہائے عبدیت اور کمالِ عاجزی اپنے سر کو اللہ تعالیٰ کے سامنے زمین پر رکھ دینے میں ہے۔ یہی وجہ ہے غیر اللہ کو سجدہ مشروع نہیں اور اگر کوئی غیر اللہ کو سجدہ کر دے تو اُسے ایمان سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ سجدہ صرف ایک اکیلی ذات صرف اللہ ہی کے لائق ہے۔ یہ قیمتی نصیحت حضرت والا فرماتے ہیں کہ خود اپنے سر کو اللہ کے سامنے سجّاد کر لو۔

آج کل کی قوت اور ہمت کے اعتبار سے جتنا بہ سہانی انسان سے ممکن ہو وہ اُتنے نوافل پڑھے۔ اس سلسلے میں متقدمین اسلاف کی حرص کرنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اُن کے قوٰہ بہت مضبوط تھے اور ان میں تحمل اور برداشت کی طاقت تھی۔ اس لیے اُن کی حرص آج کل کے زمانے میں نہیں کرنی چاہیے۔ بس فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ ادا کر کے اور جو ماثور و منقول نوافل ہیں یعنی اشراق و چاشت اور اوّابین و تہجد وغیرہ بس اُن پر اکتفا کر لی جائے۔ باقی اصل بنیادی چیز تقویٰ یعنی گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنا اس کا اہتمام کیا جائے اس میں کمی نہ ہونے پائے اور کسی وقت بھی بے احتیاطی سے گناہوں میں نہ لگے اور اگر اتفاق سے ایسا ہو جائے تو پھر تائب ہو کر فوراً اپنے تقوے کو دوبارہ بحال کر لے۔

کیونکہ متقدمین اسلاف جس طرح عبادت کیا کرتے تھے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن کو قوت و طاقت بھی عطا فرمائی تھی تو اُن سے وہ زیادتیِ عبادت اور ہم سے یہ قلتِ عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں ایک ہی درجے میں قرار پائے گی۔ اس لیے کہ ہمیں دیا گیا ضعف و کمزوری یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو جب بندے کو اللہ تعالیٰ جس حال میں بھی رکھا جو کہ اس کا غیر اختیاری ہے تو پھر اُس کے مطابق احکام پر عمل کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کو پا لیتا ہے۔

جیسا مثال کے طور پر ایک شخص فقیر ہے، وہ اپنے فقر کی وجہ سے اللہ کے راستے میں دس روپے دے رہا ہے

جبکہ اُس کی تمنا سواور ہزار دینے کی ہے۔مگر مالدار نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کو پوری نہیں کر پارہا ہے اور دوسری جانب ایک مالدار شخص ہے جوسواور ہزار دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی غیر اختیار حالت کی وجہ سے اور پھر دل سے خیر کی تمنا کرنے کے سبب اُسے وہی مرتبہ دیا جائے گا جس کی وہ تمنا کر رہا ہے۔اس لیے بہر حال نوافل کی کثرت اپنی قوت وہمت کے مطابق ہی کی جائے۔

اس کے بعد حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگر اپنے دل و جان کو اللہ کے در پر عبّاد کر دو کہ تمہارا قلب و جاں اُسی پر فدا ہو اور اس کے ہر حکم پر تم جان دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔اور دل میں کسی غیر کا گزر بسر نہ ہو، صرف اپنے مولا ہی کو ہر وقت یاد کرتے رہو۔یہی حقیقت قلب و جاں کے عبّاد ہونے کی ہے۔جس کی بدولت سکونِ دل و جاں خلآد ہو جاتا ہے۔یعنی دنیا میں بھی اُسے سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور دائمی ہمیشہ کی جنت میں راحت و آرام عطا کیا جاتا ہے کیونکہ جس نے دنیا میں اس طرح زندگی گزاری ہو کہ اُس کا قلب و جان ہر وقت اپنے خالق کے در پر فدا رہتا ہو تو پھر اُسے جس طرح آخرت میں سکون عطا کیے جانے کا وعدہ ہے اسی طرح دنیا میں بھی پُرسکون زندگی دیا جانا مذکور ہوا ہے۔اور اپنی جتنی خوشیاں ہیں اُن سب کو اللہ کی خوشی میں ضم کر کے صرف اُسی خوشی کو خوشی سمجھا جائے جس سے اللہ خوش ہیں، باقی سب خوشیوں کو فنا اور ختم کر دیا جائے اور اپنے رب کی خوشی سے دل کو آباد کیا جائے۔ اس کو بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ جب تمہیں کوئی خوشی منانی ہو تو پھر یہ دیکھو کہ میری اس خوشی سے میرے مالک کی بھی خوشی ہے یا نہیں۔اگر مالک کی بھی خوشی ہو تو پھر اُس خوشی کو خوشی خوشی انجام دو اور اگر مالک خوش نہ ہو تو اُس خوشی کو خوشی خوشی آگ لگا دو ؎

خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے
خوشاں نصیب کسی کا ملا ہمیں غم ہے

بس یہ جذبہ قلب میں پیدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہو جائیں گے اور یہی اللہ تعالیٰ کے بندے سے مطلوب ہے کہ وہ میری رضا کے خلاف اپنی تمام خوشیوں کو چھوڑ دے اور جو بھی موقع ہو چاہے خوشی کا ہو یا غم کا ہو تو مجھے خوش کرنے کی فکر کرے۔حضرت والا کی خدمت میں حضرت قاری امیر حسن صاحب نے تشریف آوری کے موقع پر عصر کے بعد کی مجلس میں یہ شعر سنایا جو اسی موضوع پر ہے اور حضرت شاہ محمد احمد برتا بگڈھی رحمہ اللہ کا شعر ہے ؎

اُن کی مرضی پر ہو دل سے قربان
جان لے اس کو حاصلِ عرفان

رفتار کا گفتار کا کردار کا عالَم

جب سے ہے مرے سامنے مولائے کائنات — دربار سے پوچھے کوئی دربار کا عالَم
جب سے ہوا ہے خالق گلشن سے رابطہ — گلزار سے پوچھے کوئی گلزار کا عالَم
شمس و قمر کی روشنی سب ماند پڑگئی — جب سے دیا للہ نے انوار کا عالَم
دیکھو تو عاشقوں کی ذرا شان دوستو — رفتار کا گفتار کا کردار کا عالَم
گر اتباعِ سنتِ نبوی کا ہو چلن — رفتار سے پوچھے کوئی رفتار کا عالَم
جب حشر میں بخشیں گے گناہوں کو کرم سے — کیا ہوگا بھلا آپ کی سرکار کا عالَم

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **دربار**: بادشاہوں کے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ۔ **گلزار**: باغ۔ **ماند پڑ گئی**: پھیکی پڑ گئی، دھیمی ہوگئی۔ **رفتار**: چلنا۔ **گفتار**: بات کرنا۔ **چلن**: طریقہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت عطا ہونے کے بعد اور مولائے کائنات کے قرب حاصل ہو جانے کے بعد انسان کی رفتار اور گفتار اور کردار و انداز سب بدل جاتے ہیں اور مولائے کائنات سے تعلق سے پہلے دل کا عالَم غیر اللہ سے سجا ہوا ہوتا تھا اور اس دربار میں اللہ تعالیٰ کا غیر مختلف شکلوں میں نظر آتا اور ہر وقت موجود رہتا تھا، لیکن جب اللہ سے تعلق حاصل ہوگیا تو اب وہ دربار کا نقشہ بدل گیا اور حقیقت یہ ہے کہ پہلے بزم اُداس رہتی تھی اور اب محفل چمک گئی اور جب خالقِ گلشن سے رابطہ نہیں تھا تو سارا گلزار مرجھایا ہوا اور بے رونق رہتا تھا۔

لیکن جب خالقِ گلشن سے رابطہ ہوگیا تو اُس کے نشو ونما اور اُس کی رونق و بہار کچھ الگ دکھائی دینے لگی اور ہر پھول پھل والا درخت اپنا خوب پھول اور پھل دینے لگا۔ اور وہ گلزار ایسا مہک اُٹھا کہ ہر سمت اُس کی خوشبو پھیل گئی۔ اُس کی رونق و بہار کچھ الگ قسم کی دکھائی دینے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے قلب میں اپنے انوار وتجلیات عطا فرمادیتے ہیں تو دنیا کے شمس وقمر کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ جیسا کہ کئی مقامات پر یہ بات مذکور ہوئی کہ شمس وقمر کی روشنی کو اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے سامنے کوئی نسبت ہی حاصل ہی نہیں۔

جب انسان محبتِ عشقِ خداوندی حاصل کرلیتا ہے اور واقعی اُسے عشقِ خداوندی کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اُس کی شان کچھ الگ نظر آنے لگتی ہے اور اُس کی حالت مکمل طور پر بدل جاتی ہے۔ اُس کی رفتار کا، گفتار کا اور کردار کا عالَم پہلے سے جدا نظر آتا ہے۔ ہر چیز میں وقار واطمینان وسنجیدگی نمایاں نظر آتی ہے اور خوف وخشیتِ خداوندی کے آثار جھلکنے لگتے ہیں۔ اُس کی رفتار میں متواضعانہ انداز، اُس کی گفتار کی شگفتگی اور شائستگی صاف طور پر جھلکنے لگتی ہے۔ اُس کا کردار ایسا ہو جاتا ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اُس سے راحت اور آرام محسوس کرتے ہیں۔ اُس کی ذات سے کسی چیونٹی تک کو بھی تکلیف پہنچنے کا تصور ممکن نہیں رہتا بلکہ وہ ساری خلق کے لیے سراپا راحت وآرام بن جاتا ہے۔

لیکن یہ بات جب ہی حاصل ہوتی ہے جب حقیقت میں کوئی بندہ اللہ و رسول کی محبت میں کمال و رسوخ حاصل کر چکا ہو اور خاص طور پر اتباعِ سنتِ نبوی سے سرشار ہو چکا ہو کیونکہ زندگی، زندگی جب ہی بنتی ہے جب وہ سنتِ نبوی کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ اور اپنی زندگی کی ہر ادا میں سنتِ نبوی کا چلن ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُس کا سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اور اس کا حال نہایت محبوب و پسندیدہ اور اس کا قال انتہائی درجے روشنی لیے ہوئے اور فیض پھیلانے والا ہوتا ہے۔ متبع سنت وشریعت انسان جب گفتگو کرتا ہے تو اُس کی گفتگو میں بھی سنت وشریعت کے انوار نمایاں نظر آتے ہیں۔ غرض اُس کی زندگی کی ہر ادا اپنے اندر عجیب عالم لیے ہوئے ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے مجسم سامانِ ہدایت بن جاتا ہے۔ اور گنہگاروں کو بھی ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ میدانِ محشر میں گنہگاروں کی ایسی بخشش فرمائیں گے کہ بڑے بڑے گنہگار اللہ تعالیٰ کے کرم سے بخش دیئے جائیں گے۔ اُس وقت آپ کی شانِ کرم اور رحم ہی سے بڑے بڑے اولیاء واتقیاء اُمید لگائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو بخشیں گے کہ جن کے ایمان کا پتہ فرشتوں تک کو نہ ہوگا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آ کر یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ! اب جہنم میں کوئی ایمان والا باقی نہیں بچا۔ یہ وہ وقت ہوگا جب سب سفارش کرنے والے اپنی سفارشوں کے ذریعے سے جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دیں گے۔ مگر بعض اللہ کے بندے اتنا مخفی ایمان رکھتے ہوں گے کہ جن کے ایمان کا سوائے اللہ کو کسی کا علم نہیں تھا تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان لب بھر کر جہنمیوں کو جہنم سے نکالیں گے اور انہیں جنت میں داخل فرما دیں گے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جہاں شفاعت کا مضمون مذکور ہے اس طرح وارد ہوا ہے:

﴿فَيَقُوْلُ اذْهَبُوْا فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ مَنْ عَرَفُوْا قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فَإِنْ لَّمْ تُصَدِّقُوْنِيْ فَاقْرَءُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا فَيَشْفَعُ النَّبِيُّوْنَ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ فَيَقُوْلُ الْجَبَّارُ بَقِيَتْ شَفَاعَتِيْ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ أَقْوَامًا قَدِ امْتُحِشُوْا﴾

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربها ناظرۃ)

جس کا خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائیں گے کہ تم جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر ایمان پاؤ اُسے جہنم سے نکال لاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ جن جن کو پہچانیں گے اُن کو نکال لیں گے۔ حضرت ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ اگر تم میری تصدیق نہ کرو تو اس کی صداقت کے لیے قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کریں گے اور اگر ایک نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو (بندے کے اخلاص کے مطابق) بڑھا کر عطا فرمائیں گے۔ الغرض جب انبیاء اور ملائکہ اور اہلِ ایمان سب سفارش کر کے فارغ ہو جائیں گے اور وہ جتنے ایمان

والوں کے ایمان کو جانتے ہوں گے اُن سب کو جہنم سے نکال لیں گے تو پھر اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرمائیں گے کہ اب میری شفاعت باقی رہ گئی اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان ایک قُبضہ یعنی مٹھی بھر کر جہنم سے لیں گے اور ایسی اقوام اور لوگوں کو نکالیں گے جو جہنم کی آگ میں جھلس چکے ہوں گے۔ اور بالآخر اُن کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے عُتَقَاءَ اللّٰہِ (یعنی وہ لوگ جن کو جہنم سے اللہ نے آزاد کیا ہے) کا نام دیں گے۔

تو اُس دن حق تعالیٰ کی شانِ رحم و کرم کا کیا ہی عجیب عالم ہوگا کہ بڑے سے بڑا گنہگار بھی محروم نہ رہے گا۔ سوائے کافر و مشرک کے کہ اُن کے کفر و شرک کی وجہ انہیں کبھی بھی بخشش نصیب نہ ہوگی۔ باقی ہر مؤمن کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا گنہگار اور مجرم ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایک نہ ایک دن بخشش کر کے جنت میں داخل فرما دیں گے۔

جلسۂ قربِ محبت

محبت میں کبھی ایسا زمانہ بھی گذرتا ہے
زباں خاموش رہتی ہے مگر دل روتا رہتا ہے

اگرچہ راہ تقویٰ میں ہزاروں غم بھی آتے ہیں
مگر جو عاشق صادق ہے غم کو سہتا رہتا ہے

صلہ عشقِ مجازی کا یہ کیسا ہے ارے توبہ
کہ عاشق روتے رہتے ہیں صنم خود سوتا رہتا ہے

خطاؤں کی اگر آئی ہے دامن پر ذرا سیاہی
تو اپنے آنسوؤں سے عشق اس کو دھوتا رہتا ہے

گنہگاروں کی مت تحقیر کر اے زاہدِ ناداں
کہ ان کی آہ و زاری پر فلک بھی روتا رہتا ہے

بہ فیض مرشد کامل جو دردِ دل ہوا حاصل
تو دل پر جلسۂ قربِ محبت ہوتا رہتا ہے

جو غیروں پر فدا کرتا ہے اپنے قلب و جاں اخترؔ
بہ جرم بے وفائی حق سے وہ محروم رہتا ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **سہتا**: برداشت کرنا۔ **صلہ**: بدلہ۔ **مجازی**: غیر اللہ کا عشق۔ **صنم**: بُت، مجازی محبوب۔ **خطاؤں**: گناہ۔ **سیاھی**: کالک۔ **تحقیر**: کم تر سمجھنا۔ **زاھدِ ناداں**: دنیا سے بے رغبت نا سمجھ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں کبھی انسان کا ایسا حال ہوتا ہے کہ زبان تو خاموش رہتی ہے لیکن دل اندر اندر روتا رہتا ہے۔ یہ عجیب وغریب مقامِ محبت ہے، جو اس سے گزرتا ہے اس کی حقیقت وہ ہی جانتا اور سمجھتا ہے۔ بس یہ ایک ایسا عالَم ہوتا ہے کہ اس میں دل اس درجہ شکستہ اور ٹوٹا ہوا کرتا ہے کہ اُس میں عجیب وغریب کیفیاتِ دردِ محبتِ خداوندی گزرتی رہتی ہے اور گو زبان خاموشی کے عالَم میں ہوتی ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں تڑپتا اور روتا رہتا ہے۔ اگرچہ کبھی یہ دل کا رونا آنکھوں میں آنسوؤں کے ذریعے سے ظاہر ہوجاتا ہے لیکن بسا اوقات دل ہی دل کے اندر آہ وبکا کا سلسلہ مخفی طور پر جاری رہتا ہے کیونکہ جب اپنی بہت سی جائز وناجائز خوشیوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی پیش کرکے بندۂ مؤمن چھوڑتا ہے اور بہت سے اُس کے دوسرے دوست واحباب اُن خوشیوں میں بظاہر شاداماں نظر آتے ہیں اور اپنے جذباتِ محبت وفرحت ومسرت پورے کرتے رہتے ہیں مگر یہ عاشقِ صادق اُسی گھڑی اپنے مولا کو یاد کرکر کے دل دل میں روتا رہتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ تقوے کا راستہ یوں تو بہت آسان اور سہل ہے بلکہ یہ کہیے کہ بہت لذیذ ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس راستے میں ہزاروں غم بھی اُٹھانے پڑتے ہیں۔ لیکن جو سچا عاشق ہوتا ہے وہ ان غموں سے گھبراتا نہیں بلکہ وہ غم کو خوشی خوشی سہتا رہتا ہے اس لیے کہ اُس کو غم کے سہنے میں حقیقی خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے تو اس لیے متقی اور نیک بننے کے لیے یہ نہ سوچنا چاہیے کہ یہ کوئی ایسا شریں لقمہ ہے کہ اُس کو آسانی سے کھا کر ہضم کرلیا جائے۔

بلکہ جس طرح انسان کسی کانٹے دار راستے پر چل رہا ہو تو اُسے سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح تقوے کے راستے پر چلتے ہوئے خوب سوچ سمجھ کر ایک ایک قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اور کئی مرتبہ نفس کو بظاہر خوشی ہونے والے معاملات میں اُس کی خوشی ملیامیٹ کرکے اپنے دل پر غم اُٹھانا متقی کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اُس سے ڈر کر اور گھبرا کر پیچھے نہیں ہٹتا ہے، بلکہ ہمت وجرأت کے ساتھ اُس کو برداشت کرتا ہے۔ اس لیے جو لوگ یہ کہتے ہیں رہتے ہیں کہ ہم سے فلاں گناہ نہیں چھوٹتا اور ہم نے بہت چھوڑنے کی کوشش کی مگر ہم سے نہیں چھوٹ رہا ہے یہ درحقیقت کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اتنی ہمت ہر مؤمن بندے کو دی کہ وہ اُس کو استعمال کرکے راہِ خداوندی کا غم اُٹھا سکے اور اُس کو برداشت کرسکے۔

خاص طور پر اس زمانے میں جو لوگ عشقِ مجازی میں پھنس جاتے ہیں انہیں معشوق کے چھوڑنے میں بہت دشواری کا سامنا ہوتا ہے، لیکن حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب تک نہیں چھوڑو گے تو تمہیں چین وسکون میسر نہیں ہوگا، کیونکہ ہم رات دن یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ عشقِ مجازی کا یہ بدترین صلہ بطور سزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ عاشق اپنے دل پر صدہا غم لیے ہوئے بےچین وپریشان روتے پھرتے رہتے ہیں اور اُن کا محبوب

مزے کے ساتھ سویا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کوئی عقل رکھنے والا عقل سے سوچے تو یہی خود ایک سزا اس عشقِ مجازی کے جرم کی اُس سے باز رہنے اور تائب ہونے کے لیے کافی ہے کہ اس نے ان کو کیسی بے چینی اور پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی وکریمی اتنی عظیم ہے کہ کیسی ہی خطا والا اپنے دامن پر خطاؤں کی سیاہی لے آئے تو وہ چند آنسو کے قطرے گرا دیتا ہے تو اُن آنسوؤں کی برکت سے اُس کا عشقِ خداوندی اس کو دھو دیتا ہے، اس لیے کسی بھی حال میں مایوس اور نا اُمید ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ سوچ لینا چاہیے کہ میں ندامت کے آنسو گراؤں تو میری زندگی بھر کی تمام سیاہی دھل کر میرا دامن پاک وصاف کر دیا جائے گا۔

گنہگاروں کو چار وجہوں سے حقیر نہ سمجھو

اور ایسے گنہگاروں کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور اُن پر نظرِ تحقیر ڈالنا یہ نہایت خطرناک اور اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کب اُن کو توبہ کی توفیق ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے در پر پہنچ کر گریہ و بکا اور آہ وزاری کے ساتھ اپنے کیے ہوئے نادمانہ اور تائبانہ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہ لیں۔ اس طرح وہ تو محبوبِ بارگاہِ خداوندی ہو جائیں اور تم کو تمہارے جرمِ تحقیر کی وجہ سے مردودِ بارگاہِ الٰہی قرار دے دیا جائے۔ لہٰذا اے زاہدِ ناداں! گنہگاروں کو حقیر مت جان، ذرا سی دیر ہے کہ وہ اپنے پاس ایسے قیمتی موتی رکھتے ہیں کہ جن کی قیمت آسمان میں پہنچ کر یہ لگائی جاتی ہے کہ سارے آسمان والے اُن پر رشک کرنے لگتے ہیں۔

پھر یہ حقیر جاننا اعلیٰ درجے کی حماقت والا عمل ہے، اس لیے کہ:

(۱) اوّل تو جس نیک اور صالح آدمی کو کسی نیکی کی توفیق ملی وہ خود صرف حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے، اس کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔

(۲) پھر دوسری بات یہ کہ وہ کیا جانتا ہے کہ اُس کے یہ اعمال اور نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہیں یا نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ کہ اُس کے پاس اس بات کی ضمانت اور گارنٹی ہے کہ اُسے ان نیکیوں پر باقی رکھا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن گناہوں میں مبتلا کر دیا جائے جس میں یہ گنہگار ابھی مبتلا ہے۔ اور اُس گنہگاروں کو نیکیوں کی طرف آنے کی توفیق حاصل ہو جائے۔

(۴) چوتھے نمبر پر یہ سوچنا چاہیے شاید اس گنہگار کی کسی زمانے کی کی ہوئی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور اُس کی وجہ سے یہ تو بخش دیا جائے اور اس کے یہ گناہ معاف کر دیئے جائیں اور میرا کسی زمانے کا کوئی گناہ اور نافرمانی ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کے غضب وغصے کا باعث ہو چکی ہو جس کی وجہ سے میں پکڑا جاؤں اور جہنم میں ڈال دیا جاؤں اور میری یہ نیکیاں قبول نہ ہوں۔ جب اتنے سارے احتمالات دلائل سے ثابت ہیں تو پھر کسی کو حقیر جاننا سخت

نادانی اور جہالت وحماقت پر مبنی ہے۔اس لیے سالکین کو خاص طور پر اس بات سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے کہ ایک لمحہ بھی کسی پر حقارت کی نظر نہ ڈالے۔

حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ جو اتنے عظیم المرتبت انسان تھے نے ارشاد فرمایا کہ اشرف علی ہر وقت دل دل میں ڈرتا رہتا ہے کہ نہ معلوم کل قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک رات قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر ''وامتازوا الیوم ایھا المجرمون'' کہ اے مجرمو! آج تم الگ ہوجاؤ۔ پوری رات اس آیت کو پڑھ کر روتے رہے کہ نامعلوم ابوحنیفہ کا شمار کس میں ہوگا۔اور بے شمار اولیاء اللہ کے اس طرح کے واقعات ہیں۔اسی لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا جس وقت کوئی کسی کو حقیر سمجھ رہا ہوتا ہے وہ اُسی وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل اور کمتر ہوا کرتا ہے۔اس لیے کسی کو ذلیل وحقیر سمجھنا خواہ وہ کتنا ہی بڑا گنہگار ہو جائز نہیں۔

شیخ عبداللہ اندلسی کا عبرتناک واقعہ

یہاں تک کہ کسی کافر سے بھی مآل اور انجام کے اعتبار سے اپنے کو افضل اور اُس کو کمتر سمجھنا جائز نہیں، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ایک دن اُس کا کفر ایمان سے بدل جائے گا۔

شیخ ابوعبداللہ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں۔ ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد، ہزاروں مریدین۔۲۰۰ ہجری کا ختم ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو دوسو سال گزرے ہیں۔خیر القرون کا زمانہ گویا موجود ہے۔آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ایک دفعہ بارادہ سفر تشریف لے گئے۔ ہزاروں مشائخ وعلماء ہم رکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ بھی ہیں۔حضرت شبلی کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات وبرکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گزر ہوا۔نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا بستی میں پانی نہ ملا۔بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔تین دن کامل گزر گئے کہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔حضرت شبلی کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال۔تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا کہ یا شیخ! آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضاء وجوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے ہمارے سردار! آپ اہلِ عراق کے پیر ومرشد، علم وفضل، زہد وعبادت میں شہرہ آفاق ہیں۔آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے

متجاوز ہو چکی ہے۔ بتفصیل قرآن عزیز ہمیں اوران سب کو رسوا نہ کیجئے۔ شیخ نے فرمایا میرے عزیز! میرا تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کرلیا گیا اور ہدایات کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا اے میری قوم! قضاوقدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رورہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے امنڈآنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔

جب ہم نے واپس آکر یہ واقعات سنائے تو شیخ کے مریدین میں کہرام مچ گیا۔ چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت سے عالم آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت کر، اور اپنے مرتبہ پر لوٹادے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں۔ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا۔ اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سؤر چرارہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔ گاؤں والوں نے بتایا کہ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کرلیا، اور وہ جنگل میں سؤر چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈانے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سور چرارہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر پر زنار بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس پر وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔

شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کردیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا یہ کہہ کر خدائے تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد

طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔

خنزیران کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ شیخ آپ حافظ القرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے تھے اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟ شیخ نے کہا اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا...... ایک تو یہ ہے ''وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ'' جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور دوسری یہ ہے ''وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ'' جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ علیہ نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں اب ان میں سے کوئی یاد ہے؟ شیخ نے کہا صرف ایک حدیث یاد ہے ''مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ'' جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا، ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باآواز بلند شہادتین '' اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله'' پڑھتے جاتے ہیں۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔

بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کیا آپ کے اس ابتلاء کا کوئی سبب تھا؟ تو شیخ نے فرمایا ہاں! جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن موحد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔

مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں، اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا، جو درحقیقت ایمان تھا۔

(زاد السالکین، الخلیل پبلشنگ ہاؤس، صفحہ: ۵۰۸-۵۱۱)

اس لیے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اے زاہدِ ناداں! گنہگاروں کی تحقیر مت کر کہ اُن کی جب آہ و زاری ہوتی ہے تو اُس پر فلک بھی روتا رہتا ہے اور اُن کی آہ و زاری قلب و جاں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش کا سبب ہوتی

ہے اور دل پر آئے ہوئے تمام داغ اور دھبے اور گناہوں کی ظلمتیں اُس پانی سے دھل کر صاف کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان پر فرشتے بھی جب گنہگار کا یہ عالَم دیکھتے ہیں تو محوِ حیرت ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صحیح اصلاح اور تزکیۂ نفس اور محبتِ خداوندی کا کمال اور رسوخ بغیر مرشدِ کامل کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو بھی دردِ دل حاصل ہوا ہے وہ مرشدِ کامل کا فیض ہی ہوا کرتا ہے۔ اُسی کی برکت سے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے دل پر جلسۂ قربِ محبت ہوتا رہتا ہے۔ اور اس جلسے میں محبتِ خداوندی کی عجیب و غریب ادائیں اور آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے ذریعے میں اپنے محبوب حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں اور مجھے باطن کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا قرب صاف نظر آتا ہے اور اس کی تجلیات دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن جو شخص اپنے قلب و جاں غیروں پر فدا کرتا ہو اور حرام تعلقات میں پڑ کر ناجائز عشق بازی اور دوستیوں میں لگا ہوا ہو تو پھر حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اُس کے اِس بے وفائی والے سلوک سے اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے اپنی ذات کے تعلق سے محروم کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن حسنِ مجازی کے چکروں میں پھنسائے جانا اُسی کے ساتھ ہوا کرتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قرب سے دور رکھتے ہیں ورنہ جسے اپنا قرب دینا چاہیں اُس کے دل کو غیر اللہ سے صاف فرما دیتے ہیں۔

وہی پاتا ہے منزل ساتھ جو رہبر کے رہتا ہے

یہی تو عشق کا جغرافیہ دن رات رہتا ہے
کہ ہر تاریخِ حسرت پر وہ راضی دل سے رہتا ہے

خطا صادر اگر ہوتی ہے تو اشکِ ندامت کا
حضورِ سجدۂ حق ایک دریا سا بھی بہتا ہے

یہ ان کی راہ میں چلنا، نہیں خوبی ہے رہرو کی
کہ مالک کے کرم کا ہر قدم مرہون رہتا ہے

علامت ہے کہ یہ طالب ہوا ہے صاحبِ نسبت
رہ تقویٰ میں جو بھی رات دن ہر غم کو سہتا ہے

یہی ہے تجربہ دنیا میں سب اللہ والوں کا
وہی پاتا ہے منزل ساتھ جو رہبر کے رہتا ہے

یہ منزل کی طلب بھی جذبِ منزل ہی کا صدقہ ہے
وگرنہ مست دنیا ہی میں یہ انسان رہتا ہے

دلیلِ کامیابی ہے تلاش مرشد منزل
کہ بے رہبر ہی منزل سے سدا محروم رہتا ہے

ملی ہیں لذتیں دونوں جہاں کی اس کو اے اختؔر
جو اپنے مالکِ جاں پر فدا جاں کرتا رہتا ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ خطا: گناہ۔ **صادر:** ہوجانا۔ **حضورِ سجدۂ حق:** اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کی صورت میں حاضری کے وقت۔ **خوبی:** کمال، ہنر۔ **مرہون:** احسان مند۔ **طالب:** اللہ تعالیٰ کا طلبگار۔ **سدا:** ہمیشہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت عجیب وغریب شی ہے جب کسی بندے کو کمالِ عشقِ خداوندی حاصل ہوجاتا ہے تو پھر اُس کی حالت شب وروز اس طرح رہتی ہے کہ اُسے کیسا ہی غمناک واقعہ پیش آئے اور اپنے مولا کے راستے میں خوشیوں کو پامال کر کے کیسی ہی حسرت اُٹھانی پڑے، لیکن یہ سب کچھ ظاہری طور پر ہوتا ہے اور دل میں وہ اپنے اللہ سے ہر تاریخِ حسرت پر بہت ہی راضی اور خوش رہتا ہے، کیونکہ وہ حسرتیں اُسے قربِ خداوندی میں اضافہ اور مزید معرفتِ خاصہ دلاتی ہیں۔ اس لیے وہ دل وجان سے اُن پر خوش رہتا ہے اور خوشی خوشی ان حسرتوں کو سہتا رہتا ہے اور اگر کبھی اُس سے کوئی خطا اور غلطی صادر ہوجائے اور کسی موقع پر وہ حرام خوشی کا ارتکاب کرلے یا اپنے

مولا کے حکم کو پورا نہ کر پائے تو اللہ کے عاشق کی یہ ادا ہوتی ہے کہ حضورِ سجدۂ حق میں اپنے اشکِ ندامت کا ایک دریا سے بہادیتا ہے اور اس طرح اس خطا کے اثر کو زائل اور ختم کردیتا ہے۔

یہاں تک کہ احادیث کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ اب اشکِ ندامت کے بعد وہ پہلے جیسا نہیں بلکہ قرب میں اُس سے بھی زیادہ بڑھادیا جاتا ہے، اس لیے کہ تائب کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ حبیب اللہ بن جاتا ہے۔

آگے حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنا یہ راہرو کی خوبی اور کمال نہیں ہے بلکہ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم ہی اُس کو لے کر چلتا ہے اور اُسی کی بدولت وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ راہرو کو چاہیے کہ وہ ہر قدم مالک کے کرم کا مرہونِ منت رہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرمایا **ولولا فضل اللہ علیکم** کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تمہارے اوپر نہ ہوتا تو تم میں سے کسی کو تزکیۂ نفس حاصل نہ ہوتا لیکن اللہ جس کا چاہتے ہیں تزکیہ فرمادیتے ہیں۔ اس لیے درحقیقت تزکیہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم کا نتیجہ اور اثر ہے۔ گو کہ راہرو محنت ومجاہدہ کرکے اور رہبر کی تعلیمات اور ہدایات کی اتباع اور پیروی کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو اپنے شاملِ حال کرلیتا ہے۔

رہبر اُس کو یہ بتادیتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل وکرم تزکیے کے باب میں کب کس طرح شاملِ حال ہوگا؟ اس لیے صرف سبب اور ذریعے کے درجے میں شیخ ومرشد کی طرف نسبت کی جاتی ہے ورنہ حقیقت میں نہ رہبر کا کمال ہے اور نہ راہرو کی محنت ومجاہدہ کو دخل ہے بلکہ اصلاح وتزکیہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل کا نتیجہ اور اثر ہے۔

آگے سالک کے صاحبِ نسبت ہونے کی خاص پہچان ذکر کی جارہی ہے کہ جب اُسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوئی بھی غم پیش آئے اور کسی بھی طرح کا مجاہدہ اُٹھانا پڑے تو وہ اس تقوے کے راستے کے ہر غم کو خوشی خوشی قبول کرلے اور سہنے کے لیے تیار ہوجائے۔ اُس وقت کمزوری اور بزدلی نہ دکھائے اور سستی اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کرے تو بس یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اُسے نسبت مع اللہ حاصل ہوچکی ہے۔

اور سنت اللہ یہ ہے کہ نسبت مع اللہ پانے کے لیے اللہ والوں کے ساتھ تعلق ضروری ہے۔ تمام اللہ والوں کا دنیا میں یہی تجربہ ہے کہ وہی راہرو منزل تک پہنچتا ہے جو کسی رہبر کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہ رہنا بھی ایک لمبی مدت تک ہونا چاہیے تاکہ رہبر کے اثرات اور صفات وکمالات راہرو میں منتقل ہوجائیں۔ جیسا کہ حضرت والا کی کتابوں اور مواعظ میں یہ موجود ہے:

﴿خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ﴾

(تفسیر روح المعانی)

کہ اُن کے ساتھ اتنا رہو کہ تم خود ان کے جیسے بن جاؤ کیونکہ ہر ساتھی اور دوست اپنے ساتھ رہنے والے دوست کی اقتداء اور پیروی کیا کرتا ہے تو جب صادقین کا ساتھ ہوگا تو اُن کی پیروی کرتے کرتے انسان خود صدق و وفا کی منازل طے کر دے گا۔ تب ہی جا کے حقیقت میں تقویٰ اور نسبت مع اللہ کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی سالک کی طبیعت میں اپنی منزل کی طرف چلنے کا جذبہ پیدا ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے جدوجہد کرنے کے واسطے اس کا تیار ہو جانا یہ بھی درحقیقت سالک کا اپنا کمال نہیں بلکہ اُسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ منزل کی طلب بھی جذبۂ منزل ہی کا صدقہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے طلب منزل کی پیدا اسی لیے کی ہے کہ وہ منزل بھی عطا فرمائیں گے۔ اور جس طرح کسی کو منزل عطا کیا جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے اسی طرح اُس کی طلب دیا جانا بھی اُسی کے فضل کا نتیجہ ہے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خانقاہ میں خود آئے یا دعوت و تبلیغ میں ہم نکلے یا ہم نے مدرسے میں پیسے لگائے اور ہم نے دین کا فلاں کام کیا، یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقت میں ایسا نہیں، یہ تمہارے قدم نیکی اور بھلائی کی طرف خود نہیں اُٹھتے ان کو اُٹھایا جاتا ہے اور وہ اُٹھانے والا اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دل میں یہ داعیہ پیدا نہ فرماتے اور پھر ان نیکیوں کی طرف چلنے اور بڑھنے کی ہمت نہ دیتے تو کتنے ہی انسان دنیا میں سب کچھ ہوتے ہوئے مست پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اصل قوت و طاقت اپنے دین کی طرف لانے والی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طاقت و قدرت ہے۔

اور کسی مرشد کی تلاش کو بھی دلیلِ کامیابی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مرشد کی تلاش دل میں ڈالی تو اس کا مطلب اُس کو منزل تک پہنچانا ہے کیونکہ جب کسی کو کراچی سے لاہور جانا ہو تو وہ جا کر پہلے کسی ڈرائیور کو تلاش کرتا ہے کہ جو راستے سے اچھی طرح واقف ہو اور جب اُسے راستہ جاننے والا مل جاتا ہے یا پھر کوئی گاڑی اُدھر جانے والی ملتی ہے تو پھر یہ راہرو یہ سمجھ لیتا ہے کہ اب میں اپنی منزل با آسانی پہنچ جاؤں گا۔ اس لیے مرشد کی تلاش کامیابی کی دلیل ہے کیونکہ بغیر رہبر کسی کو منزل نہیں ملا کرتی بلکہ ہمیشہ محرومی ہی مقدر ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیخ یہی کام کرتا ہے کہ وہ اپنے مرید کو صحیح راہ دکھلاتا ہے اور اُس کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ کسی موقع پر بہک نہ جائے اور سیدھی راہ کو چھوڑ بیٹھے جس کے نتیجے میں منزل نگاہوں سے اوجھل ہو کر دور سے دور تر ہوتی چلی جائے۔

اور اے لوگو! اختر کا یہ اعلان سن لو! جو شخص اپنی جان مالکِ جان پر فدا کر دے تو اُسے دونوں جہاں کی لذتیں حاصل ہو جاتی ہیں ورنہ دوسری صورت میں آخرت میں تو کچھ ملتا ہی نہیں دنیا میں بھی حقیقی لذت والی حیات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جگہ جگہ یہ مضمون ذکر ہو رہا ہے۔

دل کا مصرف حقیقی

ظالم ہے عدل کے خلاف غیر کو دل دیا اگر
جس نے دیا ہے دل تجھے دل کو فدا اسی پہ کر
اس کا سکون چھن گیا مرکز سے جو ہوا جدا
مرکز دل خدا ہے بس دل نہ فدا کسی پہ کر

ہر اک ذرہ کو رہنما دیکھتا ہوں

میں جب بھی یہ ارض و سما دیکھتا ہوں
ہر اک ذرہ کو رہنما دیکھتا ہوں
ہر اک رند کے جام و مینا کا عالم
ترے میکدہ کا گدا دیکھتا ہوں
بہت ساغر مئے کو دنیا میں دیکھا
مگر تجھ پہ سب کو فدا دیکھتا ہوں
خزاں میں ہر ایک گلستاں خشک دیکھا
تیرے باغِ دل کو ہرا دیکھتا ہوں
زمانے کے رندوں سے ملتا ہوں لیکن
تیری مستیاں کچھ سوا دیکھتا ہوں
تیرے عالم ہو کا منظر وہ دیکھا
کہ آزاد ہر ماسوا دیکھتا ہوں
تیرے درد و غم کو اے اختؔر ہمیشہ
رہ عشق میں نا خدا دیکھتا ہوں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ ارض و سما: زمین اور آسمان۔**رهنما:** راستہ بتلانے والا۔**رند:** شرابی۔**جام و مینا:** شراب کا پیالہ اور صراحی۔**میکدہ:** شراب خانہ۔**گدا:** فقیر،محتاج۔**ساغر:** جامِ شراب۔**هرا:** تروتازہ۔**سوا:** بڑھ کر، زیادہ۔**عالمِ هُو:** دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا نہ ہونا۔**هر ماسویٰ:** ہر غیر اللہ۔**ناخُدا:** کشتی چلانے والا۔

ہر ذرۂ مخلوق خالق کا پتہ دیتا ہے

میں جب بھی یہ ارض و سما دیکھتا ہوں
ہر اک ذرہ کو رہنما دیکھتا ہوں

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ مضمون اس شعر میں مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ یہ مضمون کو قرآن کریم میں اہل عقل و فہم لوگوں کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے یعنی قرآن کہتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(سورۂ آل عمران، آیۃ ۱۹۱)

کہ اہل عقل وہ لوگ ہیں کہ خالق کو تو یاد کرتے ہیں اور مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس غور و فکر کے نتیجہ میں وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ واقعی اس کائنات کا کوئی خالق ہے کہ اس نے اس قدر منظم و مرتب نظام عالم بنایا اور اس میں ایسی انواع و اقسام کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں اور محض پیدا فرما کر ان کو چھوڑ نہیں دیا بلکہ آگے ان کی تربیت فرمانے کا کام اپنے ذمہ لیا اور خاص طور پر انسان کو پیدا فرما کر اس کی تربیت اور اس کی ہدایت کا نظام مقرر فرمایا یعنی بالفاظ دیگر جسم و روح دونوں کی غذاؤں کا انتظام فرمایا کہ جسم کے لیے زمین کے اندر سے ایسی انواع و اقسام کی غذاؤں کو نکالا اور اس میں ان غذاؤں کو ایسا ودیعت کر دیا کہ وہ قیامت تک آنے والے انسانوں اور جانوروں کو غذا بہم پہنچاتی رہے گی اور پھر اسی طرح روح کی تربیت کا انتظام فرمایا کہ اس کے لیے ذکر اللہ، تلاوت و مناجات کو غذا فرمایا، کیونکہ روح کی غذا اور اس کا قرار و سکون اور اسکی حقیقی حیات صرف اور صرف ذکر الٰہی سے ہے۔ اس لیے حضرت والا کے کیا ہی خوب اشعار ہیں ؎

اے خدا کیا رابطہ ہے تجھ سے ان ارواح کو
بے تیرے پاتی نہیں جو چین با صد مال و زر
میں نے یہ دیکھا نہیں ملتا سکوں تیرے بغیر
گرچہ حاصل ہو مجھے کل کائنات بحر و بر

اور کائنات میں غور و فکر اور تدبر کرنے کے نتیجہ میں ہر انسان کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ؎

و فی کل شیء لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی شانی ہے جو اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ وہ اللہ ایک ہے۔
اور فارسی کا شعر ہے کہ ؎

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

کہ جو زمین سے اُگتی ہے وہ وحدہ لاشریک لہٗ کہتی ہوئی ہوتی ہے۔

اگر کسی کے پاس نظر و فکر ہو اور وہ تدبر و تفکر سے کام لے اور سمجھنے کی کوشش کرے تو اسے نظر آئے گا کہ دنیا کی ہر چیز ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ اس عالم کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے اسی پر حضرت والا کے غور و فکر کرنے کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے عشاق مجازی! غور کرو اور سوچو کہ یہ آسمان جب ستاروں سے بھرا ہوتا ہے تو کیا ہی خوب اسکی خوبصورتی اور کیا عجیب و غریب اس کا منظر ہوتا ہے اور اسی طرح

اس دنیا کے اندر بڑے عجیب وغریب، حسین ترین مناظر اور چشمے اور جھرنے اور کیسی کیسی خوبصورت شکلوں والی عورتیں اور حسینائیں۔ غرض کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے، سب کو جو کچھ ملا ہے بس اللہ تعالیٰ ہی نے سب کو عطا فرمایا ہے تو اسی پر حضرت فرماتے ہیں کہ جب اللہ ان سب چیزوں کو حسن وخوبصورتی دینے والا ہے تو وہ اللہ خود کس قدر حسین ہوگا اور اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا۔ اسی لیے حضرت نے فرمایا ہے کہ ؎

ارے یارو جو خالق ہو شکر کا
جمال شمس کا نور قمر کا
نہ لذت پوچھ پھر ذکر خدا کی
حلاوت نام پاک کبریا کی

جب ان چیزوں کے دیکھنے میں اور لذیذ انواع واقسام کے کھانوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ لطف ولذت رکھی ہے تو جو ان ساری لذات کا خالق ہے اس کے نام میں کیا کچھ لطف ہوگا، گویا جیسے ہی اللہ کا نام عظمت ومحبت سے لیا تو ساری لذتوں کا کیپسول نگل لیا اور جس کے دل میں وہ خود آگئے تو گویا ساری لذات عالم دل میں سماگئی۔

مخلوق میں غور وفکر کی قیمتی مثال

کائنات میں غور وفکر کرکے اللہ کو پہچاننے کی ایک عاشقانہ مثال حضرت مفتی صاحب ص ۲۶۴ پر فرماتے ہیں کہ اس کو ایک عامیانہ محسوس مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک جنگل کا رہنے والا جاہل انسان جب کسی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے اور یہ دیکھے کہ ریل جیسی عظیم الشان سواری ایک سرخ جھنڈی کے دکھانے سے رک جاتی ہے، اور سبز جھنڈی دکھانے سے چلنے لگتی ہے تو اگر وہ یہ کہے کہ یہ سرخ اور سبز جھنڈی بڑے پاور اور طاقت کی مالک ہے کہ اتنی طاقت والے انجن کو روک دیتی ہے اور چلا دیتی ہے تو علم وعقل والے اس کو احمق کہیں گے اور بتلائیں گے کہ طاقت ان جھنڈیوں میں نہیں بلکہ اس شخص کے پاس ہے جو انجن میں بیٹھا ہوا ان جھنڈیوں کو دیکھ کر روکنے یا چلانے کا کام کرتا ہے لیکن جس کی عقل کچھ اس سے زیادہ ہے وہ کہے گا کہ انجن کے ڈرائیور کو پاور یا طاقت کا مالک سمجھنا بھی غلطی ہے، کیونکہ درحقیقت اس کی طاقت کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ ایک قدم اور بڑھ کر اس طاقت کا انجن کے کل پرزوں کی طرف منسوب کرے گا لیکن ایک فلاسفر یا سائنس داں اس کو بھی یہ کہہ کر بیوقوف بتلائے گا کہ بے حس کل پرزوں میں کیا رکھا ہے، اصل طاقت اس بھاپ اور اسٹیم کی ہے، جو انجن کے اندر آگ اور پانی کے ذریعہ پیدا کی گئی ہے، لیکن حکمت وفلسفہ یہاں آکر تھک جاتا ہے...... انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ ظالم! جس طرح جھنڈیوں کو یا ڈرائیور کو یا انجن کے کل پرزوں کو طاقت اور پاور کا مالک سمجھ بیٹھنا اس جاہل کی غلطی تھی، اسی طرح بھاپ اور اسٹیم کو طاقت کا مالک سمجھ لینا بھی تیری فلسفیانہ غلطی ہے ایک قدم اور آگے بڑھ، تاکہ تجھے اس الجھی ہوئی ڈور کا سرا ہاتھ

آئے اور سلسلۂ اسباب کی آخری کڑی تک تیری رسائی ہو جائے کہ دراصل ان ساری طاقتوں اور پاوروں کا مالک وہ ہے جس نے آگ اور پانی پیدا کیے، اور یہ اسٹیم تیار ہوئی۔

ہر اک رند کے جام و مینا کا عالم
ترے میکدہ کا گدا دیکھتا ہوں
بہت صاغر مئے کو دنیا میں دیکھا
مگر تجھ پہ سب کو فدا دیکھتا ہوں

ان دونوں شعروں کا مفہوم وخلاصہ یہ ہے کہ اس روئے زمین پر اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ والے تو اپنے مولیٰ کی محبت کی شراب میں مست ہیں اور یہ ایسی شراب محبت ہے کہ جس کو پی کر انسان سارے غیر سے بالکل بے خبر اور مست ہو جاتا ہے اور اسے باقی دنیا والے مزوں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے اور جو عیش و عشرت اور حرام لذتوں کے نشے میں ہیں ان سے اللہ اس کو بالکل مستغنی کر دیتے ہیں۔

جبکہ اور دوسرے جتنے نشے اس دنیا میں ہیں خواہ وہ مال و دولت کی محبت کا نشہ ہو یا وہ منصب وعہدوں کا نشہ ہو حکومت وسلطنت کا نشہ ہو یا اپنی مفروضی وخیالی شان وعظمت کا نشہ ہو غرض یہ کہ اللہ کی محبت کی شراب کے نشے کے سامنے ہیچ ہیں عہدے والے اپنے عہدوں اور حکومت اور سلطنت والے اپنی حکومت کے باوجود، مال و دولت، جاہ وثروت اور عیش وعشرت کے باوجود حتی کے ساری کائنات کی حکمرانی کے باوجود بھی بالاخر اپنے مسائل کے لیے اپنی نجات وفلاح کے لیے اپنی چین وسکون اور اپنی عزت وراحت کے لیے اس کو اللہ کے در پر جھکنا اور اللہ کے سامنے سرنگوں ہونا ضروری ہے اور گویا بالفاظ دیگر یہ وہ میکدہ شراب محبت الٰہی ہے کے جس کا گدا ومحتاج بننا ہر ایک کو پڑتا ہے جس کے بغیر دنیا میں کسی فرد وبشر کو چارہ نہیں ہے۔ آخر کیا بات ہے کہ اللہ والے لوگ باوجود یہ کہ اپنے پاس کوئی باعثِ کشش وجاذبیت چیزیں رکھتے ہیں نہ ان کے پاس دولت وخزانے تقسیم ہوتے ہیں اور نہ عہدے اور مناصب پائے جاتے ہیں نہ وہ حکومتوں اور سلطنتوں کی وزارتیں تقسیم کرتے ہیں نہ اس نوع کی دوسری چیزیں وہاں نظر آتی ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ دنیا والے جو تمام قسم کی ظاہری اور مادی لذتوں اور نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں اور وہ امراء وحکام اور وزراء وسلاطین کہ جن کے ایک حکم پر ہزاروں اور لاکھوں افراد حرکت میں آجاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کو بھی دیکھو تو اللہ والوں کے یہاں بڑے نیازمندانہ انداز سے حاضری دیتے ہیں اور وہ بھی اللہ کی محبت والوں کے پاس آکر اپنی تہی دامنی اور اپنی بے کیفی کا راز فاش کرتے رہتے ہیں اور سب لذتوں عشرتوں کے باوجود اپنے مسائل کا حل دربار خداوندی کے سوا ان کو کہیں نظر نہیں آتا اس لیے باوجود ان سب نشے اور شرابوں کے بھی وہ اپنا سر اللہ کے سامنے رکھتے ہیں اور وہ خدا کی یاد ہی سے بالآخر اپنا گمشدہ سامان یعنی چین وسکون پاتے ہیں کیونکہ قرآن

نے اعلان کر دیا ہے کہ کامیابی وچین وسکون، راحت وآرام اور بالطف زندگی صرف میرے در پر آ کر نصیب ہوتی ہے اس کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے جب تک اللہ کی محبت ومعرفت نہ ہوتو دل بے چین و پریشان رہتا ہے اسی کو حضرت والا نے اپنے خاص انداز میں فرمایا ہے کہ جن کو بھی مگر اللہ کے در کا محتاج دیکھا۔

تو میرے دوستو اب اس میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ جب ان سب نشوں میں مست ہو کر تمہیں سکون ملنے والا نہیں ہے تو شروع سے ہی اپنی محبت کا میدان اور اپنی کاوشوں اور جدو جہد کا رخ اس مقصود کے حصول کی طرف کیجئے کہ جسے پا کر آپ سارے عالم سے مستغنی ہو جائیں اور آپ کو پھر کسی اور در کی طرف نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ رہے آپ کو ایسی سیرابی وتسکین حاصل ہو کہ پھر آپ کو دوسری لذتوں اور مزوں کا خیال بھی نہ آئے کیونکہ اللہ کی محبت و معرفت وعظیم نعمت الٰہی ہے کہ جس کو حاصل کر لینے سے حق تعالیٰ دونوں جہاں کی راحتیں عطا کر دیتے ہیں۔

اور قرآن کی تعبیر پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ جس طرح حضرت والا پوری کائنات کے تمام انسانوں کی ساری عیش وعشرت اور جملہ لذات عالم کو بے حقیقت و بے فائدہ قرار دے رہے ہیں اسی طرح قرآن اعلان کرتا ہے کہ **والعصر ان الانسان لفی خسر** اس آیت میں تمام انسانوں کو خسران وہلاکت ومحرومی ونا کامی کا شکار قرار دیا گیا ہے خواہ وہ ڈاکٹر ہوں یا انجینئر، حکومت وسلطنت ہو یا اہل دولت وعشرت، غریب ہوں یا امیر، حاکم ہوں یا رعیت، غرضیکہ اس آیت نے بالکل صاف کہہ دیا ہے کہ اللہ کی محبت ومعرفت کاملہ کے بغیر انسان نجات و کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا ہے اور وہ کیسا ہی بڑے سے بڑا انسان ہو مگر اسے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرنگوں ہونا ضروری ہے اسی کو حضرت والا اپنے خاص انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ ؎

ہر ایک رند کے جام و مینا کا عالم
تیرے میکدہ کا گدا دیکھتا ہوں
بہت ساغر مئے کو دنیا میں دیکھا
مگر سب کو تجھ پر فدا دیکھتا ہوں

باغ دل کی تروتازگی دائمی ہے

خزاں میں ہر ایک گلستاں خشک دیکھا
تیرے باغ دل کو ہرا دیکھتا ہوں

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ومعرفت کا باغ جس کے قلب میں لگا ہوتا ہے تو اسے کبھی خزاں نہیں لگتی ہے اور وہ کبھی کسی بھی موسم میں خشک نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ باغ تر و تازہ اور ہرا بھرا رہتا ہے۔

ورنہ دنیا میں جتنے باغ ہیں وہ سب موسم بہار میں پھلتے پھولتے ہیں اور سبز وشاداب رہتے ہیں لیکن وہ موسم جیسے ہی ڈھلتا ہے تو وہ سارے بھی مرجھا جاتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں۔

دراصل حضرت والا نے اس کے اندر بہت گہرا مضمون بیان فرمایا ہے اور بڑی اونچی نصیحت فرمائی ہے کہ اے اللہ کے چاہنے والو اگر تم نے اس دنیا میں رہ کر مال ودولت کے ڈھیر اور انبارا کھٹے کیے تمہاری کوششیں اور محنتیں حکومت وسلطنت کی خاطر لگ گئیں یا اونچی اونچی ڈگریاں عہدے ومناصب کے حصول میں تم نے اپنی عمر عزیز کو ختم کر دیا تو سن لو کہ ان سب کو ایک دن خزاں کا موسم چھوٹے گا اور پھر یہ ساری بہاریں ختم ہوتی نظر آئیں گی اس لیے ایسے باغ کو لگاؤ اور ایسے گلستاں دل کو سجاؤ کہ جس پر نہ کبھی زوال ہے اور نہ خزاں ہے اور وہ اللہ کی محبت ومعرفت کا باغ ہے یہ ایسا باغ ہے کے ہزار حالات آئیں خوشی ہو کہ غمی، راحت ہو کہ معصیت، دولت ہو کہ فقر، حکومت و بادشاہت ہو کہ فقر ومسکنت کی حالت ہو ہر حالت میں ہرا بھرا رہتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھئے کہ مر کر بھی اس پہ خزاں نہ لگے گی بلکہ یہ اس وقت بھی ہرا بھرا کھلتا ہوا ہوگا اور خدا کے یہاں قلب منیب وقلب سلیم کا خطاب پا کر جنت کی دائمی بہاروں میں شامل ہو جائے گا۔

نشۂ شرابِ خداوندی اور تعبیرِ نشہ زبانِ نبوت سے

زمانے کے رندوں سے ملتا ہوں لیکن
تیری مستیاں کچھ سوا دیکھتا ہوں

انسان بحیثیت انسان ہونے کے شب وروز میں مختلف اقسام کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے کبھی اہل دولت و ثروت سے تو کبھی حکومت وسلطنت والوں سے اور کبھی بڑی پوزیشنوں اور عہدوں والوں سے اور ہر ایک اپنے اپنے نشوں میں مست نظر آتے لیکن ان کو ان کی مستیوں میں بے چینی اور اضطراب کے عالم میں پایا گیا مگر اے خدا جو تیری شراب محبت میں مست ہیں اور جو اللہ والے تیرے عشق ومحبت کی شراب طہور پئے ہوئے ہیں، ان کو لذت کچھ الگ ہی محسوس ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو اس لیے کہ دنیا کی شراب صرف جسم کو مست کر سکتی ہے مگر اللہ والوں نے جو نشہ حاصل کیا ہے وہ ان کے دل ودماغ اور قلب وجان کو مست رکھتا ہے۔

تنبیہ: یہ نشہ اور مستیوں کی تعبیر اگر آپ غور سے دیکھیں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشاد میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَنْتُمُ الْيَوْمَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ تَظْهَرُ فِيْكُمُ السَّكْرَتَانِ سَكْرَةُ الْعَيْشِ وَسَكْرَةُ الْجَهْلِ وَسَتَحَوَّلُوْنَ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ يَفْشُوْ فِيْكُمْ حُبُّ الدُّنْيَا فَإِذَا كُنْتُمْ كَذٰلِكَ لَمْ تَأْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ تَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَمْ تُجَاهِدُوْا

فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَالْقَائِلُوْنَ یَوْمَئِذٍ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾

(کنز العمال)

تم آج اپنے رب کی طرف سے خاص دلیل اور ہدایت اور واضح راہ پر ہو کہ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہو۔ پھر تم میں دو نشے ظاہر ہوں گے ایک عیش کا نشہ اور ایک جہالت کا نشہ اور پھر تم اُس وقت اس کے علاوہ دوسرے حالات کی طرف بدل جاؤ گے، تم میں دنیا کی محبت پھیل جائے گی، جب تم ایسے ہو گے تو نہ بھلائی کا حکم دو گے اور نہ بُرائی سے روکو گے اور نہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے۔ اور وہ ایسا وقت ہوگا کہ جو لوگ اُس وقت میں اپنے ظاہر اور پوشیدگی کی حالت میں کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں گے تو اُن کا درجہ سابقین اوّلین کے برابر ہوگا۔ اور وہ اُس دور کے سابقین اوّلین ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نشے کی تعبیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی۔ اور یہ کہ ان چیزوں کا نشہ ہوتا ہے اور یہ نشہ حق سے دور کرنے کا ہے اور اس کے مقابل میں حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿بِھٰذَا الْاِسْنَادِ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ﴾

(مسند احمد، باب مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه)

اللہ کا اتنا کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تم کو مجنون اور پاگل کہنے لگیں تو یہ جنون ونشہ تو ہوگا مگر یہ اللہ کی یاد اور اس کی محبت کا نشہ ہوگا اور یہ مطلوب ہے۔

دوسری بات کہ دراصل ان تعبیرات کا مقصود بس اتنا ہے کہ جس طرح ان دنیوی شرابوں کے نشہ میں انسان مست ہو کر باقی چیزوں سے بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اسے کسی چیز کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے اور نہ وہ کسی کی کوئی پرواہ کرتا ہے بالکل اسی طرح جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا سچا عاشق ہوتا ہے اور جو دل سے اللہ پر فدا ہوتا ہے اور اللہ کی محبت اس کے قلب وجاں میں حقیقی طور پر سرایت کئے ہوتی ہے تو وہ محبت خداوندی میں ایسا مست ہوگا کہ پھر اسے مخلوق میں نہ کسی کی پرواہ نہیں رہتی ہے اور نہ کسی کی ملامت وطعن وتشنیع کا خوف باقی رہتا ہے نہ وہ لوگوں کی مدح وذم کا خواہاں ہوتا ہے اور نہ اسے مذمت وملامت کا خوف رہتا ہے بلکہ وہ بالکل پورے طور پر ایک خدائے وحدہ لاشریک ہی کی یاد میں مست وبے خود رہتا ہے اور دوسروں کو مست وبے خود کرتا رہتا ہے۔

عالم ھو ہی وحدۃ الوجود ہے

تیرے عالم ہو کا منظر وہ دیکھا
کہ آزاد ہر ماسوا دیکھتا ہوں

اس شعر میں حضرت والا نے جس عالم کو عالم ہو سے تعبیر کیا ہے یہ درحقیقت اللہ کی محبت ومعرفت کا وہ اعلیٰ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر انسان کو حق تعالیٰ کی ایسی معیت خاصہ حاصل ہوتی ہے اور ایسا شہود تام نصیب ہوتا ہے کہ

جہاں غیر اللہ کا وجود اس کی نظروں سے بالکل معدوم ہو جاتا ہے اور یہی وہ عالم ہے کہ جسے صوفیاء کی اصطلاح میں وحدۃ الوجود کہتے ہیں کہ جہاں سوائے حق تعالیٰ کے سب کچھ معدوم دکھائی دیتا ہے اور ہر طرف اللہ ہی اللہ دکھائی دیتا ہے نہ وہاں حکومت وسلطنت کی کوئی آن شان دل ودماغ کے حاشیہ میں کہیں دکھائی دیتی ہے نہ دولت وثروت کی کوئی طمع کہیں دور دور نظر آتی ہے نہ کسی سے کچھ ملنے کی امید اور نہ کسی سے کچھ چھن جانے کا خوف باقی رہتا ہے اور جب تک یہ سب کچھ دل کے ارد گرد گھومتا رہے تو پھر سمجھ لو کہ ولایت وتقویٰ بزرگی وللّٰہیت یہ صرف الفاظ ہیں حقیقت نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا واقعہ بارہا سنا اور پڑھا کہ تقریر فرمارہے تھے اور بڑی جامع ومدلل تقریر ہو رہی تھی ادھر سے حضرات علماء فرنگی محل بھی تشریف لے آئے وہ سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو منقولات علوم تو آتے ہیں لیکن ان کو معقولات میں مہارت نہیں ہے اور حضرت شیخ الہند کی جامع معقولات ومنقولات تقریر جاری تھی تو حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ خیال ہوا کہ آج ان کو پتا چلے گا کہ علماء دیوبند کے پاس کیا کچھ علوم معقولات کا بھی ذخیرہ ہے کیونکہ آج یہ حضرت استاذ کی نہایت جامع تقریر سنیں گے مگر اتنے میں حضرت استاذ نے اپنی تقریر اچانک فوراً بند کر دی تو لوگوں نے حضرت شیخ الہند سے عرض کیا کہ حضرت وہ لوگ آئے ہیں یہ تو تقریر جاری رکھنے کا موقع ہے کہ ان کو بھی پتا چلے کہ علماء دیوبند کے پاس کس قدر علوم ہیں، اس پر حضرت شیخ الہند کا جواب سنئے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے بھی اپنی تقریر اس لیے روک دی کہ اب تک تو تقریر اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن اب اگر میں نے جاری رکھی یہ تقریر اللہ کے لیے نہ ہوگی بلکہ ان کے لیے ہوگی۔

دوستو! اصل انسان کو اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور موت سے پہلے پہلے ہر مومن کو یہ مقام حاصل کرنا چاہیے یہی خط انتہاء ولایت وصدیقیت ہے کہ اس کے آگے نبوت کا درجہ شروع ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں صرف اللہ ہی اللہ ہو اور اسے ہر وقت ایسا عالم حضوری حاصل ہو جیسا کہ وہ اللہ کے سامنے ہے اور ہر معاملہ اللہ کے حوالہ ہو اور ہر قدم پر صرف اس پر نظر ہو دوسرا کوئی کہیں حاشیہ خیال میں بھی نہ رہے ہمارے اکابر رحمہم اللہ اپنے ظاہری علوم کے ساتھ سلوک وتقویٰ کی راہ میں اپنے اپنے وقت میں امام تھے کہ سارے عالم سے آزاد صرف اللہ کی بندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے شرف سے متصف تھے۔

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

محبت خداوندی رہِ عشق کی رہبر ہے

تیرے درد و غم کو اے اختر ہمیشہ
رہِ عشق میں نا خدا دیکھتا ہوں

اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ومعرفت جب کسی کو حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس پر ملنے والے انعامات میں سے ایک سب سے بڑا انعام جوان کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر قدم پر اس کی دستگیری ومدد فرماتے ہیں اور اسے ہر مشکل سے مشکل معاملہ میں صحیح فہم اور سمجھ عطا فرماتے ہیں تو یہ عشق ومحبت ہی اس راہ کی کشتی کا ناخدا بن جاتی ہے اوراس کی دلیل قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾

(سورة الانفال، اٰية: ۲۹)

ترجمہ: کہ اگر اے ایمان والو! تم تقویٰ اختیار کرو گے تو حق تعالیٰ تمہیں ایسی فہم وسمجھ عطا فرمائیں گے کہ حق وباطل اور صحیح وغلط اور جائز ناجائز میں فرق کرنے والی ہوگی اور یہ بڑی عظیم نعمت خداوندی ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾

(سورة النور، اٰية: ۵۴)

حق تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ پھر تم کو راہ حق اور صراط مستقیم کی ہدایت فرمادیں گے۔

تو انسان اللہ کی محبت کا درد وغم حاصل کرے اور اپنے حرام جذبات وآرزوں کا خون کر کے اس خون حسرت کو پینا سیکھے تو پھر اللہ تعالیٰ محبت کی راہ کو اس پر کھولتے جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے پھر اس کو کہیں کسی مقام پر دشواری نہیں ہوتی ہے بلکہ بآسانی یہ راستہ طے ہوتا ہے اور اسے منزل مقصود حاصل ہوجاتی ہے۔ اس لیے حضرت والا کا طرز اصلاح یہی ہے کے اولا اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد وغم دلوں میں ڈالو اور اس کا چسکہ لگادو اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ جملہ معاصی وگناہ اور ہر قسم کی نافرمانیوں سے اجتناب بالکل آسان ہی نہیں بلکہ لذیذ ہوجائے گا۔

اور اس کو حضرت ایک مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ جیسے کسی شخص کے پاس ایک بڑا جنگل ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے اندر غلہ گیہوں وچاول اور دوسرے مختلف قسم کے کھانے وغیرہ کی کاشت کرے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ اس کے اندر سے تمام قسم جھاڑ اور درختوں کو صاف کرے اور ایک ایک کو اس کے اندر سے نکالے اور اس کے نکالنے میں بڑی محنت ومشقت ہوتی ہے اور نوکروں اور خادموں کے ذریعہ زر کثیر صرف کرے اور پھر اس کی صفائی کے بعد اس کے اندر بیج ڈال کر کاشت کرے ظاہر ہے کہ اس صورت میں محنت بہت زیادہ ہے اور خرچہ بھی بہت ہے اور وہ تمام درخت جو نکالے گئے وہ بیکار وبے فائدہ زائد اور بے مطلب ہوں گے۔

جبکہ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس کھیت کے تمام جھاڑ اور درختوں کو آگ لگا کر ان کو جلا کر راکھ کر دے اور پھر ان میں پانی ڈال کر اور کھیت کو ہموار کر کے اس میں کاشت کرے تو دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ محنت ومصرف کم ہوگا اور دوسرے یہ کہ وہ جو درختوں کی راکھ ہوگی وہ اس زمین کے اندر کھاد کا کام دے گی تو اور مزید جلد کھیتی پکے گی اور بڑھے گی۔

بس اس طرح یہ معاملہ عشق خداوندی کا ہے کہ ایک ایک چیز کی محبت کو لے کر نکالو گے تو محنت ومشقت بہت اور وقت بہت خرچ ہوگا اور اگر اس کے اندر اللہ کی پیدا محبت ہو جائے تو یہ ساری چیزوں میں بس اثر انداز ہوگی۔ اور پھر یہ محبت سب کچھ چھڑوا دے گی اور راہ عشق میں یہی نا خدا کا کام دے گی۔

رشکِ جنت ہے تری خوشنودگی

رشکِ جنگ ہے تری خوشنودگی — ننگِ دوزخ ہے تری ناراضگی
جب ملی توفیقِ سر افگندگی — اُن سے حاصل ہوگئی وابستگی
ہے گناہوں میں جہنم کا اثر — کس قیامت کی ہے دل میں تیرگی
ان کی مرضی پر کریں قربان جاں — بندگی کی ہے یہ روحِ بندگی
جو رہے گا مستِ شانِ خواجگی — پانہیں سکتا وہ روحِ بندگی
اُف گناہوں سے تری آلودگی — اور نہیں تجھ کو شعورِ گندگی
فکرِ عقبٰی سے تری اَفسُردگی — صرف دنیا سے تری دل بستگی
رابطہ کر جلد اہل اللہ سے — تا کہ نہ ہو برباد تیری زندگی
صحبتِ نیکاں سے اخترؔ ایک دن — دور ہوجائے گی تیری خستگی

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **خوشنودگی:** خوش ہوجانا۔ **ننگِ دوزخ:** جس سے دوزخ بھی شرمائے۔ **سَرافگندگی:** سرڈالنا، اطاعت وفرمانبرداری۔ **وابستگی:** تعلق۔ **تیرگی:** اندھیرا۔ **شانِ خواجگی:** اپنی بڑائی کا گھمنڈ۔ **آلودگی:** آلودہ ہونا، گندا ہونا۔ **شعورِ گندگی:** احساسِ گندگی۔ **عقبٰی:** آخرت کی فکر۔ **اَفسُردگی:** افسردہ ہونا۔ **دل بستگی:** دل کا بندھا ہونا، دل کا لگنا۔ **تا:** تا کہ۔ **نیکاں:** نیک لوگ۔ **خستگی:** ذلت۔

رشک جنت ہے تری خوشنودگی
ننگ دوزخ ہے تری ناراضگی
جب ملی توفیق سرافگندگی
ان سے حاصل ہوگئی وابستگی

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگی ہے تو اُس سے پہلے ہمیں حدیثوں میں یہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو مانگا ہے اور ناراضگی سے پناہ چاہی ہے۔ چنانچہ ایک دعا میں یوں ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ﴾

یعنی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا کا سوال کیا ہے اور جہنم سے پناہ چاہنے سے پہلے اللہ کی ناراضگی اور غصے سے پناہ چاہی ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنت بے شک جنت ہے اور مؤمن کے رہنے کی نہایت آرام کی جگہ اور عمدہ مقام ہے، لیکن ایک مؤمن کے لیے اُس سے بھی زیادہ اونچی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا ہے کہ اگر مولیٰ کی رضا حاصل ہو جائے تو پھر سب کچھ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔

اس لیے حضرت والا نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ کی رضا میرے لیے رشکِ جنت ہے اور ایک مؤمن کے لیے حق تعالیٰ کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، جیسا کہ اس روایت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ پہلے ناراضگی سے پناہ مانگی جا رہی ہے، اس لیے اے اللہ! آپ کی ناراضگی میرے لیے ننگِ دوزخ ہے۔ کیونکہ اگر آپ ہی ناراض ہوں تو میرے لیے دنیا و آخرت کی ہر خوشی غم ہی غم ہے اور ہر راحت تکلیف ہی تکلیف ہے۔ اس لیے کہ اصل چیز آپ کو راضی کرنا اور آپ کی ناراضگی سے بچ جانا ہے۔

اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندے کو یہ توفیق دیتے ہیں کہ اُس کا سر اسی کے در پر جھکتا ہے اور اُس کے ہر حکم کے سامنے وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اُس کی گردن جھک جاتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ عبد اپنے معبود سے وابستہ ہو گیا ہو اور اُسے خاص کنکشن اور تعلق نصیب ہو گیا کیونکہ اسلام کی بنیاد ہی اسی کے اوپر ہے کہ اپنا سر اللہ کے حکم کے سامنے جھکا دو۔ جیسا کہ لغت میں اسلام کے معنی لکھے ہیں کہ گردن بطاعت نہادن یعنی اپنی گردن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رکھ دینا کہ جو بھی میرے مولیٰ کا حکم ہوگا میرا سر اسی کے سامنے جھکا ہوا ہے، چوں چرا کرنا، اسی طرح اگر مگر کرنا یہ مؤمن کی شانِ ایمانی کا تقاضا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور وابستگی میں کمی کی نشانی ہے، اس لیے پکا سچا مسلمان وہ ہے جسے یہ توفیق مل گئی ہو کہ وہ اپنے مولیٰ کے حکم کے سامنے اپنے سر کو جھکا ڈالے۔

ہے گناہوں میں جہنم کا اثر
کس قیامت کی ہے دل میں تیرگی

اور کسی بھی قسم کے گناہ کے قریب نہ جائے ورنہ جو شخص گناہوں کے قریب جاتا ہے تو حق تعالیٰ نے

گناہوں میں جہنم کا اثر رکھا ہے یعنی جس طرح جہنم اپنے اندر جلانے والی آگ رکھتی ہے اسی طرح گناہ بھی گنہگار کے دل کو جلا کر رکھ دیتے ہیں اور اُس کا اثر اُس کے حالاتِ زندگی پر پڑتا ہوا نمایاں نظر آتا ہے اور جس طرح جہنم میں ظلمات اور اندھیرے انتہائی شدید ہوں گے اسی طرح اس شخص کے دل میں نہایت درجہ تیرگی اور اندھیرا چھا جاتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح کالا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسا مرحلہ ہے کہ جب دل میں قبولِ حق کی صلاحیت نہیں رہتی۔

ان کی مرضی پہ کریں قربان جاں
بندگی کی ہے یہ روحِ بندگی

مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ کی مرضی پر اپنی جان قربان کرتا ہوا زندگی گزارے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی روحِ بندگی ہے۔ اس کے بغیر کمالِ بندگی حاصل نہیں ہوتا اور جو شخص اپنی چاہتوں پر چلنے کا عادی ہو اور وہ اپنی خوشیوں کو اپنے مولا کی خوشی پر فدا نہ کرتا ہو اور اُسے ہر وقت اپنی شان اور مقام کی فکر لاحق ہو، وہ خود اپنی سوچی ہوئی تدبیروں اور بنائے ہوئے منصوبوں میں مست اور مگن رہتا ہو تو پھر ایسے شخص کو روحِ بندگی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ راستہ ناز کا نہیں بلکہ نیاز کا ہے۔ اس لیے جو شانِ خواجگی میں مست رہے گا وہ روحِ بندگی نہیں پا سکتا۔ اپنے کو پورے طور پر اللہ کے لیے مٹا دینا اور اپنی ظاہری شان بان حق تعالیٰ کے اوپر فدا کر دینا، اس راہِ سلوک کی خاص ادا ہے جس سے بہت جلد وصولِ منزل حاصل ہو جاتا ہے۔

جو رہے گا مست شانِ خواجگی
پا نہیں سکتا وہ روحِ بندگی
اُف گناہوں سے تری آلودگی
اور نہیں تجھ کو شعورِ گندگی

ہائے افسوس! اُن لوگوں پر جو گناہوں کی آلودگی میں اپنے آپ کو آلودہ کیے ہوئے ہیں اور انہیں گناہوں میں پڑنے کے باوجود گندگی کا احساس تک نہیں ہو رہا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ یہ نافرمانیاں اور معصیتیں ظاہری گندگی سے بھی بڑھی ہوئی گندگی ہے کیونکہ ظاہری گندگی تو محض بدن کو ناپاک کرتی ہے اور مرنے کے ساتھ سب ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ گناہوں کی گندگی انسان کے باطن کو گندہ کرتی ہے اور مرنے کے ساتھ ساتھ ختم نہیں ہوتی بلکہ قبر و حشر اور حساب و کتاب کے موقع پر ساتھ ساتھ رہے گی اور اُس کے نتائج وہاں بھگتنے پڑیں گے۔ پھر یہ ایسی غلاظت و گندگی ہے جس کو آسانی سے دھل کر صاف نہیں کیا جا سکتا ہے جب تک کہ خود گنہگار ندامت کے آنسوؤں کا پانی ڈال کر اُس کو نہ دھل دے۔

فکرِ عقبیٰ سے تری افسردگی
صرف دنیا سے تری دل بستگی

افسوس! ان گناہوں میں مبتلا شخص پر کہ جو فکرِ عقبیٰ سے بالکل غافل ہو چکا ہے اور اُس کی رات و دن کی سوچ و فکر اور مکمل دھن اور دھیان صرف دنیا کے ساتھ لگ چکا ہے جبکہ ہم دنیا کے چندروزہ مہمان ہیں اور یہاں سے نکل کر جانا ہے، اس لیے اے گنہگار! یہ تیری فکرِ عقبیٰ سے افسردگی بہت ہی قابلِ افسوس ہے۔ کیسے تو دنیا سے دلبستگی پر راضی اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا جو کہ حقیقت میں ایمان والے کی صفات میں سے نہیں بلکہ اُن لوگوں کی صفات میں سے جن کو آخرت پر کوئی ایمان و یقین نہیں ہے ورنہ قرآن میں جہاں جہاں اہلِ ایمان کا تذکرہ ہے تو اُن کا یہ خاص وصف ذکر ہوا ہے کہ وہ آخرت میں اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہی خوف اُن کی ترقی اور کامیابی کا زینہ ہے جس کی برکت سے دنیا و آخرت کی تمام خیر و خوبیوں کی منزلیں اُن کے لیے آسان ہو جاتی ہیں۔

رابطہ کر جلد اہل اللہ سے
تا نہ ہو برباد تیری زندگی
صحبتِ نیکاں سے اخترؔ ایک دن
دور ہو جائے گی تیری خستگی

اگر تجھ سے خود گناہوں سے بچنا مشکل ہو رہا ہے اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے میں تجھے سستی لاحق ہو رہی ہے تو جلد سے جلد اہل اللہ سے رابطہ کر لے تاکہ باقی زندگی تیری برباد ہونے سے بچ جائے اور وہ تجھے صحیح راہ دکھا کر منزل تک پہنچا دیں۔ کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ ایک نہ ایک دن نیکوں کی صحبت سے گنہگار کی خستگی دور ہو کر رہتی ہے اور اُسے کمالِ بندگی حاصل ہو جاتی ہے جو دنیا و آخرت میں چین و سکون کی اصل بنیاد اور جڑ ہے۔ اس لیے ایسے آدمی کو صحبتِ نیکاں اختیار کرنی چاہیے اور اُس میں جتنی جلدی ہو اُتنی جلد کسی صاحبِ نسبت شیخ سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے۔

مرشد سے درخواست دعا

ساقیا جامِ الفت پلا دے
میری اصلاح کی بھی دعا دے
میرے مولا سے مجھ کو ملا دے
اور گناہوں کو مجھ سے چھڑا دے
مجھ کو نفرت ہو ہر معصیت سے
روح کو میری ایسی دوا دے
ہو تقاضا اگر معصیت کا
ہوں نہ مغلوب، ہمت خدا دے
اپنی آہ سحر میں یہ کہنا
اے خدا اپنی کامل رضا دے
چین کی نیند مجھ کو سلادے
خوابِ غفلت سے مجھ کو جگادے
جذب سے مجھ کو اے میرے مالک
اہلِ تقویٰ کرم سے بنادے
اپنے اخترؔ کو رُسوا نہ کرنا
اس کے عیبوں کو یارب چھپادے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **ساقیا**: اے ساقی (اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پلانے والے) شیخ مراد ہے۔ **اصلاح**: درستگی۔ **تقاضا**: خواہش۔ **مغلوب**: عاجز، ہارا ہوا۔

شیخ کی دعائیں اور توجہات راہِ سلوک میں اکسیر ہیں

ان اشعار میں حضرت والا دامت برکاتہم اپنے شیخ ومرشد سے دعا کی درخواست کررہے ہیں۔ ساقیا سے مراد حضرت والا کے شیخ ہیں، اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی باتیں بتاتے ہیں اور اپنی تعلیمات وہدایات سے اُن باتوں پر عمل کراتے ہیں۔ یعنی شیخ کی رہنمائی میں راہرو مرید کے لیے اُن محبت کی باتوں پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اوراسی طرح شیخ کی توجہات اور دعاؤں کی برکت سے اُس کی اصلاح کی منزل جلد بآسانی طے ہوجاتی ہے۔ اور ہوتے ہوتے طاعت سے رغبت اور گناہوں سے نفرت شرعی اور عقلی ہونے کے ساتھ ساتھ طبعی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت حاجی صاحب کی صحبت اُٹھانے کے بعد یہی بات ارشاد فرمائی تھی۔ اس لیے جب کوئی شخص شیخ کی دعائیں لینے لگے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کی کامیابی کی منزل قریب ہے۔

اور اس میں ایک خاص بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ دعاؤں کی درخواست کرکے شیخ کی دعائیں لینا اور دوسری صورت یہ ہے کہ تعلیماتِ شیخ پر عمل کرکے اپنے شیخ کے دل کو اتنا خوش کردینا خود اُس کے دل سے دعائیں نکلنے لگیں۔ ان دونوں میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ تائب صاحب نے ایک شعر میں کہا ہے ؎

مرشد سے دعاؤں کے لیے کہنا تو ہے لیکن
خود دل سے جو نکلے وہ دعا اور ہی کچھ ہے

حقیقت یہ ہے کہ شیخ کی یہ دعائیں اس راہِ سلوک کے اندر اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے اور جس سالک کو یہ

نعمت حاصل ہو جائے بس سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کی منزلِ مقصود بالکل قریب ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ کے ساتھ تعلق اور اُن کی محبت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مانگی ہے اور اس کی درخواست کی ہے۔ کیونکہ ان کی محبت عطا ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی محبت جلد عطا ہو جاتی ہے۔

ایک موقع پر شاہ محمد احمد پرتا بگڈھی رحمہ اللہ نے علماء ندوہ کو خطاب کر کے یہ بات پوچھی کہ بتاؤ نظرِ بد کا لگ جانا برحق ہے یا نہیں؟ یعنی کسی کی نظر سے کسی شخص کو کوئی نقصان پہنچ جائے، بخاری و مسلم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ برحق ہے اور ثابت ہے۔ پھر جوش میں آ کر بڑے درد بھرے انداز سے یہ بات فرمائی کہ اے علماء! جب یہ بُری نظر لگنا حق ہے تو پھر اچھی نظر لگنا کیوں حق نہیں ہے؟ یعنی اللہ والوں کی نظر انسان پر پڑنے کی وجہ سے اس میں تبدیلی کیوں نہ آئے گی؟ جیسا کہ جلد اوّل میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے۔

غلط نظریہ کی اصلاح

البتہ اس مقام پر یہ بات رہنی چاہیے کہ شیخ کی ہر دعا کا قبول ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے لیے شیخ نے دعا کر دی تو بس اب مجھے ضرور مقصد حاصل ہوگا۔ ایسا عقیدہ رکھنا صحیح نہیں۔ اس بات کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے التکشف میں نقل فرمایا ہے:

﴿عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنَ الْعَالِيَةِ حَتّٰى إِذَا مَرَّ بِمَسْجِدِ بَنِيْ مُعَاوِيَةَ قَالَ دَخَلَ فَرَكَعَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَدَعَا رَبَّهُ طَوِيْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيْنَا فَقَالَ سَأَلْتُ رَبِّيْ ثَلَاثًا فَأَعْطَانِيْ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً سَأَلْتُ رَبِّيْ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِيْ بِالسَّنَةِ فَأَعْطَانِيْهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِيْ بِالْغَرَقِ فَأَعْطَانِيْهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَرَدَّ عَلَيَّ﴾

(مصنف ابن ابی شیبۃ)

عامر بن سعد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی معاویہ میں تشریف لائے اور اُس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے پروردگار سے بہت دیر تک دعا کی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں۔ سو دو تو منظور کیں اور ایک نامنظور کی، میں نے یہ دعا کی کہ میری اُمت کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے، سو اس کو منظور فرمایا (چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام اُمت قحط سے مر جاتی) اور میں نے یہ دعا کہ میری اُمت کو غرق سے ہلاک نہ کرے۔ اس کو بھی فرمایا (چنانچہ غرق سے بھی کبھی تمام اُمت ہلاک نہیں ہوئی) اور میں نے یہ دعا کی کہ اُن میں باہم جنگ و جدل نہ ہو اس کو نامنظور فرمایا (چنانچہ جنگ و جدل و نااتفاقی ہونا ظاہر ہے) روایت کیا اس کو مسلم نے۔ (التکشف، ص:۳۶۸)

اکثر لوگ اجابت دعا کو لوازم ولایت سے سمجھتے ہیں اور اس اعتقاد پر کثرت سے مفاسد علمیہ و عملیہ مرتب

ہوتے ہیں اس اعتقاد کا غلط ہونا حدیث سے ظاہر ہے۔

اور ایک روایت میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تین دعاؤں میں ایک دعا یہ شامل ہے:

﴿وَأَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب هلاک هذه الأمة بعضهم ببعض)

اے اللہ! میری اُمت پر ایسا کوئی دُشمن کفار میں سے مسلط نہ کیجئے جو اُن کی شان وشوکت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ اگر سارے اطرافِ عالم کے کافر بھی اکٹھے ہو کر آپ کی اُمت کو جڑ سے اُکھاڑنے کی کوشش کریں گے تب بھی وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔

اور اسی طرح کسی کو ہدایت دے دینا یا اُس کی اصلاح کر دینا یا اپنے اختیار سے محبتِ خداوندی اُس کے اندر پیدا کر دینا یا کوئی ایسا حال اس میں منتقل کر دینا یہ شیخ کے اختیار میں نہیں کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے قبضۂ قدرت میں رکھی ہے، نبی کو بھی یہ اختیار نہیں۔ اس لیے اس سلسلے میں بھی بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں اور شیخ سے ایسی باتوں کی درخواست کرتے ہیں کہ جس سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارے اندر اپنی باطنی چیزیں منتقل کر دیں گے۔

صاحبو! غور کرنے کی بات ہے کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے ایمان کی ساری کوششیں کیں اس کے باوجود پھر بھی وہ ایمان نہ لا سکے۔ آخر ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ اس لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس مضمون کو اس آیت سے استدلال کر کے ثابت کیا ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور صرف اللہ جسے چاہتا ہدایت دیتا ہے۔ انبیاء کا کام صرف راہ دکھلانا اور تعلیماتِ الٰہیہ سے قوم کو آگاہ کرنا اور روشناس کرانا ہے۔ پس یہی کام علماء اور اولیاء کا بھی ہے۔ اس سے آگے مزید اُن کے اختیار میں کچھ سمجھ کر اُن سے درخواست کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ مجھے عطا کر سکتے ہیں انتہائی درجے کی جہالت اور ضلالت وگمراہی پر مبنی ہے۔ اور اہل السنہ والجماعۃ کے عقیدے کے خلاف ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت دے دے۔ بس وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کسی ایسے دوست کو نہیں پائیں گے کہ وہ اُس کو ہدایت دے دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو تمنا کے باوجود ہدایت نہ دے سکے۔ اس لیے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ دعا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے کسی چیز کو مانگ سکتا

ہے لیکن خود اُس کے اختیار میں ہمارے حالات کا بدل دینا نہیں ہے۔

اکابر کی عبارتوں سے شبہ اور اس کا جواب

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بعض اکابر کی عبارتوں میں ہم کو اس طرح کی بات ملتی ہے جس میں انہوں نے اپنے مشائخ سے ایسی درخواستیں کی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت اُن کی مراد ڈائریکٹ وہ چیزیں شیخ سے مانگنا نہیں بلکہ اُن چیزوں کے لیے شیخ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کے اور اپنی خصوصی توجہ اور تعلیم اور طریقۂ تربیت سے ہمیں عطا فرمادیں ورنہ دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے۔ جیسے اس شعر میں بھی حضرت والا کی منشا یہ ہے کہ جامِ اُلفت پلانے کی سعی و کوشش اور اصلاح و تزکیۂ نفس کی دعا آپ فرمادیں مگر پلانے والا اور اصلاح کرنے والا اللہ ہی ہے۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ اس طرح جملے اگر کہیں ہمارے اکابر کی کتابوں میں منقول ہیں تو وہ صرف سبب کے درجے میں ہیں حقیقتاً شیخ سے ان چیزوں کا طلب کرنا مقصود نہیں۔ جیسے ایک عالم نے حضرت خواجہ صاحب سے ایک موقع پر یہ درخواست کی کہ آپ نے جو شرابِ محبت تھانہ بھون سے پی ہے وہ ہمیں بھی پلادیں اور جو خزانہ وہاں سے لوٹا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عنایت فرمادیں۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا ؂

مے یہ ملی نہیں ہے یوں
قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں
مے میری مفت کی نہیں

خواجہ صاحب کی ایک عاشقانہ ادا

یعنی حضرت خواجہ صاحب نے بات فرمائی کہ اللہ کے راستے میں مجاہدات اور مشقتیں اُٹھانے سے حق تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے اور پھر اللہ اپنے فضل سے یہ شرابِ محبت عطا فرماتے ہیں، یہ آسانی سے نہیں ملتی۔ جیسا کہ خود حضرت خواجہ صاحب نے اس راہ میں اس طرح کی مشقتیں اُٹھائیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خواجہ صاحب کو خانقاہ سے باہر نکال دیا اور خواجہ صاحب وہیں باہر فٹ پاتھ کے اوپر اپنا بستر ڈال کر لیٹ گئے۔ جب لوگوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ جب آپ کو نکال دیا ہے تو آپ یہاں کیوں پڑے ہیں؟ تو یہ جواب ارشاد فرمایا مجھے میرے شیخ نے نکالا ہے لیکن میں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں۔ اور یہ شعر حضرت تھانوی کو لکھ کر بھیج دیا ؂

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں اُن کی کہیں میری

ایسا نہیں کیا کہ حضرت کی اس کارروائی کے بعد چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ جیسا کہ آج کل لوگ شیخ کی تنبیہات کو برداشت نہیں کر پاتے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شیخ کے ناز ونخروں کو برداشت کرنے کی وجہ سے ایسے عجیب وغریب مقامات عطا فرماتے ہیں کہ جن کا آدمی کو تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

ہاں! اگر کبھی کرامت کے طور پر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کرامات الاولیاء حق کہ اولیاءاللہ کی کرامتیں برحق ہیں تو کبھی اس طرح کی کوئی بات پیش آسکتی ہے۔اس سے ان جزی واقعات کا جواب ہوگیا کہ جو بعض حضرات کے ذہن میں گزر سکتے تھے۔

گناہوں سے حفاظت ہمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے

میرے مولیٰ سے مجھ کو ملا دے
اور گناہوں کو مجھ سے چھڑا دے

اس کے بعد حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے شیخ! مجھے میرے مولیٰ سے ملا دیجیے اور اپنی تعلیمات اور دعاؤں کی برکت سے مجھے ایسا بنا دیجئے کہ میرے لیے گناہوں کا چھوڑنا آسان ہوجائے۔اور مجھے ہر نافرمانی سے نفرت پیدا ہو، میری روح کو کوئی دوا دے کر اُس کا علاج فرما دیجئے۔یہی وہ مقام ہے کہ جب مجاہدات کر کر کے اللہ والا اس مقام پر پہنچتا ہے تو اُسے حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظت عطا کی جاتی ہے یعنی اگرچہ وہ معصوم نہیں ہوتا لیکن اسے محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ اُس کے اعضائے بدن سے ایسے ہی کام صادر ہوتے ہیں جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا والے ہوں اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی گناہ اور نافرمانی کا کام صادر ہوجائے تو فوراً توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اس مضمون کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے التکشف میں نقل فرمایا اور احقر بھی ماقبل میں عرض کر چکا ہے۔

مجھ کو نفرت ہو ہر معصیت سے
روح کو میری ایسی دوا دے
ہو تقاضا اگر معصیت کا
ہوں نہ مغلوب ہمت خدا دے

اور اگر کبھی معصیت کا تقاضا ہوجائے کیونکہ جب تک بشر، بشر ہے تو اُس کے اندر یہ تقاضے ختم نہیں ہوسکتے، اس لیے اے میرے شیخ! آپ ایسی دعا فرما دیں کہ مجھے ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ اس تقاضے پر عمل کرنے سے بچا لے اور خاص ہمت عطا فرما دے کہ میں وہ ہمت استعمال کر کے اُس گناہ سے محفوظ ہوجاؤں کیونکہ اگر وہ تقاضا مجھ پر غالب آگیا اور میں مغلوب ہوگیا تو گناہ کر بیٹھوں گا۔اگرچہ اس کا اصل علاج ہمت کر کے گناہ سے بچنا ہے

لیکن بزرگانِ دین سے یہ درخواست کرنی چاہیے اور خود اللہ تعالیٰ سے انسان کو یہ مانگنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہمیں ہمت استعمال کرنے کی توفیق دے دیں۔ اور ہمیں قوی الہمہ اور مضبوط عزم وارادہ والا بنادے۔ یہ چیز اولیاء اللہ کی صحبت میں رہتے رہتے اور اُن کی تعلیمات پر عمل کرتے کرتے ایک نہ ایک دن حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ کبھی خیال نہیں لانا چاہیے کہ میرے اندر سے گناہ کا تقاضا ختم ہو کیونکہ احادیثِ شریفہ میں اور قرآن کی آیتوں میں کہیں بھی بندے کی فضیلت میں یہ بات ذکر نہیں کی گئی کہ اُس سے گناہ کا تقاضا ختم ہو گیا ہو بلکہ یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اب اپنے نفس کو خواہش پر عمل سے روکے اور اپنے غصے کو دبائے، ایسا نہیں ہے کہ خواہش پیدا ہی نہ ہو اور غصہ آئے ہی نہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں بھی ذکر کیا گیا۔ اس لیے جب ایسی صورت پیدا ہو تو اپنے جذبات اور تقاضوں پر کنٹرول کرے اور ہمت کو استعمال کر کے اُن پر غالب آجائے۔

اپنی آہ سحر میں یہ کہنا
اے خدا اپنی کامل رضا دے

حضرت والا اپنے شیخ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ عام دعاؤں کے ساتھ ساتھ مجھے خاص طور پر اپنی آہِ سحر میں یاد رکھنا اور میرے لیے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی کامل رضا عطا فرمادے کیونکہ مولا کی رضا پاجانے کے بعد باقی تمام دنیا و آخرت کے مسائل خود بخود سہل اور آسان ہو جاتے ہیں اس لیے کہ مولا جس سے راضی ہو تو پھر اُس کے لیے کوئی مصیبت مصیبت نہیں رہتی اور اُس کا غم کوئی غم نہیں رہتا۔

اور اس میں ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ مرید کو اپنے شیخ سے بے نیازی نہیں برتنی چاہیے بلکہ ہر موقع پر، ہر کام کے لیے خاص طور پر درخواستِ دعا کرنی چاہیے۔ اور شیخ بھی حقیقت میں وہی شیخ ہوتا ہے جو اپنے مرید کے لیے مستقل دعائیں کرتا رہے۔

جیسا کہ مجھے اس پر اپنے شیخِ اول حضرت مسیح الامت جلال آبادی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ یاد آیا جس میں حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ شیخ بن گئے مگر شیخ بننا آتا نہیں ہے، ابا بن گئے مگر بننا آتا نہیں ہے، استاد بن گئے مگر بننا نہیں آتا، اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ ارشاد فرمایا: شفقت نہیں ہے۔ یعنی ان سارے القاب کو پانا بظاہر تو بہت آسان ہے لیکن وہ استاذ کیسا استاذ ہے کہ اپنے طلبہ کے لیے دعائیں نہ کرتا ہو اور اپنے دل میں شفقت کے جذبات نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح باپ اور شیخ میں کوٹ کوٹ کے جب تک شفقت نہ بھری ہوئی ہو تو کہلانے میں یہ سب القاب کسی کے لیے بھی کہے جاسکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت جب تک نہیں حاصل ہوسکتی جب تک کہ ہر ہمدردی وشفقت اپنے ماتحتوں کے ساتھ نہ ہو۔

اور یہ بات ہم نے خود حضرت والا کے متعلق سنی ہے کہ اپنے مریدین کے لیے نام لے لے کر رو رو کر

دعائیں کرتے ہیں۔ اور یہ حضرت کی غایت درجہ شفقت اور محبت ہے کہ اپنے مریدین و متعلقین کو بجائے مرید یا شاگرد کہنے کے دوستوں کے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت میر صاحب نے بتایا کہ بارہا حضرت والا کو اپنے متعلقین کے نام لے لے کر دعائیں کرتے ہوئے ہم نے سنا۔

چین کی نیند مجھ کو سلا دے
خواب غفلت سے مجھ کو جگا دے
جذب سے مجھ کو اے میرے مالک
اہل تقویٰ کرم سے بنا دے

ان اشعار میں حضرت فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایسی دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خوابِ غفلت سے جگا دے اور مجھے چین کی نیند سلا دے یعنی میں حق تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جاؤں اور غفلت سے نکل جاؤں کیونکہ غفلت میں پڑ جانا یہ ہر بُرائی اور خرابی کی جڑ ہے۔ اور اے میرے اللہ! سب کچھ تو آپ کے جذب ہی سے ہوتا ہے، اس لیے میں آپ سے بھیک مانگتا ہوں کہ جس طرح آپ نے ایک شیخِ کامل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ وابستہ کر دینا یہ آپ ہی کے فضل و کرم سے ہوگا، اس لیے مجھ جیسے کم ہمت کو اپنی طرف جذب فرما کر اہلِ تقویٰ میں سے بنا دے اور اپنا خاص کرم مجھ پر نازل فرما دے۔ آپ ہی میرے مالک اور آپ ہی میرے جسم و روح کے رب ہیں، جسے آپ اپنی طرف جذب فرمالیں گے پھر اُسے دنیا کے فتنے اور آزمائشیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اور نہ بڑے سے بڑا دُشمن نفس و شیطان اُس کا بگاڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْن" کہ شیطان کا اثر آپ کے نیک اور متقی بندوں پر نہیں چلے گا۔

اپنے اختر کو رسوا نہ کرنا
اس کے عیبوں کو یارب چھپا دے

اور اے اللہ! اپنے اختر کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچا لیجئے، کیونکہ یہ عیبوں سے بھرا ہوا ہے، اگر آپ نے پردہ نہ ڈالا تو دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے آپ ہی سے میں بھیک مانگتا ہوں کہ اپنی ستاری کا معاملہ فرما کر میرے عیبوں کو چھپا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ والوں پر جب حق تعالیٰ کی عظمت کھل جاتی ہے اور اُس کی کبریائی اور شانِ عظمت و تقدس اُن کے دلوں پر چھا جاتی ہے تو پھر وہ سب کچھ ہوتے ہوئے اور تقوے کے اعلیٰ مقامات طے کرنے کے باوجود شب و روز حق تعالیٰ کی بندگی میں گزار لینے کے باوجود ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے پاس اپنا قصور اور عجز پیش کرنے کے سوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور کوئی دوسرا عمل نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ماقبل میں عرض کیا گیا کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے پاس کوئی اچھا

عمل نہیں ہے، مجھ پر رحم فرما دینا۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ سید الطائفہ ہونے اور بڑے بڑے اکابر علماء کے شیخ ہونے کے باوجود پوری پوری رات کبھی اس شعر کو پڑھ کر رویا کرتے تھے ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

یہی ان حضرات کے بڑے ہونے کی نشانی ہے کیونکہ کنوئیں کا مینڈک یہ سوچتا ہے کہ بس پانی اتنا ہی جو اس کنویں میں ہے، اگر اسے کوئی سمندر دکھادے پھر اسے اندازہ ہوگا کہ کنوئیں کا پانی کچھ بھی نہ تھا۔ تو جو لوگ تھوڑی بہت نیکیاں کر کے اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں وہ درحقیقت کنوئیں کے مینڈک کی طرح کے ہوتے ہیں۔

اے خدا! مجھ کو آنسو کا دریا بھی دے

لطفِ گلشن بھی دے لطفِ صحرا بھی دے
اس چمن میں کوئی غم کا مارا بھی دے

ایسی کشتی کو موجوں کا کچھ ڈر نہیں
مالکِ بحر و بر جب سہارا بھی دے

موج غم میں ہے کشتی پھنسی اے خدا
فضل سے اس کو کوئی کنارا بھی دے

مجھ کو خلوت میں بھی یاد تیری رہے
اے خدا عاشقوں کا نظارا بھی دے

یوں بیانِ محبت زباں پر تو ہے
اے خدا مجھ کو آنسو کا دریا بھی دے

اپنے اخترؔ کو دے نعمتِ علم بھی
اور زباں پر محبت کا نعرہ بھی دے

بحر و بر: سمندر اور خشکی۔ **خلوت**: تنہائی۔

لطفِ گلشن بھی دے لطفِ صحرا بھی دے
اس چمن میں کوئی غم کا مارا بھی دے

حضرت والا دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا غم کا مارا ہوا یعنی اپنا خاص بندہ عطا فرما دیجئے کہ جس کے ساتھ رہ کر مجھے لطفِ گلشن بھی ملتا رہے اور لطفِ صحرا بھی نصیب ہو۔ جب بہت سے ایسے احباب اکٹھے

ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہوں تو ان کی معیت میں صحرا بھی گلشن بن جاتا ہے اور پھر خلوت وجلوت انسان کی دونوں پُرلطف کر دی جاتی ہیں۔ خلوت ویکسوئی میں بھی وہ اللہ کو یاد کر رہا ہوتا ہے اور ایسے خدا کے عاشقوں کے ساتھ مل بیٹھ کر بھی وہ اللہ ہی کو یاد کرتا ہے۔ اس لیے جب چمن میں کچھ اللہ والے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو پھر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ لطف گلشن بھی ملتا ہے اور لطف صحرا تو اللہ والوں کا مقدر ہوا ہی کرتا ہے۔

ایسی کشتی کو موجوں کا کچھ ڈر نہیں
مالک بحر و بر جب سہارا بھی دے
موج غم میں ہے کشتی پھنسی اے خدا
فضل سے اس کو کوئی کنارا بھی دے

جس کشتی کا ناخدا خود خدا تعالیٰ ہو تو اُسے موجوں کا کچھ ڈر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے والے جو بندے اپنا سارا سہارا حقیقی خالق و مالک اللہ کو بنائے ہوئے ہوں تو اُن کو مخالف سمت ہواؤں یعنی گناہوں اور فتنوں کے سیلاب اور طوفانوں کا کوئی ڈر ہوا نہیں ہوا کرتا، وہ کشتی بہت آسانی اور عافیت کے ساتھ ساحل پر جالگتی ہے۔ اس لیے کہ اُس کشتی کا ناخدا اللہ تعالیٰ ہے جس کی قوت وطاقت کے سامنے ان موجوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہاں اس سے انکار نہیں ہے کہ موجیں نہیں آئیں گی بلکہ وہ تو آیا کرتی ہیں اور حرام تقاضے اور گناہوں کے مواقع یہ سالک کے سامنے آہی جایا کرتے ہیں۔ بالخصوص اس فتنے کے دور میں لیکن جب حق تعالیٰ اس کو اپنی طرف لے کر چل رہے ہوں تو پھر اُسے کسی فتنے کا کوئی ڈر نہیں۔ اے میرے اللہ! میری کشتیِ محبت بہت سے غموں کی موج میں پھنسی ہوئی ہے، میں آپ ہی سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں کہ آپ اس کشتی کو ساحل پر پہنچا دیجئے۔ یعنی مجھے تمام گناہوں اور فتنوں سے بچا کر باعافیت اپنی رضا تک پہنچا دیجئے۔ یہی میرا ساحل ہے اور یہی میری منزلِ مقصود ہے۔

مجھ کو خلوت میں بھی یاد تیری رہے
اے خدا عاشقوں کا نظارا بھی دے

اے اللہ! میں آپ سے بھیگ مانگتا ہوں کہ میں خلوتوں میں بھی آپ کو یاد کرتا رہوں اور جلوتوں میں بھی آپ کی یاد ہوتی رہے کہ مجھے ایسے لوگ مل جائیں جو آپ کے عاشق ہوں اور دنیا سے بے تعلق اور یکسو ہو کر آپ کی یاد کے لیے اپنے کو فارغ کیے ہوئے ہوں تا کہ میں اُن کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے تذکرے اور محبت وعظمت کی باتیں کرتا رہوں اور اس طرح میری خلوت وجلوت دونوں میں آپ کی یاد ہوتی رہے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حضرت والا کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں کرتے رہتے ہیں، آہ وزاری کرنا یا ذکر اللہ کرنا یا وہاں بھی احباب سے دین وایمان کی باتیں

کرتے رہنا۔ اور جلوت میں تو رات و دن سب ہی دیکھتے رہتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دین کی باتوں کے اور اُس کے عشق و محبت کے بیان کے اور کوئی بات حضرت والا کی زبان پر نہیں ہوتی۔

زبان پر نعرۂ محبت اور آنکھوں سے اشکباری کی دعا

یوں بیانِ محبت زباں پر تو ہے
اے خدا مجھ کو آنسو کا دریا بھی دے
اپنے اختر کو دے نعمتِ علم بھی
اور زباں پر محبت کا نعرہ بھی دے

ان اشعار میں حضرت ایک اہم دعا اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے مجھے میری زبان پر اپنی محبت کی بیان کی دولت تو عطا فرمائی اور آپ ہی کے فضل و کرم سے آپ نے اپنے اختر کو ایسی زبانِ محبت عطا فرمائی کہ جب یہ آپ کے دردِ محبت کو بیان کرنے بیٹھتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ دردِ دل کے بیان کے وقت زبانِ ترجمانِ دردِ دل کے ساتھ اختر کا دل بھی شامل ہورہا ہے۔ آپ ہی کا فضل ہے کہ اختر کی زبان پر ہر وقت آپ کی محبت کا نعرہ لگا رہتا ہے۔ مگر اے اللہ! میں آپ سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ میری آنکھوں کو آنسوؤں کا دریا بھی عطا کردے اور مجھے اپنے خاص علم کی نعمت سے آراستہ کردیجئے۔ تو جب زبان محبت کا بیان کرے گی اور کتاب و سنت کے صحیح علوم میرے قلب پر القاء ہوں گے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہوگا تو یہ تینوں چیزیں مل کر اپنی تاثیرِ بے مثالی میں بالکل نمایاں اور ممتاز ہوں گی۔

چنانچہ ہم نے یہ بات واضح طور پر دیکھی ہے اور وہ تمام لوگ اس کی گواہی دے سکتے ہیں جو حضرت والا کی مجالس میں آتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ان تینوں ہی باتوں کا وافر حصہ عطا فرمایا کہ ایک طرف حضرت کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اس قدر بیان ہوا ہے کہ شاید ہی اس موضوع خاص پر ماضی قریب میں کسی نے اس طرح مختلف اندازوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس دردوغم کو بیان کیا ہو۔ اور یہی معاملہ حضرت والا کے مستند علومِ قرآن وسنت کا بھی ہے۔ اور پھر آنسوؤں کا دریا جاری رہنا یہ تو رات دن ہر شخص مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اور جس نے حضرت کی جوانی کا عالَم دیکھا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ حضرت کی آہ وفغاں اور گریہ وزاری کس قدر رہوا کرتی تھی۔ اور یہ درحقیقت حضرت کے شیخ کا فیض تھا کہ اُن کے ساتھ رہ کر اُنہی کا رنگ حضرت کی طبیعت پر چڑھ گیا اور وہ خود رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے تحاشا رویا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ راقم السطور اور قارئین کو اور ہم سب کے اہل عیال اور متعلقین کو یہ نعمتیں کامل اور مکمل طور پر عطا فرمادے۔

تب وہ سمجھے مری بے کلی کو

جب لگائی ہے دل کی لگی کو — تب وہ سمجھے مری بے کلی کو
سمجھو عکس کفِ پائے احمد ﷺ — ارضِ طیبہ کی ہر گلی کو
چار سُو ان کی نسبت کی خوشبو — کیا ہوا ہے یہ دل کی کلی کو
نیند غائب ہے اور چشم تر ہے — عشق سمجھے تھے وہ دل لگی کو
قیس نے جس سے پائی تھی لیلیٰ — چومتا تھا کبھی اُس گلی کو
کیوں نہ چومے بصد شوق مؤمن — اُن کی نگری کی ہر ہر گلی کو
اپنی یادوں کے صدقے میں اخترؔ — دل لگی کر دیا بے کلی کو

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ دل کی لگی: دل کی چوٹ،عشق۔**بے کلی:** بے چینی۔**سمجھو عکسِ کفِ پائے احمد** ﷺ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے تلوے کا نشان۔**ارضِ طیبہ:** طیبہ(مدینہ منورہ)۔**چار سُو:** چاروں طرف۔**دل لگی:** ہنسی مذاق۔**قیس:** مجنوں کا نام۔**بصد شوق:** بہت زیادہ اشتیاق کے ساتھ۔**نگری:** بستی۔

جب لگائی ہے دل کی لگی کو
تب وہ سمجھے مری بے کلی کو

جب اللہ تعالیٰ کی محبت کسی کے دل کو عطا ہوجاتی ہے اور وہ بظاہر بے کلی اور پریشانی کے حال سے گزرتا ہے لیکن حقیقت میں وہی بے کلی اس کے لیے چین وسکون اور راحت کا سامان ہوتی ہے۔اور اسی میں اس کو دل لگی ہوا کرتی ہے یعنی اُس کو اس میں وہ لطف اور مزہ آتا ہے کہ وہ بے کلی بے کلی نہیں رہتی بلکہ اُس کو راحت وآرام اور چین وسکون کی ایسی لذت دینے والی بن جاتی ہے کہ اُس کے لیے انتہائی درجے روح افزا اور دل افزا ثابت ہوتی ہے۔اور اس کے دل کی بہاروں اور رونقوں میں اضافہ کردیتی ہے۔

سمجھو عکس کفِ پائے احمد
ارضِ طیبہ کی ہر گلی کو

حضرت فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی زمین کی ہر گلی کو کفِ پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس سمجھو اور قدم قدم پر یہی خیال کرو کہ میں زمین کے کس حصے پر چل رہا ہوں یہاں جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کے نشانات موجود ہیں اور میں اُن پر چل رہا ہوں۔یہی تو تصور تھا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو کئی میل کی مسافت سے اپنے پیروں سے جوتے نکال دیئے اور یہ فرمایا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہوں،قاسم کو شرم آتی ہے کہ اُس جگہ میں وہ جوتوں کے ساتھ چلے۔اور یہی

وجہ ہے کہ بعض اکابر غالباً امام ابوحنیفہ کے واقعات میں ہے کہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو استنجا سے فارغ نہیں ہوئے جس کی بنیاد یہی تھی کہ نامعلوم اس جگہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑے ہوں جہاں میرے بدن کی گندگی ڈل جائے۔ یہ سب وہ آدابِ محبت ہیں جو محبت خود سکھاتی ہے۔ اس کو کسی سے سیکھنا نہیں پڑتا۔ اس لیے اللہ کے نبی کے عاشقین سے اس طرح کی مختلف ادائیں مدینہ منورہ سے متعلق تاریخی واقعات میں ثابت اور موجود ہیں۔

چار سو ان کی نسبت کی خوشبو
کیا ہوا ہے یہ دل کی کلی کو

حضرت فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنی نسبت خاصہ عطا فرماتے ہیں تو پھر اُسے بیان کرنے اور تقریر کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ دل کی کلی خود مہک اُٹھتی ہے اور اُس سے چاروں طرف خوشبو پھیل جاتی ہے اور اُس شخص کا حال خود اس کا ترجمان ہو جاتا ہے کہ اسے نسبت مع اللہ حاصل ہو چکی ہے۔ اُس کے انوار و تجلیات سے نہ صرف وہ خود بلکہ دوسرے بھی روشن اور منور ہونے لگتے ہیں۔ اور پھر اُس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ نیند غائب اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور اپنے مولا کو یاد کر کر کے کبھی مصلیٰ پر سجدہ ریز ہو کر آنسو کا دریا بہا رہا ہے اور کبھی بستر پر بیٹھے ہوئے اچانک نیند سے بیدار ہو کر اپنے مولا کو یاد کر کر کے آنکھوں کو تر کیے ہوئے ہے۔ یہی عشق ہے اور یہی اُس کی ادائیں ہیں۔ یہ محض کوئی کھیل تماشا اور دل لگی نہیں ہے بلکہ جب یہ دل میں سماتا ہے تو پھر انسان کے حالات بدل کر رکھ دیتا ہے۔

قیس نے جس سے پائی تھی لیلیٰ
چومتا تھا کبھی اس گلی کو
کیوں نہ چومے بصد شوق مومن
ان کی نگری کی ہر ہر گلی کو

اس دنیا کے ناپاک اور گندے عشق میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اُس کا حال یہاں تک پہنچتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے شہر کی در و دیوار اور اُس کے کتے تک کو چومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ قیس نے جہاں لیلیٰ کو پایا تھا تو وہ کبھی کبھی اس کی گلی کوچے کو چوما کرتا تھا۔ جیسا کہ احقر نے اس کو ''عرفانِ محبت'' جلد اوّل میں مدینہ منورہ کی محبت کے ضمن میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس لیے جو لوگ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہوتے ہیں وہ بھی بڑے شوق و ذوق کے ساتھ مدینہ منورہ کی ہر گلی کوچے کو جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت سے چومتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے جذباتِ عقیدت و محبت اُن کو اس پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دراصل محبت کی یہ ایک ادا ہے اور اُس کا ایک انداز ہے۔ مدینہ منورہ کی ہر ہر گلی کوچے اور در و دیوار سے ایک مؤمن کے دل میں کس درجہ عقیدت و

محبت ہونی چاہیے اس کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

لیکن جہاں تک باقاعدہ طور پر جا کر چومنے کی بات ہے اگر ایسا کوئی کرے تو اس کو اس کا غلبۂ حال کہا جائے گا کیونکہ ہمارے دین کی بنیاد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور صحابہ وتابعین سے ثابت اعمال وافعال پر ہیں۔ اور جو چیز قرونِ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں تھی تو اس کو بطور عبادت کے کرنا یہ بظاہر دین کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ ایک اعتبار سے ایک متبع سنت وشریعت مقتداء عالم کے لیے نامناسب بات ہوگی۔ یہی تو وجہ ہے کہ بیت اللہ میں حجرِ اسود کے سوا باقی حصے کو چومنا درست نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بیت اللہ کا متبرک اور عظیم ہونا خود قرآن کریم میں مذکور ہے۔

اپنی یادوں کے صدقے میں اختؔر
دل لگی کردیا بے کلی کو

آخری شعر میں حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مجھے اپنی یادوں میں مبتلا کر کے میری بے کلی کو اللہ تعالیٰ نے دل لگی کر دیا یعنی مجھے اسی میں لطف اور مزہ آنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد وغم بظاہر بے کلی کے بعد کی چیز ہے لیکن حقیقت میں میرے لیے وہی دل لگی اور لطف ومزہ حاصل ہونے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اور کسی بھی بے چینی میں پریشانی کا کوئی سوال دل میں آتا ہی نہیں بلکہ اپنے مولا کی ہر ادا پر میں دل سے خوش اور راضی رہتا ہوں۔

سکونِ دل درمجلسِ اہلِ دل

سوائے تیرے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یارب جدھر بھی جاؤں
کسے غم و جان و دل سناؤں کسے میں زخم جگر دکھاؤں

یہ دنیا والے تو بے وفا ہیں وفا کی قیمت سے بے خبر ہیں
پھر ان کو دل دے کے زندگی کو جفا سے آہنگ کیوں بناؤں

یہ بُت جو محتاج ہیں سراپا غلام ان کا بنوں تو کیوں کر
غلام کا بھی غلام بن کر میں اپنی قیمت کو کیوں گھٹاؤں

یہ مانا ہم نے چمن میں خوش رنگ گل سے بلبل ہے مست وشیدا
مگر نشیمن جو عارضی ہو تو اس کو مسکن میں کیوں بناؤں

مجھے تو اختؔر سکونِ دل گر ملا تو بس اہلِ دل کے در پر
تو ان کے در کو میں اپنا مسکن صمیمِ دل سے نہ کیوں بناؤں

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **آھنگ:** ظلم سے موافقت اور میل جول رکھنے والی زندگی۔ **بُت:** ہر غیر اللہ۔ **خوش رنگ:** خوبصورت، خوشنما۔ **شیدا:** عاشق۔ **نشیمن:** آشیانہ، گھونسلہ۔ **صمیمِ دل:** خلوصِ دل کے ساتھ سچے دل سے۔

مؤمن کا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون ہوسکتا ہے

سوائے تیرے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یا رب جدھر بھی جاؤں
کسے غم جان و دل سناؤں کسے میں زخم جگر دکھاؤں

میرے دوستو! عقیدے کے اعتبار سے دنیا میں ہر مومن یہی سمجھتا ہے اور یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ ہمارا ملجا و ماویٰ اور ہمارا والی و ناصر، اور ہمارا حامی و مددگار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے اور بلاشبہ یہ ایک واقعی اور سچی حقیقت ہے جس کو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾

(سورة آل عمران، آية: ١٦٠)

ترجمہ: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا ہے اور اگر حق تعالیٰ مدد سے محروم کردیں تو پھر دوسرا کون تمہاری مدد کرسکتا ہے۔

لیکن میرے دوستو جب یہ عقیدہ ہمارا حال بن جائے اور ہمارے دلوں میں رچ اور بس جائے تو پھر اسی کو توحید خالص اور محبت تامہ اور ولایت خاصہ کہتے ہیں اور یہی عنداللہ مطلوب ہے حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا یہ شعر درحقیقت اسی توحید خالص کا ترجمان اور اسی ولایت خاصہ کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں جس حال میں رہوں اور جہاں بھی رہوں میرا ملجا و ماویٰ صرف آپ کی ذات پاک ہے، اور تیرے در کے سوا میرا کوئی در نہیں ہے اور نہ پورے عالم میں مجھے سوائے تیرے کوئی اپنا نظر آتا ہے۔

میرے دوستو، اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ بات پورے کلمہ لا الہ الا اللہ کا خلاصہ اور پوری شریعت کا نچوڑ ہے کیونکہ کلمہ میں ہر ایک کی نفی کر کے اپنے تمام امور و مسائل کا مرکز اللہ کی ذات کو قرار دیا ہے اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکز و محور یہی رہا ہے کہ سب کو دل سے نکال کر اللہ کو دل میں بسالو وہی سب کچھ ہے۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد میں کیوں اس طرح گھلے جارہے ہیں، اوران کی یاد میں اپنے کو بے قرار رکھتے ہیں۔ آخر آپ کو کیا ہوگیا ہے تو اس وقت ان کو بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے کچھ یوں ہی جواب دیا تھا کہ أنما اشكو بثی و حزنی إلى الله و اعلم من الله مالا يعلمون.

اے صاحبزادو سنو میں اپنی فریاد اور رنج وغم کا اظہار تم سے یا کسی دوسرے سے نہیں کرتا بلکہ اللہ جل شانہ کی ذات سے کرتا ہوں اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور یہ میرا یاد کرنا خالی نہ جائے گا بلکہ میں اپنے اللہ کی طرف

سے وہ چیز جانتا ہوں جس کی تم کو خبر نہیں ہے، یعنی اللہ نے مجھ سے وعدہ فرما رکھا ہے کہ وہ پھر مجھے ملائیں گے۔
(معارف القرآن، ج:۵،ص:۱۱۹)

اور یہی بات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

(سورۃ الانعام، آیۃ ۱۶۲)

ترجمہ: اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب اس اللہ کے لیے ہے جو کہ رب العالمین ہے۔

تو میری موت و حیات سب کچھ اسی اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے اور میں اسی پر فدا ہوں۔ یہی وہ مضمون ہے کہ جس کو حضرت والا ان اشعار میں پیش فرما رہے ہیں کہ سوائے تیرے میری جائے پناہ کہیں کوئی نہیں، کون ہے کہ جسے میں اپنا دردِ محبت سناؤں بجز آپ کے اے اللہ! کوئی بھی نہیں ہے۔

میرے دوستو! اگر فکر و سوچ عقیدہ کے درجہ سے آگے بڑھ کر ہمارا حال بن جائے اور ہمارا دل غیر اللہ سے بالکل پاک و صاف ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ اپنی تجلیات کے ساتھ اس دل میں سماتے ہیں، مگر شرط یہی ہے کہ دل ہر قسم کے غیر اللہ سے بالکل پاک و صاف ہو وہ غیر خواہ حسینوں اور حسیناؤں کی شکل میں ہو یا اپنے جاہ و مقام اور منصب و عہدے کے لالچ کی شکل میں ہو۔

اور حدیث شریف میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مذکور ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَ اِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

اے اللہ! تیرے ہی لیے میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اور تیری ہی طرف سے میرا رجوع اور ریا ہی ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں۔

اہلِ دنیا وفا کو کیا جانیں؟

یہ دنیا والے تو بے وفا ہیں وفا کی قیمت سے بے خبر ہیں
پھر ان کو دل دے کے زندگی کو جفا سے آہنگ کیوں بناؤں

ان اشعار کے اندر حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اس دنیا و اہل دنیا کی بے وفائی کا تذکرہ کر کے ان سے دل لگانے کو جفا سے ہم آہنگی اور ایک احمقانہ فعل قرار دیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے دل میں اتر جانے کے بعد مشائخ و علماء سلوک فرماتے ہیں کہ یہ منزل طے کرنا آسان ہو جاتی ہے اور سلوک الی اللہ بڑی جلد طے ہوتا ہے اس مضمون کی حدیثیں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ﴾

(صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت)

خلاصہ حدیث پاک کا یہ ہے کہ ہمارے محسن ومحبوب جناب نبی کریم ،صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ انسان کی موت کے بعد تین چیزیں رہتی ہیں (۱) مال (۲) اہل وعیال (۳) اس کے اعمال اول دونوں تو وہ یہیں دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور ایک چیز اس کے ساتھ جاتی ہے یعنی اس کا عمل۔

اس حدیث پاک کے مفہوم کو سامنے رکھ کر ہم ذرا غور کریں کہ یہ دنیا کتنی وفادار ثابت ہوئی۔ انسان صبح سے شام تک عمر بھر جس مال ودولت کی خاطر اپنی قیمتی صلاحیتیں ،عقل وفہم ،سوچ وفکر خرچ کرتا ہے اور ساٹھ ستر سال میں جوڑ جوڑ کر کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے جس میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کی پرواہ نہ اولاد کی صحیح دینی تعلیم وتربیت کی فکر خود دینی علم سے غافل وجاہل اور اولاد بھی اس سے ناواقف ،نہ اپنے خدا کو پہچانا نہ قرآن کو جانا بس رات ودن کی ایک ہی دھن ودھیان ایک ہی شوق اور لگن کہ کیسے مال زیادہ سے زیادہ جمع کرسکوں، اسی فکر میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات گزار کر آج جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دنیا اور دنیا والے اور مفادات دنیویہ کے لیے کی ہوئی دوستیاں اور تعلقات سب یہیں چھوڑ کر بزبان حال یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہا ہے کہ ۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والوں شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اس کے بالمقابل وہ مومن بندہ ہے کہ جو بقدر ضرورت دنیا کماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے دنیا خوب دیدے تب بھی وہ دنیا کی حرص وطمع سے پاک رہتا ہے اور اس کا دل حق تعالیٰ کی یاد کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، جیسا کہ کشتی پانی پر چلتی ہے لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اگر یہی پانی جو کشتی کے لیے ضروری ہے اس کے اندر داخل ہوجائے تو پھر پوری کشتی اپنے سواروں کے ساتھ غرق ہوگی۔

مومن کا دل کا حال بھی یہی ہے کہ اگر دنیا کی محبت مومن کے دل میں آجائے تو پھر اس دل کو ویران اور تباہ وبرباد کردیتی ہے اور اس کے اثرات اس کے پورے اعضاوجوارح پر ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ قلب بدن کا بادشاہ ہے اس کی اصلاح سارے بدن کی اصلاح ہے اور اس کا فساد سارے بدن کا فساد ہے۔ جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے:

﴿عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاَهْوَى النُّعْمَانُ بِاِصْبَعَيْهِ اِلَى اُذُنَيْهِ اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَّاِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ

مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ﴾

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات)

نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اور اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت نعمان نے اپنی انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ بلاشبہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہات ہیں (جو شکوک وشبہ والی ہیں، اُن کا حلال ہونا بھی بالکل واضح نہیں اور حرام ہونا بھی بالکل واضح نہیں) جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے ہیں، پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچے گا تو اُس نے اپنے دین اور آبرو کے لیے حرام سے براءت حاصل کر لی، اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو سمجھو وہ حرام میں مبتلا ہو چکا ہے، جیسا کہ وہ چرواہا جو کسی چراگاہ کے آس پاس چرا رہا ہو قریب ہے کہ اُس چراگاہ میں چرائے اور اس کے جانور اس میں منہ ڈال دیں، یہ بات غور سے سن لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے حرام کیے ہوئے کام ہیں، سنو! بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست اور ٹھیک رہتا ہے تو جسم بھی ٹھیک رہتا ہے، اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو جسم بھی بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے۔

اس لیے اس حدیث سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کو دل دینا اور اس کو ویران کرنا یہ خود اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے، جس کو حضرت نے شعر میں ذکر فرمایا ہے کہ ان کو دل دے کر میں نہیں چاہتا کہ اپنی زندگی کو جفا سے آہنگ کروں اور دنیا وآخرت کے چین وسکون کو اپنے ہاتھوں برباد کروں جیسا کہ آج پوری دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دنیا والوں کو کسی کل چین وسکون میسر نہیں ہے۔

یہ بت جو محتاج ہیں سراپا غلام ان کا بنوں تو کیوں کر
غلام کا بھی غلام بن کر میں اپنی قیمت کو کیوں گھٹاؤں

میرے دوستو، حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ درحقیقت اس شعر میں اس دور کے ایسے مرض کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جو ایک وبائی مرض کی شکل میں پھیلا ہوا ہے اور یہ دل کا ایک ایسا مہلک اور خطرناک مرض ہے کہ جس کے لگنے کے بعد کتنے ہی لوگ نہ صرف تقویٰ وولایت سے محروم کر دئے جاتے ہیں بلکہ اصل ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جیسا کہ ماضی قریب وبعید کے بے شمار واقعات اس طرح کے پیش آتے ہیں جن کو اخبار ورسائل اور کتابوں میں لکھا گیا ہے۔

درحقیقت یہ مرض آہستہ آہستہ آنکھ کان وزبان سے شروع ہوتا ہے اور پھر دل کی گہرائیوں میں ایسی جڑ پکڑ تا ہے کہ انسان اس کے عوض اپنی جان وایمان کا سودا کرنا بھی گوارا کرتا ہے مگر اس سے باز رہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے یہ مرض امردوں اور نامحرم عورتوں سے عشق بازی کا مرض ہے۔

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ اپنی غایت شفقت کی وجہ سے اسے لفظ بت سے تعبیر فرماتے ہیں کہ جس کا سننا ہی ایک مومن کے لیے باعث وحشت ودوری ہو اور اس سے اجتناب کی طرف داعی ہو اور قرآن میں بھی اس تعبیر کی طرف اشارہ ہے ''ارأیت من اتخذ الٰھه ھواہ '' پھر چونکہ اس گناہ کی شدت اتنی ہے کہ گویا انسان کے دل کا قبلہ وکعبہ ہی بدل جاتا ہے کہ اگر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو تب بھی دل میں وہ معشوق ومعشوقہ ہی رہتی ہے اور ہر آن دل اسی کے طواف کرتا رہتا ہے اور یہ کتنی خطرناک صورتحال ہے کہ ایک مومن بندہ کو جبکہ پورے طور پر متوجہ الی اللہ ہونا چاہیے مگر اس کے قلب ونگاہ کے سامنے ہر وقت اس کا معشوق ہی چھایا رہتا ہے، ایسے شخص کو نہ نماز میں مزہ آتا ہے نہ تلاوت ودعا میں اس کو لذت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے دینی امور میں اس کی دل جمعی اور یکسوئی برقرار رہتی ہے اور گویا کہ دنیا ہی میں وہ خود اپنے کیئے کے عذاب میں ہر آن مبتلا رہتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا سکون چھین لیا جاتا ہے اسکی کو حضرت والا نے فرمایا ہے کہ ؎

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز و دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

معارف القرآن، ج:۶، ص:۴۷۶ پر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلاف شرع خواہشات نفسانی بھی ایک بت ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ (بحوالہ قرطبی)

بس حضرت والا دامت برکاتہم اپنے مخصوص انداز میں اسی مرض کی خرابی کو بیان فرمارہے ہیں کہ جب یہ سارے امردلڑکے اور نامحرم عورتیں خود کسی اور ذات کے محتاج ہیں تو میں ان کو اپنا دل دے کر اور ان کے عشق میں گرفتار ہو کر غلاموں کا غلام کیوں بنوں، یہ تو کوئی عقلمندی نہیں ہے، بلکہ حماقت ہے عقلمندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس ذات پر اپنا دل فدا کرو کہ جس نے تمہیں یہ دل دیا ہے اور اس کی یاد سے اسے آباد کرو کہ جسکی یاد سے اس کی آبادکاری ہے اور اس سے غافل ہونے سے اس کی ویرانی ہے اور جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور ان کو تخت وتاج کی بھیک دینے والا اللہ ہے، اور وہ ایسی ذات ہے، کہ دنیا کے سارے عاشق اور معشوق سب اسی کے محتاج ہیں، یہاں تک کہ ہمارے وجود کی بھیک بھی اُسی سے ملی ہے اور اس کی تربیت سے ہم اس قابل ہوئے ہیں اور دنیا کے تمام انسان عاشق ہو یا معشوق، حاکم ہو یا محکوم، بادشاہ ہو یا رعایا، چھوٹا ہو یا بڑا سب کے قلب اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ ان دلوں کو جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگتے تھے کہ **اللھم مصرف**

القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک (مشکوٰۃ،ص:۲۱،بحوالہ مسلم)

اور دوستو! ہم ان مٹی کے کھلونوں پر مریں گے تو خود بھی ایک دن مر کر مٹی ہوں گے وہ بھی سڑ گل کر ختم ہو جائیں گے اوران کے عاشق بھی تو انجام کار کیا حاصل ہوگا کچھ نہیں بجز حیرانی و پریشانی اور ذلت ورسوائی کے جس کو حضرت والا نے اپنے دوسرے شعر میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

یہی زندگی جب زندگی دینے والے پر فدا ہوتی ہے کہ کسی لمحہ اور کسی سانس بھی مومن بندہ اپنے اللہ کو ناراض نہیں کرتا ہے اور نہ حرام لذتوں کو درآمد کر کے مولیٰ کو ناراض کرتا ہے تو پھر یہ انسان اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ دونوں جہان بھی اسکی قیمت نہیں بن سکتے ہیں کیونکہ پھر یہ اپنے دل میں خالق کو لیے ہوئے ہوتا ہے اور اسکی اتنی قیمت ہوتی ہے کہ پھر اس کے تذکرے بارگاہ الٰہی میں فرشتوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اسے دنیا ہی میں جنت کے مزے آنے لگتے ہیں اور قلب کو اطمنان وسکون کی دولت عطا ہوتی ہے۔

گناہوں سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ انداز

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تربیت کے لیے اپنی شان رحیمی وکریمی کی وجہ سے اس بت پرستی اور عشق مجازی کے مرض سے حفاظت کے لیے محض حاکمانہ انداز سے بچنے کا محض حکم ہی نہیں دیا بلکہ اس کے مقدمات اور اسباب سے بھی دور رہنے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ **یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور** کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوریاں خوب جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں آنکھوں کے راستہ سے جا کر غلط خیالات وجزبات چھپے ہوئے ہیں اسی کو ہمارے حضرت والا دامت برلاتیم العالیہ نے فرمایا ہے کہ ؎

جو کرتا ہے تو چُھپ کے اہل جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے ہے تجھے آسماں سے

حضرت شاہ محمد احمد پرتا بگڈھی اسی کو فرماتے ہیں ؎

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **قل للمؤ منین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فرو جھم** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی بعض نگاہوں کو پست رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور ظاہر ہے کہ اس ترتیب میں یہ حکمت ہے کہ جب نگاہ نیچی رہیں گیں تو پھر شرمگاہ سے بھی حفاظت رہے گی تو اس

کے مقدمات سے ہی بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے جہاں ریاض الصالحین میں باب تحریم النظر الی الاجنبیة قائم فرمایا ہے تو اس آیت کو بھی ذکر فرمایا ہے کہ ''اِنَّ رَبَّکَ لَبِا لْمِرْصَاد'' ''بلاشبہ آپ کا رب گھات میں ہے۔ تو اے انسان اگر تو غلط جگہ نظر ڈالے تو غور کر لینا اور اس کا خیال رکھنا کہ تیرا رب تجھے دیکھ رہا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾

(سورة الاسرآء، اية: ۳۶)

جس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ اور کان اور دل ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باز پرس اور سوال کیا جائے گا کہ ان کو کہاں کیسے استعمال کیا؟

اس لیے کان و آنکھ و دل سب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا جائے گا تو اپنی نگاہ کو حرام جگہوں پر ڈال کر خراب کرنا یا غیر محرموں سے باتیں کر کے اپنے کانوں سے حرام مزے لینا اور دل کے اندر گندے خیال پکا کر مزے لوٹنا یہ ممنوع اور ناجائز ہے اور یہی دل کا زنا ہے اسی طرح بحوالہ مسلم ص: ۲۰ پر روایت ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کُتِبَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ نَصِیْبُهٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِکٌ ذٰلِکَ لَا مَحَالَةَ فَالْعَیْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْکَلَامُ وَالْیَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ یَهْوٰی وَیَتَمَنّٰی وَیُصَدِّقُ ذٰلِکَ الْفَرْجُ وَیُکَذِّبُهٗ﴾

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیره)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابنِ آدم پر اُس کا زنا کا حصہ لکھا جا چکا ہے جس کو وہ ضرور پا کر رہے گا، چنانچہ آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے، اور کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، اور پیر کا زنا قدم اُٹھا کر چلنا ہے اور دل خواہش کرتا اور تمنا کرتا ہے، اور شرمگاہ اُس کی تصدیق کرتی ہے یا تردید کرتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْهِ﴾

(مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبة، ص: ۲۷۰)

اللہ لعنت فرمائے اس پر کہ جو غیر محرم عورت یا حسین امرد کو دیکھنے والا ہے اور یا جو اپنے کو دکھانے کے لیے پیش کر رہا ہے یا کر رہی ہے۔

پھر عورت کو اولاً تو حکم ہے کہ تمہارا اصل مسکن و مستقر تمہارا گھر ہے پھر شدید ضرورت میں جو نکلنے کی اجازت

دی گئی ہے تو بڑی شرطوں اور قیود کے ساتھ۔ تو در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے اور رحیمی ہے کہ بندوں کو حکم دے کر اس پر عمل کے طریقے اور برائی سے منع فرما کر اس سے بچنے کی تدابیر بھی اپنے بندوں کو سکھائی اور بتائی کہ اگر بندے ان تدابیر کو اختیار کرلیں گے تو گناہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اس طرح وہ نافرمانوں کے خطاب سے اور عاصی کے لقب سے محفوظ رہیں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تلک حدود اللہ فلا تقربوھا'' یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ بشری فطرت کو ہم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب انسان کسی گناہ کے قریب جائے گا تو بالآخر وہ گناہ میں مبتلا ہو ہی جائے گا۔

اس مضمون کو ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم نے اپنے مخصوص انداز میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم نے ''فَلاَ تَقْرَبُوْهَا'' کا ''لا'' ہٹا دیا تو پھر ''لا تفعلوھا'' کی ''لا'' بھی ہٹ جائے گی اور قریب گئے تو عمل میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

چنانچہ جو لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہوئے اپنی نگاہ و دل اور زبان و کان کی پورے طور پر حفاظت نہیں کرتے تو بالآخر ان کو اس برے انجام اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کی نیندیں اڑ جاتی ہیں اور اس عشق بتاں کے نتیجہ میں پاگل ہو جاتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں جسے یہ باتیں سمجھ میں نہ آتی ہوں وہ ذرا چند دن اخبار و رسائل کو پڑھ کر دیکھ لے کہ کس قدر خودکشی کے قصے محض اس عشق بازی سے پیش آرہے ہیں۔

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے بیان میں ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے کہ جب ایک شخص کا انتقال ہونے لگا تو لوگوں نے اسے کلمہ کی تلقین کی مگر اس نے کلمہ پڑھنے کے بجائے اس زندگی کے آخری لمحہ میں یہ کہہ کے جان دے دی ۔

رضاک اشھی الی فوادی
من رحمة الخالق الجلیل

اے میرے محبوب! میرے لیے تیری رضا زیادہ محبوب اور بہتر ہے میں دل سے اس کو زیادہ مرغوب رکھتا ہوں خالق جلیل مولیٰ و اللہ کی رحمت کے مقابلے میں اور اسطرح اسی کفریہ جملہ پر اس نے اپنی جان دے دی۔ حضرت والا دامت برکاتہم کا یہ شعر ہے۔

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

اس لیے حضرت فرماتے ہیں کہ میں اپنا دل ان بتوں کو نہیں دیتا ہوں کیونکہ یہ بت مر کر گل سڑ کر فانی ہو جائیں گے نہ یہ کسی کے کام آئیں گے نہ تو خود اپنے کام آئیں گے اور نہ ہی ہمارے کام آئیں گے۔

مولانا عبدالحمید صاحب کی عبرت ونصیحت آمیز مثال

آپ کسی بڑے معشوق ومحبوب حسین وجمیل کے مرنے کے چند دن بعد جا کر قبر کھود کر اس کی میت نکال کر دیکھو تو آپ اس مٹی میں اوراوپر کی نارمل(Normal) مٹی میں کوئی فرق نہ کر سکیں گے اس لیے دوستو ہم غور فرمالیں کہ یہ معشوقین ومحبوبین جب ہمیں ہماری موت و مابعدالموت کے وقت میں کچھ کام نہ آسکیں گے تو پھر آپ ایسے محتاج ومجبور کواپنا دل دے کر کونسی عقلمندی کر رہے ہیں بلکہ اور مزید آپ غور سے حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ کومعلوم ہوگا کہ مرنے کے بعد ہمارے بدن اور جسم کوجلد سے جلد گھر سے نکالیں گے جوکل تک محبت کے دعویدار تھے۔

چنانچہ اس عنوان پر ہمارے حضرت مہتمم آزادول حضرت مولانا عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم اس طرح پیش کرتے ہیں کہ بوائے فرینڈ وگرل فرینڈ (boy friend & Girl friend) دونوں گاڑی میں بیٹھے جارہے ہیں راستہ میں کسی نے لفٹ (lift) مانگی تو وہ بولے کہ جگہ نہیں ہے۔اس پر سائل نے کہا کہ میں مسٹر (Mr) ڈالر ہوں تو اس نے اپنی گرل فرینڈ کو پیچھے ہٹایا اور اس کو بٹھایا پھر آگے چلے تو ایک اور کھڑا ہوا لفٹ مانگ رہا تھا اس پر انہوں نے جواب دیا کہ جگہ نہیں تو اس پر اس نے کہا میں مسٹر پاؤنڈ ہوں (Mr. Pound) تو اس نے مسٹر ڈالر کو پیچھے کر دیا اور مسٹر پاؤنڈ کو بٹھالیا اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک اور غریب سا آدمی لفٹ (lift) مانگ رہا ہے اس پر انہوں نے جواب دیا کہ جگہ نہیں ہے تو اس نے کہا کہ تمہارے پاس جگہ نہیں ہے مگر میرے پاس میری سواری میں تمہارے لیے جگہ ہے کیوں کہ میں ملک الموت ہوں اس نے کچھ اجازت مانگی کہ میں ذرا گھر تک چلا جاؤں اپنی محبوبہ گرل فرینڈ (Girl Friend) سے ذرا بات کرلوں، مگر اس نے اس کوایک پل چھپکنے کی بھی اجازت نہیں دی اور وہیں وہ دنیا سے رخصت ہوا۔

اب وہی محبوبہ گھر جاتے ہی جلدی جلدی اس کے غسل وکفن کا انتظام کر کے کہتی ہے کہ اس کوجلدی دفن کر دواور گھر سے نکالو کیونکہ ہمارے مزوں میں خلل پڑ رہا ہے۔گھر میں لوگ رو رہے ہیں،لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے،اس لیے جلدی اس کو نکالو اور دفن کرو۔اے میرے مومن پیارے بھائی! اے میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب امتی! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ کہ آج اس محبت کا تجھے کیا صلہ ملا؟ اور آج کون تیرے ساتھ قبر میں گیا اور آج تجھے کس کا سامنا ہوا؟ آیئے جواب سن لیجئے کہ اس محبت کا صلہ سوائے بے وفائی کے اور کچھ نہ ملا اور آج تیرے ساتھ قبر میں کوئی نہ گیا سوائے تیرے نیک اعمال کے اور آج تجھے صرف ایک اکیلے اللہ کا سامنا ہوا شاہ احمد پرتاب گڑھی رحمہ اللہ نے اسی کوفرمایا ہے کہ ۔

مال و اولاد تیری قبر میں جانے کو نہیں
تجھکو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کو نہیں

جز عمل گور میں کوئی بھی تیرا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبر دار نہیں

اس لیے اللہ کی محبت اختیار کرو کہ وہ قبر میں ساتھ جائے گی اور حشر میں کام آئے گی اور اس خدا کا سامنا قبر میں بھی ہوگا اور حشر میں بھی اللہ کے محتاج ہوں گے اور خود اس دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگے گا جیسا کہ تائب صاحب نے شعر میں ہے کہ ۔

مولیٰ کی حضوری میں تو جنت ہے یہ دنیا
دنیا میں تو جنت کا مزہ اور ہی کچھ ہے

یہ بت تو خود اپنے دل و دماغ پر بھی قابو نہیں رکھتے ہیں

میرے دوستو! یہ بت ایسے محتاج ہیں کہ خود اپنے دل و دماغ اور اپنے قلب و قالب کا کنٹرول ان کے اپنے بس میں نہیں ہے اس لیے آج وہ تم سے کہتے ہیں کہ میں تیرے اوپر قربان میں جان دے دونگا لیکن شادی تجھ ہی سے کرونگا میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں میرے دل میں سوائے تیرے اور کوئی نہیں ہے میرے دل و جان تجھ پر قربان ہیں۔

دوستو! اس طرح کے جملہ عشاق کی زبان سے نکلتے رہتے ہیں اور رات و دن یہ عاشقوں کی داستانیں اخباروں کی زینت بنتی رہتی ہیں جن میں بڑی تعداد خودکشی کے واقعات کی ہوتی ہے کیونکہ یہ عشق دراصل فسق ہے اور اغراض پرستی ہے۔ اس لیے آج س کا دل کسی کے اوپر چلا گیا تو وہ اس کا عاشق ہو گیا اور دوسرے دن دوسری پر عاشق ہو گیا پھر چند دن کسی اور پر عاشق اور بالآخر پھر وہ ایک دوسرے کے رقیبوں کا مار ڈالتے ہیں اور خود بھی اپنی جان دے بیٹھتے ہیں۔

اور درحقیقت دل کی مثال جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کی طرح فرمائی ہے کہ جو کسی چٹیل ہموار زمین میں ہو اور ہوائیں اسے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر اڑا رہی ہوں۔ نیچے سے اوپر، اوپر سے نیچے کر رہی ہوں۔ چنانچہ مشکوٰۃ ص۲۲ پر ہے:

﴿عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْقَلْبَ كَرِيشَةٍ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ يُقِيمُهَا الرِّيحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ قَالَ أَبِي وَلَمْ يَرْفَعْهُ إِسْمَاعِيلُ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ﴾

(مسند أحمد، كتاب مسند الكوفيين، باب حديث أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه)

اس لیے دل ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا ہے تو دوستو جو معشوقہ اور جو عاشق آج ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ دل تم پر فدا ان کی کل کا بھروسہ نہیں ہے کہ کل ان کے دل کیا کیا عالم ہوگا اس لیے یہ سمجھداری نہیں ہے کہ ایسو کو دل دیدو بلکہ سمجھداری یہ ہے کہ اس ہستی پر اپنا دل فدا کرو کہ جس نے ہمیں یہ دل دیا ہے جس نے اس کو اپنا

گھر بنایا ہے اور جس کی یاد اس دل کے لیے ٹھیک اسی طرح ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی ہے اسی لیے جو اس کو دل دیتا ہے اور اس کی یاد سے آباد کرتا ہے تو پھر اعلان باری تعالیٰ ہے کہ میں اس دل کو چین وسکون عطا کرتا ہوں ''الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' سنو خدا کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

چمنِ دنیا خوش رنگ تو ہے مگر عارضی ہے

یہ مانا ہم نے چمن میں خوش رنگ گل سے بلبل ہیں ہے مست وشیدا
مگر نشیمن جو عارضی ہو تو اس کو مسکن میں کیوں بناؤں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ درحقیقت ان آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جن میں دنیا کی ظاہری زیب وزینت اور اسکی دلفریب رنگ رلیوں کا ذکر ہے اور پھر اس کا انجام بھی مذکور ہے۔

بلبل کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ جس چمن میں آج وہ مست ہے اور خوشبیوں میں چہچہارہی ہے اور جہاں وہ اپنا نشیمن بنائے ہوئے ہے وہ کل جب موسم خزاں آئے گا تو اسکی ویرانی دیکھ کر چشم نم ہوگی تو پھر اسے پتہ چلے گا کہ جس چمن سے دل لگایا تھا آہ یہ تو عارضی نکلا۔ اسی کو حضرت والا نے دوسرے مقام پر یوں ذکر فرمایا ہے کہ ؎

درس عبرت ہے چشم عنادل
کس طرح نم ہے غم سے خزاں میں

تو دراصل حضرت والا کا منشا اس دنیا کے عارضی ہونے کو سمجھانا ہے کہ بیشک اے انسان اس دنیا کی کچھ ظاہری رونق وچمک دمک تو ہے جس سے یہ دنیا بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے اور بڑی ہی جاذب نظر لگتی ہے لیکن بڑے سے بڑے بادشاہ اور حکام وسلاطین کسی کو اس دنیا نے نہ چھوڑا اور کسی سے وفا نہ کی بلکہ پوری عمریں اس پر لگانے کے بعد یک لحمہ میں اس دنیا سے جدا ہونا پڑا اور بالکل خالی ہاتھ گئے ؎

روح شداد کی جب نکالی گئی سیر باغ ارم کی نہ اس کو ہوئی
آہ بھرتا گیا اور یہ کہتا گیا ایسی جنت کا کوئی بھروسہ نہیں

حدیث شریف میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کہ ترجمان ہے دنیا کی حقیقت کا کہ:

﴿عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوْقِ دَاخِلاً مِّنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ أَتُحِبُّوْنَ أَنَّهُ لَكُمْ قَالُوْا وَاللهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بکری کے بچہ کے پاس سے گزرے کہ جس کے کان چھوٹے یا کٹے ہوئے تھے اور وہ مردار تھا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اس کو ایک درہم کے عوض میں لے لے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم اس کو کسی چیز کے بدلے لینا نہیں چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا کہ تمہاری نظر میں یہ بکری کا بچہ میرے دوستو چونکہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز اور طریقوں سے دنیا سے بے رغبتی اور عنداللہ اس کا حقیر ہونا بیان فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس میں مردار کان کٹے ہوئے بکری کے بچہ کے مقابلہ میں بھی دنیا کا گھٹیا اور بے حیثیت ہونا مذکور ہے۔ ایک دوسری حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَآءٍ﴾

(سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في هوان الدنيا)

یعنی اگر دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ پلاتے یعنی اللہ کی نگاہ میں اس دنیا کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے، اگر آپ عقلی طور پر بھی غور کریں کہ جو چیز جسے محبوب ہوتی ہے تو وہ چیز اپنے محبوب کو دی جایا کرتی ہے اور دنیا میں اللہ کے محبوب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور ان میں بھی سب سے زیادہ محبوب ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور سیرت کے واقعات پڑھیئے اور دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کتنی دی گئی تھی اور آپ نے اپنے لیے فقر کو اختیار فرمایا اور اپنی امت کو بھی مال و دولت کی بہتات سے ڈرایا اور خطرہ ظاہر فرمایا اور بالکل اس مضمون کو کہ دنیائے فانی اور حقیر کو اپنا ہمیشہ کا مسکن نہ بنانا چاہیے۔

﴿عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَّإِنَّ فِتْنَةَ أُمَّتِي الْمَالُ﴾

(المستدرک على الصحيحين للحاكم)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی موثر اور پیارے انداز سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ فرماتے ہیں:

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ﴾

(صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبي صلی الله عليه وسلم کن في الدنيا کانک)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں مونڈھوں کو پکڑا اور فرمایا تو دنیا میں اس طرح رہ گویا کہ تو ایک مسافر ہے بلکہ تو راہ کا گزرنے والا ہے اور اپنے آپ کو ان مردوں میں شمار کر جو قبروں کے اندر ہیں۔

اور اس حدیث شریف میں اَوْ بھی بل کے معنی میں ہے یعنی مسافر سے بھی زیادہ یعنی مسافر تو کہیں کچھ دیر یا کچھ دن کے لیے ٹھر جاتا ہے لیکن راستہ عبور کرنے والا تو کسی چیز سے دل نہیں لگاتا اسی طرح اس زندگی کے اندر رہتے ہوتے تم اپنے آپ کو ایک راہ گزر سمجھو۔

اور جس طرح موت کی وجہ سے تمام تعلقات دنیویہ سے علیحدگی ہو جاتی ہے اور اہل وعیال، رشتہ دار، دوست واحباب تجارتیں دکانیں سب چھوٹ جاتی ہیں اسی طرح مومن کو چاہیے کہ جیتے ہوئے بھی ان کو دل سے دور رکھے اور اللہ کی محبت سے اپنی سینے کو معمور رکھے یعنی دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے جدا رہے اور اپنے دائمی حقیقی مسکن کو اپنا مسکن سمجھے اور اس شعر کا مصداق ہو کہ حضرت والا کے اشعار ہیں۔

دنیا کے مشغلوں میں بھی وہ با خدا رہے
وہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے
جہاں میں رہتے ہوتے ہیں جہاں سے بیگانے
بھلا کشتگانِ محبت کو کوئی کیا جانے

تو ایسا شخص حقیقتاً گو مردہ نہیں ہے مگر تارکِ دنیا ہونے میں مردوں کے مشابہ ہے اور یہی حقیقت ہے زہد فی الدنیا کی۔

درِ اہلِ دل کو صمیمِ دل سے مسکن بناؤ

مجھے تو اخترؔ سکونِ دل گر ملا تو بس اہلِ دل کے در پر
تو ان کے در کو صمیمِ دل سے میں اپنا مسکن نہ کیوں بناؤں

یہ حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا مقطعہ ہے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے ہیں کہ مجھے اللہ کی محبت و معرفت کی نعمت کا تحفہ اور دردِ محبت خداوندی کا چکر اور راہِ خدا میں اپنی آرزوؤں کا خون کر کے ملنے والی نعمتِ عظمیٰ کی اہمیت کا احساس اللہ والوں کی خدمت میں رہ کر ہوا اور انہیں کی صحبتوں سے اپنی حقیقت کا انکشاف ہوا اور انہیں کی دعاؤں اور توجہات سے میری حیات کو صد حیات ملی اور انہیں کی دعاؤں سے میرا دل دل بنا تو جب یہ سب نعمتیں مجھے اہل اللہ سے حاصل ہوئیں ہیں تو بس ان کا در ہی اس قابل ہے کہ اس کو دل کی گہرائیوں سے اپنا مسکن بنایا جائے اور ان کی محبت وعظمت اور اتباع واخلاص کے ساتھ ان کے ساتھ رہ کر ان سے محبت الٰہیہ کو سیکھا جائے۔

ورنہ اگر صرف کتابوں سے ممکن ہوتا تو پھر تو اللہ کی کتاب اس کی زیادہ مستحق تھی کہ بس اسے دیکھ کر اس لوگ ہدایت پا جایا کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا جس کو حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کی بھی ضرورت ہے۔ اسی لیے فرائض منصبی میں تلاوتِ کتاب اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ کا بھی ذکر فرمایا ہے محض منزل کتاب قرآن کریم پر اکتفاء نہیں کیا گیا ہے (معارف القرآن، ج ۱ ص ۳۳۱) اس مضمون کو حق تعالیٰ نے ایک آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ''الرحمن فاسئل به خبیرا'' یعنی رحمٰن کے متعلق کسی باخبر بندے سے دریافت کرو یعنی اللہ کی معرفت کے لیے معرفت والوں کے پاس جاؤ اور اللہ والوں سے اللہ کو پہچانو۔

جیسا کہ ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سبزی، سبزی والوں سے ملتی اور اور مٹھائی، مٹھائی والوں سے ملتی ہے اور حلوہ حلوہ والوں سے ملتا ہے اور سونا، سونے والوں سے ملتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ والوں سے اللہ ملتا ہے۔

ایک سوال وجواب

اس پر کسی کے ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ آخر اہل اللہ کے در کو مسکن بنانے کی کیا وجہ ہے؟ بلکہ اگر صمیم قلب سے کسی کے در کو اپنا در بنانا ہو تو وہ اللہ والوں کے بجائے اللہ کا در ہونا چاہیے کیونکہ سب کچھ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی کے در سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کا در اس لائق ہے کہ دل کی گہرائیوں سے انسان اسے اپنا ملجاء وماویٰ بنائے تو اس لیے اس مقام پر اس شبہ کا ازالہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دراصل اس پر غور کرنا چاہیے کہ اہل اللہ سے محبت کی بنیاد حقیقت میں کیا ہے؟ اور کیا یہ محبت خود ایک امر خداوندی اور مراد خداوندی ہے؟ اور منجملہ امور بھا کہ ہے چنانچہ آیئے ہم ادرے ان امور پر روشنی ڈالیں

سو پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل اللہ سے محبت کی بنیاد ہی اللہ کی ذات پاک ہے اور اس کی محبت ومعرفت کے حصول کے لیے ان سے محبت کی جاتی ہے تاکہ نفس وشیطان کے مکائد اور چالوں سے بچنا آسان ہو سکے اور راہ سلوک طے کی جا سکے اسی لیے اس محبت کی بہت سی فضیلت احادیث مبارکہ میں آتی ہیں اس پر اتنی احادیث ہیں کہ جو مستقل ایک رسالہ کا تقاضا کرتی ہیں ان میں سے بعض احقر یہاں نقل کرتا ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ رقدہ بحوالہ ابوداؤد اپنی کتاب التکشف، ص: ۳۲۷ پر نقل فرما رہے ہیں:

﴿أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ لَأُنَاسًا مَاهُمْ بِأَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللهِ تَعَالٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ

تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللّٰهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ إِنَّ وُجُوهَهُمْ لَنُورٌ وَإِنَّهُمْ عَلَى نُورٍ لَا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ الَا إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞

(سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرهن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو نہ پیغمبر ہیں اور نہ شہید ہیں اور پیغمبر اور شہید قیامت کے روز ایک خاص رتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کو حاصل ہوگا رشک کریں گے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم کو خبر دیجئے کہ وہ لوگ کون ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ محض حق تعالیٰ کے تعلق سے ان میں باہم محبت ہے نہ کچھ آپس میں رشتہ ناتہ ہے اور نہ کچھ روپیہ پیسہ کا لین دین ہے۔ بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور کے مکانات پر جلوہ گر ہوں گے جب لوگ مبتلائے خوف ہوں گے، وہ خائف نہ ہوں گے اور جب لوگ مغموم ہوں گے وہ مغموم نہ ہوں گے تو اور یہ آیت پڑھی: الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون.

فائدة: حضرت تھانوی علیہ الرحمہ اس حدیث شریف کو ذکر کر کے ارشاد فرماتے ہیں اس میں فضیلت اولیاء اللہ صوفیہ بیان کی گئی ہے اور پھر اس حدیث شریف سے بظاہر ان کا انبیاء وشہداء سے افضل ہونا جو معلوم ہوتا ہے اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یغبطهم سے تفضیل علی الانبیاء کا شبہ نہ کیا جائے۔ بعض خاص وجہ سے اکابر بھی اصاغر کی حالت کی تمنا کیا کرتے ہیں مثلاً انبیاء غم امت میں مشغول ہوں اور یہ عین دلیل ان کی فضلیت کی ہے اور ممکن ہے کہ یہ لوگ اس سے خالی ہوں۔

نیز اللہ کے لیے محبت رکھنا خدا کے یہاں کتنا محبوب عمل ہے۔ اس پر بھی یہ حدیث صراحتاً دلیل ہے جو ہمارا مدعا ہے۔ پھر اسی صفحہ پر دوسری حدیث حضرت تھانوی نقل فرماتے ہیں:

﴿عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ جَآءَ أَعْرَابِيٌّ جَهْوَرِيُّ الصَّوْتِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ﴾

(سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله، باب ماجاء المرء مع من أحب)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے اور ان کے برابر عمل و عبادت نہیں کرسکتا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو گے اور ترمذی میں صفوان بن وال کی روایت سے یہ الفاظ ہیں کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا۔

فائدة: حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی دلالت حضرات اہل اللہ کے محبین و معتقدین کی فضیلت پر ظاہر ہے اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ تعلق بیعت سے اضطراراً مشائخ کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے اس

مصلحت سے بعض اہل ارشاد ایسوں کو بھی داخل سلسلہ کر لیتے ہیں جن سے زیادہ ریاضت ومجاہدہ کی توقع نہیں اور بعضے دوسری مصلحتوں سے ہر شخص کو بیعت کرنے میں قدرے مضائقہ کرتے ہیں: **انما الاعمال باالنیات والاعمال بنیات**. (التکشف ص:۳۲۸ مطبوعہ مظہری)

فائدہ: از احقر حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اس میں ان لوگوں کے اشکال کا جواب بھی پیش کر دیا کہ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں انما الاعمال بالنیات کہ کیوں جلدی سے بعض مشائخ بیعت کر لیتے ہیں معلوم ہوگیا کہ یہ سوال لغو اور عبث ہے کیونکہ حدیث پاک میں اس کا مفید ہونا ظاہر ہے جس کو ان لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ بیعت سے محبت متوقع ومظنون ہے اور محبت کا نافع ہونا متعین ہے۔

اسی طرح التکشف، ص:۲۶۹ پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے:

﴿سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ﴾

(مسند أحمد، باب حديث معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہو چکی جو میرے ہی واسطے باہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میری ہی واسطے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کرتے ہیں اور میری ہی وجہ سے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں روایت کیا ہے اس کو امام مالک نے۔

فائدہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صوفیہ اہل حق کی فضیلت اور ان کے لیے بشارت پر صاف دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ صفات جو حدیث میں مذکور ہیں بالکمل وجہ ان حضرات میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں پیر ومرید میں محبت اور پیر بھائیوں میں الفت اسی طرح دوسرے بزرگوں سے تعلق اور جان و مال سے دریغ نہ کرنا اور دور دراز سے زیارت کے لیے سفر کرنا یہ امور ان حضرات میں خالصتاً اور بلا کسی دنیوی تعلق کے ہوتے ہیں۔

التکشف، ص:۲۶۹ نوٹ یہ چند حدیثیں محبت للہ کی فضیلت پر احقر نے نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں ورنہ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اس مضمون پر موجود ہے۔ اس لیے اہل اللہ اور اہل دل سے محبت ہونا یہ دراصل اللہ ہی کی محبت ہے۔ اسی لیے حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں اپنا مسکن اہل اللہ کا در بناؤں۔

اے مری آہ بے نوا تو نے کمال کر دیا

عالم ہجر کو مرے تو نے وصال کر دیا
یعنی ہماری آہ کو واقف حال کر دیا
اپنا جہاں دکھا کے یوں محو جمال کر دیا
میری نظر میں یہ جہاں خواب و خیال کر دیا
میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہ بے نوا تو نے کمال کر دیا
میرے قویٰ تو اس قدر ہوتے ابھی نہ مضمحل
اے دل مبتلائے غم تو نے نڈھال کر دیا
ذوق طلب بھی مختلف دہر میں دیکھتا رہا
اختؔر بے قرار نے تیرا سوال کر دیا

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **ھجر**: جدائی۔ **وصال**: ملاقات، ملن۔ **واقف**: اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے مزے سے ہماری آہ واقف ہوگئی۔ **کواب و خیال**: بے اصل چیز۔ **مکاں**: دنیا۔ **لامکاں**: اللہ تعالیٰ کے حضور۔ **بے نوا**: عاجز۔ **قویٰ**: قوت کی جمع۔ **مضمحل**: کمزور۔ **نڈھال**: لاغر و کمزور، ضعیف و ناتواں۔ **ذوق**: شوق، طبعی طور پر کسی چیز کی طرف مائل ہونا، اس کی رغبت رکھنا۔ **طلب**: مانگنا۔ **دھر**: دنیا۔

اے میرے اللہ! آپ نے مجھ پر بہت فضل فرمایا کہ میرے عالم ہجر کو آپ نے وصال میں تبدیل کر دیا کہ میں آپ کی جدائیگی میں تڑپ تڑپ کر آہیں بھر رہا تھا، آپ نے میری آہ کو واقفِ حال کر دیا اور مجھے یہ پتہ چل گیا کہ ان آہوں کے نتیجے میں آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور آپ کے وصل کی دولت نصیب ہوتی ہے تو میری یہ آہیں زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی گئیں کیونکہ میں آپ کے وصال کا طالب اور متمنی تھا۔ اب ہماری آہ یہ جان گئی ہے اور اس سے باخبر ہو چکی ہے کہ ہر آہ و فغاں کے ساتھ آپ کی طرف سے قرب کی دولت اور نعمت زیادہ سے زیادہ کر دی جاتی ہے اور اس طرح میری دردِ فرقت کی بے تابی اب مجھے ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد میں آہیں بھرتا ہوا سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ آہ و فغاں اور گریہ و بکاء تمہیں حق تعالیٰ کی طرف سے اسی لیے دیا گیا ہے کہ اب تمہارے فراق اور جدائیگی کو اللہ تعالیٰ وصال میں تبدیل کرنے والے ہیں۔ اور بلکہ آگے بڑھ کے یہ کہیے کہ یہ چیزیں عطا ہی جب ہوئیں جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے وصال کی نعمت سے سرفراز فرما دیا ہے۔ یہی نشانی ہے کہ قلب میں نسبت مع اللہ اور دردِ محبت حاصل ہو چکا ہے۔

اور اے اللہ! آپ نے مجھے اپنی ذاتِ عالی کے ساتھ تعلق اور نسبت عطا فرما کر اپنے جمال میں ایسا محو کر دیا کہ اب میری نظر میں یہ سارا جہان ایک خواب و خیال ہو گیا ہے۔ یعنی لفظ بدل کر یہ کہیے کہ جب خالق کے ساتھ تعلق قوی ہو گیا تو اب مخلوق کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اس لیے کہ حقیقت بھی یہ ہے کہ اس دنیا کی حقیقت محض ایک خواب و خیال کی طرح ہے اور اس کی ظاہری شکل و صورت اور اس کی چمک دمک محض ایک دھوکہ ہے جو اندر میں حقیقت ہے وہ انسان کے دنیا کے جاتے ہی فوراً سامنے آ جائے گی۔ بھلا جس شخص کو حق تعالیٰ کی

ذاتِ عالی کے ساتھ تعلق قائم ہو چکا ہے اور اُس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات کے ساتھ سما چکے ہوں تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ دنیا کی رنگ رلیاں اُسے اپنی طرف کھینچ سکیں یا اس کے گلشن اور چمن اس کے دل کو موہ سکیں بلکہ جمالِ حق تعالیٰ پر نظر پڑ جانے کے بعد ساری کائنات نظروں میں بے حیثیت و بے قیمت ہو جاتی ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مشرکینِ مکہ نے ہر قسم کی نعمت اور دولت دینے کا وعدہ دلایا اور اتنی درخواست کی کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت کو چھوڑ دیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج لا کر دو تب بھی میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ جس کو دل میں تعلق مع اللہ حاصل ہو چکا ہو پھر اس فانی اور گھٹیا دنیا کی کوئی حیثیت اُس کی نظروں میں قائم نہیں رہتی بلکہ یہ دنیا اور اس کے سارے نقشے ایک خواب و خیال لگے رہتے ہیں کہ جس طرح خیالی چیز بے اعتبار اور ناقابلِ اعتماد ہوا کرتی ہے اور خواب میں دیکھے جانے والے مناظر کا کوئی شمار اور اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی لذتیں اور راحتیں اُس کی نگاہ میں بالکل ناقابلِ اعتماد ہو جاتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آہِ بے نواں کا تحفہ اتنا قیمتی تحفہ عطا فرمایا کہ فرش سے عرش پر جا کر میری یہ آہ میرا یہ پیغام کہہ کر آتی ہے اور گویا اس میری آہِ بے نواں نے کمال کر کے رکھ دیا ہے کہ میرے درد و محبت کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈائریکٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں میرا پیام جا کر سنا دیتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک تعبیر اور ترجمان ہے اس مضمون کی کہ جو میرے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہے جب میں کہیں دریا کے کنارے اور دامنِ کوہ و صحرا میں جا کے آہ بھرتا ہوں اور اپنے مولا کی یاد میں تڑپ تڑپ کے بے قراری کے ساتھ اپنی زبان سے آہ و فغاں نکالتا ہوں تو پھر یہ ساتوں آسمانوں کو چیرتی ہوئی ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتی ہے اور اس طرح میری آہ اللہ سے ملاقات کر کے میرا پیغامِ دردِ محبت پہنچا دیتی ہے۔ اور چونکہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے غم میں مبتلا ہو گیا ہوں اس لیے میری روح تو بہت طاقتور ہے اور اس کے نشاط اور کیف و سرور کا کیا ہی عالم لیکن میرے ظاہری قویٰ اس لیے مضمحل ہو گئے کہ دلِ مبتلائے غم نے مجھے نڈھال کر دیا کیونکہ ہر وقت میں اللہ کی یاد میں تڑپتا رہتا ہوں اور اسی میں میری روح کو قرار اور اطمینان میسر آتا ہے اور میرے دل کی بہار اسی میں رکھ دی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر اولیاء اللہ بدن میں زیادہ موٹے اور فربہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہر گھڑی اپنے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور غفلت اُن کے قریب نہیں لگتی جو کہ اصل بنیاد اور جڑ ہے جسموں کے موٹا اور فربہ ہونے کی۔ چونکہ ایسے لوگ ہر لمحہ آخرت کے خوف میں ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں اس لیے ظاہری طور پر وہ مضمحل اور نڈھال نظر آتے ہیں۔ لیکن اُن کا باطن رشکِ صد حیات ہوا کرتا ہے اور اُسے ہر وقت سینکڑوں جانیں عطا ہوتی رہتی ہیں۔

پھر آخر میں حضرت والا نے انتہائی قیمتی بات ارشاد فرمائی کہ جب اختر نے دنیا میں آنکھیں کھولی تو اُسے

یہ نظر آیا کہ لوگوں کے ذوقِ طلب مختلف ہیں۔ کوئی دنیا میں رہ کر کسی عورت کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے ہوئے ہے اور ہر کوشش کے بعد اُس کے حاصل کر لینے کو اپنی آخری کامیابی کی منزل سمجھ رہا ہے۔ اور کوئی مال و دولت کی فراوانی کے لیے رات دن تگ و دو اور جدوجہد میں لگا ہوا ہے اور کسی کے پیشِ نظر سلطنت و حکومت اور منصب و عہدے حاصل کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر ہے اور بس یہی اُن کا مقصود اور مدعا ہے۔

غرض یہ کہ زمانے میں جب اختر نے آنکھیں کھولی تو یہ نظر آیا کہ لوگوں کے ذوقِ طلب الگ الگ ہیں مگر شکر ہے کہ اس اخترِ بے قرار نے اپنے اللہ سے اللہ کا سوال کر دیا۔ ہر عقلمند انسان جان سکتا ہے کہ جو اللہ ہی کو لے لے گا اور اُس کی رضا پا جائے گا تو وہ جتنے مدعا اور مقاصد دوسرے لوگوں کے ساتھ ہیں وہ سب خود بخود اُس کو حاصل ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ سارے اللہ کو پا جانے کے بعد اُس ہی کی رضا و حکم سے اپنے محبوب بندوں کے لیے خود بخود عطا فرما دیئے جاتے ہیں۔

اے ہماری کائنات دل کے خورشید و قمر

دل میں ان کی یاد کی لذت ہو اے دردِ جگر
پھر ترا کیا شام غم اور کیا تری آہ سحر

دل تو کچھ روشن نہیں ہے تم سے اے شمس و قمر
کائنات دل کے ہیں کچھ دوسرے شمس و قمر

تجھ سے روشن ہیں جہان درد کے شمس و قمر
اے امام دردِ دل اے رہبر دردِ جگر

اے خدا تجھ سے ہی روشن ہیں ہمارے رات دن
اے ہماری کائناتِ دل کے خورشید و قمر

میں نے یہ دیکھا، نہیں ملتا سکوں تیرے بغیر
گرچہ حاصل ہو مجھے کُل کائنات بحر و بر

اے خدا کیا رابطہ ہے تجھ سے ان ارواح کو
بے ترے پاتی نہیں جو چین باصد مال وزر

آسمان دل پہ ان کے غم کے تارے ہوں اگر
پھر شب تاریک میں بھی طے ہو منزل بے خطر

گر ہے جان زندگی سے دور کوئی زندگی
تلخ کردیتی ہے اختؔر تلخی شام و سحر

ارواح: روح کی جمع، اللہ والوں کی جانیں۔**باصد مال و زر**: بہت زیادہ مال و دولت کے ساتھ/ باوجود۔**تاریک**: اندھیری رات۔**بے خطر**: بغیر کسی خطرے کے۔**تلخ**: بدمزہ۔

جب دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی لذت ہو اور حق تعالیٰ کی محبت کا غم موجود ہو تو پھر کوئی شامِ غم شامِ غم نہیں ہوا کرتی بلکہ اُسے شامِ غم میں بھی وہی لطف آتا ہے جو آہِ سحر میں آتا ہے۔ کیونکہ ہر لمحہ اُس کے قلب میں تجلیاتِ الٰہیہ کا سورج روشن رہتا ہے۔ اے لوگو! یہ جو دنیا کے شمس و قمر ہیں ان سے تمہارا جسم اور ظاہری کائنات کا حصہ تو روشن ہو سکتا ہے لیکن جو ہماری دل کی کائنات ہے اُس کے شمس و قمر کچھ اور ہی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دردِ محبت حاصل ہو جائے اور نسبت مع اللہ نصیب ہو جائے۔ جس کو حضرت ان لفظوں میں فرماتے ہیں کہ جہانِ درد کے شمس و قمر امامِ دردِ دل اور رہبرِ دردِ دل سے روشن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

کیونکہ حقیقت میں ہماری کائنات دل کے خورشید و قمر حق تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ ہی سے روشن ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نسبت خاصہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ تو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمارے دل کی روشنی اور تجلی اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے تعلق سے ہے۔ ہاں دنیا کی ظاہری چیزیں اس دنیا کے آفتاب و ماہتاب سے روشن ہوتی ہیں لیکن ہمارا دل اللہ تعالیٰ کے انوار سے منور اور روشن ہوا کرتا ہے۔

اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ اگرچہ مجھے ساری کائناتِ بحر و بر بھی حاصل ہو جائے لیکن اے اللہ! آپ کے بغیر سکون نہیں ملتا۔ اور ان ارواح کو آپ کی ذاتِ عالی کے ساتھ ایسا خاص رابطہ ہے کہ صد مال و زر ہونے کے باوجود یہ ارواح چین نہیں پاتی۔ جیسا کہ یہ مضمون کتاب میں جگہ جگہ ذکر کیا ہے کہ اصل ارواح کو چین و سکون ملنا اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے ہے، کائنات کے بحر و بر کے حاصل ہو جانے سے دلوں کو قرار اور روحوں کو اطمینان میسر نہیں ہوا کرتا۔ اے لوگو! اگر تمہارے آسمانِ دل پر اللہ تعالیٰ کے غم کے تارے سجے ہوئے ہوں تو پھر تم یہ دیکھو گے کہ کیسی ہی شبِ تاریک ہو مگر تمہارا راستہ بے خطر طے ہو رہا ہو گا اور تم منزل کی طرف بڑھ رہے ہو گے۔ یعنی جب دردِ خداوندی دل میں حاصل ہو گا تو پھر ہر ناموافق حالات اور تکلیف و پریشانی کے عالَم میں بھی تم اپنی منزلِ مقصود یعنی خالق و مالک کی رضا کی طرف سے تیزی سے بڑھتے چلے جارہے ہوں گے۔

خوب غور سے سن لو! اگر جانِ زندگی سے کوئی زندگی دور ہو اور اُسے اپنے خالق و مالک کا پتہ ہی نہ ہو اور اُس کے لیے جینا اور مرنا نہ آتا ہو تو پھر شام و سحر کی تلخی اُس کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہے۔ ہر معمولی سے معمولی اور چھوٹے سے چھوٹے رنج و غم کے واقعات سے اور ناموافق حالات سے ایسا کرب اور بے چینی کے عالَم میں مبتلا ہوتا ہے کہ ہزار اسبابِ عیش ہونے کے باوجود اُس کی زندگی اُسے تلخ اور کڑوی معلوم ہونے لگتی ہے۔ وہ اس کا ہر ممکن علاج کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس کا علاج صرف ایک ہی صورت سے ممکن ہے کہ زندگی کو خالقِ زندگی پر فدا کر دو تو بڑی جلدی تم تلخیٔ شام و سحر سے نجات پا جاؤ گے۔

تلاشِ دیوانۂ حق

اختر ہمیں تو چاہیے وہ رند بادہ نوش
جس کو ہو فکر جام نہ ہو فکر ناؤ نوش

ہو جس کی موت و زندگی بس اس کے نام پر
دونوں جہاں کو کھیل گیا اس کے نام پر

جو روح چین پاتی نہ ہو اس کے غیر سے
وحشت سے بھاگی پھرتی ہو ہر ایک دیر سے

سینے میں ہو جو درد کا نشتر لیے ہوئے
صحراو چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

اللہ کہے درد سے وہ اس طرح اخترؔ
ارض و سما کی یہ فضا ہو جائے منور

یا رب تیرے عشاق سے ہو میری ملاقات
قائم ہیں جن کے واسطے یہ ارض و سماوات

جیتے ہیں جو تیرے لیے مرتے ہیں ہم وہیں
جس دل میں تو نہیں وہاں جائیں گے ہم نہیں

مل جائے جب وہ درد شناسائے محبت
پھر شوق سے کر دوں فدا گلہائے محبت

پوچھوں گا میں اس سوختہ جاں سے یہ با ادب
ہم تشنہ لبوں کو بھی پلائے گا جام کب

کچھ راز بتا مجھ کو بھی اے چاک گریباں
اے دامن تر اشک رواں زلف پریشاں

کس کے لیے دریا تیری آنکھوں سے رواں ہے
کس کے لیے پیری میں بھی تو رشک جواں ہے

کس کے لیے لب پر یہ تیرے آہ و فغاں ہے
کس برق سے اٹھتا یہ نشیمن سے دھواں ہے

ہے کس نگہ پاک کا تیرے جگر میں تیر
اک خلق ہوئی جاتی ہے جس درد کی اسیر

تیرے چمن کو کیسے اجاڑے گی یہ خزاں
جو خود ہی تیرے فیض سے ہے رشک گلستاں

میں کچھ بھی نہیں دوستو یہ سب میرے اشعار
فیض شہ عبدالغنی فیض شہ ابرار

میں داستان زخم جگر کس کو سناؤں
اخترؔ میں اپنا زخم جگر کس کو دکھاؤں

پا جاتا ہوں جب آشنائے درد جگر کو
کرتا ہوں فاش رابطۂ شمس و قمر کو

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **رندبادہ نوش**: اللہ تعالیٰ کا عاشق۔**ناؤنوش**: نغمہ سننا اور شراب پینا۔**دَیر**: بُت خانہ۔ **نشتر**: ایک آلہ جس سے زخم لگاتے ہیں۔**منور**: روشن۔**ارض و سماوات**: زمین وآسمان۔**سوختہ جاں**: عشق ومحبت کی آگ میں جلی ہوئی جان۔**باادب**: ادب کے ساتھ۔**تشنہ لبوں**: پیاسے ہونٹ۔**دامنِ تر**: جس کا دامن آنسوؤں سے تر ہو۔ **اشکِ رواں**: جس کی آنکھوں سے انسو جاری ہوں۔**زلفِ پریشاں**: جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔ **پیری**: بڑھاپا۔ **برق**: بجلی۔**نگہ**: نظر۔**اسیر**: قیدی، عاشق۔**اجاڑے**: اجاڑنا یعنی برباد کرنا۔**عبدالغنی**: حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا دامت برکاتہم کے شیخ اوّل تھے۔**فاش**: ظاہر۔

ہم جنس، ہم جنس کی طرف مائل ہوا کرتا ہے

اخترؔ ہمیں تو چاہیے وہ رند بادہ نوش
جس کو ہو فکر جام نہ ہو فکر ناؤ نوش

مشہور مقولہ ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس جو جیسا ہوگا اس کا میلان ورجحان بھی ویسوں ہی کی طرف ہوا کرتا ہے ۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز بباز

تو جو دنیا دار اور دنیا کا عاشق ہے اس کا میلان ورجحان دنیا داروں کی طرف ہوتا ہے جہاں دنیا کے حصول کی باتیں ہو رہی ہوں اور اس کی عظمتیں اور اس کے فائدے اور دنیا کے عیش وعشرت کے تذکرے ہو رہے ہوں اور اگر اس

کے خلاف دوسری باتیں شروع کر دو تو پھر وہ اکتا کر وہاں سے ہٹنے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جب ہم طالب علم تھے تو بعض طلبہ جو کرکٹ کے شوقین تھے بڑی لمبی لمبی باتیں کرکٹ کے موضوع پر کرتے اور بڑی دلچسپی سے دیر تک ان کی محفلیں گرم رہا کرتی تھیں لیکن احقر کو کبھی اگر بیٹھنا ہوا تو طبیعت پر بڑا بوجھ اور بھاری پن محسوس ہونے لگتا تھا کیونکہ بحمد اللہ اس سے کوئی مناسبت نہ تھی اور نہ آج تک مناسبت ہوئی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

بس بالکل یہی حال ان اللہ والوں کا ہے کہ جو اپنے سینے میں حق تعالیٰ کی محبت رکھتے ہیں اور وہ لوگ کہ جو اپنے مولیٰ کی معرفت وقرب کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں اور ان کی کوششوں میں سب سے زیادہ اہم اور قیمتی کوشش کسی اللہ والے کی ملاقات اور اس کی مجالست ومصاحبت ہے اور ان کے ساتھ ربط وضبط وتعلق اور اس کی محبت ہے اور یہ وصول الی اللہ کے حصول میں اکسیر ہے اور اس کا نفع قرآن وسنت سے ثابت ہے جیسا کہ احقر دوسرے بعض مقامات پر اس موضوع پر آیات واحادیث ذکر کر چکا ہے اور رند بادہ نوش سے مراد اللہ تعالیٰ کا سچا عاشق ہے تو جو اللہ کا سچا عاشق ہوگا اسے اللہ کی معرفت ومحبت کی فکر ہوگی لیکن اس کے قلب ودماغ پر کھانے پینے کی فکریں سوار نہیں ہوتی اور حضرت نے اپنے کلام میں فکرِ نا ؤ نوش کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

کیونکہ بقدرِ ضرورت وحاجت کسب دنیا نہ منع ہے اور نہ اللہ کی دوستی ومعرفت کے خلاف ہے لیکن ہر وقت اس کی فکر اور اس کا دھن اور دھیان یہ بالکل غلط ہے اور یہ حقیقی بندگی اور تقاضاء ایمان کے خلاف ہے اور اسلاف کرام کی عادت کے خلاف ہے بلکہ ہمارے اکابر واسلاف کا زیادہ تر یہ معمول رہا ہے کہ اپنی فکروں کو چھوڑ کر ایک آخرت کی فکر کو اپنا فکر وغم بنایا تو پھر اللہ تعالیٰ نے باقی فکروں کی طرف سے خود ان کی کفالت فرمائی جیسا کہ احادیث و آیات میں بکثرت اس نوع کے وعدے ہیں۔

تو حضرت والا دامت برکاتہم اس شعر کے اندر یہی مضمون بیان فرمارہے ہیں کہ ہم تو ایسے اللہ کے عشاق کی تلاش میں ہیں کہ جو دنیوی مشاغل میں انہماک نہ رکھتا ہو اور زیادہ دنیا کے تنعّمات اور عیش وعشرت سے مانوس نہ ہو بلکہ وہ خدا کا ہی دیوانہ اور عاشق ہو اور اس کو اس اللہ کی محبت وعظمت کی باتوں میں مزہ آتا ہو اور شب وروز اس کا شغل ومشغلہ بس اللہ اللہ ہو اس کی ساری فکروں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی رضاء وقرب کے اردگرد ہو۔ اور جس عمل کی طلب وجستجو اور تمنا حضرت اس شعر میں پیش فرمارہے ہیں احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی فضیلت کا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب اور پسند ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت والا کی اس تمنا کو پورا فرمالیا ہے اور دعا کو قبول کرلیا ہے کہ ہر آن چوبیس گھنٹے اللہ کے عاشقوں کا مجمع عظیم حضرت والا کے اردگرد جمع رہتا ہے اور اگرچہ ان میں بظاہر دولت و ثروت والے لوگ بھی ہوتے ہیں مگر وہ سب اس طرح کے لوگ ہوتے ہیں کے ان کے دل ودماغ پر کسی طرح کی

مال و دولت کی فکر سوار نہیں ہوتی ہے بلکہ اپنے اللہ کی رضا کے طالب اور خواہاں ہوتے ہیں اور اس کی عظمت و محبت کے تذکروں میں ہر وقت مست اور فرحاں وشاداں رہتے ہیں اور خود ایسے ہی لوگوں میں حضرت میر صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں کہ جو دنیوی کاموں سے بالکل خالی اور افکار جہاں سے بالکل آزاد ہیں اور صرف اسی نشر محبت الٰہی کے کام میں وقف ہیں۔

دونوں جہاں فدا ان کے نام پر

ہو جس کی موت و زندگی بس اس کے نام پر
دونوں جہاں کو کھیل گیا اس کے نام پر

وہ ایسا عاشق مولیٰ ہو کہ جو جیتا ہو تو صرف حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کا ہر قول و فعل ہو اللہ کی رضا کے لیے گویا وہ اسی لیے جیتا ہو کہ ہر قدم پر خون آرزو پی کر مولیٰ کو راضی کروں نہ دنیا کی کسی شئی کی کوئی قیمت نگاہوں میں ہو اور نہ آخرت میں بجز موت کے کوئی اور تمنا ہو، جب تک جینا اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو اسے جینا پسند ہے اور جب خدا کے حکم پر مرنے کی باری آئے تو اپنی جان لے کر میدان میں پیش پیش ہو اس کی خوشی و غم دونوں باری تعالیٰ کے لیے ہو، جو خوشی حلال و جائز ہے اس میں وہ خوشی محسوس کرتا ہو اور جو غم خدا کی راہ کا غم ہے اس کو وہ اپنا توشۂ آخرت اور خزانۂ حیات سمجھتا ہو۔

غرض مختصر یہ کہ اس کا جینا اور مرنا بس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور بغور اگر آپ یہ دیکھیں تو جو بات حضرت والا نے اس شعر میں فرمائی ہے وہ خلاصہ ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کا اور وہی پکار ہے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ نے فرمایا کہ **ان صلا تی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین** کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی ایمان کامل اور اخلاص کامل کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو پیش نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہان کا ایک رب ہے میں اس کا بندہ اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں میرا قلب و دماغ، آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پیر قلم اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھنا چاہیے یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل و دماغ میں مستحضر کرے تو صحیح معنیٰ میں انسان اور کامل انسان ہو جائے اور گناہ و معصیت اور جرائم کا اس کے آس پاس بھی گزر نہ ہو تفسیر درمنثور میں اس آیت کے تحت میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفۂ زندگی بنالے۔

مؤمن کی روح کو بس اللہ کے ذکر سے قرار ملتا ہے

جو روح چین پاتی نہ ہو اس کے غیر سے
وحشت سے بھاگی پھرتی ہو ہر ایک دیر سے

ایسا خدا کا عاشق ہو کہ جسے بغیر خدا کے ذکر کے چین نہ ملتا ہو صرف اللہ کی اطاعت وعبادت اور بندگی میں اس کا دل لگتا ہو اور غیروں کے تذکروں سے وحشت ہو اگر قرآن کریم کی تلاوت ہو نماز و ذکر وغیرہ کے اعمال ہوں تو اس کی طبیعت لگتی ہو ورنہ اس کا جی گھبراتا ہو حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن صادق کے قلب کا حال اصل طور پر یہی ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرے مشاغل میں مصروف بھی ہو تب بھی اس کا دل ہر وقت اپنے مولیٰ کی یاد میں مگن رہتا ہے اور اس کے لیے ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل ہونا گویا کہ یہ اس کے لیے مثل موت کے ہوتا ہے اور حسن مجازی کے نمونے اور دولت وثروت کے نقشے اور عہدوں منصبوں کی لالچ، اس کے لیے بالکل بے سود ثابت ہوتی ہیں۔

عیش وعشرت کے تذکرے اور دنیا کے حسین اور حسیناؤں کی باتیں اس کے لیے باعث تسکین قلب وجگر ہونے کے بجائے الجھن و پریشانی اور بے چینی واضطرابی میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہوں اور وہ بالکل اس شعر کا مصداق ہوتا ہے کہ ؎

اے خدا کیا رابطہ ہے تجھ سے ان ارواح کو
بے تیرے پاتی نہیں جو چین باصد مال و زر
میں نے یہ دکھا نہیں ملتا سکوں تیرے بغیر
گرچہ حاصل ہو مجھے کل کائنات بحر و بر

یہ وہ لوگ ہیں کہ جو قرآنی اصطلاح میں نسبت اولیاء صدیقین کے حامل کہلاتے یا سابقین بالخیرات کہلاتے ہیں۔ بہر حال مجاہدات اور ریاضتوں اور قربانیوں کی بدولت ان کے قلب وجگر کا حال بالکل مثل آئینہ کے ہوتا ہے اس لیے غفلت کا ذرا سا بھی عکس اگر پڑ جائے تو ان کو بڑا دشوار اور بھاری نظر آتا ہے یہ پاکیزہ ارواح ہیں گندگی کے کیڑے کی طرح نہیں ہے کہ جو اسی کو اپنا سب متاع حیات سمجھے ہوتا ہے دنیا کے ہزار مشغلوں میں لگنا چاہے اور بارہا تجربہ کرے کبھی تجارت و ملازمت میں کبھی کارخانوں اور فیکٹریوں میں اور کسی دوسرے میدانوں میں مگر اس کے اندر سینہ میں جو خدا کی محبت میں تڑپنے والا دل ہے اور جو اس کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت ہے وہ اسے کہیں بھی چین نہ لینے دیتی ہو، بازاروں، مارکیٹوں مختلف مجلسوں اور بڑے بڑے کھیل اور سیر وتفریح کی جگہوں اور بڑے بڑے سیاحیت کے پارکوں اور میدانوں میں ان کا دل نہیں لگتا ہے بلکہ ان کو الجھن ہوتی ہے اور جیسے ہی مسجد کا رخ

کرتا ہے یا اہل اللہ کی مجالس کا تو اس کے چہرہ پر چمک اور رونق محسوس ہونی لگتی ہے اور اس کا دل باغ باغ ہونے لگتا ہے جیسا کہ وہ کوئی قیمتی سامان کھوئے ہوئے تھا اور اب وہ اس کو مل چکا ہے اور جیسے وہ اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ چکا ہے۔

سینہ میں درد کا نشتر اور صحراء و چمن دونوں مضطر

سینے میں ہو جو درد کا نشتر لیے ہوئے
صحراو چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندہ مومن کو اسکی قربانیوں اور مجاہدات کے ساتھ ساتھ اس کے ایمان میں ترقی اور جلا عطا فرماتے رہتے ہیں اور اس کا دل اس کے مطابق روشن اور منور ہوتا جاتا ہے اور اس کی چمک اور تابش کبھی اتنی شدید ہوتی ہے کہ آس پاس بیٹھنے والے ہیں وہ ان کو حق تعالیٰ کی محبت سے گرم اور روشن و منور کر دیتا ہے اور یہ دل جب خون آرزو اور حرام خواہشات سے بچنے کا غم اٹھا کر درد محبت خداوندی سے آشنا ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل درد آشنا کو ایسی صلاحیت عطا فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے دلوں کو بھی اس درد محبت سے آشنا کر دیتا ہے اور اس دل کے اندر بھرے ہوئے غیر اللہ کے مواد اور پیپ کو اور زہریلے مادے کو اس پر نشتر لگا کر اور اسے چیر کر اس سے سب کچھ نکال کر صاف شفاف کر دیتا ہے اور گویا اس کے قلب کا روحانی آپریشن ہوتا ہے اور اس آپریشن کے ذریعہ اس کی دل کی تطہیر و تغسیل کا کام کیا جاتا ہے اور جہاں وہ دیوانہ بیٹھ جاتا ہے۔ خواہ وہ صحرا و جنگل ہو اور یا شہر و بستی اور کوہسار و چمن ہو خواہ وہ بے سہارا و بے کس لوگ ہوں یا ہر طرح سے سیراب اور دنیا کی نعمتوں سے مالا مال لوگ ہوں سب کو اس درد سے آشنا کر دیتا ہے اور اللہ کی محبت کے نشہ سے سب کو مست کر دیتا ہے اسی لیے یہ اہل دل اہل اللہ اور صدیقین اپنے سیدھے سادھے بیانات اور تقریروں اور بس ایک ایک جملوں میں ایسی تاثیر رکھتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ان کے دل سے سارا گندا مواد مثل آپریشن کے صاف ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ یاد رکھئے کہ اگر سینہ خالی ہو ہزار لفاظی کیے جائیں لیکن اس کی تاثیر دلوں پر پوری نہیں ہو پاتی ہے اور اس سے زندگیوں میں انقلاب پیدا نہیں ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اس کو یوں مثال سے سمجھایا ہے کہ جیسے آئنہ کی دو قسم ہوتی ہے ایک تو آئینہ وہ ہوتا ہے کہ اگر اسے سورج کے سامنے کر کے کسی جگہ کی طرف اس کا رخ کیا جائے تو وہ اس جگہ کو اور اس شئی کو روشن و منور کر دیتا ہے اور دوسرا ایک آئینہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اسے سورج کی روشنی میں ذرا دیر تک رکھا جائے اور پھر کیس چیز پر اس کی لائٹ اور روشنی ڈالی جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ اس کو روشن و منور کرتا ہے بلکہ اسے جلا کر رکھ دیتا ہے اور اس کے اندر آگ لگ کر اس سے دھواں نکلنا شروع ہو جاتا ہے تو اسی طرح کچھ خاصان خدا اپنے سینوں میں ایسے دل رکھتے ہیں کہ جب ان دلوں پر اللہ کی محبت کے انوار پڑتے

ہیں تو وہ اسقدر روشن وتاباں ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں بھی اللہ کی محبت کی آگ لگا دیتے ہیں اور ان کو محبت الٰہی سے گرما دیتے ہیں۔

یہ اللہ کے خاص بندے بڑی کم تعداد میں ہوتے ہیں مگر ضرور موجود ہوتے ہیں اگر کوئی یہ کہتا ہو کہ اب ایسے لوگ کہاں ہیں تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ احادیث صریحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے لوگ قیام قیامت تک ضرور موجود رہیں گے ہاں ان کو ڈھونڈنا اور اللہ سے ان کی ملاقات کو مانگنا چاہیے اور یہ لوگ ظاہری شان وشوکت والے اور دولت وثروت والے عالی شان بلڈنگوں اور محلوں والے نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ بظاہر سیدھے سادے اور جنگلوں اور بستیوں میں رہنے والے ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں خدا کی محبت کی ایسی شدید گرمی ہوتی ہے اور ان کی زبانوں پر ایسا نعرہ محبت خداوندی ہوتا ہے کہ جو صحرا وچمن دونوں کو اپنی تاثیر سخن سے تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔

ذکر اللہ سے ساری زمین وآسمان کی فضاء انوار سے بھر جاتی ہے

اللہ کہے درد سے وہ اس طرح اختر
ارض و سما کی یہ فضا ہو جائے منور

حقیقت یہ ہے کہ اس پوری کائنات کے اندر اللہ کے نام سے بڑی کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور جب انسان دل کے زنگ کو دور کر کے اور گناہوں اور حرام سے بچکر صفائی قلب کے ساتھ خدا کے نام کو لیتا ہے اور عظمت و محبت کے ساتھ خاص درد بھرے انداز سے جب اللہ اللہ کرتا ہے تو یہ پوری فضا منور وروشن ہو کر رہ جاتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو پھر اس کے ذکر سے یہ آسمان وزمین کے درمیان کی فضا بھر جاتی ہے۔ جیسا کہ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ''الحمد للہ'' مؤمن میزانِ عمل کو بھر دیتی ہے اور ''سبحان اللہ والحمد للہ'' دونوں کلمے زمین وآسمان کی درمیانی فضا کو بھر دیتے ہیں۔

﴿عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَايِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا﴾

(صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء)

یادِ الٰہی کی یہ تاثیر ہے کہ اندھیروں کو اجالے سے بدلتی ہے اور ظلمتوں اور تاریکیوں کو روشنی سے بدلتی ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ اور جتنا زیادہ درد دل سے اللہ کو پکارا جاتا ہے اتنی ہی اس کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت والا دامت برکاتہم کے ایک وعظ میں ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ ہی اسم

اعظم ہے بشرطیکہ تم اس کو اس طرح کہو کہ کہتے وقت تمہارے قلب میں غیر اللہ کا گزر نہ ہو چنانچہ پھر ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کے کوئی شخص سمندر میں گر گیا اور فوراً ایسے درد بھرے انداز سے اللہ کہا کہ بس اسی وقت وہ کسی چیز سے اٹک کر رہ گیا اور پانی میں بہنے سے بچ گیا اور نہ ڈوبا۔

اس پر ایک بات بڑی ضروری عرض کرنی ہے کہ اللہ کے نام کو جتنی عظمت و یقین اور جتنی امید و رجاء کے ساتھ لیا جائے گا بس اتنی ہی زیادہ اسکی تاثیر ہوگی اور اس درد سے اللہ کے نام لینے کا مزہ اور اس کی مٹھاس اور لذت چھپی معلوم ہوتی ہے جبکہ انسان نے کچھ دنوں اہل درد کی صحبت اٹھائی ہو آخر کیا بات ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اللہ کو پکار کر سمندروں میں گھوڑوں کو دوڑاتے تھے تو سمندر ان کے مطیع ہو جاتے تھے اور اس کے اندر ایسے راستے بنتے چلے جاتے تھے کہ ان میں جیسے پانی کبھی تھا ہی نہیں اور درندے شیر و ہاتھی ان کے مطیع ہو جاتے تھے اور اپنی جملہ حاجات میں جیسے ہی اللہ کو پکارتے تھے تو اس کے بعد ان کی کوئی مشکل مشکل نہ رہتی تھی اس لیے وہ لوگ اپنی پوری دنیا اور اس کے خزانوں کو اللہ کے حکم پر فوراً بلا تاخیر قربان کر دیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی جملہ حاجات و مصائب مشکلات کا حل صرف اللہ کو پکارنے میں سمجھا تھا اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جو درحقیقت ہر مومن کی زندگی کا حال ہونا چاہیے اور یہی کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کی حقیقت اور مطالبہ اور اس کا نچوڑ و خلاصہ ہے اور یہ ایک ایسی نفس الامری حقیقت ہے کہ جو کلمہ والے کو غیر کلمہ والے کے جملہ شعبہ ہائے حیات میں بالکل الگ اور ممتاز کر دیتی ہے۔

آج ہمارے اندر چونکہ یہ حقیقت پورے طور پر سرایت کیے ہوئے نہیں ہے اس لیے آج کا مسلمان نام میں تو ان سے ممتاز و الگ ہے مگر شب و روز کے کاموں اور معاملات میں بالکل ان ہی کی طرح دکھائی دیتا ہے اور کسی چیز میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے اور اس سے خدا کی بندگی کا ظہور یا اس کے محمدی ہونے کے آثار بالکل نمایاں نظر نہیں آتے ہیں بلکہ معاملات ہوں یا معاشرت و اخلاقیات سب چیزوں میں غیروں کی غلامی اور اطاعت نظر آتی ہے

عشاق حق کی تلاش دراصل حق ہی کی تلاش ہے

یا رب تیرے عشاق سے ہو میری ملاقات
قائم ہیں جن کے واسطے یہ ارض و سماوات

یہ حضرت والا کی بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اے اللہ مجھے اپنے عاشقوں سے ملاقات کی توفیق عطا فرما اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے کہ جس کے لیے با قائدہ دعا مانگی جاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں یہ دعا مانگی ہے کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ اے اللہ! مجھے اپنی اور اپنے عاشقوں کی محبت عطا فرما دیجئے۔ اور خود قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں یہ مضمون جو ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾

(سورة الكهف، اية: ۲۸)

تو حضرت نبی علیہ الصلاۃ والسلام اپنے گھر سے نکل کر ان لوگوں سے ملنے کے لیے گئے اور ان کو مسجد میں پایا اور پھر ان سے پوچھا آگے یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے، اور اگلے مصرعہ میں حضرت والا نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ درحقیقت اس نظامِ عالم کی بقاء ان ایمان والوں کے وجود پر ہے اور جب اس دنیا سے یہ ایمان والے ختم ہو جائیں گے تو پھر یہ سارا نظام شمس وقمر اور بحر و بر درھم برھم ہو کر رہ جائے گا اور کائنات عالم کی وہ آخری حد ہوگی اور اس دنیا کی زندگی کا اخیر دن ہوگا اور حقیقی عشق صحیح ایمان کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے سچے عاشق وہ پکے مسلمان و مومن لوگ ہی ہوتے ہیں۔

حضرت والا کی دعا قبول معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت خود مشائخ اہلِ حق خاصانِ خدا اور عشاق الٰہی میں سے ہیں اور پھر ماشاء اللہ مریدین و متعلقین کی ایک بڑی تعداد خود بھی ایسی ہے کہ جو اپنے اپنے مقام اور زمانہ کے لحاظ سے وہاں کے بڑے بڑے اہلِ حق اور خاص مشائخ میں سے شمار ہوتے ہیں اور حضرت کو یہ عشاق ملے ہوئے ہیں۔

اس لیے روایت میں یہ مضمون موجود ہے کہ جب تک اس زمین میں ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود رہے گا تو اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی:

﴿أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَالَ فِى الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ﴾

(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب ذهاب الايمان في اخر الزمان، ج: ۱، ص: ۸۴)

تو اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اس زمین و آسمان کے پورے نظام کی بقاء و مدار ایمان ہے اور یہی ایمان ارض و سماوات اور شمس و قمر کے اس مشاہدِ نظام کے لیے در پردہ سہارے کے مانند ہے جس دن یہ سہارا ختم ہو جائے گا تو اس دنیا کی گاڑی اس وقت چلنی بند ہو جائے گی۔

اور اس سے ضمنی طور پر یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ ایک مومن کے ایمان کی قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں کیا کچھ ہے، اس لیے خواہ کوئی بظاہر کیسا ہی حال والا ہو اس پر تحقیر کی نظر قطعاً حرام ہے اور جب یہ نظام ارض و سماوات ٹوٹے گا اور درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہوگی تو اس وقت اس دنیا مین ایسی بدترین قوم آباد ہوگی اور ان کے اعمال اتنے بدترین اور گندے ہوں گے کہ روایت میں آیا ہے کہ وہ اس دنیا میں گدھوں کی طرح دھینگا مستی کرتے پھر رہے ہوں گے، بے حیائی اور زناء ان کے درمیان کثرت سے ہوگا اور جس سے زنا کر رہا ہے تو نہ ماں کی تمیز اور پرواہ ہوگی اور نہ بیٹی بہن کی نہایت بدترین لوگ ہوں گے اور انہیں پر پھر قیامت قائم ہو جائے گی۔ مزید قیامت کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ روایت میں بھی ہے:

﴿عَنْ عَیَّاشِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَخْرُجُ رِیْحٌ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ تُقْبَضُ فِیْهَا اَرْوَاحُ کُلِّ مُؤْمِنٍ﴾

(مسند احمد، باب حدیث عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسی ہوا چلے گی جس میں ہر مؤمن کی روح قبض کر لی جائے گی، اور پھر یہ ایسے بدترین لوگ رہیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے وقت پر بسلامت و عافیت ایمان کامل کے ساتھ دنیا سے اٹھائے اور اپنے پاس بلالے۔

جیتے ہیں جو تیرے لیے مرتے ہیں ہم وہیں
جس دل میں تو نہیں وہاں جائیں گے ہم نہیں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ تیری توفیق اور تیرے فضل و کرم سے میرے تمام تعلقات اور محبتوں کا معاملہ صرف تیری ذات کے لیے ہے اور جہاں مجھے تو نہیں ملتا ہے بلکہ وہاں تیرا غیر ہے اور دنیا کی چیزیں ہیں اور اس کے تذکرے ہیں تو میں ایسی جگہوں میں جانا اور رہنا پسند نہیں کرتا ہوں کیونکہ میرا تعلق و عدم تعلق اور میری محبت و عداوت سب تیرے لیے ہے اور یہی چیز حدیث پاک میں کمال ایمان کی نشانی قرار دی گئی ہے چنانچہ روایت میں مضمون ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ﴾

(سنن أبي داود، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه)

چاروں چیزوں میں بیچ میں للہ ہے یعنی جو بھی کچھ ہے صرف اللہ کے لیے ہے تو حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں سے ملنا پسند کرتا ہوں اور ان کے پاس جانا اور رہنا پسند کرتا ہوں کہ جو اے اللہ آپ کے اوپر اپنی جان نچھاور کرنے والے ہیں اور جو آپ پر قربان ہیں تو ہم بھی ان پر قربان ہیں کیونکہ ان پر قربان ہونے سے ان کی خدمتوں اور صحبتوں سے ہمیں آپ مل جاتے ہیں اسی لیے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں سے ملنے کا حکم ہوا تھا ان کا خاص وصف قرآن میں مذکور ہے کہ'' یریدون وجهه ''یعنی وہ صرف اللہ کی رضاء کے طالب ہیں ان کا جینا صرف رضاء الٰہی کے لیے ہے اور اپنے دل کی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کرتے ہیں اور مولیٰ کو راضی کرتے ہیں اور دوسروں کو یہی فن سکھاتے ہیں یہ وہ ربانی اور صحبت یافتہ لوگ ہیں کہ جن کی صحبتوں اور مجلسوں سے انسان انسان بنتا ہے اور خدا کی صحیح معرفت نصیب ہوتی ہے۔

تو اس شعر میں حضرت والا نے یہ ہدایت دی ہے کہ اے لوگو اپنے مرشد و شیخ اور مربی دینی سے اس میل جول اور ہلکا پھلکا تعلق نہ رکھو اور اس پر اکتفاء نہ کرو کہ کبھی کبھار مل گئے اور بس دعا کرالی اور کچھ دیر بیٹھ گئے بلکہ در

حقیقت ان سے ایسا تعلق ہونا چاہیے کہ ان پر اپنی جان و مال فدا کر دو جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا سب کچھ لٹا دیا اور قربان کر دیا اور پھر صحبت کی برکت سے اللہ کو پا گئے۔ اسی مضمون کو حضرت والا نے ایک مقام پر دوسرے شعر میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ ؎

سکون دل گر ملا تو اختؔر مجھے تو بس اہل دل کے در پر
تو ان کے درد کو میں اپنا مسکن صمیم دل سے نہ کیوں بناؤں

یعنی حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب کوئی واقعی صاحب دل اللہ والا اللہ کا ولی مجھے مل جائے تو اس پر میں اپنا جذبہ محبت نثار کر دوں اور یعنی اس سے بھرپور محبت کروں کیونکہ اس کی محبت درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کھاتے میں لکھتے ہیں یعنی یہ اللہ والوں کی محبت چونکہ اس کی بنیاد خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے تو اس لیے اللہ تعالیٰ اس عمل کو عظیم شمار فرما کر اس پر اجر عظیم عنایت فرماتے ہیں چنانچہ اس محبت کی بنیاد پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خصوصی عرش کا سایہ اور خاص نور عطا فرمائیں گے اور ایسے مقامات کہ جن پر انبیاء و شہداء بھی رشک کریں گے جیسا کہ یہ سب مضامین روایات میں موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ والوں سے محبت تڑپ اور تلاش اللہ تعالیٰ انہیں دلوں میں پیدا فرماتے ہیں کہ جن کو اپنی طرف جذب فرما کر اپنا بنانا ہوتا ہے یعنی گویا کہ یہ اس کی ایک نشانی ہے اور محبت خداوندی کے حصول کی ایک علامت ہے۔

ساقیا جام الفت پلا دے

پوچھوں گا میں اس سوختہ جاں سے یہ با ادب
ہم تشنہ لبوں کو بھی پلائے گا جام کب

یعنی اللہ والے صاحب نسبت جو اپنے دل و جان کی ساری آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر کے ایک اللہ کی ذات عالی کو راضی کر کے سوختہ جان بنے ہوئے ہیں تو ایسے صاحب نسبت سے جب ملاقات ہوگی تو پھر درخواست پیش کروں گا کہ ہمارے ہونٹ بھی اس شراب محبت کو پینے کے لیے شدت سے پیاسے ہیں کہ جسے پی کر دنیا کے سارے عیش و عشرت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے اور ہر گھڑی اللہ پر ایسا فدا ہونا نصیب ہوتا ہے کہ اہل دنیا بے ہوش و مدہوش اور پاگل ہونے کے فتویٰ لگانے لگتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انسان پیاس میں ٹھنڈے پانی کے لیے متلاشی ہوتا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ شدت کے ساتھ انسان کو اللہ کی محبت کے لیے متلاشی ہونا چاہیے اور پیاسا ہونا چاہیے کیونکہ اس پانی سے انسان کا جسمانی نظام سیرابی حاصل کرتا ہے اور اس محبت خداوندی کی شراب سے انسان روحانی طور پر سیراب اور مست ہو جاتا ہے اور روح اصل ہے اور باقی رہنے والی ہے اور جسم فنا و ختم ہو کر گل سڑ جانے والا ہے اور یہ شراب

محبت ان سے ملے گی جن کے پاس خود موجود ہو۔

راز چاک دامانی واشک روانی

کچھ راز بتا مجھ کو بھی اے چاک گریبان
اے دامن تر اشک رواں زلف پریشان

اس شعر میں اس اللہ والے کی کچھ ایسی صفات کا ذکر ہے کہ جو درحقیقت حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری نوراللہ مرقدہ کی حیاتِ طیبہ ہی میں مشاہدہ کی تھی کہ ان کا گریبان چاک رہتا تھا اور آنکھوں سے خوفِ خداوندی کیوجہ سے آنسوؤں کا دریا رواں رہتا تھا جس سے ان کا دامن بھی تر رہتا تھا اور ظاہری زیب وزینت سے چونکہ دل مس نہ تھا ان کے بال بھی پراگندہ اور بکھرے رہتے تھے اور یہ اولیاء اللہ کی شئون مختلفہ اور الوان متنوعہ میں سے ایک شان اور ایک لون ہے درحقیقت بات یہ ہے کہ جب انسان اندر سے بھرا ہوتا ہے تو پھر اسے ظاہری زیب وزینت اور ٹیپ ٹاپ کی خواہش نہیں ہوتی ہے اور نہ وہ اسکو پسند کرتا ہے اور نہ وہ اس کا متمنی ہوتا ہے۔

اس ذاتِ عالی صفات سے حضرت والا درخواست پیش کر رہے ہیں کہ کچھ اسرارِ محبت خداوندی ہمارے اوپر بھی کھول دیں کیونکہ ظاہر ہے مٹھائی والے کی تلاش مٹھائی کے لیے، گوشت والے کی تلاش گوشت کے لیے اور سبزی والے کی تلاش سبزی کے لیے اور دودھ والے کی تلاش دودھ کے لیے ہی ہوا کرتی ہے تو اللہ والے کی تلاش بالکل ظاہری بات ہے کہ اللہ کے لیے ہوگی۔

تو اس شعر میں ہم لوگ ایک طرف حضرت والا کی تڑپ اور طلب بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت اللہ کو پانے کے لیے اللہ والوں کی تلاش وجستجو میں کس قدر بے تاب ہیں اور اپنی بے تابی کو شوقِ ملاقات ودیوانہ حق کو مختلف اندازوں اور عنوانوں سے ذکر فرما رہے ہیں۔

اور دوسری طرف ہمیں یہ سبق بھی دے رہے ہیں کہ اللہ والوں سے کس نیت سے ملنا چاہیے اور کس چیز کی درخواست ان کے سامنے رکھنی چاہیے اور ان کے سامنے کس خزانے کے حصول کی تمنا ظاہر کرنی چاہیے، نہ یہ کہ اس نیت سے بزرگوں سے ملا جائے کہ کوئی بات تجارتی کام اٹکا ہوا ہے وہ دعا کرا کر حل کرا دیا جائے نوکری وملازمت مل جائے اس لیے دعا کرانی ہے یا کوئی برکت اور تعویذ کی نیت پیشِ نظر ہے تو درحقیقت یہ چیزیں اللہ والوں سے مل کر اور ان سے تعلق کر کے خود بخود حاصل ہوتی رہتی ہیں لیکن اصل پیشِ نظر یہ ہونا چاہیے کہ اللہ والوں سے اللہ کو حاصل کیا جائے اور جس طرح انہوں نے اللہ کی محبت کو اپنے بڑوں سے سیکھا ہے تو ان سے وہ محبت سیکھی جائے کیونکہ درحقیقت سب سے بڑا قیمتی خزانہ اس روئے زمین کا یہی محبت خداوندی اور معرفتِ الٰہی ہے اور جس دل میں یہ چیز

حاصل ہو وہ دل خدا کا پسندیدہ و چہیتا ہے اور ایسے ہی دل والوں کو قرآن نے قلب منیب وقلب سلیم سے تعبیر فرمایا ہے کہ جن کو کل قیامت کے دن جنت میں داخلہ کا اعلان سنایا جائے گا۔

اور یہ حقیقت ہے اور تجربہ و مشاہدہ ہے کے اہل اللہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اس طرز و انداز سے دین پر لے کر چلتے ہیں کہ وہ ان کو بڑا آسان اور لذیذ معلوم ہونے لگتا ہے اور اللہ کی معرفت و محبت کا حصول آسان ہو جاتا ہے جیسے ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ آج کے دور کا جو وبائی مرض اور عام پھیلا ہوا خطرناک گناہ ہے یعنی بدنظری اور شہوت رانی کا مرض اس سے خاص طور پر بچا جائے اور جملہ گناہوں سے بچو بس یہ کام کرلو اور مولیٰ کو اپنے دل میں پالو چنانچہ اس نسخہ پر عمل کر کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ولی اللہ بن چکی ہے یہی اسرار محبت خداوندی ہے جو اہل اللہ سے حاصل کیے جاتے ہیں اور پھر یہ راستہ نہ صرف آسان بلکہ لذیز اور لذیز ترین بن جاتا ہے۔

اللہ والے پیری میں بھی رشک جوانی ہوتے ہیں

کس کے لیے دریا تیری آنکھوں سے رواں ہے
کس کے لیے پیری میں بھی تو رشک جواں ہے
کس کے لیے لب پر یہ تیرے آہ و فغاں ہے
کس برق سے اٹھتا یہ نشیمن سے دھواں ہے
ہے کس نگہ پاک کا تیرے جگر میں تیر
اک خلق ہوئی جاتی ہے جس درد کی اسیر

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ان اشعار میں کچھ ایسے اوصاف ذکر فرما رہے ہیں کہ جو بالعموم تمام اولیا اللہ میں مشترکہ صفات ہیں اور بالخصوص حضرت کے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری ان اشعار کے پورے مصداق تھے اور ان کا حال یہی تھا کہ ہر وقت بات بات اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور خوف وخشیت میں آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہتا رہتا تھا بالخصوص حضرت کی آہ سحر گاہی بڑی درد بھری اور پرتاثیر ہوتی تھی چنانچہ ہمارے حضرت والا کا بیان ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد قرآن کی تلاوت کرتے تھے آہ بھرتے تھے اور فرماتے یا ربی مجھے معاف کر دینا اور فرمایا حضرت والا نے کہ وہ منظر آج بھی یاد آتا ہے تو دل تڑپنے لگتا ہے۔

اور درحقیقت اس رونے کو دریا سے تعبیر کرنا یہ تعبیر اگر غور سے دیکھیں تو اس میں ایک تو یہ راز ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر دعا میں مانگا ''**عینین هطالتین** ''یعنی ایسی آنکھیں کہ جیسے موسلا دھار بارش برستی ہے اس طرح خوب خوب کثرت سے موسلا دھار بارش برسانے والی ہو اور اس نقطہ نظر سے بھی اگر

دیکھیں کہ جو بندہ مومن خدا کے خوف سے روتا ہے تو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ میں خدا کی یاد میں اتنا روتا کہ اگر میرے پاس دریا کے برابر بھی آنسو ہوتے تو میں ان آنسوؤں کو خشک کر دیتا۔ جیسا کہ حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو یوں تعبیر فرمایا کہ ؎

اے دریغا اشک من دریا بدے

اے کاش کہ میرے آنسو دریا ہوتے تو اس تمنا کے لحاظ سے جتنے بھی آنسو ہوں ان کو دریا سے تعبیر کر سکتے ہیں جیسا کہ کفار و مشرکین کی ابدی سزاء کے متعلق یہ سوال کہ جب کہ انہوں نے ساٹھ سال مثلاً شرک کیا ہے تو بس ان کو صرف ساٹھ سال جہنم کی سزا ہونی چاہیے اس سے زیادہ...... تو اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ چونکہ ان کی تمنا یہ تھی کہ اگر اور مزید زندہ رہتے تو ساری عمر قیامت تک اور ابدی ہمیشہ تک شرک کرتے تو اس تمنا کی وجہ سے ان کے لیے ابدی سزا جہنم تجویز ہوئی ہے۔

اور پھر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے اشارہ مبالغہ اور کثرت آہ وزاری کو بیان کرنا ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین اور اسلاف امت کے متعلق کتابوں میں موجود ہے جس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی ہے ان کی اہلیہ کا جو بیان کہ جب گھر میں آتے تو سجدہ میں گر جاتے اور روتے تڑپتے یہاں تک کہ نیند آجاتی اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو پھر اس طرح روتے رہتے تھے اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں ایک بزرگ تھے جو اسقدر کثرت سے روتے تھے کہ لوگ ان کے علاقہ میں ان کو بکائی مولانا کہتے تھے جن کا نام حضرت مولانا فقیر محمد تھا ایسا خوف خدا کا حال غالب تھا کہ کھاتے پیتے اور اٹھتے بیٹھتے ان کی آنکھوں سے آنسو کا دریا جاری رہتا تھا۔

اسلام کی حقانیت کا ایک انوکھا پہلو

اور یہ اہل اللہ ہر لحاظ سے پیری اور بڑھاپے میں رشک جواں ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے جسم پر وہ تازگی اور رونق عطا فرماتے ہیں اور ان کے چہرہ پر ایسی انوار کی بارش ہوتی رہتی کہ کتنے ہی جوان اس تازگی اور رونق سے بالکل محروم رہتے ہیں اور وہ قوت ونشاط جو اہل اللہ کو حاصل رہتا ہے اس سے وہ بالکل خالی ہوتے ہیں۔

اسی طرح اعمال واشغال کے لحاظ سے بھی اہل اللہ اپنی پیرانہ سالی میں بھی جس قدر مجاہدات و ریاضات اور عبادات واشغال کرتے ہیں یہ دوسرے لوگ جوانی میں بھی اس طرح نہیں کر پاتے ہیں تو اس پہلو سے بھی یہ اہل اللہ ہم جیسے جوان کہلانے والوں کے لیے قابل رشک ہے کہ وہ آہ سحر گاہی اور وہ معمولات و وظائف کی پابندی اور طاعات کا اہتمام والتزام جس طرز پر قائم رکھتے ہیں عام جوانوں سے بھی ممکن نہیں ہو پاتا ہے جیسا کہ اس نوع کے

قصے اور واقعات حضرات اکابر رحمہم اللہ کے بیشمار ہیں کہ وہ اپنی ضعیف العمری میں بھی معمولات کے کس قدر پابند تھے اور خود احقر کبھی کبھی اس پہلو سے بھی اسلام کی صداقت وحقانیت پر غور کرتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ خاصان خدا بندے اور عُبّاد و زُھّاد اولیاء اللہ بڑی بڑی عمروں میں کس قدر چست اور چاق و چوبند اور ان کے قوی اور دل ودماغ اور حافظہ و یادداشت ایسی برقرار رہتی ہے جیسے جوانوں کی بھی نہیں رہتی ہے۔

چنانچہ آپ بغور حضرت والا کو دیکھیں اور پھر ایسے کسی آدمی کو جو ایک عام انسان ہو اور حضرت کی عمر کی طرح عمر رسیدہ ہو اور پھر مزید یہ کہ حضرت والا برسوں سے فالج زدہ ہیں لیکن آپ کو دونوں کے درمیان نشاط اور سکون واطمینان اور تبسم ومسکراہٹ میں بہت بڑا فرق محسوس ہوگا اس لیے ان حالات کا باقی رہنا اور ان سب چیزوں کا صحیح سالم موجود رہنا اس پہلو سے میں اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں اور حضرت والا نے اپنی آنکھوں سے ایک مدت دراز تک یہ منظر دیکھا کہ ہے حضرت کے شیخ شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کی زبان پر ہروقت کس طرح آہ وفغاں رہتی تھی اور ہر گھڑی اپنی اداؤں سے اور اخلاق وعادات سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ کس ذات پاک کی بندگی میں ڈوبے ہوتے ہیں اور ان کی رضا کی فکر اور ناراضگی کا ڈر اور خوف دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے۔

جس کے آثار زبان پر آہ وفغاں سے ظاہر ہوتے رہتے تھے کیونکہ درحقیقت یہ ظاہری اعضائے بدن دل میں گزرنے والے حالات و واردات کے مظاہر ہیں اگر دل میں دنیا کی محبت ہے اور اس کا شوق ہے اور اس کی عظمت و بڑائی اتری ہوئی ہے تو زبان ہروقت اس میں مشغول اور اعضائے بدن سے ہروقت اس میں مصروف رہنا نظر آئے گا اور اگر دل میں اللہ ہے تو پھر ہر گھڑی عنوان بعنوان بہانہ بہانہ سے اسی کا تذکرہ ہوگا۔

اور خاصان خدا کی بات تو بڑی عجیب ہوتی ہے کہ ان کے دل میں محبت خداوندی شدید ہوتی ہے اور جیسے انجن سے اسٹیم نکلتی ہے اسی طرح ان کے قلب سے آہ وفغاں کی شکل میں اور ''یارب یارب'' کی شکل میں وہ دل کی اسٹیم باہر آتی ہے اور یہی ترجمانی کرتی ہے کہ اس سینے میں کوئی جلا بھنا دل ہے کہ جس سے یہ دھواں نکل رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ یہاں عشق کی آگ موجود ہے جیسا کہ دنیا کا دھواں دنیوی آگ کی دلیل ہوتا ہے اور پھر ان لوگوں کے قلوب مزکیٰ ومجلیٰ ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ اپنی خاص تجلیات کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان حضرات کی صحبت میں ایسی تاثیر رکھ دیتے ہیں اور تقریر و بیان میں ایسی جاذبیت رکھ دیتے ہیں کہ جدھر اور جس طرف کو یہ لوگ رخ کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جسے دیکھو ان کی محبت کا قیدی ہوا چلا جاتا ہے اور ہر سلیم دل اور شریف طبیعت رکھنے والا انسان ان اللہ والوں کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور خود بخود منجانب اللہ اپنے دل میں سے ان سے ایک انس ولگاؤ محسوس کرتا ہے۔

درحقیقت یہ اس موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا اثر ہوتا ہے کہ سارے عالم کے حسین وجمیل مناظر اور

خوبصورتی کہ جس کی طرف انسان فطرتی طور پر مائل نظر آتا ہے ان سب میں کشش رکھنے والی ذات جب خود کسی کے قلب میں سمائی ہوئی ہو تو پھر اس قلب کی اور قلب والے کی کشش کا کیا عالم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اہل اللہ کوئی لمبی چوڑی تقریر اور وعظ و بیان نہ کریں مگر لوگ تب بھی جوق در جوق ان کی طرف چلے جاتے ہیں اور ان کے شیدائی نظر آتے ہیں اور ان سے لوگوں کو ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اپنی جان و مال سب قربان کرنے کے لیے تیار دکھائی دیتے ہیں تو حضرت والا اسی مضمون کو اس انداز سے پیش فرما رہے ہیں کہ ؎

ہے کس نگہ پاک کا تیرے جگر میں تیر
اک خلق ہوئی جاتی ہے جس درد کی اثیر

اگر آپ واقعی خوشبودار عطر لیے ہوئے ہوں تو بلا ارادہ تمام اہل مجلس اس سے لطف اندوز ہو کر رہتے ہیں اور اچھی خوشبو ہو تو خود پھیل کر اپنے شیدائی اور چاہنے والے بنا لیتی ہے اور اس کے لیے تقریر و بیان کی بھی حاجت نہیں ہوتی ہے بس یہی حال صحیح اہل دل اہل اللہ کے قلب کی خوشبو کا ہے۔

ہماری خزاں بھی رشکِ گلستاں ہے

تیرے چمن کو کیسے اجاڑے گی یہ خزاں
جو خود ہی تیرے فیض سے ہے رشکِ گلستاں

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا یہ شعر در حقیقت اللہ والوں کو حاصل ہونے والی حیات طیبہ اور بالطف زندگی کا ترجمان ہے جو دراصل اللہ کی محبت و معرفت کا سبب ہوتی ہے اور ان کے قلب و جان میں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے پھولوں کا گلشن سجا ہوتا ہے اور اس کی بہار آتی رہتی ہے اور یہ ایسی بہار ہوتی ہے کہ جسے خزاں نہیں ہے یعنی رات ہو یا دن صبح ہو یا شام خوشی ہو یا غمی راحت ہو یا رنج ہر حال میں آپ دیکھیں گے کہ اللہ والوں پر ایسی اطمینانی کیفیت چھائی رہتی ہے اور وہ ایسے مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے والا یہی گمان کرتا ہے کہ یہ شاید بڑی دولت وخزانوں والے ہیں حالانکہ وہ اس مادی دولت وخزانہ سے عاری اور خالی ہوتے ہیں مگر اصل خزانہ یعنی اللہ سے تعلق اور محبت ان کے دلوں میں موجود ہوتی ہے اور وہ ایسی غیر محدود نعمت خداوندی ہے، کہ جس کو کبھی خزاں نہیں ہے حتیٰ کہ احقر یہ عرض کر سکتا ہے کہ ان کا سونا بھی ایسا پرسکون ہوتا ہے کہ جو عام دنیاداروں کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اگر ان اولیاء اللہ پر کبھی ظاہری حالات پریشانیاں اور تکالیف بھی آجائیں اور بظاہر اہل دنیا بھی ان کا ساتھ نہ دیں اور وہ حق پر تن تنہا کھڑے رہ جائیں اور معاشی تنگی و پریشانی کا بھی سامنا ہو کھانے پینے، رہنے سہنے کے مسائل بھی درپیش ہوں مگر ان حالات میں بھی ان کا دل ویسے ہی باغ و بہار رہتا ہے کیونکہ جس ذات سے وہ جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے قلب کا راستہ جس ہستی سے قائم ہوتا ہے وہ ذات ازل اور غیر فانی ہے اور بہر حال اس کو

چین وسکون اوراطمینان فراہم کرتی ہے اوراس کے ہوتے ہوئے بےسکونی کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا ہے۔

بھلا جس جگہ کسی پورے ملک کا وزیراعظم اورصدرکسی کا دوست ہوتو اگر چہ وہ ان ظاہری حالات میں گھر جائے مگراس کادوست کیسے یہ گوارا کرے گا کہ وہ پریشان اور ذلیل وخوار ہواوراللہ کی دوستی کی شان ان دنیوی صدرو وزراء سے بہت ہی بلند اوراونچی ہے اوراس کی شان عجیب ہے اورخدا تعالیٰ اپنی ذات پاک سے ایسا تعلق ورابطہ اور اپنے اوپرایسے ہی اعتماداور بھروسے کوپسند فرماتا ہے اس لیے آپ پوری دنیامیں اوردنیا کے خطے اورکونہ کونہ میں گھوم پھرکر کے دیکھ لیں تو آپ کو یہ پتہ چل جائے گا کہ پوری دنیا کے سارے اللہ والے کیسے قلبی سکون وراحت سے زندگی بسر کررہے ہیں خواہ ان کی ظاہری حالت کچھ بھی ہواورکیسی بھی ہواوردنیا کی ظاہری دولت وثروت میں ڈوبے ہوئے لوگ ان بےسروسامان اولیاءاللہ کی حالت لطیفہ وعجیبہ پررشک کرتے ہوئے نظرآئیں گےتو بظاہر یہ خزاں رشک گلستاں بنی ہوتی ہے تو پھرایسی خزاں اس اہل دل کے چمن کوکیسے اجاڑ سکے گی۔

میرے دوستو! یہ درحقیقت لکھے جانے والے الفاظ ہیں ورنہ ان کے حقائق وہی جانتے اورسمجھتے ہیں کہ جو ان کیفیات وحالات کا مزہ چکھے ہوئے ہیں اوردریائے معرفت خداوندی میں غوطہ زن ہیں۔

رہ گئی بات کہ اگرکوئی اللہ والا، اللہ والا ہی نہ رہے اورکوئی ولی اللہ ولی اللہ ہی نہ رہے تو پھرتو یہ الگ بات ہے پھرتواس کا چمن خزاں آشنا ہوگا اوراجڑ جائے گا لیکن عادتا ایسا ہوتا نہیں، یعنی سنت اللہ یہی ہے کہ جسے وہ اپنا بناتے ہیں اورجس کے سرپرتاج ولایت سجاتے ہیں اور جسے اپنی دوستی اورمعرفت وقرب کے لیے منتخب کرتے ہیں اور جسے یہ شاہی تحفہ عطا فرماتے ہیں تو پھراس سے واپس نہیں لیتے ہیں کیونکہ وعلیم وخبیر ہے۔اور عالم الغیب ہے اور وہ لائق ونالائق کو جانتا ہے اسی لیے یادرکھئے کہ شیطان کبھی بھی باری تعالیٰ کا دوست نہ تھا اوران کی بارگاہ کا مقرب نہ تھا بلکہ علم الٰہی کے اعتبار سے وہ شروع ہی سے مردود تھا، توحق تعالیٰ جسے اپنا بناتے ہیں تو پھراسے مردودنہیں کرتے ہیں اوراس سے یہ شاہی تحفہ واپس نہیں لیاجاتا ہے اوراس کو اصطلاح میں یوں تعبیرکرتے ہیں کہ حق تعالیٰ اسے خصوصی حفاظت عطا فرماتے ہیں اور وہ مقام محفوظیت میں ہوتا ہے جس کی دلیل مجدد تھانوی نوراللہ مرقدہ نے التکشف میں ایک حدیث ذکرفرمائی ہے اوراس سے حفاظت اولیاء کے مسئلہ پراستدلال پیش کیا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف کے اس حصے "فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به" کےتحت فرماتے ہیں مسئلہ محفوظیت اولیاءمشہور ہے کہ انبیاءمعصوم ہوتے ہیں اوراولیاءمحفوظ ہوتے ہیں "کنت سمعه" کی جوترجمہ میں لکھی گئی ہے،اس کے اعتبار سے حدیث اس کا اثبات کرتی ہے۔(التکشف، صفحہ:۳۷۱)

ورنہ جولوگ گناہوں میں مرادیں پاتے رہتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں اوران کواس کا احساس ہوتا ہے اور نہ کوئی ڈروخوف ہوتا ہے توسمجھ لوکہ یہ استدراج ہے جو باری تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین سزا ہے اور جوایسے

لوگوں کو دی جاتی ہے کہ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے اور اُن کو ان کا حصہ دنیا ہی میں دے دیا گیا۔ جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے:

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ قُلْتُ ادْعُ اللهَ یَارَسُوْلَ اللهِ اَنْ یُّوَسِّعَ عَلٰی اُمَّتِکَ فَقَدْ وَسَّعَ عَلٰی فَارِسٍ وَالرُّوْمِ وَهُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ اللهَ فَاسْتَوٰی جَالِسًا وَّقَالَ فِیْ شَکٍّ اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَیِّبَاتُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾

(شعب الایمان للبیهقی، باب فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت)

خلاصۂ روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ آپ کی اُمت پر وسعت اور کشادگی کا معاملہ فرمائیں، جیسا کہ فارس وروم پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کا معاملہ کیا ہے، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر سیدھے بیٹھ گئے اور حضرت عمر کو خطاب کرکے فرمایا کہ اے ابن الخطاب! کیا تم کسی شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے اُن کے طیبات اور لذت وعیش کی چیزیں اسی دنیوی زندگی میں پیشگی دے دی گئی ہیں اور آخرت میں اُن کو کچھ ملنے والا نہیں ہے، بلکہ آخرت میں اُن کو یوں کہہ دیا جائے گا: **اذهبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا فاستمتعتم بها (الایة)** کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں اُڑا لیے اور وہاں لطف اُٹھا لیے آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی، تمہارے اُن بُرے اعمالوں کے بدلے جو تم نے دنیا میں رہ کر کیے ہیں۔

میں کچھ بھی نہیں دوستو یہ سب میرے اشعار
فیض شہ عبدالغنی فیض شہ ابرار

یہ اللہ والوں کی خاص پہچان اور نشانی ہے کہ ان کی نظر اپنے کمالات ومحاسن پر نہیں پڑتی ہے اور نہ وہ اپنے کو کسی قابل سمجھتے ہیں بلکہ ہمیشہ دوسروں سے اپنے کو کمتر و بے مایہ سمجھتے ہیں اس لیے حضرت والا اکثر اپنی نظموں میں یہ مضمون بار بار دھراتے رہتے ہیں کہ میرے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ سب برکات وفیض میرے مشائخ اور بزرگان دین کی برکت سے ان کی صحبتوں اور خدمتوں کی برکتوں سے یہ اشعار لکھ دیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں ورنہ میری صلاحیت اور لیاقت اس درجہ کی کہاں ہے کہ میں اشعار کہوں اور اللہ کی محبت ومعرفت کو پیش کروں۔

میں داستانِ زخمِ جگر کس کو سناؤں
اختر میں اپنا زخمِ جگر کس کو دکھاؤں

حضرت والا جس داستان دردِ جگر کو ذکر فرمارہے ہیں یہ درحقیقت راہ خداوندی میں پیش آنے والا دردِ جگر ہے اور اس کی داستان ہے اور یہ زخم محبت الٰہی کا زخم ہے اور یہ تمنا وسوال کی صورت میں بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ یا

اللہ مجھے کچھ ایسے لوگ دے دیجئے کہ جن کے سامنے میں تیری محبت کے درد کو پیش کر کے ان کو بھی درد والا بناؤں۔

پا جاتا ہوں جب آشنائے درد جگر کو
کرتا ہوں فاش رابطۂ شمس و قمر کو

اس شعر کی تشریح خود کتاب کے اندر لکھی ہوئی ہے کہ شمس کے نور سے قمر منور ہوتا ہے بشرطیکہ زمین درمیان سے ہٹ جائے ورنہ جس قدر زمین حائل ہوتی ہے اسی قدر چاند بے نور رہتا ہے یہ حیلولت اگر کامل طور پر ختم ہوتی ہے تو چاند چودھویں تاریخ کا بدر کامل ہوتا ہے اور اگر یہ حیلولت کلی طور پر حائل ہو تو چاند بالکل بے نور ہو جاتا ہے اسی طرح آفتاب قربِ حق اور قلب کے درمیان نفس کی زمین حائل ہے جو سالک اپنے نفس کو بالکل مٹا دیتا ہے اس کے دل کا چاند اللہ تعالیٰ کے نور سے بالکل منور ہو جاتا ہے اور جس کا نفس جس قدر مائل رہتا ہے اسی قدر دل بے نور رہتا ہے۔

حفاظتِ نظر

بے پردہ حسینوں سے ہوا تنگ زمانہ
آنکھوں نے شروع کردیا اب دل کو ستانا
ممکن نہیں صورت میں نہ ہو کوئی تغیر
بے کار ہے پھر ان سے ترا دل کا لگانا
لیکن اگر آنکھوں کو نہ تو ان سے بچائے
ممکن نہیں پھر دل کا ترے ان سے بچانا
آنکھوں کی حفاظت میں ہے اس دل کا سکوں بھی
گو نفس کرے تجھ سے کوئی اور بہانا
دھوکہ ہے تجھے لطف حسینوں سے ملے گا
ابلیس کے کہنے سے کبھی اس پہ نہ جانا
پاگل کی طرح پھرتے ہیں عشاق مجازی
بے چین ہیں دن رات یہ بدنام زمانہ
رہنا ہے اگر چین سے سن لو یہ مری بات
آنکھوں کو حسینوں کی نظر سے نہ ملانا
اخترؔ کی یہ اِک بات نصیحت کی سنو تم
ان مردہ حسینوں سے کبھی دل نہ لگانا

تغیر: تبدیلی۔ابلیس: شیطان۔

اس نظم کے تمام اشعار میں نظر وقلب کو حسینوں سے بچانے کے متعلق حضرت والا نے خاص نصیحت فرمائی ہے جو اس کتاب کا ایسا مضمون ہے کہ ایک یا دو جگہ نہیں بلکہ بہت سی جگہوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے اختصار کے ساتھ اشعار کی تشریح پیش کی جاتی ہے کہ آج کل زمانے کے حالات اور واقعات ایسے سامنے آرہے ہیں کہ یہ حسن پرستی کا فتنہ ایک وبائی بیماری کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس لیے جدھر بھی انسان نکلتا ہے تو حسین اور حسیناؤں کی شکلیں پھیلی ہوئی ہیں اور بے حیائی اور بے شرمی کے عجیب مناظر ہر طرف موجود ہیں لہٰذا اگر دل کو بچانا چاہتے ہو تو اپنی آنکھوں کو محفوظ رکھو ورنہ جب آنکھیں ان کو دیکھیں گی تو خود بخود دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوگا اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب ان شکلوں میں تغیر ہونے والا ہے اور یہ ایسا رنگ وروپ اختیار کرلیں گی پھر ان کی طرف دیکھ کر بھی تمہیں شرم آئے گی تو پھر ان سے دل لگانا کس قدر بے کار اور حماقت و بے وقوفی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں صرف آنکھوں سے دیکھ کر مزہ لینا چاہتا ہوں اور نہ دل میں بے چینی پیدا ہونے دوں گا اور نہ اس سے آگے بڑھنے کی کوئی کوشش کروں گا مگر یہ اس شخص کی انتہائی درجے کی نادانی اور کم فہمی ہے کہ کوئی شخص اپنی مملکت وحکومت کے بارڈر اور سرحد کو تو دُشمن سے نہ بچائے اور پھر وہ یہ سوچتا رہے کہ میں اپنے کیپٹل (Capital) اور راجدھانی کو دُشمن سے بچالوں گا تو یہ کبھی بھی ممکن نہیں لہٰذا اگر تم دل کو بچانا چاہتے ہو تو اپنی آنکھوں کو اِن سے بچالو۔ تبھی یہ بات ممکن ہوگی کہ تمہارا دل محفوظ رہے اور تمہاری شرمگاہ بھی گندے عمل سے بچ جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے طہارتِ قلب اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس پر پھر جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ خود دل کا چین وسکون اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی حفاظت میں رکھا ہے۔ جو لوگ آنکھوں کی حفاظت نہیں کرتے وہ دل سے بھی پُرسکون نہیں رہ سکتے۔ اگرچہ نفس یہ بہانا کرتا ہے کہ اِن کو دیکھنے سے تمہیں سکون ملے گا لیکن حقیقت ہے کہ یہ آگ پر پیٹرول چھڑکنے کے مترادف ہے اس سے آگ بجھنے کے بجائے اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا نفس کے بہکانے میں نہ آؤ بلکہ نگاہ بچا کر دل کا سکون حاصل کرو۔ حسینوں سے کبھی لطف وسکون نہیں مل سکتا۔ یہ سب ابلیس شیطان کی چال ہے، تم اس کے کہنے پر مت آؤ وہ تمہارا دُشمن ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ان حسینوں کے عشق میں پھنسا کر مجنوں و پاگل کردے اور تم بدنامِ زمانہ ہوکر پاگلوں کی طرح بے چین اور پریشان پھرتے رہو۔

بس اگر چین سے رہنا چاہتے ہو تو میری یہ نصیحت سن لو! آنکھوں کو حسینوں کی نظروں سے کبھی نہ ملاؤ اور اختر کی اہم نصیحت یاد رکھو کہ کبھی بھی ان مردہ حسینوں سے دل لگانے کی حماقت نہ کرنا، ورنہ تمہارا دین اور ایمان سب کچھ چلا جانے کا خطرہ اور اندیشہ ہے۔ جیسا کہ ایسے واقعات ہر دن کثرت سے سامنے آرہے ہیں کہ کسی عیسائی اور ہندو اور دوسرے مذہب کی لڑکی سے محبت ہوجانے کے بعد اپنا مذہب چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس طرح ارتداد کی زد میں آکر ہمیشہ کی جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے۔

انسانیت کا اپنی وہ پرچم جلا گئے

هم جنس پرستی سے جو لذت اُڑا گئے — انسانیت کا اپنی وہ پرچم جلا گئے
رُسوا ہوئے ہیں فاعل و مفعول آن میں — دونوں حیا کے اپنے جنازے اُٹھا گئے
ہرگز ملاسکیں گے نہ آنکھیں تمام عُمر — آپس میں شرم کے جو وہ پردے ہٹا گئے
دھوکہ یہ تھا کہ حق محبت ادا کریں — نفرت کا بیج تادم آکر جما گئے
سمجھے تھے جس نظر کو اساس حیاتِ دل — کیوں اس نظر سے آج وہ نظریں بچا گئے
کیا کم ہے دوستو یہی لعنت مجاز کی — پہچاننے کے بعد بھی آنکھیں چرا گئے
یہ عشق کی صورت میں تقاضے تھے فسق کے — دونوں کو ایک پَل میں جو رُسوا بنا گئے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **ھم جنس پرستی**: مرد کا مرد کے ساتھ منہ کالا کرنا، بدکاری کرنا۔ **رُسوا**: ذلیل۔ **فاعل**: بدکاری کرنے والا۔ **مفعول**: جس کے ساتھ بدکاری کی جائے۔ **آن میں**: ایک لمحے میں۔ **حیا**: شرم۔ **تمام عُمر**: ساری زندگی۔ **تادم آخر**: آخری لمحے تک، موت تک۔ **اساس**: بنیاد۔ **چُرا گئے**: کترا جانا۔ **فسق**: گناہ۔

اس نظم کا اشعار بھی اسی حسن پرستی کے مضمون پر مشتمل ہیں، مگر اس میں حضرت والا نے خاص طور پر کسی لڑکے کا لڑکے کے ساتھ عشق ہوجانے کے بعد ہم جنس پرستی کے حرام اور گھناؤنے بدترین جرم کا شکار ہوجانے پر ذلت ورسوائی کا جو سامنا کرنا پڑتا ہے اُس طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان ہم جنس پرستی کی لذت اُڑانے میں لگا ہوا ہے سمجھو کہ اُس نے اپنی انسانیت کا پرچم جلا دیا ہے اور وہ حدودِ انسانیت سے بڑھ کر جانوروں جیسی گھناؤنی حرکت پر اُتر آیا ہے۔ جب اُن کا یہ راز فاش ہوتا ہے تو آن ہی آن میں فاعل ومفعول دونوں رسوا اور ذلیل ہوجاتے ہیں اور حیا اور شرم کے جنازے کندھوں پر اُٹھا کر دفن کر چکے ہوتے ہیں۔

آگے بڑھ کر یہ سن لیجئے کہ اگر راز فاش نہ بھی ہو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذاب خود اُن پر مسلط ہوتا ہے کہ وہ تمام عمر آپس میں آنکھیں نہیں ملا سکتے کیونکہ انہوں نے ایسی بے حیائی اور بے شرمی کا کام کیا ہے کہ شرم کے پردے چاک کر ڈالے۔ اس لیے آپس میں بھی ایک دوسرے کی نگاہ میں ذلیل وخوار ہوجاتے ہیں۔ بظاہر شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا تھا کہ آؤ ہم اس غلط حرکت کے ذریعے محبت کا حق ادا کریں لیکن حقیقت میں وہ نفرت کا بیج اخیر لمحۂ حیات کے لیے دونوں کے دلوں میں ڈال جاتا ہے۔ جس نظر کو حیاتِ دل کی اساس و بنیاد سمجھے تھے اور اس میں ظاہری نفس کو لطف اور مزہ آنے کی وجہ سے تم اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا سرمایہ سمجھتے تھے، آخر آج کیا ہوا کہ اُس کی نظروں سے نظر کیوں بچا رہے ہو؟

میرے دوستو! کیا عشقِ مجازی کی یہی لعنت کوئی کم ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں تو آنکھیں

چرا کر بوجہ ذلت ورسوائی کے ایک دوسرے سے کترا جاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ عشق کی صورت میں فسق کے تقاضے تھے جن کوانہوں نے پورا کر کے ایک پل میں ذلت ورسوائی کا ہارا پنے گلے میں پہن لیا ہے۔ اور تاعمر اس ذلت ورسوائی سے خود اپنے درمیان نادم و پشیمان رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت وعذاب کا مستحق ہونا یہ اس نامناسب عمل کی کوئی معمولی سزا ہے۔ اس کی تفصیل اگر پڑھنا ہوتو ہم نے ماقبل میں قومِ لوط پر آنے والے عذاب کی تفصیل بیان کی ہے وہاں پڑھ کر دیکھئے۔

ایک دن پوچھے گا مالک ہاں بتا کیا کیا کیا؟

زندگی بھر کوفتہ بریانیاں کھایا کیا
خاک تن میں خاک رنگیں اس طرح لایا کیا

عمر کو مت خاک کر غفلت سے رنگیں خاک پر
ایک دن پوچھے گا مالک ہاں بتا کیا کیا

بس وہی محفوظ رہتا ہے گناہوں سے سدا
اپنی رحمت کا خدا نے جس پہ بھی سایہ کیا

حُسن جب فانی ہوا تو پھر کہاں جائے گا تُو
رات دن تو جن بتوں کا آہ گُن گایا کیا

روزِ محشر اُن گنہگاروں کی بھی ہوگی نجات
اشکباری سے گناہوں پر جو پچھتایا کیا

ہائے یہ انجامِ بدظالم تر عشق مجاز
عمر بھر آپس میں دل پھر کیسا شرمایا کیا

جس نے بھی اختؔر کیا اُن پر فدا دونوں جہاں
ہر نفس وہ حاصلِ دونوں جہاں پایا کیا

خاک: ضائع۔ **گُن گایا**: تعریف کرنا۔

اس نظم کے اکثر اشعار بھی انہی ناجائز محبتوں اور حرام تعلقات میں پڑکر زندگی گزارنے والوں سے متعلق ہیں۔ اے وہ لوگو! جنہوں نے زندگی بھر آپسی دوستیوں اور تعلقات میں خوب کوفتہ بریانیاں اور مرغ وکباب اُڑائے اور اس خاکی بدن کو متنوع اقسام کے کھانے کھا کر ایک خاص انداز سے رنگین خاک کر دیا، تیری زندگی اس لیے نہیں ہے کہ تو غفلت میں پڑکر کسی رنگین خاک پر اسے خاک کر دے کیونکہ ایک دن تیرا مالک تجھ سے یہ سوال کرے گا کہ

بتا! میں نے جو زندگی دی تھی اُسے تو نے کہاں استعمال کیا؟ چنانچہ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے:

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ ادَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ اَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ﴾

(مسند الصحابة في الكتب التسعة، باب مسند عبد الله بن الخطاب)

کہ انسان کے قدم اللہ تعالیٰ کے پاس سے قیامت کے دن اُس وقت تک نہیں ہٹیں گے کہ جب تک وہ پانچ چیزوں کے سوال کا جواب نہ دے دے۔ (۱) اُس کی عمر کے متعلق کہ اس نے اسے کہاں خرچ کیا؟ (۲) خاص اس کی جوانی کے بارے میں کہ اُس نے اس کو کس چیز میں لگا کر پُرانا کردیا؟ (۳) اس کے مال کے متعلق کہ اس نے کہاں سے کمایا؟ اور (۴) کہاں خرچ کیا؟ (۵) جو علم اس کو حاصل ہوا اس پر اس نے کیا عمل کیا؟ اس لیے دنیا میں ہر شخص کو اپنی زندگی کے ہر ہر دن کا حساب دینا ہے لہٰذا سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہیے کہ کہیں کوئی لمحہ اللہ کی ناراضگی پر خرچ نہ ہوجائے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے گناہوں سے وہی محفوظ رہتا ہے جس پر حق تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔ اس لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مانگتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بالسوء بے شک نفس بُرائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے مگر میرے رب کے رحم فرمانے کے وقت۔ گویا جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو وہ پھر نفس کی سواری بننے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ میں ایسے کام نہ کروں جو اللہ تعالیٰ کی لعنت کے موجب وسبب ہوتے ہیں۔ جیسے نظر بازی ہے، سود ہے، رشوت ہے اور دوسرے بہت سے گناہ ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہ کر محفوظ رہے۔

آگے حضرت والا خاص طور پر پھیلے ہوئے گناہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حسن جب فانی ہے تو پھر حسینوں کو دل دے کر ان بتوں کے چکر میں مت پڑ اور رات دن اُن کے گن گانا چھوڑ دے۔ ورنہ جب حسن جاتا رہے تو پھر تو کہاں جائے گا؟ لہٰذا ایسی غلطی مت کر۔ اور اگر تجھ سے ایسی غلطی ہوگئی اور کوئی گناہ ہوچکا ہے تو اشکِ باری سے گناہوں پر پچھتانے والی صفت کو اختیار کر اور نادم وشرمندہ ہوکر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے۔ اس لیے کہ روزِ محشر جس طرح کاملین کی نجات ہوگی، اسی طرح تائبین کی بھی نجات ہوگی۔ اگرچہ انہوں نے گناہ تو کیے لیکن اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی۔ جس کی حقیقت یہی ہے کہ دل سے اُس پر ندامت ہو اور فوری طور پر اُس کو چھوڑ دیا جائے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔

ہائے افسوس! اُس شخص پر کہ جو عشقِ مجاز میں پڑا رہا اور اُس کا انجامِ بد یہ ہوا کہ اب وہ ظالم عمر بھر آپس میں

دل میں ایک دوسرے سے شرمارہے ہیں کیونکہ وہ تو عشق تھا ہی نہیں بلکہ فسق تھا۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے سے اپنے حرام فعل پر شرم اور ندامت ہورہی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ پر اپنا سب کچھ قربان کردیا اور دونوں جہان بھی حق تعالیٰ پر فدا کرنے کو تیار ہوگئے تو پھر انہیں ہر سانس حاصلِ دونوں جہان میسر آ گیا اور وہ دولت و نعمت جو حاصلِ دو جہان ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کی دولت ہے، اُس کے مل جانے کے بعد دو جہان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اے چشم اشک بار ترا ہے عجب بیاں

غم کے بغیر معرفت ہوتی نہیں عیاں
جیسے سیاہ پُتلی سے روشن ہے یہ جہاں

مشکل تھا دردِ عشق کا لفظوں میں ہو بیاں
اے آہ تیرا شکریہ تو خود ہے ترجماں

تو نے ہی راز کہہ دیا اے چشم خوں فشاں
ورنہ تھا مدتوں سے مرا دردِ دل نہاں

اے چشم اشکبار ترا ہے عجب بیاں
جیسے تجھے نہیں ہے کوئی حاجت زباں

تجھ کو ہومبارک تری رفعت اے آسماں
ہوں مجھ کو مبارک مری سجدہ کی پستیاں

مدت سے دل نے آہ چھپایا تھا رازِ آہ
اے آہ تو نے فاش کیا راز بے بیاں

اختؔر اسی ویراں میں ہے نسبت کا خزانہ
جس نے گرادیں اپنی تمنا کی بستیاں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **معرفت:** اللہ تعالیٰ کی پہچان۔ **سیاہ:** کالی۔ **پُتلی:** آنکھ کی سیاہی۔ **ترجماں:** شارح۔ **خوں فشاں:** خون برسانے والی۔ **مدتوں:** بہت زیادہ عرصے سے۔ **حاجت:** ضرورت۔ **رفعت:** عزت، بلندی۔ **پستیاں:** ذلت۔ **فاش:** ظاہر۔ **بے بیاں:** غیر واضح۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کے غم اُٹھائے بغیر حق تعالیٰ کی حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور نگاہِ بصیرت جب ہی کھلتی ہے جب اُس کے راستے کے غموں کو اُٹھایا جائے۔ بظاہر یہ بات کچھ متضاد معلوم ہوتی ہے کہ غم سے خوشی کا

حاصل ہونا کیسے ممکن ہے؟ یا غموں سے جو کہ بظاہر تاریکی لیے ہوئے ہوتے ہیں معرفت کا حاصل ہو جانا کیسے ممکن ہے لیکن اس کا جواب اگلے مصرع سے حضرت نے دے دیا کہ انسان کی نگاہ کے اندر جو سیاہ پُتلی رکھی ہے اسی سے اُسے یہ سارا جہان نظر آتا ہے اور اس کی آنکھ کی روشنی اسی سیاہ پُتلی سے قائم اور باقی ہے۔ تو بظاہر تاریکی سے روشنی کا وجود ہو رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ کے غموں میں خوشی پنہاں ہوتی ہے۔ اور جب تک وہ غم نہ اُٹھائے جائیں تو بصیرت کی نگاہ روشن نہیں ہوتی۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ بات بہت مشکل تھی کہ دل میں حاصل ہونے والے دردِ عشقِ خداوندی کو لفظوں میں بیان کیا جا سکے، اس لیے کہ لغت حقیقی معنی بیان کر سکتی تھی لیکن صحیح کیفیت کی ترجمانی اُس کے ذریعے ممکن نہ تھی۔ لیکن یہ جو حق تعالیٰ نے آہ عطا فرمائی ہے یہ ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ اس سے بہت حد تک دل کی صحیح کیفیت کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جیسے کسی کے ظاہری جسم پر چوٹ آنے سے جب آہیں نکلتی ہیں تو سامنے والے کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے اس کے جسم پر کہیں تکلیف ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب اللہ والا آہیں نکالتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا زخم لگ چکا ہے اور اس کا دل غمِ محبتِ خداوندی سے گھائل ہے۔ تو اس کا کچھ احساس اور اندازہ لگا لیا جاتا ہے۔ گو کہ حقیقت کا پتہ پھر بھی ممکن نہیں۔ اور اسی طرح میرے دردِ دل کی ترجمانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے آہ وفغاں کے ساتھ ساتھ مجھے چشمِ خوں فشاں بھی عطا فرما دی ہے جو میرے رازِ دردِ دل کو بیان کرنے والی ہے کیونکہ اندر میں اگر محبتِ خداوندی کے دریا میں جوش اور اُبال نہ آ جائے تو پھر آنکھوں سے آنسو بھی نہ نکلیں گے۔ گویا کہ آنسو اسی دریائے محبتِ خداوندی میں آئے ہوئے جوش کا اثر ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ چشمِ اشکبار عجب انداز سے اندر کا حال کہہ دیتی ہے کہ بظاہر اس عاشق کو اپنی زبان کھولنے کی ضرورت نہیں پڑتی، خود بخود آنکھوں کی اشکباری اور خونفشانی اندرونِ قلب کی حالت کی ترجمانی کر دیتی ہے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے آسمان! تجھے ظاہری طور پر تیری رفعت وبلندی مبارک ہو مگر میں بھی زمین پر رہنے کے باوجود جب سجدے میں گرتا ہوں اور اپنے سب سے اشرف اعضائے بدن یعنی پیشانی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پستی اور تذلل کے ساتھ زمین پر رکھ دیتا ہوں تو مجھے بھی میری یہ پستیاں مبارک ہوں کیونکہ ان پستیوں کے اندر اُن آسمان کی رفعتوں سے زیادہ مقامِ رفعت وبلندی چھپا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان ڈائریکٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پہنچ جاتا ہے۔ اور گویا اس حالت میں سارے حجابات اُٹھ گئے ہوں اور بندہ عرش پر پہنچ کر اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہو۔ بڑی مدت سے میرے دل میں رازِ دردِ دل چھپا ہوا تھا مگر اب میری آہوں نے اُس راز کو فاش کر دیا ہے۔

آخری شعر میں حضرت والا وہی بار بار کی جانے والی نصیحت دھرا رہے ہیں کہ اے اختر! اللہ تعالیٰ کی نسبت

کا خزانہ اُس ویران گھر میں موجود ہوتا ہے کہ جس گھر کے در و دیوار ٹوٹ ٹوٹ کر وہ گھر پورا چورا چورا ہو گیا ہو اور مردِ مؤمن نے اپنی تمام تمناؤں کا خون کر کے اُن کی بستیاں ویران کردی ہوں جس کی وجہ سے دل چورا چورا ہو کر ذرّوں میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اب اسی ٹوٹے ہوئے ملبے میں اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خزانہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ساری تمنائیں پورا کرتے ہوئے دل کو محفوظ اور صحیح سالم رکھ کر یہ نعمت ہاتھ نہیں آتی۔

بھاگ رب کی گلی

ہے بُری یہ گلی بڑھ گئی بے کلی اے سکھی میں چلی میری توبہ بھلی
تو ہے گو من چلی مت دکھا کھلبلی سن رے اے دل جلی بھاگ رب کی گلی
پھول مرجھا گئے چاندنی ڈھل گئی اپنا انجام بھی کہہ گئی ہر کلی
بے نشاں بے نشاں ہو گئے ہر فشاں قبر میں خاک چھانی مگر کیا ملی
رَس بھری آنکھ تھی زلف کالی ملی ہاں بلا بھی مگر اس سے کالی ملی
میر دنیائے فانی میں ہر سُو ملی بے کلی بے کلی بے کلی بے کلی
میں بتاؤں کہ دنیا میں کیا شے ملی کوئی مجنوں ملا کوئی لیلیٰ ملی
ہاں مگر اہلِ دل ایسے خوش بخت ہیں جن سے اخترؔ مجھے راہِ مولیٰ ملی

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **بے کلی**: بے چینی۔ **سکھی**: سہیلی۔ **گو**: اگرچہ۔ **مَن چلی**: دل کے کہے پر چلنے والی۔ **کھلبلی**: بے چینی۔ **دل جلی**: عشق میں مبتلا، غم زدہ۔ **مُرجھا گئے**: سوکھ گئے۔ **رَس بھری آنکھ**: نشیلی آنکھیں۔ **خوش بخت**: خوش نصیب۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَفِرُّوا اِلَی اللہِ کہ تم اللہ کی طرف صرف چلو نہیں بلکہ دوڑ کر جاؤ۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

﴿عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی﴾

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان، مسند احمد، ج:۴، ص:۴۱۲)

حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی دنیا کو عزیز و محبوب رکھتا ہے (اس قدر محبوب رکھنا کہ اللہ کی محبت پر غالب آجائے) وہ اپنی آخرت کو ضرر پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت کو عزیز رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور پہنچاتا ہے، پس تم اس چیز کو اختیار کر لو جو باقی رہنے والی ہے اور فنا ہونے والی چیز کو چھوڑ دو۔

سوکن ہونا یہ حدیثِ پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا کو لیتا ہے تو اُسے آخرت نہیں ملتی اور آخرت کو لیتا ہے تو پھر اُسے دنیا سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ دونوں ایک ساتھ مل جانا یہ ممکن نہیں ہے۔ بقول ایک شخص کے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ست و جنوں

کہ دنیا بھی چاہو اور آخرت بھی چاہو یہ ایسا خیال ہے جو محال ہے اور پاگل پن ہے۔ ان اشعار میں حضرت والا دامت برکاتہم نے اسی دنیا و آخرت کے تقابل کو پیش کیا ہے کہ یہ دنیا بظاہر بہت اچھی لگتی ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے، میں تو اپنے اللہ کی طرف بھاگ کر چلنا چاہتا ہوں۔ اور دیکھنے میں گو بہت اچھی ہے مگر اس کا حال یہ ہے کہ پھول مرجھا جاتے ہیں، چاندنی ڈھل جاتی ہے اور ہر کلی کا انجام اسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کیسے کیسے نام و نمود والے اور اپنی شہرت و عزت والے ایسے بے نام و نشان ہو جاتے ہیں کہ جب قبر میں جا کر اُن کو دیکھا تو سوائے خاک چھاننے کے اور کچھ ہاتھ میں نہ آیا۔ دنیا کے محبوب و محبوباؤں کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ ان کی آنکھیں رس بھری ہیں اور کالی زلف بڑی خوبصورت لگ رہی ہے لیکن ان پر فدا ہونے اور مرنے سے بلا اور مصیبت بھی بہت بڑی کالی ملتی ہے۔ ارے انسان! تجھے اس دنیائے فانی میں سوائے بے کلی اور بے چینی کے اور کیا ملا۔ کسی کو دنیا میں لیلیٰ ملی اور کسی کو مجنوں ملا یعنی لیلیٰ کو مجنوں اور مجنوں کو لیلیٰ مل گئی۔ کُل قصۂ عشق و محبت کا نچوڑ جانبین کے لیے یہ ہے۔ ہاں! اللہ والے بڑے سعادت مند اور خوش بخت ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والوں کو اور اُن سے عشق و محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ ملتی ہے۔ پس وہ اس قابل ہیں کہ اُن سے دوستی کی جائے اور اُن سے وفاداری قائم کی جائے۔

زخمِ اُلفت سے جو قلب گھائل نہیں

زخمِ اُلفت سے جو قلب گھائل نہیں
اہلِ اُلفت کی جانب وہ مائل نہیں

بحرِ اُلفت کا کوئی کنارا کہاں
یہ سمندر ہے وہ جس کا ساحل نہیں

جانے کیا دوستو! لطف آہ و فغاں
دردِ اُلفت کا جو قلب حامل نہیں

صحبتِ شیخ سے جو بھی محروم ہے
بن کے رہبر بھی وہ شیخ کامل نہیں

اس کی منبر پہ تقریر بے کیف ہے
دردِ دل خاک میں جس کے شامل نہیں

جس کا دل اہلِ دل پر نہیں ہے فدا
اس کے سینے میں دل ہے مگر دل نہیں

سارے عالم میں اخترؔ کی ہے یہ صدا
وہ کمینہ ہے جو اُن کا سائل نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ گھائل: زخمی۔ **مائل**: راغب۔ **بے کیف**: بے مزہ۔ **خاک**: مٹی، جسم، دل مراد ہے۔ **سائل**: طالب، بھکاری۔

اللہ تعالیٰ کی محبت سے جو زخم گھائل نہ ہوا اور اس پر حق تعالیٰ کی محبت کی چوٹ نہ لگی ہوئی ہو تو پھر وہ اہل اللہ کی طرف مائل نہیں ہوا کرتا۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے: "الجنس یمیل الی الجنس" کہ جنس جنس کی طرف مائل ہوا کرتی ہے اور فارسی کا شعر ہے ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز باباز

ہم جنس ہم جنس کے ساتھ پرواز کیا کرتا ہے، کبوتر کبوتر کے ساتھ اُڑتا ہے اور باز باز کے ساتھ اُڑتا ہے، بطخیں بطخوں کے ساتھ اُڑتی ہیں اور مرغابی مرغابی کے ساتھ اُڑتی ہے۔ تو اسی طرح جس آدمی کا دل اللہ کی محبت سے گھائل نہیں ہوتا تو وہ اہلِ محبتِ خداوندی کی طرف مائل نہیں ہوا کرتا بلکہ اُن سے ملتے ہوئے اور اُن کے پاس آنے جانے میں ایک طرح کی وحشت اور تکدر محسوس ہوتا ہے اور اُس پر وہاں آنا اور اُن کے پاس بیٹھنا بہت ہی گراں اور دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے سینے میں رکھتا ہو تو پھر وہ نہ صرف یہ کہ آسانی سے وہاں آتا ہے بلکہ اُس کا دل ہی وہاں لگتا ہے اور وہ اپنے زندگی کے تمام اوقات انہی پر فدا کرنے پر تیار رہتا ہے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سمندر ایسا ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ اُس لامحدود ذات کی محبت ہے تو یہ بھی اسی طرح لامحدود ہوگی اور اس کا بھی کوئی ساحل نہیں ہوگا۔ اور اے میرے دوستو! جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں آہ وفغاں کا لطف مل جاتا ہے تو اُس کے مزوں کا کیا کہنا، اُسے وہ شخص ہی سمجھ سکتا ہے جسے یہ نعمت حاصل ہوئی ہو اور جس کا قلب دردِ اُلفت کا حامل نہیں ہے، اُسے اس لطف کا اندازہ نہیں ہوتا اور یہ درد اہلِ درد سے ملتا ہے، اس لیے جو شخص اہلِ اُلفت سے ملے گا اور مشائخ کی خدمت اور صحبت میں رہے گا تو اسی کو یہ نعمت ملتی ہے۔ اور پھر وہ صحیح معنی میں رہبر اور شیخ کامل بنتا ہے کہ دوسروں کو اس محبت کے سکھانے میں تجربہ کار اور ماہر ہوا کرتا ہے۔ ورنہ جو خود شیخ صحبتِ شیخ سے محروم ہوا گرچہ وہ رہبر بن گیا ہو لیکن شیخِ کامل نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ جن کی خاک میں دردِ دل شامل نہیں ہوتو پھر اُن کی تقریر بھی منبر پر بے کیف ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جس کے سینے میں ایسا دل ہو جو اہلِ دل پر فدا نہ ہوا اور اللہ والوں سے اُسے اپنے دل میں محبت محسوس نہ ہوتی ہو تو اُن کی طرف میلان اور رغبت نظر نہ آتی ہو تو پھر اُس کے سینے میں دل ہوتے ہوئے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ دل موجود نہیں ہے۔ یعنی اس اعتبار سے اس دل سے اُسے نفع ونقصان کو سمجھنا چاہیے تھا اور اپنے اور پرائے میں فرق جاننا چاہیے تھا کیونکہ اللہ والے ہی حقیقت میں اپنے ہوا کرتے ہیں اور انہی سے انسان کو حقیقی نفع پہنچتا ہے۔ تو اگر یہ اپنے سینے میں حقیقی دل رکھتا تو اُن کی طرف مائل ہوتا اور ان پر اپنی زندگی کو فدا کر دیتا۔ اور جب اہلِ دل کی طرف انسان مائل نہیں ہوتا تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت بھی اسے اس درجے میں حاصل نہیں ہوتی اور نہ وہ اُس طرف

بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

آخر میں حضرت والا بانگ دہل یہ اعلان فرمارہے ہیں کہ سارے عالَم میں اختر یہ صدا لگا رہا ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کا سائل نہ ہو اور اُس کو پانے کے لیے کوشاں نہ ہوں تو پھر ایسا آدمی بڑا کمینہ اور نالائق انسان ہے کہ وہ دنیا کی فانی لذتوں کے پیچھے تو پڑا ہوا ہے اور اُن کی طلب میں رات دن لگا ہوا ہے لیکن جو اصل مقصدِ حیات ہے اُس سے غافل ہو کر زندگی گزار رہا ہے اور اپنے مولا خالق ، مالک اللہ کو پانے کے لیے اور اُس کی محبت کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے سے محروم ہے۔ تو اس سے بڑی نادانی اور جہالت کیا ہو سکتی ہے؟

بتا تو قبر میں کیا ساتھ لے جائے گا اے ناداں

مری ہر سانس ہے اے دوستو! وقفِ غمِ جاناں
ہماری زیست کا ہے بس یہی سب سے بڑا ساماں

غمِ دنیائے فانی میں جنہیں بے حد بزی پایا
ہمیشہ ڈپریشن کی دوا کھاتے ہیں یہ شاداں

کوئی پاتا نہیں منزل بدون رہبرِ منزل
اگرچہ راہرو کردے تلف کوشش میں اپنی جاں

گدائے حسنِ فانی ترک کر اپنی حماقت کو
فدا ہو کر خدا پر دیکھ پھر تو کیسی اپنی شاں

تمہیں اے اہلِ دنیا ہم نے ہنستے بھی کبھی دیکھا
ہزاروں غم بھی پنہاں ہیں مگر زیرِ لبِ خنداں

خدا سے ہو کے غافل تو ہے دنیا پر جو گرویدہ
بتا تو قبر میں کیا ساتھ لے جائے گا اے ناداں

ہمیشہ حسنِ فانی پر جنہیں مرتے ہوئے دیکھا
انہیں صحرائے غم میں ہم نے پایا آہ سرگرداں

مجھے تو ہر نفس میں اُن کی خوشبو ان سے ملتی ہے
اگرچہ اہلِ دل رکھتے ہیں اپنے درد کو پنہاں

ہمارا بوریہ یہ رشکِ شہانِ ہفت عالم ہے
ہماری روح ان کے نام پر جب سے ہوئی قرباں

کسی بھی مرشدِ صادق پہ جو مرتا ہے اے اختؔر
یقیناً شوق سے پاتا ہے اک دن منزلِ جاناں

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **وقف**: اس قدر مصروف و مشغول کہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں۔ **بِزی**: مصروف۔ **ڈیپریشن**: ذہنی پریشانی۔ **شاداں**: بظاہر خوش نظر آنے والے۔ **بدون**: بغیر۔ **تلف**: ضائع۔ **ترک**: چھوڑ دے۔ **زیرِ لب خنداں**: ہلکی سی مسکراہٹ۔ **گرویدہ**: عاشق۔ **سرگرداں**: حیران و پریشان۔ **نَفَس**: ہر سانس، ہر گھڑی۔ **اُن کی**: اللہ تعالیٰ کی۔ **اِن سے**: شیخ سے۔ **شہانِ ہفت عالم**: سات سلطنتوں کے بادشاہ جس پر رشک کریں۔ **جاناں**: محبوب، اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔

ہر سانس وقفِ غمِ جاناں ہونے کی حقیقت

مری ہر سانس ہے اے دوستو! وقفِ غمِ جاناں
ہماری زیست کا ہے بس یہی سب سے بڑا ساماں

حضرت والا دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے دوستو! الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے بزرگوں کا فیضِ صحبت ہے کہ مجھے اللہ نے ایسی زندگی عطا فرمائی کہ میری ہر سانس وقفِ غمِ جاناں ہوگئی ہے اور میری زیست کا سب سے بڑا ساماں یہی ہے کہ میں ہرلمحہ اللہ تعالیٰ کوخوش کرنے کی فکر میں لگا رہوں اور اُس کو ناراض کرنے والے کسی بھی کام میں نہ لگوں چاہے مجھے اس کے لیے کیسے ہی غم اور صدمے اُٹھانے پڑیں۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ مجھے اللہ نے اپنی محبت کا غم عطا فرمایا اور میری ہر سانس اسی فکر میں مشغول ہوگئی ہے کہ بس اللہ کو راضی کرنا ہے چاہے اس کا نتیجہ بظاہر کچھ بھی ہو۔

میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور میری حیات وزیست کا سب سے قیمتی سامان یہ ہے کہ میری ہر سانس اللہ پر فدا ہوتی رہے اور میں ایک لحظہ بھی اپنے مولیٰ کو نہ بھولوں اور اپنی حرام خوشیوں کے ذریعے اپنے پالنے والے اللہ کو ایک سانس بھی ناراض نہ کروں۔ بس ہر وقت قلب وقالب انہیں کی یاد میں مشغول ہو اور دل ودماغ میں اپنے اللہ کی رضا کی فکر اور اس کی ناراضگی کا ڈر وخوف موجود ہو اور بس یہی ایک دھن اور یہی دھیان شب وروز لگی ہوتی ہو۔

اور حضرت والا کے آج کے وعظ میں آپ حضرات نے سنا ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے کی حقیقت صرف یہی نہیں ہے کہ ہر وقت زبان سے اللہ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ اللہ کے ذکر اور درس کو یاد کرنے کا بس یہی مطلب سمجھتے ہیں، بلکہ حضرت والا نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ درحقیقت ذکر کے اصلی معنی یاد کرنے کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمانِ قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔ مولانا رومی نے اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ ؎

برزباں تسبیح در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر وتسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو اور ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت عثمان سے کسی نے ایسی ہی حالت کی شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں، مگر قلوب میں اس

کی کوئی حلاوت محسوس نہیں کرتے۔آپ نے فرمایا کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو یعنی زبان کو تو اپنی اطاعت میں لگالیا۔ (معارف القرآن، جلد:۱، صفحہ:۳۹۲)

اسی مضمون کو علامہ آلوسی السید محمود بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر روح المعانی میں صفحہ: ۱۴۷ پر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ فَاذْكُرُونِىْ اَذْكُرْكُمْ اَىْ فَاذْكُرُوْنِىْ بِالطَّاعَةِ قَلْبًا فَيَعُمُّ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ وَ الْقَلْبِ وَالْجَوَارِحِ اَذْكُرْكُمْ اَىْ اَجَازَكُمْ بِالثَّوَابِ تو گویا جس انسان کے پورے بدن کے تمام اعضا حکمِ الٰہی کے مطابق مشغول ہو کہ زبان سے اللہ کا ذکر اور دل سے اللہ کی آیات و نشانیوں میں غور و فکر کرتے رہنا اور اعضا و جوارح کو اللہ کی فرمانبرداریوں میں مشغول رکھنا کہ ذرا سی بھی دیر کے لیے کوئی معصیت و خطا ہونے نہ پائے۔بس یہی ذکر کا فردِ کامل ہے اور یہی ہر سانس اللہ پر فدا ہونے کا مصداق ہے اور یہی مؤمن کی زندگی کا سب سے قیمتی سامان ہے۔

اور حضرت والا نے اسی مضمون پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ یہاں پر ب بمعنی فی ہے اور ذکر مؤمن کے قلبی اطمینان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ مچھلی کے لیے پانی۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مظہری میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ مؤمن جب تک سر سے پیر تک پورا کا پورا اللہ کے کام میں اور اس کے احکام کے پورا کرنے میں نہ لگا ہو اس وقت تک وہ ذکر اس کے قلب کے لیے چین و سکون کا ضامن نہیں۔ جیسا کہ مچھلی کا اکثر حصہ پانی میں ڈال دو اور تھوڑا سا حصہ کھلا رکھ دو تو اسے چین نہیں ملے گا۔بس اسی طرح بندۂ مؤمن کا بھی حال ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القران میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی یعنی اس کے احکام احلال و حرام کا اتباع کیا، اس نے اللہ کو یاد کیا۔اگر چہ اس کی نفل نماز، روزہ وغیرہ کم ہوں اور جس نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا۔اگر چہ بظاہر اس کی نماز، روزہ، تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ فمن لم یطعه لم یذکره وان کثر صلوٰته وتسبیحه کہ جس نے اللہ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا اگر چہ ظاہر میں اس کی نماز اور تسبیح کتنی بھی ہوں۔ (معارف القرآن جلد:۱، صفحہ:۳۹۲)

بہر حال اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل ذکر کی حقیقت اطاعتِ باری تعالیٰ ہے، اسی لیے اگر ہمارا ایک بھائی بڑے اچھے جذبہ سے اور بڑی نیک نیت سے خانقاہ میں آتا ہے یا تبلیغ میں چلّہ کے لیے جاتا ہے حالانکہ اس کے گھر میں اس کے کمزور وضعیف والدین اس کی خدمت کے محتاج موجود ہیں یا بیوی بچے وغیرہ کو دوائی وغیرہ کی ضرورت ہے اور ان کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی ضرورت ہے یا اور کوئی ضروری جائز تقاضا ہے جس کا کرنا شرعی

طور پر اس کے ذمہ ہے اور یہ اُس کو پورا کیے بغیر جوش وجذبہ میں خانقاہ یا تبلیغی مرکز کا رُخ کرتا ہے تو اس وقت اس کا یہ آنا نہ دین ہے، نہ ذکر اللہ ہے اور نہ اجر وثواب کا باعث ہے بلکہ درحقیقت یہ اس وقت اللہ کو بھولا ہوا ہے ورنہ تو یہ اس وقت اپنے اس فریضہ کو ادا کرتا اور اسے گھر میں ہی اللہ ملتے۔

درحقیقت پورے دین وشریعت کا یہی خلاصہ اور نچوڑ ہے اور پوری دنیا کے تمام علماء ومشائخ اہلِ حق اپنے متعلقین کو یہی سکھاتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو تو درحقیقت وہ زاہدِ خشک ہے اور جامع شریعت وطریقت نہیں ہے۔ تو حضرت والا کے شعر کا خلاصہ یہ نکلا کہ میں ہر وقت اللہ کے احکام بجالاؤں اور ایک لمحہ اس کی نافرمانی نہ کروں، چاہے اس کے لیے مجھے دل پر غم اُٹھانا پڑے اور تکلیف سہنی پڑے، مگر میری زیست وحیات کا سامان یہی ہے اور مؤمن جب اس طرح زندگی گذارتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے غموں کی طرف سے کافی ہوجاتے ہیں۔ جب کہ آیات واحادیث میں کئی مقامات پر یہ مضمون آیا ہے۔

دنیا میں بے حد بزی (Busy) ہوگے تو ڈیپریشن کی دوا کھاؤ گے

غم دنیائے فانی میں جنہیں بے حد بزی پایا
ہمیشہ ڈی پریشن کی دوا کھاتے ہیں یہ شاداں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ایک ایسی حالت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جس کا آج کل بہت ہی شیوع وعموم ہے اور پوری دنیا میں بغور دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس حالت سے سوائے اہل اللہ کے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں یعنی دماغی ٹینشن (Tension) اور ذہنی تناؤ اور دلی بے چینی اور حالات سے اُداسی و مایوسی (Depression) والی حالت سے جس کے شکار آج کل بہت لوگ ہورہے ہیں۔ حضرت والا نے اس شعر کے اندر اس مرض اور مرض کے سبب کو بیان کیا ہے کہ جو کہ اوّل شعر کے بالکل برعکس ہے کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں رہنا یہ تو سکون کا باعث ہے اور اس کے برعکس ہر وقت دنیائے فانی کی فکر بے چینی و پریشانی کا سبب ہے اور اسی سے پھر ڈپریشن (Depression) پیدا ہوتا ہے۔ اسی کو آپ یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ حضرت والا نے اوّل شعر میں اصل مؤمن کے زندگی گذارنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ مؤمن کو ہر سانس صرف اپنے پالنے والے کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور دنیا کے کسب کے لیے مختصر سا عمل کر کے اپنے ذہن ودماغ کو یکسو کرلینا چاہیے۔ اس کی زیادہ فکر میں نہیں پڑنا چاہیے اور یہی توکل کی حقیقت ہے اور یہی رزق کمانے کی اجمالی طلب ہے جس کا حدیث شریف میں حکم ہے۔

اور دوسرے شعر میں ان لوگوں کا بیان ہے کہ جو لوگ اس طرز زندگی کو اُلٹ دیتے ہیں اور وہ ہر وقت دنیا کی فکر میں لگے رہتے ہیں تو وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے چین وسکون کا سودا کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں اسے ضائع

کرتے ہیں اور پھر افسوس یہ کہ اس کی شکایت کرتے پھرتے ہیں۔

ہم نے کتنوں سے سنا اور کتنوں کے بارے میں پڑھا کہ وہ خود زبان سے کہتے ہیں: We have everything but we do not have peace. یعنی ہمارے پاس سب کچھ سامانِ عیش ہے مگر ہمارے پاس سکونِ قلبی اور اطمینان نہیں ہے، اس لیے آج اس قسم کے لوگوں میں خودکشی کی بڑی کثرت ہے جو دلیل ہے قلبی بے اطمینانی کی۔ چنانچہ اس قسم کے لوگ آج کل امریکا میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو لوگ تبلیغی جماعتوں میں خود بنفسِ نفیس وہاں جاتے ہیں ان پر تو یہ سب حالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں اور جو لوگ مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ اس طرح اس پر مطلع ہوتے رہتے ہیں حالانکہ وہ لوگ دولت وثروت والے ہوتے ہیں۔ بظاہر سارے اسباب سکون ان کے پاس موجود ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ بے سکونی کا شکار ہو کر بالآخر خودکشی تک پہنچ جاتے ہیں۔ احقر خود تو وہاں نہیں گیا۔

ایک نومسلم کے ایمان کی خاص وجہ

مگر ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ میں ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ کچھ وقت لگایا اور چونکہ یہ حضرات اصلاً سعودی عرب کے رہنے والے تھے تو ذمہ داروں نے ہم چند علماء کو ان کی ترجمانی کے طور پر ان کے ساتھ کر دیا تھا کہ اس وقت ان میں سے ایک ساتھی نے ہمیں اپنے ایک سعودی ساتھی کا قصہ سنایا جو امریکا کے کسی پارک میں پیش آیا تھا جس کا اختصار یہ ہے کہ وہ سب جماعت کے ساتھی گشت کرنے کے لیے گئے تھے تو وہاں پارک کے پاس ان میں سے ایک ساتھی نے امیر صاحب سے درخواست کی کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں، مجھے اجازت دیں تو میں یہاں کرسی پر ذرا دیر آرام کرلوں تو ساتھیوں نے کہا کہ یہاں تو بہت شور شرابا ہے تم یہاں آرام نہ کرسکو گے تو ساتھی نے کہا کہ چونکہ میں بہت تھکا ہوا ہوں اس لیے تھوڑی دیر کے لیے میں لیٹ جاتا ہوں تو امیر صاحب نے اجازت دے دی اور وہ وہیں کرسی پر آرام کرنے لیٹ گئے اور سو گئے۔ ادھر سے ایک عیسائی گورا اپنی بلڈنگ کے اوپر سے کمرہ کی کھڑکی سے یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا وہ اس ساتھی کو سوتا ہوا دیکھ کر اس کے پاس آیا اور انتظار کیا، یہاں تک کہ وہ سو کے اُٹھا تو اس سے سوال کیا کہ تم کو اس طرح کی جگہ میں بڑے اطمینان سے نیند آرہی ہے حالانکہ میں تو اپنے کمرہ میں باوجود ایئر کنڈیشن کے اور باوجود ٹیبلیٹ (Tablet) کھانے کے پُرسکون طریقہ پر نیند نہیں آتی ہے۔ چونکہ وہ ساتھی انگلش زبان نہ سمجھتا تھا تو ساتھیوں کے آنے کا انتظار کیا، یہاں تک کہ جب ساتھی آئے تو انہوں نے ان سے ترجمہ کیا اور پھر ان کو انگلش میں جواب دیا کہ ہم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے والے ہیں اور جو اس کو اچھی طرح مان لیتا ہے پھر اسے ہر جگہ نیند آتی ہے اور اسے سکون اور اطمینان ملتا ہے اور اس کلمہ کو دل کی گہرائیوں سے ماننے والے کے قریب بھی بے چینی و بے اطمینانی کا گذر نہیں ہوتا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ فوراً اس کی سمجھ میں آ جاتی، اس لیے اس نے کہا میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ یہ کلمہ ایسا ہے کہ اس کے ماننے کے بعد خود بخود سکون و چین ملنے لگتا ہے تو ساتھیوں نے اس سے درخواست کی کہ چلو تم ہمارے ساتھ چلو۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گیا اور ان کے ساتھ وہ مسجد میں گیا۔ تو امیر صاحب نے ان کو اپنے ساتھ بٹھایا اور تعلیم شروع کرا دی۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا اسے نیند آنے لگی تو امیر صاحب نے فرمایا کہ ان کو آرام سے لٹا دو۔ چنانچہ وہ لیٹا اور تقریباً چھ گھنٹہ کے لیے وہ آرام سے سوتا رہا، اس کے بعد جب وہ نیند سے اُٹھا تو بہت خوش تھا اور اپنی جیب سے ایک چیک بک نکالی اور پوچھا کہ آپ حضرات کے لیے میں کتنے ڈالروں کا چیک کاٹ دوں کیونکہ ہمیں بہت ہی سکون کی نیند آئی ہے کہ اتنا سکون تو ٹیبلیٹ کھا کے بھی نہیں ملتا ہے۔ اس پر ساتھیوں نے کہا کہ ہم ڈالروں کے لیے نہیں پھرتے بلکہ کلمہ کی بنیاد پر دنیا و آخرت کا سکون و آرام پوری انسانیت کے لیے چاہتے ہیں اور اسی کی فکر میں ہم پھرتے ہیں۔ تو اس نے بالآخر غسل کیا اور کلمہ پڑھا اور پھر ایک بہترین مسلمان بنا اور بہت سے خیر کے کاموں میں شریک ہوا۔

تو یہ قصہ بالکل اس شعر کے مضمون کا عملی نمونہ ہے کہ دنیا کی فکروں میں پڑنا بے چینی و اطمینان کا سبب ہے اور اللہ کی محبت کا غم دنیا و آخرت کے سکون کا ضامن ہے۔

ایک شبہ اور اس کا تفصیلی جواب

اب اس مقام پر ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آخر جب انسان اس دنیوی زندگی میں رہے گا تو بہر حال دنیا کی ضروریات کی فکر اور ضروری معاش کے انتظام کا معاملہ اپنے اہل و عیال کے ضروری دنیوی امور کی فکر رکھنا یہ تو ایک لابدی و ضروری معاملہ ہے اور از روئے شریعت بھی بندہ اس کا مکلّف ہے تو آخر اس کی کیا حد ہے کہ اس حد تک فکر رکھنا مطلوب و محمود ہے اور کون سی حد ہے کہ اس حد پر پہنچ کر یہ بے چینی و بے اطمینانی کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ سو اس سلسلہ میں چند باتیں بتوفیقہ تعالیٰ عرض ہیں۔ ان کو بغور سماعت فرمائیں تو ان شاء اللہ اس سلسلہ میں مکمل شرح صدر و بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

پوری گفتگو کا خلاصہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے مقصد حیات کو طے کرے اور یہ بات اپنے دل و دماغ سے طے کرے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے دراصل اسے کس لیے پیدا کیا ہے؟

(۲) اور اس کی وجہِ تخلیق کیا ہے؟

(۳) اس کو یہ عمر مختصر کیوں دی گئی ہے؟

(۴) اور پھر کن امور سے وہ ان مقاصد کی تکمیل کر سکے گا؟

(۵)اور اپنے مقصدِ تخلیق میں کب وہ کامیاب قرار پائے گا؟

(۶)اور اللہ رب العزت کے یہاں کامیابی وناکامی کی کیا حقیقت ہے؟

سوان سب باتوں کے جوابات قرآن وحدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔خود حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون** کہ میں نے جنات وانسان کو اپنی عبادت ومعرفت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ آیت ہمارے مقصدِ تخلیق کو متعین کررہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور دنیا میں آکر اپنے خالق ومالک کو پہچان کر اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہے،اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے تھے اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت قرآن میں اسی مضمون کے ساتھ مذکور ہے کہ **یقوم اعبدو الله مالکم من اله غیره** اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں جینے کے لیے چونکہ دنیا کے مال واسباب کی ضرورت ہے تو اس کو منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں بے حد اشتغال سے اور اس کی حرص سے منع کیا گیا ہے اور جو تھوڑا ملنے پر قانع وشاکر رہ کر اپنا معیارِ زندگی مختصر سے مختصر کرکے زندگی گزارر ہا ہو وہ شریعت کی نگاہ میں قابلِ تعریف اور فائز وکامران قرار پایا ہے۔چنانچہ ایک روایت میں ہے:

﴿عَن عَبدِ اللّٰہِ بنِ عَمرِو بنِ العَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَد أَفلَحَ مَن أَسلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ باب فی الکفاف و القناعۃ)

یعنی وہ شخص کامیاب قرار پایا کہ جو اسلام لایا اور اسے بقدر کفایت وتلافیٔ ضرورت رزق دے دیا گیا اور پھر اللہ نے اس کو جو کچھ دیا اس پر قناعت عطا فرمادی۔

ایک اور حدیث شریف ہے:

﴿عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ کَانَتَا فِیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاقْتَدٰی بِہٖ وَ نَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ فَحَمِدَ اللّٰہَ عَلٰی مَا فَضَّلَہٗ عَلَیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاَسِفَ عَلٰی مَافَاتَہٗ مِنْہُ لَمْ یَکْتُبْہُ اللّٰہُ شَاکِرًا وَّلَا صَابِرًا﴾

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص:۴۴۸)

یعنی حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اس کو شاکر وصابر قرار دے دیں گے کہ وہ دین کے سلسلہ میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھتا ہے اور اس کی اقتدا کرتا ہے اور دنیا کے سلسلہ میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے اس پر فضیلت بخشی تو ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شاکر وصابر شمار ہوتا ہے۔اور اس کے برخلاف دوسرا آدمی کہ جو دین کے سلسلہ میں

اپنے سے کم درجہ کو دیکھتا ہے اور دنیا کے سلسلہ میں اپنے سے اوپر کو دیکھتا ہے اور پھر جو دنیا اسے نہ مل سکی اس پر افسوس کرتا ہے تو ایسا آدمی اللہ کی بارگاہ میں نہ شاکر شمار ہوتا ہے اور نہ صابر۔

فائدہ: اس حدیثِ پاک میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اُمتیوں کے لیے کیسا عجیب نسخہ ذکر فرمایا ہے کہ بآسانی بندۂ مؤمن اللہ کے شکرگزار بندوں میں شامل ہوسکتا ہے اور بآسانی صابرین کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے اور بڑی چین وسکون کی زندگی گزار سکتا ہے کہ ہمیشہ دنیا کے سلسلہ میں اپنے سے ماتحت والے اور کم درجہ والے کو دیکھے۔

مثال کے طور پر اگر ایک آدمی دکان میں بیٹھ کر روزانہ صرف سو روپیہ کی کمائی کرتا ہے تو وہ اس پر نظر کرے کہ جو دَر دَر اور گھر گھر کے چکر کاٹتا پھرتا ہے اور اپنے سر پر اپنی سامان کی ٹوکری اُٹھائے پھرتا ہے اور کبھی پچاس اور کبھی پچیس اور کبھی دن بھر گھوم پھر کر خالی ہاتھ لوٹ آتا ہے۔ یہ ایک ایسا انداز ہے کہ غریب سے غریب آدمی بھی پُرسکون زندگی گذار سکتا ہے۔ ہاں البتہ اس کے لیے اس کو اپنا معیارِ زندگی (Standard of Life) سادہ کرنا پڑے گا اور یہ تو اصل مؤمن کو کرنا ہی چاہیے کیونکہ ہمارے لیے دنیا میں صرف ایک ہی ذات کی زندگی اسوۂ ونمونہ ہے اور اسی کے اسوہ کو قرآن نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی۔

بالفاظ دیگر اسی طرح کی بات حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها الا فاتقو الله واجملو فی الطلب.**

(معارف القرآن، جلد:۸، صفحہ:۵۹۵)

یعنی روح القدس جبرئیل امین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھا ہوا اللہ کا رزق پورا پورا حاصل نہیں کرلے گا، اس لیے تم خدا سے ڈرو اور اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو۔ زیادہ منہمک نہ ہو کہ قلب کی ساری توجہ انہیں مادّی اسباب وآلات میں محصور ہوکر رہ جائے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ اسی لیے ترک دنیا اسی کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بنسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ (معارف القرآن، جلد:۸، صفحہ:۵۹۵)

اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ ہی نے ایک مقام پر اس سلسلہ میں بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنا خرچہ اپنی آمدنی سے کم رکھے یعنی اپنی آمدنی کے مقابلے میں خرچہ کو ہمیشہ کم رکھے اور اپنا معیارِ زندگی اتنا اونچا نہ بنائے کہ اس کے لیے بہت زیادہ کمانے کی ضرورت پڑے کیونکہ آمدنی غیر اختیاری ہے اور خرچہ اختیاری ہے تو جو اختیاری ہے وہ انسان کے لیے سہل اور آسانی ہے ورنہ بشکلِ دیگر ذہنی اُلجھن وپریشانی بڑھتی ہے اور زندگی کے قیمتی اوقات کا مصرف محض تعیش ہوکر رہ جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ مجد دالملۃ تھانوی نور اللہ مرقدہ نے کسب دنیا اور حرصِ دنیا میں فرق کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ اسباب کسبِ حلال اپنانے کے بعد ان کے ساتھ اپنا دل اٹکا رہے اور بصورت عدم نتیجہ مطلوبہ دل بے چین و بے قرار ہو جائے تو یہ دلیل ہے کہ آپ کے قلب میں حرصِ مال ہے۔ یہ صرف کسبِ مال نہیں ہے ورنہ مؤمن کو اسباب اپنا کر اس کا نتیجہ اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیے اور دونوں صورتوں میں رضاء بالقضاء کے ساتھ متصف رہنا چاہیے، اس میں اپنا دل دماغ ہر وقت اُلجھا کر نہیں ڈالنا چاہیے۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ جسے دیکھو رات و دن، صبح و شام، سوتے جاگتے زیادتی مال کی فکر اور اُمیدوں کا ایک جال ہوتا ہے جس میں انسان پھنسا رہتا ہے۔ اسی کو عارف ہندی خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ نے بڑے پیارے انداز سے دو شعروں میں ذکر فرمایا ہے کہ ؎

کسب دنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے یہ چراغ دھواں
اِک ذرا اس کی لَو کو مدھم رکھ

جب تک کسب دنیا حدود میں رہے تو یہ روشنی ہے اور جب حدود سے بڑھ جائے تو پھر یہ ظلمتِ قلب اور دل کا اندھیرا ہے اور یہ بڑی شاندار مثال سے حضرت خواجہ صاحب نے سمجھایا کہ اگر کسی کے گھر میں لیمپ (Lamp) کی روشنی ہو رہی ہو اور آپ اس کی بتی کو زیادہ کر دیں تو چند سیکنڈ کے بعد ہی آپ دیکھیں گے کہ اس کی چمنی بالکل سیاہ ہو جائے گی اور جتنی روشنی تھی سب ختم ہو جائے گی۔ بس ٹھیک اسی طرح جب یہ کسبِ دنیا حرص دنیا میں تبدیل ہوتا ہے تو پھر یہی کیفیت ہوتی ہے۔

آج کل بعض لوگ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہم تو حلال کما رہے ہیں اور یہ تو عبادت ہے تو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ایک مقام پر اس کا جواب ارشاد فرمایا ہے کہ درحقیقت کسب حلال عبادت ہے اور حرصِ حلال یہ تو دل کا ایک مرض ہے اور اللہ کی طرف سے ایک عذاب ہے کہ انسان کو دین کے بجائے دنیا میں منہمک کر دیا جائے اور اسے آخرت کی نہ کوئی فکر ہو اور نہ اس کے لیے اس کے پاس فرصت ہو۔

ان تمام مذکورہ روایات سے اور اقوال سے حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کے شعر کی تشریح سامنے آ گئی ہے کہ جو لوگ دنیائے فانی کی فکروں میں اپنے کو ہمیشہ مشغول رکھتے ہیں اور بس یہی دھن اور دھیان ان کو ہر گھڑی لگا رہتا ہے تو ایسے لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے دل کے چین و سکون کو برباد کرتے ہیں اور بالآخر پھر ان کو سونے کے لیے دوائیاں کھانی پڑتی ہیں۔

نیند اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

ورنہ ان کو نیند جیسی عظیم نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور تب ان کو اس نعمت کی قدر ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نیند کو مقام انعامات میں ذکر فرمایا ہے کہ و جعلنا نو مکم سباتا کہ ہم نے تمہاری نیند کو تمام ھموم وغموم اور افکار کو قطع کر کے دماغ وقلب کو راحت وچین وسکون دینے والا بنایا ہے۔ چنانچہ نیند سے انسان کو ایسی راحت ملتی ہے کہ کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہوسکتی ہے۔

اور یہ نعمت بلا تفریق ساری مخلوق امیر غریب، عالم جاہل، بادشاہ مزدور سب کو بیک وقت یکساں طور پر عطا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں تک کو مفت حاصل ہوتی ہے اور بسا اوقات جبراً مسلط کی جاتی ہے کہ انسان کام کی کثرت سے مجبور ہو کر سوچتا ہے کہ رات بھر جاگوں مگر رحمتِ حق جل شانہ اس پر جبراً نیند مسلط کر دیتے ہیں کہ دن بھر کی تھکان دور ہو جائے اور اس کے قویٰ مزید کام کے لیے تیز ہو جائیں اور دماغی طور پر بالکل تازہ دم ہو جائے اور بسا اوقات یہ نعمت غریبوں اور محنت کشوں کو جیسی حاصل ہوتی ہے ویسی مالداروں اور دنیا کے بڑوں بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ تو حق تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جو براہِ راست اس کی طرف سے ملتی ہے۔ (معارف القرآن، جلد:۸، صفحہ:۶۵۴)

اس لیے جو لوگ اس دنیائے فانی کے چکر میں رات و دن لگے رہتے ہیں بالآخر ان کی تمنائیں اور اُمیدیں کبھی پوری نہیں ہوتی ہیں کیونکہ ہر مقدار کے بعد ایک دوسری مقدار کی فکر اور ایک مبلغ مال ملنے کے بعد دوسرے کی تلاش وجستجو اور ایک سامانِ عیش آنے کے بعد اس سے بڑے سامانِ عیش کی تلاش جاری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اور آپ نے کتنے لکھ پتی اور کروڑ پتی اور عرب پتی کو دیکھا ہے کہ جن کے پاس اتنی دولت تھی کہ اگر وہ خود استعمال کرتے اور ان کی اگلی نسل استعمال کرتی تو بھی ختم نہ ہوتی مگر حرص مال نے ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔

اور وہ بالکل اس حدیث کا مصداق بنے رہے کہ:

﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لو ان لابن آدم وادیین لابتغی ثالثا)

اگر انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوتیں تو وہ ضرور تیسری کا متلاشی رہے گا اور (اور اتنی بڑی مقدار دولت کی ملنے کے باوجود وہ قناعت سے نہ بیٹھے گا بلکہ وہ مزید در مزید کا متلاشی رہے گا اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا الا یہ کہ) انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی ہے اور تائب پر حق تعالیٰ متوجہ ہو کر اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔ درحقیقت اس حدیث میں اسی فطرتِ انسانی کی ترجمانی ہے لیکن جو لوگ اس دنیا کی حقیقت کو پہچان گئے اور انہوں نے اس کو دھوکہ کا گھر ہونا سمجھ لیا ہے تو وہ اس کو محض برتنے کا سامان سمجھتے ہیں اور وہ اس سے دل نہیں لگاتے

بلکہ جس طرح کشتی پانی کے اوپر چلتی ہے اور اس کے چلنے کے لیے پانی ضروری ہے مگر کشتی میں پانی جاتے ہی پوری کشتی بھی غرق اور سارے کشتی کے مسافرین بھی غرق ہو جائیں گے بس ٹھیک اسی طرح ہمارے لیے دنیا ہے کہ اگر اس کو ہم استعمال کرتے رہیں تو ضروری ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں ہے لیکن اگر اس کی محبت دل میں آ جائے تو سمجھو کہ یہ پھر تباہی و بربادی کا سامان ہے اور ہلاکت کی جڑ ہے اور راس کل خطیئة ہے۔

میں اپنی آنکھوں سے رات دن دیکھ رہا ہوں جو اس فکر میں لگے اور دنیا فانی کے غموں میں بے حد مشغول ہو گئے ہیں تو اُن کو اللہ نے دنیا میں بھی ایسا پریشان کر دیا ہے کہ وہ ڈپریشن کی دوائیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ کیونکہ ہر وقت اُداسی اور مایوسی اور حالات سے بے چینی اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ یہ دونوں شے درحقیقت اس حدیث کی تشریح ہے جس میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَکَ غِنًی وَّاَسُدَّ فَقْرَکَ وَاِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ یَدَیْکَ شُغْلًا وَّلَمْ اَسُدَّ فَقْرَکَ»

(سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقاق)

اے انسان! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا تو میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو تیرے ہاتھوں کو مشغولی سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔

میرے دوستو! اس حدیث کا مضمون ہر مسلمان کو پکار پکار کر یہ اعلان کر رہا ہے کہ تم اپنے اصل کام میں لگ جاؤ اور جس کام میں تم لگے ہو اس کو سرسری طور پر سبب کے درجے میں اختیار کرو اور باقی رات دن کا تمہارا شغل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کو راضی کرنے کی فکر ہونی چاہیے، پھر یہ کام تمہارے حق تعالیٰ خود بنا دیں گے۔ اب اگر ہم نے ایسا نہ کیا، بلکہ ہم دنیا میں بے حد برباد ہو گئے جس کے نتیجے میں مشغولیاں اتنی بڑھ گئی کہ اُن کی وجہ سے ذہنی ٹینشن اور اُلجھنوں کا شکار ہو گئے کہ دوائیاں کھائے بغیر صحیح طور پر نیند بھی نہیں آتی ہے۔

رہرو بغیر رہبر کے عمر بھر منزل نہیں پاتا

کوئی پاتا نہیں منزل بدون رہبر منزل
اگرچہ راہرو کردے تلف کوشش میں اپنی جاں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اوپر کے اوّل شعر میں ذکر کردہ مقصودِ مؤمن تک رسائی کا طریقہ اور اس کے عکس سے حفاظت کا ذریعہ بیان فرمایا ہے کہ اگر سالک راہِ خدا اور طالبِ مرضئ مولیٰ اپنی منزل تک بحفاظت پہنچنا چاہتا ہے اور آسانی اس کو پانا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ کسی رہبر کے ساتھ شامل ہو جائے کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں بھی یہ بات ہر فن کے ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ کسی بھی فن کی

ڈگری بغیر اس کے ماہرین کی نگرانی میں پریکٹس (Practice) کے بغیر مقبول و معتبر نہیں ہوتی ہے۔

اس لیے بنی نوع انسان کی ہدایت کے واسطے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام شروع سے یہی رہا ہے کہ کتابوں کے بھیجنے کے ساتھ رجال کو بھی بھیجا گیا ہے جن کو ہم انبیاء ورسل کہتے ہیں۔ اگر صرف کتابوں سے علوم حاصل کر کے رہنمائی ممکن ہوتی تو ہرگز انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کی حاجت نہ ہوتی۔

اسی مناسبت سے مجھے حضرت مفتی شفیع صاحب کا مضمون نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ محض ایک صوفی و خانقاہی نہ تھے بلکہ مفسر قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے مفتیِ اعظم بھی تھے۔ ان کی تحریر بعنوان ہدایت واصلاح کے دو سلسلے کتاب اللہ اور رجال اللہ، ملاحظہ فرمائیں:

اب اس سلسلہ کی دو باتیں اور قابلِ نظر ہیں اوّل یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے ابتدا آفرینش سے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے ہمیشہ ہر زمانہ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک دو سلسلے جاری رکھے ہیں ایک آسمانی کتابوں کا دوسرے اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا۔ جس طرح محض کتاب نازل فرمادینے کو کافی نہیں سمجھا اسی طرح محض رسولوں کے بھیجنے پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے۔ اللہ جل شانہ کی اس عادت اور قرآن کریم کی شہادت نے قوموں کی صلاح وفلاح کے لیے ان دونوں سلسلوں کو یکساں طور پر جاری فرما کر ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا کہ انسان کی صحیح تعلیم وتربیت کے لیے نہ صرف مربّی انسان بلکہ ایک طرف آسمانی ہدایات اور الٰہی قانون کی ضرورت ہے جس کا نام کتاب یا قرآن ہے۔

دوسری طرف ایک معلم اور مربّی انسان کی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم وتربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایات سے روشناس کر کے ان کو خوگر بنائے کیونکہ انسان کا اصلی معلّم انسان ہی ہوسکتا ہے، کتاب معلم یا مربّی نہیں ہوسکتی۔ ہاں! تعلیم وتربیت میں معین ومددگار ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام کی ابتدا ایک کتاب اور ایک رسول سے ہوئی ہے اور ان دونوں کے امتزاج نے ایک صحیح اور اعلیٰ مثالی معاشرہ دنیا میں پیدا کر دیا، اسی طرح آگے آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک طرف شریعتِ مطہرۃ اور دوسری طرف رجال اللہ کا سلسلہ رہا۔ (معارف القرآن، جلد:۱، صفحہ:۳۳۶)

قرآن کریم میں کئی جگہ اس کی ہدایتیں دی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے کہ **یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین** اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔ دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف بیان کر کے فرمایا کہ **اُولٰئِک الذین صدقوا و اولٰئک ھم المتقون** اور یہی لوگ سچے ہیں اور یہی ہیں پرہیزگار۔

پورے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے۔ یہاں بھی صراطِ مستقیم کا پتہ دینے کے لیے بجائے اس کے کہ صراط القرآن یا صراط الرسول یا صراط السنۃ فرمایا جاتا۔ کچھ اللہ والے

لوگوں کا پتہ دیا گیا کہ ان سے صراطِ مستقیم حاصل کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین یعنی صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے نہ کہ ان لوگوں کا جو کہ گمراہ ہو گئے۔ دوسری جگہ ان کی مزید تعیین وتوضیح قرآن میں وارد ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے: فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِم مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْن اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے لیے کچھ حضرات کے نام متعین کر کے دینی معاملات میں آپ کی اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے:

یایھا الناسُ انی ترکتُ فیم امرین ما ان اخذتُم بہ لن تضلوا کتابَ اللہ وعترتی أھلَ بیتی

(ترمذی)

اے لوگو! میں تمہارے لیے اپنے بعد میں دو چیزیں ی چھوڑتا ہوں، ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا تو تم گمراہ نہ ہو گے ایک کتاب اللہ اور دوسری میری اولاد اور اہلِ بیت۔ اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرو عُمَرَ یعنی میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اتباع کرو۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' میرے طریقہ کو اختیار کرو اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان ہدایات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ قوموں کی اصلاح وتربیت کے لیے ہر قرن ہر زمانے میں دو چیزیں ضروری ہیں۔ قرآنی ہدایات اور ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا سلیقہ حاصل کرنے کے لیے ماہرینِ شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے اور اگر مختلف علوم وفنون اور ان کے سیکھنے سکھانے کے طریقوں پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اصولِ تعلیم وتربیت کچھ دین اور دینیات ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام علوم و فنون کی صحیح تحصیل اسی پر دائر ہے کہ ایک طرف ہر فن کی بہترین کتابیں ہوں تو دوسری طرف ماہرین کی تعلیم و تربیت، ہر علم وفن کی ترقی اور تعلیم کے یہی دو بازوں ہیں لیکن دین اور دینیات میں ان دونوں بازوؤں سے فائدہ اُٹھانے میں بہت سے لوگ افراط وتفریط کی غلط روش میں پڑ جاتے ہیں جس کا نتیجہ بجائے فائدہ اُٹھانے کے نقصان اور بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے۔

بعض لوگ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے صرف علماء ومشائخ ہی کو قبلۂ مقصود بنا لیتے ہیں اور ان کے متبع شریعت ہونے کی تحقیق نہیں کرتے اور یہ اصلی مرض یہود ونصاریٰ کا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے سوا اپنا معبود اور قبلۂ مقصود بنالیا۔ ظاہر ہے کہ یہ

راستہ شرک و کفر کا ہے اور لاکھوں انسان اس راستہ میں برباد ہوئے اور ہورہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو علومِ قرآن وحدیث کے حاصل کرنے میں کسی معلّم ومربّی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے نہ ماہر علماء کی ضرورت ہے نہ تربیت یافتہ مشائخ کی حاجت ہے۔ یہ دوسری گمراہی ہے جس کا نتیجہ دین وملت سے نکل کر نفسانی اغراض کا شکار ہونا ہے کیونکہ ماہرین کی امداد واعانت کے بغیر کسی فن کا صحیح حاصل ہوجانا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ ایسا کرنے والا یقیناً غلط فہمیوں کا شکار ہوجاتا ہے اور یہ غلط فہمی بعض اوقات اس کو دین وملت سے بالکل نکال دیتی ہے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ ان دونوں چیزوں کو اپنے اپنے مقامات اور حدود میں رکھ کر ان سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ حکم اصلی صرف وحدہٗ لاشریک لہ کا ہے اور اطاعت اصل میں اسی کی ہے، رسول بھی اس پر عمل کرنے اور کرانے کا ایک ذریعہ ہے، رسول کی اطاعت بھی محض اسی نظر سے کی جاتی ہے کہ وہ بعینہ اللہ جل شانہ کی اطاعت ہے۔ ہاں اس کے ساتھ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اور ان کے احکام پر عمل کرنے میں جو علمی یا عملی مشکلات سامنے آئیں اس کے لیے ماہرین کے قول وفعل سے امداد لینے کو سرمایۂ سعادت ونجات سمجھنا ضروری ہے۔

آگے چل کر حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ صفحہ: ۳۳۹ پر فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرضِ منصبی تزکیہ قرار دیا ہے۔ تزکیہ کے معنی باطنی نجاسات اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے یعنی شرک وکفر اور عقائد فاسدہ سے نیز بُرے اخلاق تکبر، حرص وطمع، بغض وحسد، حبِ مال وجاہ وغیرہ سے پاک کرنا۔

تزکیہ کو تعلیم سے جدا کرکے مستقل مقصدِ رسالت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی قرار دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعلیم کتنی ہی صحیح ہو، محض تعلیم سے عادۃً اصلاحِ اخلاق نہیں ہوتی جب تک کسی تربیت یافتہ مربّی کے زیرِ نظر عملی تربیت حاصل نہ کرے کیونکہ تعلیم کا کام درحقیقت سیدھا اور صحیح راستہ دکھلا دینا ہے، مگر ظاہر ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے محض راستہ جان لینا تو کافی نہیں جب تک ہمت کرکے قدم نہ اُٹھائے اور راستہ پر نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہلِ ہمت کی صحبت اور اطاعت کے اور کچھ نہیں، ورنہ سب کچھ جاننے سمجھنے کے بعد بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت وتوفیق کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی، اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا اسی کا نام تزکیہ ہے۔

آگے چل کر حضرت مفتی صاحب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں وصف تزکیہ کے ہونے کی وجہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف چلتے تھے فتح ونصرت ان کے قدم چومتی تھی۔ تائیدِ ربانی ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کے محیر العقول کارنامے جو آج بھی ہر قوم وملت کے ذہنوں کو مرعوب کیے ہوئے ہیں وہ اسی تعلیم وتزکیہ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ آج دنیا میں تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے نصابوں کی تبدیلی وترمیم پر تو سب لوگ غور کرتے ہیں لیکن تعلیم کی روح کو درست کرنے کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی جاتی کہ مدرس اور معلّم کی اخلاقی حالت اور مصلحانہ تربیت کو دیکھا جائے، اس پر زور دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار کوششوں کے بعد بھی ایسے مکمل انسان پیدا نہیں ہوتے جن کے عمدہ اخلاق دوسروں پر اثر انداز ہوں اور دوسروں کی تربیت کرسکیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اساتذہ جس علم وعمل اور اخلاق وکردار کے مالک ہوں گے ان سے پڑھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ انہی جیسے پیدا ہوسکیں گے۔ اس لیے تعلیم کو مفید اور بہتر بنانے کے لیے نصابوں کی تدوین وترمیم سے زیادہ اس نصاب کے پڑھانے والوں کی علمی واخلاقی حالات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ (انتہی کلام معارف القرآن: ج ۱، صفحہ ۳۴۱)

صراطِ مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے

اسی مضمون کو خود حضرت مفتی صاحب نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر جلد: ۱، صفحہ: ۹۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ: یہاں ایک بات قابلِ غور ہے اور اس میں غور کرنے سے ایک بڑے علم کا دروازہ کھلتا ہے وہ یہ کہ صراطِ مستقیم کی تعیین کے لیے بظاہر صرف بات یہ تھی کہ صراط الرسول یا صراط القرآن فرمادیا جاتا مختصر بھی تھا اور واضح بھی کیونکہ پورا قرآن درحقیقت صراطِ مستقیم کی تشریح ہے اور پوری تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل لیکن قرآن کی اس مختصر سورت میں اختصار اور وضاحت کے اس پہلو کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم کی تعیین کے لیے اللہ تعالیٰ نے مستقل دو آیتوں میں ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے صراطِ مستقیم کو اس طرح متعین فرمایا کہ اگر سیدھا راستہ چاہتے ہو تو ان لوگوں کو تلاش کرو اور ان کے طریق کو اختیار کرو۔ قرآن کریم نے اس جگہ یہ فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو کیونکہ محض کتاب انسانی تربیت کے لیے کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کرو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بقاء اس دنیا میں دائمی نہیں اور آپ کے بعد کوئی دوسرا رسول اور نبی نہیں، اس لیے صراطِ مستقیم جن لوگوں کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے ان میں نبیین کے علاوہ ایسے حضرات بھی شامل کردیئے گئے جو تا قیامت ہمیشہ موجود رہیں گے مثلاً صدیقین، شہداء اور صالحین۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسانوں کا پتہ دیا، کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خبر دی کہ پچھلی اُمتوں کی طرح میری اُمت بھی ستر فرقوں میں بٹ جائے گی اور صرف ایک جماعت ان میں حق پر ہوگی تو صحابہ

کرام نے دریافت کیا کہ وہ کون سی جماعت ہے؟ اس پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا ہے اس میں بھی کچھ رجال اللہ ہی کا پتہ دیا گیا ہے فرمایا کہ **ما انا علیه و اصحابی** یعنی حق پر وہ جماعت ہوگی کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز پر ہو۔ اس خاص طرز میں شاید اس کی طرف اشارہ ہو کہ انسان کی تعلیم وتربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہوسکتی بلکہ رجال ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی ہے یعنی درحقیقت انسان کا معلّم اور مربّی انسان ہی ہوسکتا ہے، محض کتاب معلّم اور مربّی نہیں ہوسکتی۔ بقول اکبر مرحوم ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو دنیا کے تمام کاروبار میں مشاہد ہے کہ محض کتابی تعلیم سے نہ کوئی کپڑا سینا سیکھ سکتا ہے، نہ کھانا پکانا، نہ ڈاکٹر کی کتاب پڑھ کر کوئی ڈاکٹر بن سکتا ہے، نہ انجینئری کی کتابوں سے محض مطالعے سے کوئی انجینئر بنتا ہے۔ اسی طرح قران وحدیث کا مطالعہ محض انسان کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے لیے ہرگز کافی نہیں ہوسکتا جب تک اس کو کسی محقق و ماہر سے باقاعدہ حاصل نہ کیا جائے۔ قرآن وحدیث کے معاملے میں بہت سے لکھے پڑھے آدمی اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ محض تفسیر یا ترجمے دیکھ کر وہ قرآن کے ماہر ہوسکتے ہیں، یہ بالکل فطرت کے خلاف تصور ہے۔ اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کے بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ کتاب کے ساتھ رسول کو معلم بنا کر بھیجا اور صراطِ مستقیم کو متعین کرنے کے لیے اپنے مقبول بندوں کی فہرست دینا اس کی دلیل ہے کہ محض کتاب کا مطالعہ تعلیم وتربیت کے لیے کافی نہیں بلکہ کسی ماہر سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کی اصلاح وفلاح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں (۱) ایک کتاب اللہ جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ احکام موجود ہیں۔ (۲) دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے ان سے استفادے کی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے معروف اصول پر رجال اللہ کو پرکھا جائے جو اس معیار پر نہ اُترے ان کو رجال اللہ ہی نہ سمجھا جائے اور جب رجال اللہ صحیح معنی میں حاصل ہوجائیں تو ان سے کتاب اللہ کے مفہوم سیکھنے اور عمل کرنے کا کام لیا جائے۔

فرقہ وارانہ اختلافات کا بڑا سبب یہی ہے کہ کچھ لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو لے لیا، رجال اللہ سے قطع نظر کرلی۔ ان کی تفسیر وتعلیم کو کوئی حیثیت نہ دی اور کچھ لوگوں نے صرف رجال اللہ کو معیارِ حق سمجھ لیا اور کتاب اللہ سے آنکھ بند کرلی اور ان دونوں طریقوں کا نتیجہ گمراہی ہے۔ (معارف القرآن، جلد:۱، صفحہ:۹۴)

اسی کو حضرت والا شعر میں فرماتے ہیں کہ ساری زندگی بھی اگر راہرو اپنی تمام کوششیں صرف کرڈالے مگر بغیر رہبر کے منزل تک رسائی نہیں ہوتی۔ اس لیے آسان راستہ یہ ہے کہ کسی رہبر کے ساتھ لگ جاؤ پھر دیکھو کتنی جلدی منزلِ مقصود حاصل ہوجائے گی۔

حسنِ فانی کی گداگری بڑی حماقت ہے

گدائے حسنِ فانی ترک کر اپنی حماقت کو
فدا ہو کر خدا پر دیکھ پھر تو کیسی اپنی شاں

حضرت والا دامت برکاتہم اس شعر میں یہ مضمون بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ حسنِ فانی کے چکروں میں پڑ کر اپنی زندگیاں برباد کررہے ہیں اور دنیا کے عارضی حسن اور چمک دمک پر مر رہے ہیں اور حسین معشوق اور معشوقہ کے عشق ومحبت میں اپنی جانیں کھپا رہے ہیں اور صبح وشام اور رات ودن اپنے معشوق ومعشوقاؤں کے لیے جان لٹا دینے کی رٹ لگا رہے ہیں اور اپنی ہر ادا سے ان پر فدا ہو رہے ہیں، ایسے لوگ درحقیقت احمق و نادان اور ناعاقبت اندیش ہیں اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قیمتی حیات کو برباد کررہے ہیں اور اپنی قیمت کو گھٹا رہے ہیں کیونکہ جو خود فانی ہے اور مر کر مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہونے والا ہے، اور اپنی زندگی میں بھی سراپا محتاج ہے، نہ موت و حیات کا مالک ہے، نہ عزت وذلت اس کے قبضہ میں ہے اور نہ وہ خود اپنے ارادوں اور اپنے تصرفات پر کنٹرول رکھتا ہے اور نہ وہ کچھ دینے لینے کا اختیار رکھتا ہے بلکہ خود اس کی حیات کسی کی دی ہوئی بھیک ہے اور اس کی ظاہری چمک دمک اور چار دن کی رنگت جو بظاہر دل کو لبھانے والی ہے مگر سمجھدار اس سے عبرت پکڑتا ہے اور اپنے کو بلبل پرندہ کی طرح اشکبار ہونے سے بچاتا ہے۔

اور اے وہ نادان شخص! جو حسنِ فانی کا گدا بنا ہوا ہے، اپنی اس احمقانہ حرکت کو چھوڑ دے، اللہ پر فدا ہو کر دیکھ دنیا وآخرت میں کیسی شان وعزت عطا ہوگی۔ اور اے اہلِ دنیا! تم بظاہر ہنستے ہوئے نظر آتے ہو لیکن جب ہم نے تمہارے حال خود تمہارے زبانی سنے ہیں تو ہم پر تمہاری حقیقت کھل گئی کہ تمہارے لبِ خنداں کے نیچے ہزار ہا غم پنہاں ہوتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ بے چینی اور پریشانی کا جس کی وجہ سے ٹینشن اور ڈپریشن کی نوبت آتی ہے۔

اس کے برخلاف جو لوگ صبح وشام اور رات ودن اپنے اللہ پر فدا ہوتے رہتے ہیں نہ اس کے احکام کو توڑتے ہیں اور نہ اس کی مرضی کے خلاف چلتے ہیں اور اپنی خواہشات نفسانیہ پر اللہ کے حکم کو غالب رکھتے ہیں، کوئی کتنا ہی حسین وحسینہ ہو مگر جب وہ راہ سے گذرتے ہیں تو اپنے اللہ کے جمال کے مشاہدہ میں ایسے نگاہیں نیچے کیے گذر جاتے ہیں کہ ان کو ادھر خیال بھی نہیں ہوتا اور اگر کبھی ان کا جی چاہتا بھی ہے تو اپنی جی چاہی کو رب چاہی کے تابع کرتے ہیں اور یہ عزم لیے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر جان بھی جائے تو منظور ہے، مگر اپنے مولیٰ کو ناراض نہیں کرنا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان حسین وحسیناؤں کو دیکھا تو اس میں دین کا ضرور نقصان ہے اور نظر سے میلان اور میلان سے محبت وعشق اور پھر شدہ شدہ آخری ذلت کی منزل سامنے آجاتی ہے۔

تو ایسے اہلِ عزیمت لوگ اللہ کی نگاہ میں بہت پیارے اور محبوب ہوجاتے ہیں اور ان کی شان اللہ کی نگاہ

میں بڑی اونچی ہوتی ہے اور وہ اولاً عنداللہ محبوب ہو جاتے ہیں اور پھر اہلِ ارض کے قلوب میں ان کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور فرشتوں میں ایسے لوگوں کے تذکرے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سی احادیث سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے اور دنیا وآخرت میں اس کو حیاۃ طیبہ یعنی بالطف زندگی ملتی ہے اور حقیقی زندگی کا لطف اسے حاصل ہوتا ہے اور یہ لوگ اللہ رب العزت کی نگاہوں میں عقلمند قرار پاتے ہیں۔

اس کو میرے شیخ محترم اپنے مخصوص الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں کہ اپنے اللہ پر فدا ہونا یعنی ہر دم اس کا ذکر اور اس کی مخلوق میں بھی رب کی فکر ہو اور اس کی رضا کا دھیان ہو اور ہر کام کرتے وقت اس کی ناراضگی اور عتاب سے ڈرتا رہتا ہو اور اس کی ہر خواہش حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کے تابع ہو جو طیبات دنیویہ اور مستلذات مباحات ہیں ان میں تو اپنے لیے احتیاط کے ساتھ اور تکلف سے بچتے ہوئے حصہ رکھتا ہو اور ان کو بلا وجہ اپنے اوپر حرام کیے ہوئے نہ ہو لیکن ان کے درپے ہو کر ہمہ وقت ان کی فکر میں نہ پڑا رہتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے عقلمندی کا معیار مال و دولت اور جاہ ومنصب اور خاندانی بلندی و برتری کو نہیں بلکہ اپنے ذکر اور مخلوق میں فکر کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

﴿عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللهِ﴾

(المستدرک علی الصحیحین)

کہ عقلمند وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس پر قابو و کنٹرول رکھے اور اپنی زندگی میں اپنے مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور بے وقوف وہ شخص ہے کہ جو اپنے آپ کو اپنی خواہشات کے پیچھے ڈال دے اور اللہ تعالیٰ پر بے بنیاد تمنائیں لگائے رکھے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں دس آدمیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو ایک انصاری نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھدار اور احتیاط اور تقوے والا کون ہے؟ ارشاد فرمایا: جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور موت کے آنے سے پہلے اُس کی سب سے زیادہ تیاری کرنے والا ہو، یہی وہ عقلمند لوگ ہیں جو دنیا کی عزت وشرافت بھی لے گئے اور آخرت کی عزت بھی حاصل کر لی۔

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشْرَةٍ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَشَدُّهُمْ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ أُولٰئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

تو اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عقلمندی کا معیار اپنے نفس پر کنٹرول کر کے اپنی زندگی میں

اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ کرنا ہے جو کہ انسان کو مرنے کے بعد کی زندگی میں کام آتے ہیں۔ گویا کہ مرنے کے بعد کی کرنسی اور نقود یہ اعمال ہیں اور اگر کوئی کسی ملک میں جائے اور وہاں کی کرنسی اس کے پاس نہ ہو تو وہاں اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور پریشانیوں اور شرمندگیوں کا سامنا ہوگا تو اس لیے عقلمند وہ ہے جو اس دنیا کو آخرت کے لیے کھیت بناتا ہے، اس میں بوتا ہے اور آخرت میں وہ کھیتی کاٹے گا۔ اور اس مضمون پر آیات واحادیث بکثرت آتی ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ عقلمند وہ ہی شخص ہے جو ہر دم اللہ کو راضی رکھے۔

ہزاروں غم زیرِ لب خنداں چھپے ہوتے ہیں

تمہیں اے اہلِ دنیا ہم نے ہنستے بھی کبھی دیکھا
ہزاروں غم بھی پنہاں ہیں مگر زیرِ لب خنداں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے ایک سچی حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ جو لوگ دنیا دار ہیں چونکہ ان کا قلب ہر وقت دنیا کے ہزاروں غموں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے تو ان کو دل میں حقیقی چین وسکون میسر نہیں آتا ہے اور وہ بظاہر کبھی ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کے قریب جا کر ان کے دل کا حال سنو تو ان کی بے چینی اور پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل اللہ کے پاس ایسے واقعات والے لوگ روز آتے رہتے ہیں اور ایسے خطوط بھرے رہتے ہیں کہ جن میں قدرے مشترک یہ شکایت ہوتی ہے کہ فلاں فلاں وجوہ سے سکون بالکل نہیں حالانکہ ان کی ظاہری حالت اور دولت وثروت کے لحاظ سے ان کی حیثیت بہت اونچے لوگوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس پر واقعات تو بہت سے ہیں مگر میں خود اپنا واقعہ بتاتا ہوں کہ میں ایک مرتبہ اپنے ملک ساؤتھ افریقہ میں ایک جگہ گیا تو جس گھر میں جانا ہوا تو ماشاء اللہ دولت اور مال کے لحاظ سے بڑے دولت والے اور مالدار مگر خود گھر کے مالک کے الفاظ یہ تھے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر ہمیں سکون بالکل حاصل نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ We have everything but we do not have peace. جبکہ اللہ والے اگرچہ کبھی کبھی بظاہر ہنستے ہوئے نہیں ہوتے مگر اپنے دل میں سکون کا دریا لیے ہوتے ہیں۔ اس کو حضرت نے ایک اور شعر میں یوں فرمایا ہے کہ ؎

شاہوں کے سروں پر تاجِ گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اور اہلِ صفا کے سینوں میں اِک نور کا دریا بہتا ہے

اور کیوں نہ ہو کہ جو اللہ ساری دنیا کے چین وسکون کا خالق ہے اور ساری لذاتِ دو عالم میں لذت کی صفت رکھنے والا ہے وہ خود اللہ والوں کے دلوں میں اپنی تجلیات کے ساتھ موجود ہوتا ہے تو کیوں ان کا دل چین وسکون سے بھرا ہوا نہ ہو اور کیوں دوسروں کو بھی ان کے پاس بیٹھ کر سکون نہ ملے۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اللہ والوں کو ان کے بوریوں پر جو سکون ملتا ہے وہ شاہوں کو ان کے تختِ شاہی پر بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔

دنیا بری نہیں اس پر گرویدہ ہونا برا ہے

خدا سے ہو کے غافل تو ہے دنیا پر جو گرویدہ
بتا تو قبر میں کیا ساتھ لے جائے گا اے ناداں

اے نادان انسان! خدا سے غافل ہو کے تو جو دنیا پر گرویدہ ہو چکا ہے ذرا بتا تو صحیح تو قبر میں کیا ساتھ لے کر جائے گا۔ حضرت والا نے گرویدہ کا لفظ استعمال فرما کر اور غافل کا لفظ ذکر کر کے بہت جامع تعبیر اختیار فرمائی ہے کہ دنیا کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس طرح دنیا میں لگ جانا کہ خدا کے غافل ہو جاوے اور دنیا اور اس کی چیزوں پر فریفتہ ہو کر رہ جائے تو ایسے شخص کو حضرت خطاب فرماتے ہیں کہ تجھے دنیا سے کیا ملا جو تو اپنے ساتھ آخرت میں لے جا رہا ہے۔ پھر اگر یہ نادانی نہیں ہے تو اسے کیا کہیں گے۔ یہ سب مضامین جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں اپنی اُمت کو سمجھانے کے لیے عنوان بہ عنوان انداز بدل بدل کر ذکر فرمائے ہیں تا کہ ہم دنیا پر گرویدہ ہو کر حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوں اور آخرت کی تیاری نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اور جو لوگ حسنِ فانی پر مرتے ہیں ہم نے انہیں ہمیشہ صحرائے غم میں سرگرداں و حیران پایا۔

حضرت والا انسان کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ جو دنیا میں اس قدر منہمک ہوا ہے کہ وہ اپنی آخرت کو بھول بیٹھا ہے اور دنیا کے ساتھ صرف ایک استعمالی ضروری چیز جیسا برتاؤ نہیں کیا بلکہ اس پر گرویدہ اور فریفتہ ہے اور اس کے ساتھ والہانہ وارفتگی اور تعلق ہے، اسی لیے مطلق دنیا کا استعمال اپنے اور اپنے بچوں اور دینی کاموں کے لیے عین ثواب و اجر کی بات ہے۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا درحقیقت اللہ سے غافل ہونے کا نام ہے۔ سونا چاندی، مال و دولت اور بیوی و اولاد وغیرہ کا نام دنیا نہیں ہے۔ جو دنیا پر گرویدہ ہے اور اس میں بے حد منہمک و مشغول ہے اور غفلت میں پڑا ہوا ہے حضرت والا اس کو بڑے عجیب انداز سے نصیحت فرماتے ہیں کہ ارے ناداں! تو یہ بتا کہ اس دنیا سے جب تو رخصت ہو کر جائے گا تو اپنے ساتھ کیا لے کر جائے گا۔ بالآخر انسان جن زمینوں، جائیدادوں اور بلڈنگ و محلات کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر کے رکھ دیتا ہے یہ سب یہیں رہ جاتے ہیں، بس انسان کے اعمال ساتھ جاتے ہیں۔ اگر اچھے ہیں تو وہ ساتھ جائیں گے اور اگر بُرے ہیں تو وہ ساتھ جائیں گے، باقی سب یہیں پڑا رہ جائے گا۔ اس پر حضرت والا کا ایک شعر ہے کہ ؎

ارے جی رہے ہو یہ کس کے سہارے
کہ مرنے سے ہوجائیں گے سب کنارے

اور یہی وہ نصیحت ہے کہ جس کو حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے انداز بدل کر اپنے کلام میں صحابہ کو کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ **اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت** کہ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو اور کہیں پر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہ جیسا کہ کوئی مسافر بلکہ رہ گذر رہا کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ کر دیا تھا کہ **کفٰی بالموت واعظًا** کہ اے عمر! مجھے ناصح ہونے کے لیے موت ہی کافی ہے۔

اور اس شعر کی شرح میں مزید توسیع کرتے ہوئے احقر یہ عرض کرتا ہے کہ یہ الفاظ اس کو شامل ہیں کہ جو لوگ اپنے بیانات وتقریروں اور اپنے خطبات ومواعظ کے ذریعہ یا اپنی تصنیفات وتالیفات کے ذریعہ اور یا دوسری دینی خدمات اور عبادات واطاعات کے ذریعہ دنیا کے طالب ہیں خواہ وہ بشکلِ مال ودولت ہو اور خواہ وہ بشکل جاہ ومنصب ہو اور خواہ ڈائریکٹ ہو خواہ اِن ڈائریکٹ، بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ سب کا سب دنیا ہے۔

اس لیے اگر ہم اپنے کسی بھی عمل سے یہ چاہیں کہ لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بنیں اور لوگ عزت کریں اور بلایا کریں، ہدایا تحائف پیش کریں، میری خوب عظمت واحترام کیا کریں، یہ سب دنیاداری ہے اور ایسے اعمال کا عنداللہ کوئی اجر نہ ہوگا بلکہ ضائع ہو جائیں گے۔

تو دوستو! اس شعر میں ہم سب کے لیے نصیحت ہے کہ یہ دنیا ساری یہیں رہ جائے گی اور اللہ کے یہاں صرف وہ عمل جائے گا جو صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو اور وہی انسان قبر میں موجود پائے گا اور آخرت میں اس کا بدلہ ملے گا۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ **اٰخر ما یخرج من قلوب الصالحین حُب الجاہ** کہ سب سے آخری چیز جو صالحین کے دل سے نکلتی ہے وہ جاہ کی محبت ہے۔ یعنی اپنا مقام ومرتبہ اور اپنا نام وشہرت اور جب تک یہ کلی طور پر خارج نہ ہو یعنی مخلوق سے نفع وضرر کا خیال بھی دل سے نکل چکا ہو تب تک عبادت واطاعت میں اخلاصِ کامل نصیب نہیں ہوتا اور بدونِ اخلاص کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہے۔ اس لیے اس شعر میں اہلِ دنیا کے لیے بالعموم نصیحت ہے کہ ہر وقت دنیا میں انہماک نہ رکھیں بلکہ اپنی آخرت کو سامنے رکھیں اور اہلِ دین کے لیے بھی نصیحت ہے کہ اپنے ہر عمل میں صرف اللہ کی رضا کو پیشِ نظر رکھیں تو پھر یہ عمل بظاہر دنیوی ہوتے ہوئے بھی آخرت میں ذخیرہ ہوگا ورنہ تو سب کچھ اکارت اور ضائع ہوگا۔

جیسا کہ احقر نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ عام طور پر حضرت والا کے اشعار الہامی ہیں، اس لیے ایک ایک لفظ جامع اور قرآن وسنت کی تعبیر سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس شعر پر بھی احقر کو قرآن کی بعض آیات یاد آ رہی ہیں جن میں مال ودولت کے ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اظہارِ ناراضگی نہیں فرمایا اور اس کے استعمال کو منع نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کے غفلت کا سبب ہونے کی صورت میں اسے ہلاکت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾

(سورۃ المنافقون، آیت: ۹)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال و اولاد مراد اس سے (مجموعۂ دنیا ہے)، اللہ کی یاد اور اطاعت سے مراد اس سے (مجموعۂ دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں یعنی دنیا میں ایسے منہمک مت ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے اور جو ایسا کرے گا تو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جائے گا اور آخرت کا ضرر اور خسارہ ممتد و دائم رہ جائے گا۔ پھر مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں وہی بات فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیاوی معیشت کے سامانا میں اس قدر مشغول رہنے کی تو اجازت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی طاعت سے انسان کو غافل نہ کر دے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے یا حرام اور مکروہات میں مبتلا ہو جائے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اپنے خاص بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا، لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہیں لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾

(سورۃ النور، آیۃ: ۳۷)

ترجمہ: ایسے مؤمنین کہ جن کو تجارت اور بیع کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا ہے۔

پھر حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت پیشہ تھے اور یہ کام کہ بازاروں سے متعلق ہیں کیونکہ تجارت و بیع کا مانع از یاد خدا نہ ہونا انہی لوگوں کا وصف ہو سکتا ہے جن کا مشغلہ تجارت و بیع کا ہو ورنہ یہ کہنا فضول ہوگا۔ (معارف القرآن، جلد: ۶، صفحہ: ۴۳۵)

تو الغرض ہمارا مدعا ثابت ہو گیا ہے کہ اصل ممانعت غفلت سے ہے، مطلقاً دنیا میں لگنے سے نہیں ہے اور یہی تعبیر حضرت والا کی بھی شعر میں مستعمل ہوئی ہے۔

صحرائے غم میں سرگرداں ہونے والا کون؟

ہمیشہ حسنِ فانی پر جنہیں مرتے ہوئے دیکھا
انہیں صحرائے غم میں ہم نے پایا آہ سرگرداں

حضرت والا اس شعر میں ان لوگوں کا حال ذکر کررہے ہیں کہ جو اس دنیا کی ظاہری رنگ اور حسن پر مرتے ہیں۔ ایک تو یہ حماقت و بے وقوفی ہے اور عقلمندی و دانشمندی کے خلاف ہے اور دوسرے ایسے لوگ ہمیشہ غموم و ھموم کے صحراؤں میں سرگرداں و پریشان رہتے ہیں اور دنیا کے عیش و عشرت کا سارا سامان ہوتے ہوئے ایسے لوگ پریشان پھرتے ہیں۔ چنانچہ راقم السطور نے خود ایسے بعض دولت مند عاشقوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوئے اور تعلق و محبت بڑھتا گیا اور ایک دوسرے سے شادی کرکے زندگی گذارنے کے وعدے جانبین سے ہونے لگے، مگر چند دن بعد لڑکی کے انکار کرنے کی صورت میں یہ لڑکا مثل پاگل و مجنون کے ہوگیا اور نیند نہ آنے کی وجہ سے راتوں کو چھت پر سگریٹ پیتا پھرتا تھا اور ساری خوشیاں اور چین و سکون غائب ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت والا بڑے درد بھرے انداز میں آہ بھر کر نصیحت فرما رہے ہیں کہ یہ حرام محبتیں اور عشق بازیاں یہ بڑی ھموم و غموم کی وادی ہے۔ اس میں قدم نہ رکھو ورنہ سرگردانی اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کبھی انجام کار دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کی نوبت آجاتی ہے اور یہ سرگردانی کبھی اتنی بڑھتی ہے کہ انسان کو اپنے ایمان کی بھی پرواہ نہیں رہتی ہے۔

جیسا کہ بہت سے واقعات اس قسم کے سنے جاتے رہتے ہیں۔ بالخصوص ان مغربی ملکوں میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ اس عشق بازی میں کئی جوانوں نے اپنے ایمان و اسلام کو بدل دیا ہے اور بہت سی اُمت کی جوان بیٹیاں عیسائی لڑکوں کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ اس لیے اس حسن فانی کے چکروں میں پڑنے سے اور اس کے مقدمات نظر بازی وغیرہ سے بچنا یہ اس کا واحد علاج ہے کیونکہ کسی ملک کا دارالسلطنت جبھی محفوظ ہوتا ہے جبکہ اس کا بارڈر بھی محفوظ ہو اور یہ ظاہری اعضاء دل میں محبت پیدا ہونے کے لیے مثل بارڈر کے ہیں اور دل مثل کیپیٹل اور دارالسلطنت کے ہے۔

ہر نفس خوشبوئے مولیٰ کہاں سے ملتی ہے؟

مجھے تو ہر نفس میں اُن کی خوشبو ان سے ملتی ہے
اگرچہ اہلِ دل رکھتے ہیں اپنے درد کو پنہاں

حضرت والا دامت برکاتہم اہل اللہ کے فیضِ صحبت کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ میں تو اللہ والوں پر مر کر یہ دیکھ رہا ہوں کہ مجھے ان اللہ والوں سے ہر نَفَس اللہ کی خوشبو ملتی رہتی ہے اور اس طرح میرا دل فرحاں و شاداں رہتا ہے اور حق تعالیٰ کی خوشبو سے مہک جاتا ہے۔ مگر یہ دولت اہلِ دنیا کے پاس نہیں یہ صرف اہلِ دل کے پاس ہے۔

اور میں نے تو اللہ والوں کے پاس بیٹھ کر اوران کے ساتھ رہ کر یہ دیکھا ہے کہ ہر سانس اللہ ہی کا تذکرہ اور اللہ ہی کی باتیں ہوتی ہیں اور اگر ان کی زبان خاموش بھی ہو تب بھی ان کا حال ترجمان درد پنہاں ہوتا ہے اور ان کے لیل ونہار عملی طور پر حق تعالیٰ کی عظمت ومحبت کے ترجمان ہوتے ہیں کہ وہ نہ طاعات میں کوتاہ ہوتے ہیں اور نہ معاصی کے ارتکاب پر دلیر ہوتے ہیں بلکہ سب کچھ کرتے ہوئے ان کی ہر سانس اللہ کے خوف وخشیت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔اور ان کا یہ حال ہوتا ہے ۔

مر مر کے جئے جاتے ہیں ڈرتے ہیں وہ پھر بھی
عشاق کا معیار وفا اور ہی کچھ ہے

اگر ایک طرف وہ طاعات کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ادا کرتے ہیں تو دوسری جانب وہ تمام گناہوں سے بچ کر حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرتے ہیں اور بالکل اس شعر کا مصداق ہوتے ہیں جو حضرت مولانا منصور الحق ناصر صاحب کا ہے کہ ۔

عبادات جتنی بھی اسلام میں ہے اگر وہ خدا کی محبت کا حق ہیں
حسینوں سے نظریں بچانا تڑپنا بھی ہے حق تعالیٰ کی عظمت کی باتیں

اور رات ودن ان کی آہ وبکا اور گریہ وزاری دیکھ کر ان کے قلوب سے اللہ کی محبت کی ایسی خوشبو مہکتی ہے کہ وہ بے تقریر وخطاب بھی سراپا بیان وخطاب بنے ہوئے ہوتے ہیں اور جس سے اللہ والوں کے اردگرد رہنے والے بھی اس خوشبو سے معطر ہو کر خود صبغۃ اللہ میں رنگ جاتے ہیں اور خود اللہ والے بن جاتے ہیں جو خوشبو ہوتی ہے، اس کے لیے تقریر و بیان کر کے بتانا نہیں پڑتا ہے بلکہ وہ تو خود مہک جاتی ہے۔

بالخصوص ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا سولہ سالہ جوانی کی زندگی کا زمانہ ایسے صاحبِ دل اللہ والے کے ساتھ جنگل کی تنہائیوں میں اللہ کی یاد میں گذرا ہے کہ جو رات کے تین بجے سے اُٹھ کر دن کے گیارہ بجے تک والہانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ومناجات اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے تھے اور تڑپ تڑپ کر ہر تھوڑی دیر بعد اپنے اللہ کو ان لفظوں سے پکارتے تھے یارب! مجھے معاف کر دینا تو دوستو! حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسے اہلِ دل کے پاس رہ کر انسان اللہ کی محبت سے محروم نہیں رہتا ہے۔

اگر چہ اہلِ دل اہل اللہ کے قلب میں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم محبت کا درد ہوتا ہے اس کو وہ لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف ان کی حرکات وسکنات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے ورنہ وہ ایسی شے ہے کہ لغت کے محدود الفاظ سے اس ،، دِمحبت کو بیان کرنا مشکل ہی نہیں ، بلکہ محال ہے۔اس لیے اکثر اہل اللہ کے قلب میں جو محبت خداوندی کا موتی ہوتا ہے اس کو سوائے باری تعالیٰ کے دوسرا کوئی نہیں جانتا ہے اور حقیقت میں یہی اہل اللہ کی شان ہوتی ہے۔

اور جو لوگ معمولی کیفیات کے آتے ہی لوگوں میں ان کا بیان شروع کر دیتے ہیں، درحقیقت وہ ابھی بلوغ کو پہنچے ہوئے نہیں ہوتے ہیں اور یہ جذبۂ اظہار خود منافیٔ محبتِ خداوندی ہے۔ بقول حضرت والا کہ ؎

کیسے سمجھ لوں پا گیا وہ جامِ معرفت
رکھتا ہے جو بھی خود کو نمایاں کیے ہوئے

بلکہ وہ تو اپنے محبت و معرفت خداوندی کے خزانہ میں مست رہتا ہے۔ اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی ہے کہ کون تعریف کرے گا اور کون بُرائی کرے گا اور کون اسے اچھا سمجھے گا اور کون بُرا کہے گا ؎

رکھتا ہے مجھ کو مست خزانہ یہ قلب کا
ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہوئے

اہل اللہ کے مست رہنے کا راز

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقیقی محبت جب انسان کو حاصل ہوجاتی ہے تو وہ مخلوق میں نمایاں ہونے کی فکر میں نہیں رہتا ہے بلکہ مکمل طور پر وہ مخلوق سے بے التفات اور اس کے نفع وضرور سے بے پرواہ ہو کر رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا جو کہ ماہنامہ الرشید لاہور میں نقل ہے کہ اب حالت یہ ہوگئی کہ مدح وذم برابر ہوگئی ہے اور جذر قلب میں غیر اللہ سے نفع وضرر کا التفات نہیں۔ بس یہی پہچان ہے کہ اس کے قلب میں اللہ جل شانہ اپنی تجلیات کے ساتھ آ چکے ہیں اور اسے اب خلق سے استغناء حاصل ہو چکا ہے جو کہ دنیا کے تمام اولیاء اللہ کا وصف مشترک ہے کہ وہ محتاج الی الخالق اور مستغنی عن الخلق ہوتے ہیں اور اسی میں مستغرق ہو رہتے ہیں۔

اس مضمون کو خود حضرت والا نے ایک مقام پر مواہب ربانیہ فیوضِ ربانی صفحہ ۵۱ پر فرمایا کہ اللہ والوں کے استغناء کا راز دراصل یہ ہے کہ واللہ! قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مزہ اللہ والوں کے قلب میں ہے، پوری دنیا کا اجتماعی مزہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، پوری کائنات کا مجموعۂ لذات ایک ترازو میں رکھ لو اور خدا کے عاشقوں کے ایک اللہ کا مزہ دوسرے میں رکھ لو تو اس مزہ کو سلاطین کائنات سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہ کیا مزہ ہے اور پھر حضرت نے فرمایا کہ اختر اللہ والوں کا ایک ادنیٰ غلام ہے لیکن جنوبی افریقہ کے سفر میں وہاں کے ایک بڑے عالم نے کہا کہ ہم نے بہت تقریریں سنی ہیں لیکن جب تم بادشاہوں کو اور ان کے تخت وتاج کو للکارتے ہو تو ہمارے ہوش اُڑ جاتے ہیں کہ یہ کیسا مُلّا ہے کہ بجائے اس کے کہ جیب سے رسید بک نکالے، یہ بادشاہوں کو للکار رہا ہے۔

اور اللہ والوں کے دردِ محبت اور نسبت مع اللہ کو حضرت نے اسی مقام پر صفحہ: ۴۷ پر یوں ارشاد فرمایا ہے کہ نسبت مع اللہ کی مثال مشک سے ہے، جس ہرن کی ناف میں مشک پیدا ہوجاتا ہے تو اس کے بعد وہ سوتا نہیں، کھڑے کھڑے اونگھ لیتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں کوئی شکاری میرا مشک نہ چھین لے۔ اسی طرح جس دل کو نسبت مع اللہ عطا

ہوتی ہے اس کو پھر غفلت نہیں ہوتی اور وہ ڈرتا رہتا ہے کہ میری نسبت مع اللہ کو نقصان پہنچانے والی شکلیں کہیں قریب نہ آ جائیں کہ دل کا لگاؤ ان کی طرف ہو جائے یا بدنظری ہو جائے اور نسبت مع اللہ کو نقصان پہنچ جائے۔

بوریۂ اہلِ دل رشکِ شاہانِ عالم ہے

ہمارا بوریہ یہ رشکِ شہانِ ہفت عالم ہے
ہماری روح ان کے نام پر جب سے ہوئی قرباں

اس شعر کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان پورے طور پر متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اور دل و جان سے اللہ پر فدا و قربان ہوتا ہے تو ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ اس کی بے سروسامانی کے عالم میں بھی ایسا اطمینان وسکون رکھ دیتے ہیں اور زندگی کی ایسی حلاوت و مٹھاس اس کو عطا فرماتے ہیں اور ایسی بالطف ولذت حیات عطا فرماتے ہیں کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کا فرماں روا اور بادشاہ بھی اس پر رشک کرتا ہے اور اگر اسے اس لطف ولذت کا ادراک و احساس ہو جائے تو اپنی حکومت ہفت اقلیم کو اس کے بدلے دینے پر نہ صرف راضی بلکہ خوشامد کر کے وہ اس تبادلہ پر راضی ہو جائے۔ اور حضرت کا شعر ہے کہ ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

خود حضرت والا اس مضمون کو مواہبِ ربانیہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں اللہ اپنی تجلیات خاصہ کے ساتھ متجلی ہوتا ہے تو دونوں عالم کے مزوں سے بڑھ کر بے مثل مزہ وہ دل میں پاتا ہے، تمام عالم کے سلاطین کے تخت و تاج کا نشہ بھی اس دل میں آتا ہے کیونکہ سلاطین عالم کے تخت و تاج اللہ ہی کی بھیک ہیں جس دل میں اللہ تجلی فرماتا ہے سارے عالم کی لیلاؤں کے نمک اور حسن کا نقشہ بھی ساتھ لاتا ہے اور سورج اور چاند کی روشنی ان تجلیاتِ خاصہ کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ جنت کی حوروں کا مزہ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے، اللہ حوروں کا خالق ہے تو جب اللہ دل میں تجلی فرماتا ہے تو اس کو حوروں سے زیادہ مزہ دنیا ہی میں ملنے لگتا ہے کیونکہ حوریں حادث ہیں، حادث کے معنی ہیں جو پہلے نہیں تھا بعد میں موجود ہوا ہو لہٰذا جنت کی اور جنت کی حوروں کی اور جنت کی تمام نعمتوں کی شان ابداً تو ہے ازلاً نہیں ہے یعنی اللہ کے پیدا کرنے سے اب موجود تو ہیں اور اللہ کی مشیت سے ہمیشہ موجود بھی رہیں گی لیکن ازلاً نہیں تھیں یعنی ہمیشہ سے موجود نہ تھیں معدوم تھیں، ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ پھر اللہ نے پیدا کیا اور موجود ہوئیں اور اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ازل سے ہے ابد تک رہے گا، اللہ کا نور واجب الوجود اور قدیم ہے ازلاً بھی ہے ابداً بھی لہٰذا ازلاً ابداً کی شان خالی ابداً والوں میں کیسے آ سکتی ہے جبکہ ان کی ابدیت بھی اللہ کی مشیت کی ممنون ہے لہٰذا اللہ کی ذات لامثل لہٗ ہے وہ جس دل میں متجلی ہوتا ہے اس دل کا مزہ بھی لامثل لہٗ

ہوتا ہے، بے مثل لذت بے مثل مزہ بے مثل خوشی وہ دل پاتا ہے۔ (مواہبِ ربانیہ، انعاماتِ ربانی، ص:۱۵۱)

منزل جاناں کے ملنے کا یقینی طریقہ

کسی بھی مرشد صادق پہ جو مرتا ہے اے اختر
یقیناً شوق سے پاتا ہے اک دن منزل جاناں

حضرت والا دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان کسی اللہ والے کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو اسے ضرور وصول الی اللہ حاصل ہوجاتا ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ وہ اللہ والا مرشد صادق ہو اور مرشد صادق کی پہچان صرف یہ ہے کہ جس کو شیخ صابونی نے تفسیر مختصر تفسیر ابن کثیر جلد اوّل میں نقل کیا ہے کہ **عن اللیث بن سعد رحمہ اللہ قال اذا رایتم الرجل یطیر فی الھواء و یمشی علی الماء فلا تغتروا بہ حتی تعرضوا امرہ علی الکتاب والسنۃ** کہ اگر تم کسی آدمی کو ہوا میں اُڑتے ہوئے اور پانی پر چلتے ہوئے دیکھو تو بھی اس سے دھوکہ مت کھاؤ یہاں تک کہ اس کے معاملات کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سانچہ میں نہ ڈھال لو۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے ولایت کا مدار صرف اتباع قرآن وسنت کو قرار دیا ہے، اس لیے مجدد تھانوی نور اللہ مرقدہ نے التکشف اور التشرف لکھ کر سلوک کے ایک ایک مسئلہ کو قرآن وسنت سے ثابت کر کے دکھایا ہے اور یہی معیار اور کسوٹی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب ''اسلامی سیاست'' صفحہ ۱۸۶ پر لکھتے ہیں حالانکہ سلف صالحین نے صوفیا کرام کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی قلبی معرفت سے اپنے باطنی علوم کی روشنی سے کوئی ایسی بات اختیار کرلیں جو علمائے ظاہر کے خلاف ہو۔

حضرت اقدس مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام تحریر کیا ہے کہ سالک کے لیے سب سے اول وہ اعتقاد ضروری ہے کہ جس کو علمائے اہل السنّت والجماعت نے قرآن وحدیث اور آثار سلف سے استنباط فرمایا ہے۔ تفسیر قرآن وحدیث کا ان معانی پر حمل کرنا بھی ضروری ہے جو علمائے حق نے کتاب وسنت سے سمجھے ہیں اگر بالفرض اس کے خلاف کوئی معنی کشف یا الہام سے ظاہر ہو تو ان کا ہرگز اعتبار نہیں اور ایسے معنی سے پناہ مانگنا چاہیے اور اللہ جل شانہٗ سے دعا کرنی چاہیے کہ اس گرداب سے نکال کر علمائے حق کی صائب رائے کے موافق امور کو ظاہر فرمادے۔ ان کی رائے کے خلاف کوئی چیز بھی زبان سے ظاہر نہ کرے اور اپنے کشف کو ان معانی کی موافق بنانے کی کوشش کرے جو ان حضرات نے سمجھے ہیں، اس لیے کہ جو معانی ان حضرات کے سمجھتے ہوئے معنی کے خلاف دل میں آئیں وہ ہرگز بھی قابلِ اعتبار نہیں، بالکل ساقط ہیں اور ایک مکتوب میں مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ **فاعلم ان کلامھم ان لم یکن مطابقا باحکام الشریعۃ فلااعتبار**

له اصلاً فكيف يصلح للحجة والتقليد وانما الصالح للحجة والتقليد اقوام العلماء من اهل السنة فما وافق اقوالهم من كلام الصوفية يقبل وماخالفهم لايقبل اس بات کو جان لے کہ صوفیا کا کلام اگر شریعت کے احکام کے موافق نہیں ہے تو وہ دلیل اور قابلِ تقلید کیسے ہوسکتا ہے؟ دلیل اور تقلید کے قابل صرف علمائے سنت کے اقوال ہیں، صوفیاء کے اقوال میں سے جو قول علماء کے اقوال کے موافق ہوگا وہ معتبر ہوگا اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ غیر مقبول ہوگا۔ (اسلامی سیاست، صفحہ:۱۸۶ تا ۱۸۸)

خلاصہ یہ کہ شیخ کامل صرف وہی ہوسکتا ہے کہ جس کا ہر قول و فعل قرآن و سنت کے مطابق ہو اور دوسری چیزیں بالکل بھی ولایت و تقویٰ اور مشیخت کا معیار نہیں ہیں۔ تو جو شیخ کامل ہو اور مرشدِ صادق ہو اور خود پہلے کسی شیخ کامل سے تربیت کرائے ہوئے ہو تو اس کی صحبت میں رہ کر اگر تین کام ہوں تو منزل کا حصول یقینی ہوجاتا ہے۔ (۱) اخلاص (۲) اطلاع (۳) اتباع۔ خالص اللہ کی رضا اور اپنی اصلاح کی نیت سے رہے اور اپنے احوال کی شیخ کو اطلاع کرتا رہے اور پھر تجویزِ شیخ پر دل و جان سے عمل کرے ورنہ صرف بڑے شیخ سے بیعت ہوجانا اصلاح کے لیے کافی نہیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سُبُلنا اس لیے مجاہدے کی راہوں سے گذرنا پڑتا ہے تب اللہ تک وصول عطا ہونا یقینی ہوجاتا ہے ورنہ دوستو! حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا ہے کہ بغیر صحبت اہل اللہ کے اصلاح محال ہے یعنی عادت اللہ جیسے مرد و عورت کے ملنے سے بچہ کی پیدائش کو وجود دینا ہے۔ بس اسی طرح اصلاح و تزکیہ کے سلسلہ میں سنت اللہ یہی ہے کہ رجال اللہ یعنی اللہ کے خاص بندوں کی صحبت اخلاص و انقیاد اور اتباع کے ساتھ اختیار کرے طہارتِ قلبی اور صفائی باطن حاصل ہوجاتی ہے۔

زوالِ حسنِ مجاز

اس طرح شکلیں بدل جاتی ہیں میر
پھر نہیں پہچان میں آتی ہیں
اور اگر پہچان میں آتی بھی ہیں
پھر ذرا دل کو نہیں بھاتی ہیں میر

بھاتی: اچھی نہیں لگتی ہیں۔

جس نے سر بخشا ہے اُس سے سرکشی زیبا نہیں

اپنے خالق پر فدا ہو اور غیر اللہ کو چھوڑ
دامنِ مرشد پکڑ اور نفس کے رشتے کو توڑ

خاک ہو جائیں گے قبروں میں حسینوں کے بدن
عارضی دلبر کی خاطر راہِ پیغمبر نہ چھوڑ

جانے کب آجائے رب سے تجھ کو پیغامِ اجل
راہ گم کردہ نَفس کو اُس کی گمراہی سے موڑ

تو نے جو رب سے کیا تھا عہد و پیمانِ اَزَل
نفس دُشمن کی وجہ سے اس کو اے ظالم نہ توڑ

میں نے مانا ہے بہارِ عارضی تجھ کو لذیذ
دائمی راحت کی خاطر عارضی راحت کو چھوڑ

جس نے سر بخشا ہے اُس سے سرکشی زیبا نہیں
اُس درِ جاناں پہ سر رکھ اور درِ بُت خانہ چھوڑ

ہمتِ مردانہ اے ظالم تو کر اب اختیار
راہِ سر بازی میں اپنی خوئے رُوباہی کو چھوڑ

دین جس کا ہے اُسی پر آسرا اخترؔ کرو
کام جس کا ہے اُسی پر اپنی سب فکروں کو چھوڑ

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ دلبر: محبوب۔ **اجل:** موت کا پیغام۔ **راہ گم کردہ:** بھٹکا ہوا۔ **عہدو پیمانِ اَزَل:** کائنات کے پیدا ہوتے وقت جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت سے پوچھا تھا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے عرض کیا تھا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ **سرکَشی:** بغاوت۔ **زیبا:** اچھی۔ **راہِ سربازی:** جان دینے کا راستہ۔ **خوئے رُوباھی:** لومڑیانہ پن، بزدلی۔

اس نظم کے تقریباً سب مضامین دوسرے نظموں کے اشعار کے تحت تفصیل سے آ گئے ہیں۔ یعنی صرف اللہ پر فدا ہونا اور غیر اللہ سے کنارہ کشی اور اس کا طریقہ اللہ والوں کے ساتھ مضبوط ربط پیدا کرنا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مضمون یہ ہے کہ یہ حسین سب قبروں میں جا کر خاک ہو جائیں گے لیکن دنیا کے اس عارضی دلبر کی خاطر اپنے پیغمبر کی راہ کو نہ چھوڑ اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نصیحت پر مرنے سے پہلے عمل کر لیں گے جب تک زندگی ہے مزے اُڑا

لیں گے تو یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا پیغام آ پہنچے۔ اس لیے اپنی زندگی کے رُخ کو گمراہی سے موڑ لیں۔ اور پھر یہ وہ بات جس کا تم خود اپنے اللہ سے عہد و پیمان کر کے آئے ہے۔ کیونکہ ہم نے اللہ سے الست بربکم قالوا بلیٰ کے ذریعے سے یہ اقرار کیا تھا کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں اور ہم آپ ہی کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے۔ یہاں نفس دُشمن کی وجہ سے تم اُسے بھول بیٹھے ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ عارضی بہار بظاہر لذیذ معلوم ہو رہی ہے لیکن دائمی راحت کی خاطر عارضی راحت کو چھوڑ دو۔

جس نے یہ سر دیا ہے اُس سے سرکشی نہ کرو، ہر وقت اُسی درِ جاناں پر سر رکھو اور سب بت خانوں کو چھوڑ ڈالو۔ خواہ کیسا ہی اُس گناہ کے کرنے میں نفس کا میلان ہو لیکن ہمتِ مردان استعمال کر کے اپنی لومڑیانہ عادت کو چھوڑ دو۔ اور اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ یہ سب کام کر لینے سے میرے دنیا کے مشاغل اور کاروبارِ زندگی کیسے چلے گا بظاہر دنیا کی راحتیں اور لذتیں مجھے کس طرح میسر آ سکتی ہیں اور ہر وقت دین کی فکر کرنے اور اللہ پر فدا ہونے سے میری دنیاوی کاموں کا کیا نظام بنے گا، تو آخری شعر میں حضرت نے اُس فکر کا جواب دے دیا ہے کہ یہ دین جس کا ہے اُس پر بھروسہ کر کے اپنی دنیا کی سب فکروں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بات بارہا کتاب میں مذکور ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو اپنی سب فکروں کو آخرت کی فکر میں تبدیل کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اُسے باقی تمام فکروں کی طرف سے کافی ہو جاتے ہیں۔

رہِ عشق میں کانٹا ہے کانٹا

جو گزری تیری یاد میں زندگی ہے ۔۔۔ وہی زندگی بس میری زندگی ہے
جو غفلت میں گذرے وہ کیا زندگی ہے ۔۔۔ وہ جینا نہیں بلکہ شرمندگی ہے
فنا یاد میں تیری جو زندگی ہے ۔۔۔ اسی کے مقدر میں پائندگی ہے
جو ہر سانس سنت کے تابع نہیں ہے ۔۔۔ خدا کی نہیں نفس کی بندگی ہے
جو ہو کسبِ دنیا میں غافل خدا سے ۔۔۔ دنی زندگی ہے بری زندگی ہے
جو فرزانگی لائے اک دن تباہی ۔۔۔ وہ کس کام کی ہائے فرزانگی ہے
رہ عشق میں عقل کانٹا ہے کانٹا ۔۔۔ جو ہے کام کی بس تو دیوانگی ہے
ہو مطلوب جس عقل کی صرف دنیا ۔۔۔ سمجھ لو کہ اس عقل میں تیرگی ہے
بنائیں وہ کیسے ترے دل کو مسکن ۔۔۔ ترے دل میں جب شرک کی گندگی ہے
نہ ہوجائے جب تک کہ اخترؔ انہیں کا ۔۔۔ یہ کس کام کی اس کی وارفتگی ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ مقدر: قسمت۔ پائندگی: ہمیشہ رہنا۔ تابع: پیروی کرنے والا۔ کسبِ دنیا: کمانا۔ دنی: گھٹیا۔ فرزانگی: عقل کے پیچھے چلنا۔ مطلوب: مقصود۔ تیرگی: اندھیرا۔ وارفتگی: دیوانہ پن۔

جو گزری تیری یاد میں زندگی ہے
وہی زندگی بس میری زندگی ہے

حضرت والا دامت برکاتہم کے مواعظ میں ہم نے یہ مضمون بار بار سنا ہے اور مختلف آیات واحادیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے کہ انسان کو دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد جن لمحات زندگی پر حسرت ہوگی وہ ایسے لمحاتِ حیات ہیں کہ جن میں اللہ کی یاد سے غافل رہا ہے اور جو لمحات یادالٰہی سے خالی رہے ہیں وہی باعث حسرت وافسوس ہوں گے اور بالفاظ حضرت والا کہ غفلت کے ساتھ گذاری ہوئی زندگی درحقیقت زندگی کہلانے کے قابل نہیں ہے اسی لیے ایسے لوگ کہ جو کفر وشرک میں مبتلا ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی غفلت میں ہیں تو ان کے زندہ ہونے کے باوجود ان کو مردہ گردانا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے کہ اومن کَانَ مَیْتًا فاحییناہ وجعلنا له نوراً یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ”ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ (یعنی گمراہ) تھا پھر ہم نے اس کو زندہ (یعنی مسلمان) بنادیا اور اس کے زندہ ومردہ ہونے کی تفصیل ان کے ایمان اور کفر کی بنیاد پر مزید اچھی طرح سے مطالعہ کرنا ہوتو پھر معارف القرآن، جلد:۳، صفحہ:۴۳۵ پر دیکھئے۔

احقر ایک دوسرے مقام پر اس کو لکھ چکا ہے بہرحال مجھے تو اس مقام پر یہ عرض کرنا ہے کہ درحقیقت کافر کو اعلیٰ درجہ کی غفلت کی وجہ سے مردہ قرار دیا گیا ہے تو اس لیے اصل زندگی یادِ خداوندی کے ساتھ ہے۔

اور اسی طرح حیات کا اعلیٰ درجہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے کہ جو ہر آن اور ہر لحظہ یادِ خداوندی میں مصروف رہتا ہے اور اس کی منٹ وسیکنڈ بھی بغیر اللہ کی یاد کے نہیں گزرتے ہیں (اسی لیے تفسیر بیضاوی میں قاضی بیضاوی نے تقویٰ کا معنیٰ ذکر کرتے ہوئے اس کے تین درجے ذکر فرمائے ہیں انہیں تینوں درجوں کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے:

﴿لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی (وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ) اَلنِّسَآءُ ھِیَ کَلِمَۃٌ جَامِعَۃٌ کَامِلَۃٌ وَبِمَرَاتِبِ الْکَمَالِ شَامِلَۃٌ اَدْنَاھَا التَّقْوٰی عَنِ الشِّرْکِ بِالْمَوْلٰی وَاَوْسَطُھَا اِمْتِثَالُ الْاَوَامِرِ وَاجْتِنَابُ الزَّوَاجِرِ وَاَعْلَاھَا الْحُضُوْرُ مَعَ اللّٰہِ وَالْغَیْبَۃُ عَمَّا سِوَاہُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَیْ یُوْصِیْھِمْ بِاِدَامَۃِ الطَّاعَاتِ وَالتَّحَرُّزِ عَنِ السَّیِّئَاتِ وَبِرِعَایَۃِ حُقُوْقِ اللّٰہِ وَحُقُوْقِ عِبَادِہٖ وَمِنْھَا النُّصْحُ التَّامُّ لِکُلِّ مُسْلِمٍ﴾

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین)

خلاصہ یہ کہ ایک تو عام انسانوں کا تقویٰ ہے کہ انسان کفر و شرک سے بچ جائے اور ایمان اختیار کرے یہ تقویٰ کا ادنیٰ درجہ ہے اور ایک درمیانی درجہ ہے کہ تمام معمورات پر عمل کرے، تمام معاصی اور گناہوں سے مکمل طور پر اجتناب اور پرہیز کرے اور طاعات کو اختیار کرے یہ درمیانی درجہ کا تقویٰ ہے اور اعلیٰ درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر وہ چیز کہ جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو اس سے انسان بچے اور ہر مستحب وافضل عمل کو اختیار کرے **کل ما یلھیک عن ذکر اللہ** کہ ہر وہ چیز جو کہ تجھے یادِ الٰہی سے غافل کر دے اسی لیے یہ اولیاء اللہ سب سے زیادہ حسرت و افسوس اس گھڑی پر کرتے ہیں کہ جس میں کوئی ایسا شغل ہو کہ وہ یادِ الٰہی سے دور کر دے اور بقول حضرت والا بدون یادِ الٰہی کے زندگی زندگی کہلانے کے قابل ہی نہیں۔

لیکن دوستو! حضرت والا کی توجہات اور دعاؤں کی برکت سے ایک بات ضروری عرض کرنی ہے کہ ہر گھڑی اللہ کی یاد میں گزارنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ ہر وقت اللہ اللہ یا ہر وقت نفل نمازوں میں مشغول رہیں بلکہ درحقیقت یادِ الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بندے کے واسطے جس موقع کے لیے جو حکم تجویز کیا ہے اس وقت اس حکم کو بجا لانا اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں کہ مثلاً آپ سفر کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ میں آپ کا ایک ساتھی بھی ہے وہ بیمار ہو گیا اور اس کو ڈاکٹر کے پاس پہنچانا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ضرورت ہے اب آپ اس سے یوں کہتے ہیں کہ میں تو ذرا خانقاہ میں بیان سننے جاتا ہوں یا میں تین دن تبلیغ میں جاتا ہوں اور تم یہاں

رہو اور اس کو بالکل تن تنہا بے یار و مددگار چھوڑ کر آپ اپنے زعم میں دین کا کام کرنے کے لیے چل دیئے تو یاد رکھنا کہ یہ درحقیقت اللہ کو یاد کرنا نہیں ہے بلکہ صحیح معنی میں اللہ کو یاد کرنا یہ ہے کہ اس وقت آپ اس کی دیکھ بھال کریں اور اس کو کسی مناسب ڈاکٹر کے پاس لے جائیں یہی یادِ الٰہی ہے اور بس پورے دین کا یہی خلاصہ ہے اس لیے یہ دین کامل و مکمل ہے اور یہ شریعت کامل شریعت ہے ہر قدم پر کوئی نہ کوئی شریعت کا حکم موجود ہے اور اس وقت اس حکم کی تعمیل اور بجا آوری کا نام ہر گھڑی اللہ کی یاد میں مصروف رہنا ہے، اپنے گھر میں ہو تو گھر والوں کے ساتھ اور باہر بازار و دکان میں ہو تو وہاں اپنی نظروں کو بچانا اور حرام کاموں اور ناجائز جگہوں سے خود کو محفوظ رکھنا یہی تقویٰ اور خدا کی یاد ہے اس لیے اللہ کے کسی بھی حکم کو توڑنا اور گناہ میں اور نافرمانی میں لگنا یہ دلیل غفلت ہے اور اللہ کو بھول جانے کی نشانی ہے۔

جیسا کہ ہمارے دارالعلوم آزادول میں حضرت علامہ انور کشمیری رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ انظر کشمیری تشریف لائے تھے اور ارشاد فرمایا تھا کہ مقصود عالم ذکر ہے اور جتنی طاعات وحسنات ہیں وہ سب یادِ الٰہی کے مظاہر ہیں اور جتنے گناہ ہیں وہ سب اللہ کو بھول جانے کی نشانی اور مظہر ہیں اس لیے اگر کوئی گناہ میں لگا ہوا ہو اور پھر یوں خیال کرے کہ میں تو خدا کو یاد کیے ہوئے ہوں تو اس کا یہ خیال باطل ہے جیسے کوئی کسی لڑکی کو گھور گھور کر مسلسل دیکھے جا رہا ہو اور پھر پڑھتا ہو کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ کیسی بے پردہ لڑکی گھوم رہی ہے تو بظاہر ذکر میں مشغول ہے لیکن درحقیت وہ غفلت میں ہے کیونکہ وہ گناہ میں مبتلا ہے۔

غفلت والی زندگی کا انجام شرمندگی ہے

جو غفلت میں گذرے وہ کیا زندگی ہے
وہ جینا نہیں بلکہ شرمندگی ہے

جو انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو کر زندگی گزارتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے اصل مقصد کو پورا نہیں کرتا ہے، جیسے اگر آپ کے ہاتھ میں گلاب کا پھول ہو لیکن اس سے خوشبو نہ آتی ہو یا بہترین مٹھائی نما کھلونا ہو مگر وہ اصل میں ہتھیار ہو تو نہ آپ اسے گلاب کا پھول کہیں گے اور نہ اُسے مٹھائی کہیں گے کیونکہ وہ اپنے مقصد میں مفید نہیں ہے۔

جیسے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عالم میں زمین پانی ہوا اور آگ، اسی طرح آسمانی مخلوقات اور چاند سورج اور کُل ستارے اپنی اپنی ڈیوٹی پوری طرح پہچان کر اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں اور یہی اداء فرائض ان میں سے ہر چیز کی زندگی کا ثبوت ہے اور جس وقت جس حال میں ان میں سے کوئی چیز اپنی ڈیوٹی ادا کرنا چھوڑ دے تو زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے، پانی اگر اپنا کام پیاس بجھانا اور میل کچیل وغیرہ دور کرنا چھوڑ دے تو وہ پانی نہیں کہلائے گا۔ آگ جلنا اور جلانا چھوڑ دے تو وہ آگ نہیں رہے گی۔ درخت اور گھاس اُگنا اور بڑھنا پھر پھل پھول لانا چھوڑ دے تو وہ درخت اور نباتات نہیں رہیں گے کیونکہ اس نے اپنے مقصدِ زندگی کو چھوڑ دیا ہے تو وہ ایک بے

جان مردہ کی طرح ہوگئی۔ بس اسی طرح اگر انسان اپنے مقصدِ زندگی کو پورا کررہا ہے تو وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے اوراس کو پورانہیں کرتا ہے تو وہ ایک مردہ لاش سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ (معارف القرآن، جلد:۳، صفحہ:۴۳۶)

آخرت کی حسرت وندامت نافع نہ ہوگی

تو قرآنی آیت ثابت کرتی ہے کہ اس کو زندگی نہیں کہتے بلکہ اپنے مقصد کی عدم تکمیل کے اعتبار سے یہ درحقیقت باعثِ ندامت وشرمندگی ہے یعنی اس کا انجام حسرت وافسوس ہے۔ چنانچہ جولوگ یہاں غفلتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ موت کے وقت ہی سے نہایت حسرت وافسوس کا شکار ہوں گے اور ایسی حسرت ہوگی کہ جس کو واقعی اور حقیقی حسرت کہہ سکتے ہیں اور ایسی شدید ندامت ہوگی کہ جس کا پھر کوئی علاج بھی نہ ہوگا اور ہزار لوٹنے کی تمنا کے باوود پھر لوٹنا نہ ملے گا۔ اسی ندامت شرمندگی کو انسان دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس طرح ظاہر کرے گا جیسے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾

(سورۃ السجدۃ، آیت:۱۲)

ترجمہ: اور اگر آپ ان لوگوں کا حال دیکھیں تو عجب حال دیکھیں جبکہ یہ مجرم لوگ غایت شرمندگی سے اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بس اب ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے اور معلوم ہوگیا کہ پیغمبروں نے جو کچھ کہا سب حق تھا، سو ہم کو دنیا میں پھر بھیج دیجئے، ہم اب کے جا کر خوب نیک کام کریں گے، اب ہم کو پورا یقین آ گیا۔ (معارف القرآن، جلد:۷، صفحہ:۶۵)

اور اسی غفلت میں گذری ہوئی زندگی کو قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے باعثِ حسرت وافسوس قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وانذرھم یوم الحسرۃ کہ اے نبی آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ جنت ودوزخ کا اخیری فیصلہ کردیا جائے گا جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جنت اور دوزخ والوں کو موت دکھلا کر اس کو ذبح کردیا جاوے گا اور دونوں کو خلود یعنی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس حال میں زندہ رہنے کا حکم سنادیا جائے گا۔

اور اس وقت کی حسرت کا بے حد ہونا ظاہر ہے۔ آگے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ اس روز کو ''یوم الحسرۃ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اہلِ جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی، اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ ایک خاص قسم کی حسرت اہلِ جنت کو بھی ہوگی۔ جیسا کہ طبرانی اور ابویعلی نے بروایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی بجز ان لمحاتِ وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گذر گئے اور امام بغوی بروایتِ ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت وندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابۂ کرام نے سوال کیا کہ یہ ندامت وحسرت کس بنا پر ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والے کو اس پر حسرت ہوگی کہ اور زیادہ نیک اعمال کیوں نہ کر لیے کہ اور زیادہ درجاتِ جنت ملتے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہوگی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آ گیا۔

(معارف القرآن، جلد:۶، صفحہ:۳۳)

اور اس لیے مناجات ادعیۂ ماثورہ میں یہ دعا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

اے اللہ! ہمیں دنیا سے اس حال میں اُٹھانا کہ ہم مسلمان ہوں اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ شامل فرمالینا اور ہم ندامت ورسوائی سے محفوظ ہوں اور کسی قسم کے فتنہ میں مبتلا نہ فرمانا۔

آخرت کی خوشی اور غم

یاد رکھنا کہ میرے دوستو! اس وقت جو شرمندگی ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ جب یہ شرمندگی اور حسرت وافسوس کچھ کام نہیں آئے گا۔ یومئذ یندمُ الانسان ولاینفعه الندم کہ اس دن انسان شرمندہ ہوگا مگر اب اس کو یہ ندامت وشرمندگی سودمند نہ ہوگی۔ تو قرآن کہتا ہے کہ یومئذ یتذکر الانسان وانی لهُ الذکریٰ اس روز انسان کو سمجھ آوے گی اور اب سمجھ آنے کا موقعہ کہاں کیونکہ اب دار العمل کا زمانہ گذر چکا ہے اور اب یہ دار الجزاء ہے، اصلاحِ حال کا زمانہ یہی دنیا ہے۔ اگر اس دنیا میں انسان اپنے کیے پر نادم ہو تو پھر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے اور بڑا مقام ہے اور یہ احساس ندامت درحقیقت توفیقِ باری تعالیٰ ہی سے ملتا ہے اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ توفیقِ توبہ ہی دلیلِ قبولیت ہے۔ اور اس کا موقعہ انسان کے لیے صرف یہ دنیا ہے ورنہ اس دنیا سے جانے کے بعد جیسا کہ احقر نے عرض کیا ہے کہ کافر بھی ندامت اور حسرت وافسوس کرے گا اور اس ندامت کا اعلیٰ درجۂ حدیث پاک کے اندر مذکور ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالْمَوْتِ کَھَیْئَۃِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَشْرَئِبُّوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ فَیَقُوْلُ ھَلْ تَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ وَکُلُّھُمْ قَدْ رَاٰہُ ثُمَّ یُنَادِیْ یَا اَھْلَ النَّارِ فَیَشْرَئِبُّوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ فَیَقُوْلُ ھَلْ تَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ وَکُلُّھُمْ قَدْ رَاٰہُ فَیُذْبَحُ ثُمَّ یَقُوْلُ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ خُلُوْدٌ فَلَا

مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ وَهٰؤُلَاءِ فِي غَفْلَةٍ أَهْلُ الدُّنْيَا ﴿وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

(صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ وأنذرھم یوم الحسرۃ)

دونوں کا قدرِ مشترک خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں داخل کردیں گے اور اہلِ جہنم کو جہنم میں داخل کردیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان جو دیوار ہے اس پر کھڑا کرکے اہلِ جنت کو پکارا جائے گا کہ اے اہلِ جنت! تو وہ اپنی گردن اُٹھا کر کے دیکھیں گے، اس کے بعد اہلِ جہنم کو پکارا جائے گا تو وہ بھی اپنی گردنیں لمبی لمبی کرکے دیکھیں گے اور پھر اس کے بعد اہلِ جنت اور اہلِ جہنم دونوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو تو دونوں گروہ کہیں گے کہ ہاں بالکل پہچانتے ہیں، یہ موت ہے جو ہم پر مسلط کی گئی تھی۔ چنانچہ پھر اس موت کو لٹایا جائے گا اور اس کو اس دیوار پر ذبح کرکے اعلان کیا جائے گا کہ **یااھل الجنۃ خلود لاموت ویا اھل النار خلود لاموت** کہ اے اہلِ جنت اب تم جنت میں ہمیشہ رہوگے اب تمہیں موت نہیں آئے گی اور اے اہلِ جہنم تم جہنم میں ہمیشہ رہوگے تمہیں کبھی موت نہ آئے گی تو اس کا ذکر فرما کر حضرت نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو خوشی کے مارے موت آتی تو تمام اہلِ جنت کو اسوقت اس قدر خوشی ہوگی کہ وہ مرجاتے اور اگر کسی کو غم کی وجہ سے موت آتی تو اہلِ جہنم کو اس خبر سے اتنا صدمہ وغم ہوگا کہ وہ مرجاتے۔ دنیوی حیات گویا چند لمحات کے برابر تھی۔

تو میرے دوستو! میں نے ترمذی شریف کی یہ حدیث یہ مضمون بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے کہ غفلت میں اور کفر وشرک میں گذری ہوئی زندگی کا انجام آخرت میں انتہائی درجہ کی ندامت وشرمندگی ہے، اس لیے حضرت نے جو مضمون پیش فرمایا ہے، یہ درحقیقت عین تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنبط ہے تاکہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی غفلتوں سے باز آجائے اور آخرت کے لیے تیاری کرلے۔ اس لیے کہ آخرت کی حیات ابدی ہے اور اس قدر طویل ہے کہ جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے تو اس کے مقابلہ میں اس محدود زندگی کے عیش وعشرت اور زیب وزینت کو کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے عیش وعشرت والے انسان کو آخرت میں یہ تک یاد نہ رہے گا کہ میں نے کبھی ایک دن بھی چین وسکون سے گزارا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف میں اس کی تفصیل آئی ہے:

﴿عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ﴾

(صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب صبغ أنعم أھل الدنیا فی النار)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن جہنمیوں میں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جو اہلِ دنیا میں سب سے زیادہ عیش میں رہا ہو، اور پھر اُسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابنِ آدم! کیا تو نے کبھی کوئی خیر دیکھی؟ یا تیرے پاس کسی نعمت وعیش وآرام کا گزر ہوا تو وہ کہے گا کہ نہیں، اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور پھر جنتیوں میں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بہت بدتر حال میں تھا اور تنگی وپریشانی میں زندگی گزاری تھی۔ پھر اُسے جنت کے اندر ایک غوطہ دینے کے بعد سوال کیا جائے گا کہ اے ابنِ آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تنگی وتکلیف دیکھی؟ یا تجھ پر کوئی سختی گزری؟ تو وہ کہے گا کہ نہیں اللہ کی قسم! نہ مجھ پر کبھی کوئی بدحالی اور پریشانی آئی اور نہ شدت وسختی کا سامنا مجھے کرنا پڑا۔

اس لیے میرے دوستو! اس دنیا کی مختصر زندگی کو غفلتوں اور گناہوں میں گذار کر اپنی دائمی اور ہمیشہ کی زندگی کی لذت وفرحت کو پامال کر دینا عقلمندی نہیں ہے بلکہ بہت بڑی ناعاقبت اندیشی ہے۔ جبکہ بالخصوص آج کل کی عمریں اوسطاً ساٹھ ستر سال ہے تو اتنی سی عمر کے لیے اپنی دائمی اور ہمیشہ کی زندگی کو خراب نہ کیجئے۔ قیامت میں جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کافروں سے پوچھیں گے تو کافر جواب میں کہیں گے کہ:

﴿قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْبَعْضَ يَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَادِّيْنَ○﴾

(سورۃ المؤمنون، آیت:۱۱۲-۱۱۳)

ترجمہ: تم زمین میں کتنے ٹھہرے اور کتنے سال رہے تو وہ کہیں گے کہ ایک دن بلکہ ایک دن سے بھی کم آپ ان شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحَاهَا﴾

(سورۃ النازعات، آیت:۴۶)

ترجمہ: جب وہ قیامت کو دیکھیں گے تو ایسا لگے گا کہ گویا وہ ایک صبح وشام سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔

دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت اور اس کی لذتوں اور راحتوں میں عدم دوام کی وجہ سے پائے جانے والی بدمزگی اور تلخی کا اگر حقیقی احساس انسان کو ہو جائے تو پھر وہ اس کے قریب بھی نہ لگے اور دنیا میں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو یہی پیغام سناتے رہے اور دنیا سے ان کے قلوب کا رُخ خالق دنیا کی طرف موڑتے رہے اور ہم بغور دیکھیں تو حضرت کی پوری زندگی کی آہ وفغاں کا خلاصہ کل یہی ہے کہ دنیا کی ظاہری چمک دمک سے اپنے دل کے رُخ کو پھیر لو اور خالق سے دل لگالو اور لڑکے لڑکیوں کی ظاہری خوبصورتی جو اپنی طرف کھینچتی ہے یہ سب دھوکہ ہے۔ اس سے قلب ونظر کو بچا کر جو غم آئے اسے برداشت کر لو تو اپنے اللہ کو پا جاؤ گے اور اللہ کو پانے کے بعد دنیا وآخرت میں حیاتِ طیبہ (پرلطف زندگی) کا وعدہ ہے اگرچہ اس دل کے بچانے اور نظر کے بچانے میں جان بھی چلی جائے تو جان بھی دے دے۔

فنا ہوئی زندگی مل گئی پائندگی

فنا یاد میں تیری جو زندگی ہے
اسی کے مقدر میں پائندگی ہے

اللہ تعالیٰ کی یاد میں زندگی فنا ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ انسان دنیا کی زیب و زینت اور ظاہری چمک دمک میں لگنے کے بجائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل کو آباد رکھے اور ہر وقت یادِ خدا میں لگا رہے تو درحقیقت اس فنا کے پردہ میں بقاء چھپی ہے اور جب وہ یہاں سے رخصت ہوتا ہے تو اسے دائمی پُر لطف حیات نصیب ہوتی ہے اور درحقیقت یہی حیات اس قابل ہے کہ اس کو حیات کہا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وان الدار الآخرة لهی الحیوان کہ اصل حیات تو آخرت کی حیات ہے ایک شاعر نے کہا ہے کہ ؎

موت کو سمجھے ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

اگرچہ مرتے ہی اس دنیوی زندگی کی شام ہوتی ہے مگر حقیقی زندگی کی صبح شروع ہوتی ہے اور جو دنیا کے مٹی و ریت اور کوڑے کرکٹ پر اپنی زندگی کو فدا کرتے ہیں اور ان کی کل منزل دنیا کے عیش و عشرت کا حصول اور اس پر تفاخر ہوتا ہے اور مال و دولت کے ڈھیر جمع کرنا وہ اپنی بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں تو درحقیقت یہ تباہی و بربادی ہے اور اپنی حقیقی اور اصل حیات کے لطف کو خراب کرنا ہے اور فنا ہونے والوں پر فنا ہونا اور غلاموں کا غلام بننا اور محتاجوں کا محتاج ہونا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ اسی کو حضرت نے فرمایا ہے کہ ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

سنت کی تابعداری نہ ہو تو نفس کی بندگی ہے

جو ہر سانس سنت کے تابع نہیں ہے
خدا کی نہیں نفس کی بندگی ہے

گویا حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے اس شعر کے اندر پہلے والے شعر میں جس فنائیت کا ذکر کیا ہے اس کے لئے معتبر طریقہ و اصول کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں وہی فنا ہونا معتبر ہے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو اور ہر قدم پر ہر سانس میں حکمِ الٰہی اور طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشِ نظر اور ملحوظ رکھا گیا ہو تو یہی فنائیت معتبر ہے۔

ورنہ اگر کوئی شخص خلافِ شریعت چلتا ہو اور بظاہر بڑے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کرتا ہو اور دنیا کے عیش و عشرت سے بھی زیادہ لگاؤ نہ رکھتا ہو تب بھی وہ اللہ کی نگاہ میں نہ زاہد ہے اور نہ اس کو فنائیت کا مطلوبہ مقام حاصل ہے، اس لیے کسی بھی عمل کے دین بننے کے لیے یہ دونوں شرطیں ہیں کہ اس عمل کا طریق شرعی ہو اور اس میں رضاء الٰہی پیشِ نظر ہو، دوسری کوئی نیت نہ ہو۔ بعض مرتبہ بڑے اچھے اچھے لوگ اس سلسلہ میں خطا کر جاتے ہیں کہ وہ عمل کو مطلوب سمجھتے ہیں حالانکہ مقصود رضاءِ الٰہی ہے تو اگر کوئی انسان ایسا عمل کرے جو بظاہر بہت ہی اچھا ہے مگر مقصود رضاءِ الٰہی نہ ہو جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کو اللہ کے رسول کے طریقہ کے خلاف کرتا ہے اور یا کوئی معصیت کر کے اس کام کو کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے پیشِ نظر کام ہے، رضاءِ الٰہی نہیں ہے ورنہ یہ آخر ایسا کام کیوں کرتا کہ جو معصیت و نافرمانی ہے کیونکہ کسی بھی گناہ سے اللہ تعالیٰ قطعاً راضی نہیں ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کسی بزرگ کے پاس خانقاہ یا تبلیغی جماعت میں جاتا ہے اور اپنی بے پردہ بیوی کو دکان پر کھڑا کر کے اس کو سیلز لیڈی بنا کر آتا ہے اور اس طرح تمام لوگ نظر بازی کے زنا میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ اپنے زعم میں یہ سوچے ہوئے ہے کہ میں بڑے کام کے لیے خانقاہ اور تبلیغ میں نکلا ہوا ہوں اور بڑا مقربِ بارگاہِ الٰہی بن رہا ہوں، درحقیقت اس کو رضاءِ الٰہی مقصود ہی نہیں ہے ورنہ تو کبھی بھی عورت کو بے پردہ گھر سے نکالنے کا گناہ کر کے وہ اس دینی کام کو انجام نہ دیتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی رضا و محبوبیت کی بنیاد اتباعِ سنت کو ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم کہ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے اور تمہارے سارے گناہوں کو بخش دیں گے اور اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

تو دعوئ محبت میں صداقت کا معیار صرف اتباعِ سنت ہے۔ دوسرے کسی بھی راستہ سے خدا کی محبت کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے جو لوگ بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں اور ان کی زندگی اتباعِ سنت و شریعت سے خالی ہو تو درحقیقت یہ سعی لغو ہے اور بمصداق آیت قرآنی

﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾

(سورة الکهف، آیت: ۱۰۴)

ان کی دنیاوی زندگی کی گئی کوششیں اور اعمال سب اکارت اور ضائع چلے گئے جبکہ وہ اپنے ذہن و گمان میں یہ سوچتے رہے کہ وہ نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور بھلائیاں کر رہے ہیں۔

اس لیے عمریں گذار دینے کے باوجود ایسے لوگ اولیاء اللہ نہیں بن پاتے ہیں، اس لیے اولیاء اللہ کا ساتھ ضروری اور لازم ہے کہ ان سے دین کی صحیح شکل وصورت سیکھی جاتی ہے، مگر افسوس کہ اب دین پڑھتے تو ہیں لیکن سیکھتے نہیں ہیں حالانکہ محض پڑھنے پڑھانے سے دین زندگیوں میں نہیں آتا جب تک کہ اسے عملی طور پر سیکھا نہ

جائے۔ اس پر حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا واقعہ یاد آیا کہ حضرت نماز میں مشغول تھے حضرت کی ایک بیوی صاحبہ اوپر سے گر گئیں تو حضرت نے فوراً نماز توڑ دی اور اس کو سنبھالا حضرت مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی نے یہ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ ظاہر میں دیکھنے والا کہے گا، دیکھو تو بیوی کی خاطر نماز توڑ دی اور اللہ کی یاد کو چھوڑ کر ادھر مشغول ہو گئے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت حکم الٰہی یہی تھا اگر اس وقت نماز میں مشغول ہوتے تو یہ منشاء خداوندی کے خلاف تھا اور اس وقت شرعی حکم اہلیہ کی خبر گیری کرنا تھا اور اس ذکر اللہ کی یہی حقیقت ہے کہ ہر موڑ پر خدا تعالیٰ کے حکم کا خیال رکھا جائے اور جو اپنی مرضی سے چلے تو یہ اتباعِ نفس ہے اتباعِ شریعت نہیں ہے۔

جو اللہ والے جنگلوں اور پہاڑوں میں دور دراز جا کر اللہ کی عبادت میں لگ گئے ہیں تو جن بزرگوں سے ایسے واقعات منقول ہیں حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ یہ ایسے حضرات تھے کہ ان کے ذمہ حقوق واجبہ نہیں تھے اور گھر والوں کے حقوق شرعیہ ان پر نہ تھے تو اس لیے ایسے لوگوں کے لیے گنجائش تھی ورنہ اصل عبادت یہی ہے کہ جس وقت میں جو حق ہمارے ذمے ہے اس وقت میں اس کو نبھایا جائے اور یہی امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پایا جاتا ہے اور یہی نمونہ شمائل میں مذکور ہے۔ چنانچہ سیرت میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو مذکور ہے کہ آپ ''متواصل الاحزان'' تھے کہ مسلسل اُمت کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور آخرت کے امور میں غور فرما فرما کر احزان وافکار میں رہتے تھے۔ وہیں دوسری جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو مسکرا کر داخل ہوتے اور جب لوگوں سے ملتے تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین فرمایا ہے تو حضرت والا نے دونوں شعروں میں غفلت سے زندگی گزارنے کی بُرائی بیان کر کے پھر غفلت کا معیار ذکر کر دیا ہے کہ غفلت کی حقیقت کیا ہے۔

اعلیٰ وادنیٰ زندگی کی پہچان

جو ہو کسبِ دنیا میں غافل خدا سے
دنی زندگی ہے بری زندگی ہے

میرے دوستو! حضرت والا نے اس شعر میں دنیا کمانے کے اس درجہ کی مذمت و بُرائی ذکر فرمائی ہے کہ جو درجہ انسان کو اللہ سے غافل کر دے اور وہ دنیا میں ایسا مگن اور محو ہو جائے کہ اسے شریعت وسنت کی پابندی کا خیال باقی نہ رہے اور گویا وہ درجۂ کسب سے نکل کر درجۂ حرص میں داخل ہو جائے جس کی پہچان یہ ہے کہ اسے کسی بھی حد پر قناعت نہ ہو بلکہ ہر دن اور ہر گھڑی وہ مزید کی فکر میں لگا ہوا ہو تو پھر یہ دل کا ایک مرض بن جاتا ہے جس کو اصطلاحِ طریقت میں حرص کہتے ہیں اور یہ قلب کی ظلمت وتاریکی اور بے چینی و بے سکونی کا سبب عظیم ہے۔

آج بعض مسلمان بھائی اپنی عقلمندی اور دانائی کی آخری حد اسی کو سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کی کمائی میں اس درجۂ

حرص کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں مگر جب وہ خاص احباب سے اپنے دل کا حال کہتے ہیں تو حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ اندر سے سکون سے بالکل عاری و خالی ہوتے ہیں اور افکار و غموم و ہموم کی مختلف وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔قرآن کریم کے اندر حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا حال ان لفظوں میں ذکر کیا ہے کہ:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

(سورۃ الروم، آیت:۷)

ترجمہ: مطلب یہ کہ وہ لوگ اس دنیوی زندگی کی ظاہری چیزوں سے باخبر ہوتے ہیں، مگر آخرت سے غافل ہوتے ہیں اور اس لیے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ دعا سکھائی ہے کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

یعنی ہماری رات و دن کی سوچ و فکر اور ہماری معلومات کا دائرہ اور ہماری جستجو اور شوق و تمنا کا محور صرف دنیا ہی دنیا نہ ہو، اے خدا ایسا نہ کیجئے اور ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرما لیجئے گا۔

اصل عقلمندی وہ ہے جس کو فرمانِ الٰہی میں عقلمندی کہا گیا ہے

میرے دوستو! اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی حقیقت ایک مسافر خانہ سے زیادہ نہیں ہے اور یہ ہمارا ایک سفر ہے۔جیسا کہ دنیا کے سفر عقلمند انسان اپنی منزل پر سلامتی و عافیت کے ساتھ پہنچنے کو اہمیت دیتا ہے اور اپنی ساری محنت و کوشش کا میدان صرف اسی مدت سفر کو نہیں سمجھتا بلکہ منزل پر پہنچ کر کام آنے والی اشیا کو اہمیت دیتا ہے۔مثال کے طور پر ایک شخص کو کراچی سے لاہور جانا ہوا اور وہ ٹرین میں بیٹھ کر اپنی ساری پونجی اور سرمایہ ختم کر دے اور اس کے بعد لاہور پہنچے اس حال میں کہ اس کا ہاتھ خالی ہو تو اسے سوائے شرمندگی اور پریشانی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور لوگ کہیں گے کہ یہ بے وقوف ہے اور بے عقل ہے کہ گھر کے لیے کچھ نہ لایا تو بالکل یہی معاملہ آخرت کا ہے کہ جب ہم وہاں جائیں اور پوری زندگی ہم نے لہو و لعب اور جمع دنیا کرنے میں خرچ کی ہو اور اعمال کے سرمایہ اور دولت سے ہم خالی ہوں تو وہاں ایسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ جس کی تلافی کی کوئی صورت نہ ہوگی، اس لیے ہمارے محسن و مشفق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت بھی یاد رکھنی چاہیے۔

اور اس لیے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مرنے والا یہ وصیت کرے کہ میرا مال عقلمند لوگوں میں تقسیم کرنا تو ایسی صورت میں مال فقہاء عابدین کو دیا جائے گا یعنی اللہ والے علماء کو کیونکہ اس دنیا کے سب سے بڑے عقلمند انسان وہی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نگاہ میں عقلمندی کا معیار آخرت کی تیاری اور دنیا سے بے رغبتی ہے اور جملہ انبیاء کرام نے اسی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے۔اور جو لوگ بظاہر اونچی دنیوی سوچ رکھتے ہیں اور دین و شریعت کی پابندی نہیں کرتے ،فکرِ آخرت اور خوفِ قیامت نہیں بلکہ من مانی زندگی

گذارنے کے عادی ہیں تو خواہ ایسے لوگ بظاہر کتنی ہی ترقیاں کرلیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں وہ عقلمند کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ بے وقوف وہ شخص ہے کہ ہمیشہ نفس کی اتباع میں رہتا ہو، مگر اللہ پر بڑی بڑی اُمیدیں لگائے بیٹھا اور یہ بالکل ایسے ہی کہ جیسے ایک شخص نکاح تو نہ کرے اور بچے کی اُمید لگا کے بیٹھ جائے تو یہ بے بنیاد اُمید ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اہلِ دنیا تو علماء اور دیندار لوگوں کو بے وقوف سمجھتے تو میرے دوستو! اس کی تو اہلِ ایمان کو نہ صرف یہ کہ مطلقاً پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس پر تو خوش ہونا چاہیے کہ من وجہ انبیاء واولیاء سے مشابہت حاصل ہوگئی ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس وقت کے کافروں نے کبھی مجنوں، کبھی ساحر و جادوگر اور کبھی دوسرے مختلف ناموں سے پکارا تھا اور صحابہ کرام کے متعلق کافروں نے سفہاء اور جاہل و بے وقوف کا عنوان اختیار کیا اور ایک روایت میں تو صراحتاً یہ مضمون مذکور ہے، جس کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں ذکر کیا ہے کہ اتنا اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون اور پاگل کہنے لگیں۔

میرے دوستو! جب دین میں لگنے کی وجہ سے اور اہل اللہ کے پاس رہنے کی وجہ سے اور شب و روز اپنے مولیٰ کو یاد کرنے کی وجہ سے لوگ ہمارے لیے ان القاب کا استعمال کریں تو ہمیں بالکل متاثر نہ ہونا چاہیے اور غم زدہ و مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ یوں سوچے کہ چلو اس دنیا میں تو ظاہری طور پر مجھ کو اولیاء اللہ سے مشابہت حاصل ہوگئی ہے، شاید آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کا ساتھ نصیب کردے۔

جو فرزانگی لائے اک دن تباہی
وہ کس کام کی ہائے فرزانگی ہے

آج اہلِ دنیا کے یہاں سمجھداری و ہوشیار کا معیار جمعِ مال اور دولت وثروت کی بہتات اور مادّی ترقی کا ہونا سمجھا جاتا ہے۔ خواہ ضرر وغرر کے ساتھ ہو یعنید ھوکہ بازیوں اور فریب دہیوں اور ایذاء رسانیوں کے ساتھ ہو اور دنیا کا نقصان گوارا نہیں کیا جاتا۔ خواہ دین کا کتنا ہی نقصان ہو جائے۔ جبکہ دین اصل ہے اور وہی تباہی و بربادی سے بچانے والا ہے لیکن انسان اپنے کو عقلمند سمجھ کر دین کو پیچھے ڈالتا ہے اور دنیاوی ترقی کو آگے لاتا ہے۔ اس شعر میں فرزانگی سے اسی طرح کی عقلمندی اور فرزانگی مراد ہے۔ ورنہ حقیقی عقلمند تو وہ ہے جس کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمند فرمایا ہے۔

رہِ عشق میں عقل کانٹا ہے کانٹا
جو ہے کام کی بس تو دیوانگی ہے
ہو مطلوب جس عقل کی صرف دنیا
سمجھ لو کہ اس عقل میں تیرگی ہے

اس شعر میں حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں عقل سے سوچ سوچ کر چلنا یہ کانٹے کی طرح ہے۔یعنی جو دین پر چلنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آتے ہی دیوانہ وار اُس کو ماننے کے لیے اور اُس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے نہ وہ کسی سوچ میں پڑتا ہے، نہ اگر مگر کے خیالات اُس کے دل میں آتے ہیں۔بس یہی دیوانگی منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے اور عقل کانٹا بن کر راستے میں چلنے سے روک دیتی ہے۔اور در حقیقت یہ ایسی عقل ہے جس میں اندھیرا اور ظلمت ہے کیونکہ اس عقل میں ہر وقت دنیا ہی دنیا کی فکر ہے آخرت کی سوچ اور فکر موجود نہیں۔اس لیے جس عقل کی مطلوب صرف دنیا ہوا کرتی ہے، یہی اس کی نشانی ہے کہ اس عقل میں تیرگی اور ظلمت بھری ہوئی ہے۔

بنائیں وہ کیسے ترے دل کو مسکن
ترے دل میں جب شرک کی گندگی ہے
نہ ہو جائے جب تک کہ اختر انہیں کا
یہ کس کام کی اس کی وارفتگی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اُس دل کو اپنا مسکن نہیں بناتے جس میں کسی طور پر غیر اللہ موجود ہو، چاہے شرکِ جلی ہو چاہے شرکِ خفی ہو۔کیونکہ شرک کی گندگی ہوتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے شرکاء پر چھوڑ دیتے ہیں۔شرک کے متعلق جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿اَلشِّرْکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ الَّتِیْ تَدِبُّ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّظْلِمَۃٍ عَلٰی صَخْرَۃٍ سَوْدَآءَ﴾

(مسند احمد، کتاب مسند الکوفیین، باب حدیث ابی موسی الأشعري رضی اللہ تعالی عنہ)

جس کا ترجمہ اس شعر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے ؎

شرک اِک چیونٹی کی بھی ہے چال سے پوشیدہ تر
جو شبِ تاریک میں چلتی ہے کالے سنگ پر

جب تک بندہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کا نہ ہو جائے تو پھر اس کا عشق، عشق نہیں اور اُس کی محبت، محبت نہیں ہے۔لہٰذا غیر اللہ کو دل سے نکال کر پورے طور پر انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔یہی وارفتگی کارآمد اور نافع ہے۔اور اگر غیر کو بھی دل میں بسائے رکھے اور یہ بھی چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس دل میں آجائے، ایں خیال است ومحال ست وجنون۔

میرا کوئی نہیں آہ تیرے سوا

میرا کوئی نہیں آہ تیرے سوا	اے خدا اے خدا اے خدا اے خدا
زندگی میری ہے تیرا ذکر و لِقا	اور مری موت ہے تجھ سے ہوں میں جدا
تیرے بِن کیوں اندھیرا اندھرا ہوا	میری دُنیا کا شمس و قمر کیا ہوا
بحرِطوفانِ غم ہے مخالف ہوا	میری کشتی کا ہے تو ہی بس ناخدا
تیری رحمت کا خورشید روشن ہوا	ہر سزا سے بَری ہوگیا ناسزا
تیرے دریائے رحمت کا ہے آسرا	ورنہ اختؔر ہے اعمال سے بے نوا

ذکر و لقا: یاداور ملاقات۔**بِن**: بغیر۔**بَری**: آزاد۔**ناسزا**: نالائق۔**بے نوا**: خالی۔

اے اللہ! بظاہر تو بہت سے میرے سہارے اور حامی و مددگار نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں سوائے آپ کے میرا کوئی نہیں ہے۔آپ ہی میرے حامی و ناصر و مددگار ہیں اور آپ ہی میرے معبود اور ملجاء و ماوا ہیں۔میری زندگی کا حاصل اور نچوڑ یہی ہے کہ میں ہر وقت آپ کا ذکر کرتا رہوں اور آپ سے ملتا رہوں۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کا ہمنشین ہوتا ہوں، اس لیے ذکر اللہ سے لقا اللہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔اور اللہ کی یاد سے غافل ہونا موت کے مترادف ہے اور اے اللہ! اگر آپ مجھے نہ ملیں اور کسی کام سے آپ کی ناراضگی معلوم ہو تو مجھے اپنے دل میں اندھیرا اندھیرا معلوم ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ میری دنیا کا شمس و قمر آپ کی تجلیات اور انوارات کے بغیر میرے قلب کو بالکل روشن نہیں کر سکتا۔ایک مؤمن کے لیے گناہ کرنے سے دنیا ایسی ہی لگنے لگتی ہے۔اور اس کے دل میں یہی حال ہوتا ہے۔جیسا کہ وہ تین صحابہ کرام غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے تو قرآن نے اُن کا حال بیان کیا:

﴿حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَ ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمۡ اَنۡفُسُہُمۡ وَ ظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّاۤ اِلَیۡہِ﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۸)

زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اُن پر تنگ ہو چکی تھی اور وہ خود اپنی جانوں میں تنگی محسوس کر رہے تھے کہ اُن کا اللہ کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور گو کہ طوفانِ غم کے سمندر میں مخالف سمت سے ہوائیں چلی ہیں کہ ہر طرف سے فتنوں اور معاصی و نافرمانی کی ہوائیں چل رہیں ہیں لیکن اے اللہ! میری کشتیِ غم کے ناخدا آپ ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔اور میں آپ کی رحمت کا اُمیدوار ہوں، آپ کی رحمت کا خورشید روشن ہو گیا تو پھر کسی نالائق کو اپنی نالائقی کا کوئی ڈر نہیں۔اور ہر ناسزا ہر سزا سے بَری ہو جائے گا۔اور سارا اعتماد اور بھروسہ آپ کے دریائے رحمت پر ہی ہے

ورنہ اختر کے پاس اعمال موجود نہیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بخشش کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہے جس پر اللہ رحم فرمائیں گے وہی بخشا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

﴿عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّهُ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ﴾

(صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! سب کی مغفرت اللہ کے فضل سے ہوگی۔ اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا آپ کی بھی؟ فرمایا: ہاں! میری نجات بھی اللہ کی رحمت اور فضل وکرم سے ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم وکرم والا معاملہ فرمادیں۔

دلِ تباہ میں فرماں روائے عالَم ہے

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرمِ غم ہے
اُسے پھر اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے

ہزار خونِ تمنّا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالَم ہے

مجھے اس عالَمِ رنگ و بو سے کیا مطلب
مری حیات تو بس آپ ہی کا اِک غم ہے

خرد کے سامنے گرچہ ہیں صد ہزار عالَم
نگاہِ عشق میں تیرا ہی ایک عالَم ہے

جو آپ خوش ہیں تو ہر سُو بہار کا عالَم
وگرنہ سارا یہ عالَم ہی عالَمِ غم ہے

جو خوش ہیں آپ تو عالَم ہمارا عالَم ہے
نہیں تو اپنا بھی عالَم تباہ و برہم ہے

یہ پوچھتا ہے مرے دل میں اب ترا جلوہ
کہاں ہے اور کدھر آرزو کا عالَم ہے

نظامِ ہوش کا اختؔر ہے اب خدا حافظ
ہماری روح کہیں ماورائے عالَم ہے

مشکل الفاظ کے معنیٰ: محرم: آشنا، واقف۔ **فرماں روائے:** حاکم۔ **صدرنگ و بُو:** دنیا جس میں سینکڑوں طرح کے رنگ اور خوشبوئیں ہیں۔ **خِرد:** عقل۔ **صدہزار:** لاکھ۔ **ماورائے عالَم:** اس دنیا سے کہیں اور۔

مجھے دل کی تباہی کا کچھ غم نہیں ہے

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرمِ غم ہے
اُسے پھر اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے
ہزار خونِ تمنّا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالَم ہے

میرے دوستو! اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ بڑا عالی مضمون بیان فرمارہے ہیں اور وہ یہ

کہ جب انسان اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق زندگی نہیں گذارتا ہے اور نفس کی حرام لذتوں اور ناجائز خوشیوں سے دل کو خوش نہیں کر کے حرام مزے نہیں لوٹتا تو اس موقع پر اس کا دل ٹوٹتا ہے اور دل پر بڑا مجاہدہ ہوتا ہے مگر وہ خوفِ خدا سے جو دل کا ٹوٹنا تو گوارا کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کو نہیں توڑتا اور ایسے مزوں اور خوشیوں پر ٹھوکریں مارتا ہے اور اللہ کی رضا پر سارے مزے اور لطف قربان کر دیتا ہے تو ان ظاہری حرام لذتوں اور خوشیوں کی ویرانی و پامالی سے دل بظاہر تباہ اور چورا چورا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت والا فرماتے ہیں کہ چونکہ اس تباہی کی بدولت مجھے جو اللہ کی محبت کا غم ملتا ہے اور جو حلاوتِ ایمانی نصیب ہوتی ہے وہ میرے لیے بہت بڑی دولت اور نعمتِ عظمیٰ ہے تو مجھے اس دل کی تباہی کا کوئی غم نہیں ہے کیونکہ اس تباہ شدہ اور ویران دل میں اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی محبت کا غم دیتے ہیں اور اس کے دل کو ایسی حلاوتِ ایمانی عطا فرماتے ہیں کہ اس کے سامنے دو جہاں کی لذتیں بھی ہیچ ہوتی ہیں۔

اور یہ مضمون اگر آپ احادیث کا مطالعہ کریں معلوم ہوگا واضح طور پر موجود ہے۔ بعض احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرما رہے ہیں جو ملا علی قاری نے باب عیادت المریض کے تحت نقل فرمائی ہے:

﴿اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ اَیْ لَوَجَدْتَّ رِضَائِیْ عِنْدَهٗ وَفِیْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ لِلْعَجْزِ وَالْاِنْکِسَارِ عِنْدَهٗ تَعَالٰی مِقْدَارًا وَّ اعْتِبَارًا کَمَا رُوِیَ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ﴾

(المرقاة، باب عيادة المريض، ج: ۳، ص: ۳۴۹)

اور آگے فرماتے ہیں:

﴿فِیْهِ اِیْمَاءٌ اِلٰی اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَقْرَبُ اِلَی الْمُنْکَسِرِ الْمِسْکِیْنِ﴾

تو خلاصۂ کلام یہ کہ جو دل اللہ کے لیے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں، اللہ کی رضا وہاں انسان کو حاصل ہوتی ہے اور خود اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہوتے ہیں اور جب انسان گناہوں اور حرام خواہشات سے اپنے کو روکتا ہے تو اس وقت انسان کا دل ٹوٹتا ہے اور وہ اپنے اس ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ کو پاتا ہے۔ اس لیے ایک دوسری روایت ہے:

﴿مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ﴾

(المرقاة، ج: ۱، ص: ۳۹۹، مطبوعة: المكتبة الحقانية)

زمین و آسمان کی وسعتوں میں تو میں نہیں سماتا ہوں لیکن ایک مؤمن کے دل میں سما جاتا ہوں اور یہی وہ چیز ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاوتِ ایمانی سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿اِنَّ النَّظْرَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِیْسَ مَسْمُوْمٌ مَنْ تَرَکَهَا مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُهٗ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ﴾

(كنز العمال، ج: ۵، ص: ۱۳۰، دار الكتب العلمية)

یعنی نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے اور جو نظر بازی کو چھوڑے گا میرے خوف سے تو میں اس کو

اس کے دل میں حلاوتِ ایمانی عطا کروں گا جو وہ اپنے دل میں پائے گا۔

بقول حضرت والا کہ یہ کوئی خیالی چیز نہیں بلکہ وہ واجد ہوگا اور حلاوت اس کے دل میں موجود ہوگی۔ اور اسکی شرح ملا علی قاری فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْهُ اَبَدًا فَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى بِشَارَةِ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ﴾ (مرقاۃ المفاتیح)

کہ جب حلاوتِ ایمانی کسی قلب میں داخل ہوجاتی ہے تو اس سے کبھی بھی نکلتی نہیں ہے لہٰذا اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔

تو دوستو! حسین صورتوں سے نظر بچانے میں دل ٹوٹتا ہے اور دل پر چوٹ لگتی ہے اور بظاہر غم اُٹھانا پڑتا ہے مگر جب اس کے نتیجہ میں اتنی بڑی نعمت ملتی ہو تو پھر سودا بہت ہی سستا ہے جو کھویا وہ بہت کم بلکہ کچھ بھی نہیں اور جو پایا وہ بہت کچھ ہے بلکہ سب کچھ ہے کیونکہ ایک مؤمن کو رضائے الٰہی مل جائے اور حسنِ خاتمہ کی دولت نصیب ہوجائے، اس کے لیے اس سے بڑی نعمت کیا ہوسکتی ہے۔ اسی موقع کے لیے خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

حضرت جلال الدین رومی کہ فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں شکر خوشتراست یا آنکہ شکر سازد
اے دل ایں قمر خوشتراست یا آنکہ قمر سازد

اے دل! یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا بنانے والا اور اے دل! یہ چاند زیادہ خوشنما اور خوبصورت ہے یا چاند کا پیدا کرنے والا تو جو مزہ اللہ کے نام میں ہے نہ وہ شہد وشکر میں ہے نہ وہ دنیا کے کسی کباب و بریانی میں ہے جس کو ہمارے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ ؎

ارے یارو جو خالق ہو شکر کا جمالِ شمس کا نورِ قمر کا
نہ لذت پوچھ پھر ذکرِ خدا کی حلاوت نام پاک کبریا کی

تو اگر چینی جو مخلوق ہے اور شہد جو مخلوق ہے اس کو چکھنے اور کھانے سے لذت وخوشی حاصل ہوتی ہے تو پھر اللہ کا نام لینے اور اللہ کے کلام کی تلاوت کرنے سے کیا کچھ سرور اور لذت وفرحت جاوداں نصیب ہوگی۔

حضرت والا کا الہامی انداز

اسی مضمون کو حضرت والا نے ایک مقام پر اپنے وعظ میں بڑے پیارے انداز سے سمجھایا ہے جس کو سن کر

ایک مؤمن جھوم اُٹھتا ہے اور یہ شان صرف الہامی علوم ہی کی ہوا کرتی ہے۔ فرمایا کہ دیکھو اگر کہیں کوئی آفت آ جائے یعنی کوئی زلزلہ یا طوفان وغیرہ آ جائے تو اس ملک کے وزیرِ اعظم اور صدر کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ فلاں علاقہ کے مکانات جو زلزلہ سے ٹوٹ چکے ہیں اور جو دیواروں میں دراڑیں آ گئی ہیں اور جو عمارات منہدم ہو چکی ہیں سب کو حکومت کے شاہی خزانہ سے تعمیر کیا جائے گا۔ حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک اسی طرح جیسے وہاں شاہی خزانہ سے ان ٹوٹے ہوئے مکانات کی تعمیر ہو رہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خاص محبوب بندوں کے دلوں کو جو اس کی رضا کے لیے حرام خوشیوں اور لذتوں کو چھوڑنے کا غم اُٹھاتے ہیں اور جو مخلوق کی طرف سے پیش آنے والی ایذاؤں کو سہتے رہتے ہیں اور دل پر اللہ کے لیے ہر قسم کے غم کو سہہ لیتے ہیں اور برداشت کرتے ہیں۔ بازاروں، مارکیٹوں، بس اسٹاپوں اور ایئرپورٹوں، جہازوں اور فضاؤں میں خلافِ شرع ممنوع اور حرام مناظر سے اپنے کو بچا کر رکھتے ہیں اور ان سب مواقع پر ان کا دل ٹوٹتا ہے تو ایسے ٹوٹے ہوئے دل کو بھی اللہ خاص اپنی معرفت ومحبت اور حلاوتِ ایمانی کے خزانہ سے تعمیر کرتے ہیں۔ اور اسے اپنے قابل بناتے ہیں اور پھر اس دل میں اپنی خاص تجلیات کے ساتھ متجلی ہوتے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم اکثر یہ مثال دیا کرتے ہیں کہ ایک ماں کے مثلاً چار بچے ہوں۔ ان میں سے ایک بچہ بیمار ہوا اور اس کو ڈاکٹر نے کچھ پرہیز بتایا ہو، اب جب وہ سب بچے شاندار کھانے بریانی وکباب کھا رہے ہیں تو عین اس وقت میں وہ ماں اپنے اس بیمار بچہ کو کہتی ہے کہ بیٹا! تم بیمار ہو، ابھی تم مت کھاؤ اور ہم بعد میں تمہیں اس سے بھی اچھا بنا کر دیں گے اور اس سے بھی عمدہ اور لذیذ کھانے بنا کر کھلاؤں گی غرض یہ کہ اس بیمار بچے پر ماں کو بہت پیار آتا ہے دیکھئے ایسے موقع پر حضرت والا کا یہ شعر کتنا زبردست ہے ۔

میرے حسرت زدہ دل پر انہیں یوں پیار آتا ہے
کہ جیسے چوم لے ماں چشمِ نم سے اپنے بچے کو

یعنی جب وہ بچہ اپنی ماں کا کہنا مانتا اور اپنے دل پر صبر کر کے غم سہہ لیتا ہے تو ماں اس کو گود میں اُٹھاتی ہے اور بڑے پیار سے کہتی ہے کہ شاباش! میرا بڑا فرمانبردار بیٹا ہے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر چشمِ نم اور اس کو چومتی اور پیار کرتی ہے۔ اللہ بھی ایسے موقع پر دیکھتے ہیں کہ بڑا فرمانبردار بندہ ہے کہ ایک طرف نافرمان لڑکے لڑکیوں کے چکر میں لگ کر اور ٹی وی، وی سی آر اور دوسرے حرام دھندوں میں لگ کر حرام خوشیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ میرا فرمانبردار بندہ ہر حال میں ثابت قدم ہے، گو کہ دنیا والے اسے گالی دیتے، بُرا بھلا کہتے ہیں مگر یہ ان کے ساتھ ہمیشہ اچھے طریقہ پر پیش آتا ہے، لوگ اس کے لیے بُرا چاہتے ہیں، یہ ان کے لیے ہمیشہ اچھا سوچتا ہے۔ لوگ اس کو تکلیف پہنچانے کے پروگرام بناتے ہیں اور یہ ہمیشہ ان کی خیر اور بھلائی سوچتا رہتا ہے اور ہزار ایذاءِ خلق سہہ کر بھی میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو نہیں چھوڑتا اور حالت یہ ہوتی ہے کہ ۔

گالیاں عمر بھر جن سے کھاتے رہے
آپ اُنہیں کے لیے دُکھ اُٹھاتے رہے

اور بقول حضرت والا کہ ؎

جفائیں سہہ کر دعائیں دینا یہی تھا مجبورِ دل کا شیوہ
زمانہ گذرا اسی طرح سے تمہارے دل پر دل حزیں کا

یہ ایسا انسان جو اپنے سینہ میں ٹوٹا ہوا دل رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے دل میں بڑا انعام یعنی اپنی محبت ومعرفت کا انعامِ عظیم عطا فرماتے ہیں اور ان کے دل میں اپنے قرب کے پھول کھلا دیتے ہیں جن کی خوشبو سے اطرافِ عالم کے لوگ معطر ہوتے ہیں اور اللہ بھی ایسے بندہ کا پیار کرتے ہیں یعنی طرح طرح کے انعامات اور خاص نعمتوں کی بارش یعنی دین ودنیا کا چین وسکون اولاد کا فرمانبردار ہونا، لوگوں میں عزت ملنا اور عافیت دارین کا نصیب ہونا۔ حضرت مولانا رومی بڑے پیارے انداز سے اس کو فرماتے ہیں کہ جو ہاتھی والا کسی کا دوست ہوتا ہے اور دوست کا گھر چھوٹا ہو جس میں ہاتھی نہ آسکتا ہو تو وہ اپنا حق دوستی ادا کر کے اس کے گھر کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ جس میں اس کا ہاتھی آسکے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس دل کو اپنے قابل بناتے ہیں جس میں اللہ تجلی فرماتے ہیں۔

اسی کو حضرت والا فرماتے ہیں کہ ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

خاندان اور گھر والے افراد بھی اس میں شامل ہیں، ان سے بھی جو ایذا اور تکلیف یا ناگوار بات پہنچتے اور دل شکنی ودل آزاری کی باتیں پیش آئیں تو ان پر بھی انسان صبر کرے اور اس غم کو بھی برداشت کر لے۔ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ گھر والے افراد آدمی کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا اللہ والا بن جائے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے ہیں جبکہ باہر کے لوگ اس کی خوب عزت کرتے ہیں تو اس موقع پر ہی انسان کے اصل قلب کے احوال واضح اور نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں کہ کبر ہے یا تواضع ہے کیونکہ رسمی متواضع بننا تو متکبر سے بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں جو اپنے کو کچھ نہ سمجھتا ہو تو اس کا پتہ وہیں چلے گا، جہاں اس کو کوئی بھی کسی طرح کی اہمیت نہ دیتا ہو اور اسی سے اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا کے وعظ میں ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کو یہ الہام ہوا کہ ہماری ایک بندی ہے اور بڑی تلخ مزاج ہے، تم اُس سے شادی کر کے نباہ کر لو تو تمہیں اپنے قرب کا خصوصی مقام عطا فرما دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے اس سے نباہ کیا حالانکہ ایسے سخت مزاج تھی کہ ایک مرتبہ حضرت کا کوئی مرید گھر پر کسی کام سے چلا گیا اور اپنے حضرت کے متعلق کوئی بات

پوچھی تو اس نے بہت کچھ کہنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ واپس ہوئے اور بہت غصہ میں تھے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ کی بیوی صاحبہ نے تو آپ کی شان میں بڑی گستاخی کی ہے، آپ اجازت دیں تو میں اس کو بتادوں۔ تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھائی سنو! یہاں باہر تو میں تمہارے لیے مصلح و شیخ بنا ہوا ہوں لیکن گھر میں وہ میری شیخ اور مصلحہ ہے۔

تو گھر والوں کے ساتھ ہر حال میں تواضع کا معاملہ ہو اور جب وہ کچھ کہیں تو دل میں اللہ کا شکر ادا کرے کہ یا اللہ! یہ تو میرا ایک دو عیب جانتے ہیں ورنہ تو جانتا ہے کہ میں کیسا عیوب سے بھرا ہوا ہوں؟ اور مجھ میں تو ایک کمال اور ایک خوبی بھی نظر نہیں آتی ہے تو دراصل صحیح بات گھر والوں کی ہے کہ یہ مجھے بزرگ اور بڑا نہیں سمجھ رہے ہیں کیونکہ میں تو ہوں ہی ویسا جیسا یہ سمجھ رہے ہیں بلکہ اس سے بھی گیا گذرا ہوں کیونکہ میرے اندر تو بے شمار عیوب ہیں لیکن تو نے ان پر سب میرا حال مخفی کر رکھا ہے، یہ تو تیرا شکر ہے۔

اور جو لوگ عزت کر رہے ہیں اور گھر سے باہر والے مجھے نیک سمجھ رہے ہیں تو یہ تو آپ کی صرف ستاری ہی ستاری ہے اور اے خدا! ایسے ہی آخرت میں بھی ستاری فرمالینا۔ یہی تو وہ بات ہے کہ جس کو سید الطائفہ شیخ العلماء حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت گنگوہی اور نانوتوی کو مخاطب کر کے تھا کہ اس میں شبہ نہیں کہ تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان وعیوب چھپ گئے ہیں، ان شاء اللہ قیامت میں بھی ایسی ہی ستاری کی اُمید ہے۔

اور ایک موقع پر حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے متعلق یہ تحریر کیا کہ ان کو میری جگہ بلکہ مدارج (مراتب) میں مجھ سے فوق سمجھیں، اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں۔

(ماہنامہ الرشید، لاہور)

تو جب انسان پر اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے اپنے معائب وحقائق کھل جاتے ہیں اور اسے اپنی حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ میں کون اور کیا ہوں؟ تو پھر ایسے کڑوے اور تلخ جملے جو اپنوں اور غیروں سے سننے کو ملتے ہیں، اس کے لیے برداشت کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے اور ایسے غموں کو وہ شہد کے میٹھے گھونٹ کی طرح بصد شوق پیتا جاتا ہے اور اپنے دل میں درجات قرب کے مزے لوٹتا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک رسالہ میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے متعلق پڑھا ہے کہ کسی نے ان کو بڑی سخت وسست باتیں کہیں اور بڑی گستاخی کی، اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ میں تو اپنے کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا ہوں اور جو تم نے کہا ہے میں تو اس سے بھی زیادہ گیا گذرا ہوں۔

ایک جدید تعلیم یافتہ کا خانقاہ پر اعتراض و جواب

اس لیے ایک شخص دنیوی تعلیم پڑھے لکھے، ایک موقع پر کہنے لگے کہ یہ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس خانقاہوں میں جا کر اپنی اصلاح کراؤ اور پھر اس کے بعد دین پھیلانا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ یہ بتائیں کہ اصلاح

کی وہ کون سی حد ہے کہ جب آپ یوں کہیں گے کہ اب میں اس حد پر پہنچ گیا ہوں اور میری اصلاح مکمل ہوچکی ہے۔ اگر کوئی حد مقرر نہیں ہے تو پھر آپ ساری عمر اسی میں گذار دیں گے اور اگر اس کی کوئی حد مقرر ہے تو پھر یہ بات اس لیے سمجھ میں نہیں آتی ہے کیونکہ علماء و مشائخ یوں فرماتے ہیں جس دن انسان یوں سوچ لے کہ آج میری اصلاح مکمل ہوچکی ہے وہ اس کے لیے سب سے خراب دن ہے اور وہ اس کے ماتم کا دن ہے اور وہ اس کا سب سے بدترین دن ہے اور وہ اس گھڑی اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ گیا گذرا ہوا ہے تو معلوم یہ ہوا کہ یہ محض ایک شیطانی دھوکہ ہے کہ پہلے اللہ والوں کے پاس جا کر اصلاح کراؤ اور پھر درسی خدمت کرنا وغیرہ۔

اس پر احقر نے عرض کیا کہ جناب آپ نے خانقاہ کے فائدہ کی جو تشریح کی ہے، اس کو لفظ بدل کر یوں کہیے کہ بزرگوں کے پاس جا کر اصلاح کے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر اپنی حقیقت کھل جائے اور وہ سمجھ لے کہ میں کیا ہوں؟ میرا مبدا کیا ہے؟ اور میں ایک ماءِ مہین سے پیدا ہوا ہوں اور میرا معاد کیا ہے کہ میں مر کر ایک مٹی کا ڈھیر اور کیڑوں مکوڑوں کی غذا ہوں گا۔ تو اصلاح کی تکمیل اور خانقاہ کا مقصد اس دن حاصل ہوجائے گا جس دن آپ پر اپنی حقیقت کھل جائے گی اور آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہ درمیانی دنیا کا قیام پانی پر بلبلہ اور خواب کی طرح ہے اور یہ دھوکہ کا گھر ہے اور اسی کا نام اصلاح ہے اور وہ جو بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس دن تم اپنے کو کچھ سمجھو گے تو وہ سب سے خراب اور بدترین گھڑی ہے تو دراصل اس کی نوبت آتی ہی نہیں بلکہ درحقیقت انسان تواضع کا پیکر اور مجسم تواضع بن جاتا ہے۔ جیسے حضرت گنگوہی و نانوتوی کا حال ہوا کہ مولانا قاسم نانوتوی اتنے بڑے عالم بلکہ علامہ روضۂ اقدس پر پہنچ کر کس درجہ تواضع سے بھرے اشعار فرما رہے ہیں کہ ؂

امیدیں لاکھ ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار
ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں بن کے تیرے غبار

اور حضرت گنگوہی کو حضرت حاجی صاحب نے ایک خط کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو صبر و شکر کی تعلیم کی حاجت نہیں کیونکہ آپ مجسمۂ صبر و سراپا شکر ہیں۔ ہاں یہ دعا ہے کہ خداوند کریم کمال اجر عطا فرمائے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ ان حضرات کو اپنے شیخ سے اصلاحی معاملہ کرنے کے بعد اپنے متعلق کسی عجب و کبر میں مبتلا ہوتے تھے یا یہ کہ اپنی حقیقت کھلنے پر یہ اپنے کو کچھ نہ سمجھنے والے بنے۔ تو یہ ہی وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے

دل میں سارے عالَم اور دونوں جہان کے بادشاہ کو لیے ہوئے ہیں اور فرماں روائے عالَم (خلاق عالم) جس کے دل میں ہو تو پھر اسے ظاہری غموں اور مشکلات کا کوئی غم نہیں ہوتا ہے اور اپنے اس مٹنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نے فرمایا اسے پھر اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے اور وہ زبان حال سے گویا یہ کہتا ہے جس کو عارف ہندی حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

ہاں مجھے مثلِ کیمیا خاک میں یوں ملائے جا
شان میری گھٹائے جا رُتبہ میرا بڑھائے جا
سب ہوں حجاب برطرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف
پردے یوں ہی اُٹھائے جا جلوے یوں ہی دکھائے جا

مجھے عالَم صد رنگ و بو سے کیا مطلب

مجھے اس عالَمِ رنگ و بو سے کیا مطلب
مری حیات تو بس آپ ہی کا اِک غم ہے

اگر بغور دیکھیں تو یہ شعر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی اپنی قوموں کو دعوت کا خلاصہ ہے کہ اور ہر نبی کی زندگی بالخصوص ہمارے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کی ترجمانی ہے کہ ہر نبی اور آج تک کے تمام ادوار کے اولیاء اللہ بزبان حال یہی کہتے ہوئے آئے ہیں کہ ہم ان دنیا کے رنگ و بو میں لگنے، محو ہونے اور ان میں کھپ جانے کے لیے نہیں آئے ہیں ہم تو ایک بڑے مقصد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت کے درد و غم کو حاصل کرنا اور تمام انسانوں کو اس کی تعلیم و تلقین کرنا اور دنیا کی محبت سے نکال کر خالق دنیا کی محبت دلوں میں بیدار کرنا اور ان کا رخ خلق سے ہٹا کر خالق کی طرف پھیرنا ہے۔

اس لیے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ اس دنیا کی رنگینیاں کہیں ائیر پورٹوں کے حسین عورتوں سے بھرے ہوئے ماحول کی صورت میں، اور کہیں خوبصورت پارکوں اور سمندروں پر گناہوں سے بھرے ہوئے مناظر کی شکل میں اور کہیں وی سی آر، اور ٹیلیویژن پر آنے والے حرام پروگراموں کے انداز میں اور جہازوں میں اور آسمان و فضاؤں میں ائیر ہوسٹسوں کے رنگ و روپ میں خواہ کسی بھی صورت اور انداز میں ہو ہم کو اس عالم صد رنگ و بو سے دلچسپی نہیں ہے اور ہمارے پاس ایسی چیزوں کے لیے نہ وقت ہے نہ سوچنے کی فرصت اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ۔

ہم نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے ہم نے چمن لٹا دیا

اور یہ ساری دلچسپیوں کے سامان اور دنیا کی ظاہری رنگینیاں اور دل کو بھانے والی رنگ رلیاں یہ اس حقیر

دنیا کا حقیر سامان متاعِ قلیل ہے اور اللہ کی محبت کے غم اور اس کی معرفت وتقویٰ کی بدولت ملنے والی جو آخرت کی نعمتیں ہیں وہ ابدی ہیں اور وہ ہر پہلو سے بہتر ہیں۔

اسی سے ملتے جلتے حضرت والا کے دوسرے اشعار ہیں جن میں حضرت نے اس طرح فرمایا ہے کہ؎

نہ گلوں سے مجھ کو مطلب نہ گلوں کے رنگ و بو سے
کسی اور سمت کو ہے مری زندگی کا دھارا
جو گرے ادھر زمیں پر میرے اشک کے ستارے
تو چمک اٹھا فلک پر میری بندگی کا تارا

یہ ایسے زبردست اشعار ہیں کہ ہر اللہ والے اور خدا پر جان دینے والے مجاہد کی صحیح حالت کی واقعی ترجمانی ہے کہ وہ اس دنیا کے رنگ وبو سے بھاگ کر اپنی زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضاء کو بناتا ہے پھر اس کے لیے اس دنیا کی حقیقت مچھر کے پر سے زیادہ نہیں رہتی اور اس کی نگاہ میں ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

آخر کیا بات تھی کہ سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے بادشاہت چھوڑ کر اس راہ کو اختیار کیا تھا جس کا تفصیلی ذکر حضرت والا کی مختلف کتابوں میں ہے اور آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین و کفارِ مکہ نے کیا کچھ لالچ نہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن اور دعوت توحید و رسالت پر لگے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی کی حکمت

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی نعرہ تھا کہ میں اس دنیا کے رنگ وبو میں لگنے نہیں آیا ہوں اور اس میں کھپنے نہیں آیا ہوں بلکہ انسانوں کو اس سے نکالنے آیا ہوں اور ان کا رخ صحیح سمت میں ڈالنے آیا ہوں کہ وہ کہاں عباد کے پیچھے لگے ہیں ان کو رب العباد سے جوڑ دوں اور وہ کہاں خلق کے ساتھ لگے ہیں ان کو خالق کے ساتھ جوڑ دوں اسی لیے دنیا سے اپنے تعلق اور لگاؤ کی کمی کو سمجھاتے ہوئے ایک موقع پر ارشاد فرمایا مرقاۃ ص ۳۶۹ کتاب الرقاق میں یہ حدیث ہے:

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللہِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَا لِيْ وَ لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا﴾

(مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، ص: ۴۴۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر آرام فرما ہوئے تو جب کھڑے ہوئے تو اس چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑ چکے تھے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا

رسول اللہ اگر آپ حکم فرمائیں تو ہم آپ کے لیے (کاش آپ ہمیں یہ حکم واجازت مرحمت فرمائیں) ایک نرم بستر بنائیں اور اچھا کپڑا کریں تو بڑا اچھا ہو تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا سے کوئی تعلق نہ دنیا کو مجھ سے کوئی تعلق (کیونکہ میں تو آخرت کا طالب ہوں اور دنیا وآخرت ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں) اور میری دنیا کے ساتھ تعلق کی حالت یہ ہے کہ جیسے ایک سوار کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے لیٹا اور پھر چلا اور اس کو چھوڑ دیا (تو ظاہر ہے کہ وہ سوار ہے اسے آگے جانا ہے تو وہ کتنی دیر ٹھہرے گا جلد سے جلد اٹھکر چلتا بنے گا بس اتنا ہی تعلق مجھ کو دنیا سے ہے اور یہی حالت اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ہر بندے سے چاہتے ہیں۔

تو دوستو اگر ہم صحیح مومن ہوں اور ہمارے پیش نظر دنیا کی حقارت اور اس کی بیوفائی اور اس کی پراگندگی اور اس کی فنائیت ہو اور آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کا استحضار ہو تو ظاہر ہے کہ پھر ہر مومن بزبان حال یہی نعرہ لگا رہا ہوگا جو حضرت والا نے ان مذکورہ بالا اشعار میں ذکر کیا ہے اور وہ اس دنیا سے بس اتنا ہی تعلق رکھے گا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کو اختیاری فرمایا ہے اور پھر اس کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ چونکہ امت کو اپنے نبی کی اتباع کا حکم ہے اور ہر امتی اس کی خواہش رکھتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حضور کی اتباع کرے تو اگر حضور دولت وخزانوں سے بھرے ہوئے ہوتے تو امتی بھی اس کی سعی کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بوجہ معصوم کے ہونے مال ودولت کے خطرات سے محفوظ رہ لیتے مگر امتی کے لیے یہ مشکل ہوتا اس لیے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقر بھی اپنی امت پر رحم کھاتے ہوئے اختیاری طور پر اپنے لیے پسند فرمایا ہے، فرشتے نے آکر پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنانے کا پوچھا تھا تو آپ نے منع فرما دیا (بصائر حکیم الامت)، سبحان اللہ بغور دیکھیں اہل اللہ کے کیسے علوم وحکم ہوتے ہیں جو عطاء الٰہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مجدد تھانوی رحمہ اللہ کے علوم ہیں اور تصانیف وتالیفات تو کیا ملفوظات بھی الہامی علوم پر مشتمل ہیں اور دوستو یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ درحقیقت اس دنیا کی محبت دل سے نہ ہو اور دل اس سے بالکل خالی ہو خواہ وہ دنیا مال ودولت کی شکل میں ہو یا جاہ ومنصب کی صورت میں ہو کیونکہ بہت سی مرتبہ انسان کے دل سے مال کی محبت تو نکل جاتی ہے مگر اپنی آؤ بھگت اور احترام ومقام چاہنا اور مقبولیت وشہرت کی فکر دل پر سوار رہتی ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بھی دنیا ہے کیونکہ کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اللہ کے سوا سب غیر ہے کچھ بھی مطلوب نہ ہو اس لیے مشائخ صوفیاء کا مقولہ ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ **اخر ما یخرج من قلوب الصالحین حب الجاہ** کہ سب سے آخر میں اللہ والوں کے دل سے جو غرض نکلتا ہے وہ حبِ جاہ ہے یعنی اپنی تعریف ومقام ومنصب اور خاص رتبہ کا خیال۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ کسی نے ایک شخص کو پانچ لاکھ روپے کی عمدہ قسم کی بہترین بالکل نئی گاڑی خرید کر ہدیہ میں پیش کی اب یہ شخص کہتا ہے کہ نہیں مجھے ضرورت نہیں میں اس کو کیا کروں گا آپ خود اپنے پاس رکھیں یا کسی اور کو دیدیں الغرض قبول نہیں کی مگر اب جب لوگوں کے سامنے بات کرتے ہیں تو سب سے کہتے ہیں کہ فلاں ہمارے دوست گاڑی لے کر آئے تھے مگر میں نے ان کو منع کر دیا اور مجھے ان دنیا کی چیزوں سے کیا مطلب اس لیے ہم نے نہیں لی ہے اور لوگوں میں اس کو بیان کرنے سے یہ غرض ہے کہ لوگ میرے تقویٰ و بزرگی اور میرے زہد اور دنیا سے بے تعلقی کے قائل ہو جائیں اور میری زیادہ قدر کریں اور مجھے بڑا اللہ والا سمجھیں اور ان کی عقیدت واحترام اور زیادہ بڑھ جائے۔

دوسری غرض یہ ہے کہ یہ لوگ اور جگہوں میں جا کر بیان کریں کہ دیکھو ہمارے حضرت نے ایسا کیا اور دیکھو اللہ والے تو واقعی ایسے ہوتے ہیں اور کیا ہی ''زاهد فی الدنیا'' ہیں تو اس نے ایک غیر کو چھوڑا مگر دوسرے غیر کو دل میں جگہ دی، اور یہ بھی توحید کے اور قبولیت واخلاص والے مقام کے منافی ہے یہ تو ایسا ہے کہ ہاتھی اور بھیڑ سے بچے مگر سامنے دوسری جانب شیر کے سامنے جا کر اس کا لقمہ بن گئے یعنی ایک دشمن سے بچ کر دوسرے کے منہ میں جا پہنچے۔ اسی لیے اہل اللہ کے یہاں یہ سکھایا جاتا ہے کہ غیر اللہ کو دل سے بالکل کلی طور پر نکالو تب آپ کو اللہ کا قرب ملے گا اور اس کے بغیر نہ کوئی عبادت قبول ہے نہ کوئی زھد قبول ہے حتیٰ کہ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ جیسے اپنی کسی عبادت وعمل سے مخلوق کی نگاہ میں مقام ومرتبہ چاہنا برا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اپنا مقام ومرتبہ چاہنا بھی مذموم اور برا ہے بلکہ کمال بندگی یہ ہے کہ اسپر نظر میں نہ ہو اور مقصد صرف ذات باری تعالیٰ ہو کیونکہ مقام وبڑائی یہ تو شان کبریائی ہے اور خاصہ ہے باری تعالیٰ کا۔

تو اس اعتبار سے گویا کمال عشق ووفا کا تقاضا یہ ہوگا کہ انسان دونوں جہاں میں اپنا مطلوب اور منظورِ نظر اللہ تعالیٰ کو رکھے اور آپ کی محبت ومعرفت میں مستغرق رہنا ہی اپنا مقصد زندگی سمجھے۔

اور احقر اس میں مزید ترقی کر کے یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ اس عالم صدرنگ وبو کی باتیں اور مال و دولت کے زیادہ چرچے اور منصب وعہدوں کی باتیں دیر دیر تک کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ بنانا بجز خود اپنی جگہ غلط اور ظلمت قلب کا باعث ہے اس لیے سالک کو اور طالب کو اس سے بھی شدت سے پرہیز کرنا چاہیے اور یہ بات خود نبی علیہ السلام کی تعلیمات میں موجود ہیں۔

عشق و خرد کا عالَم جدا جدا ہے

خرد کے سامنے گرچہ ہیں صد ہزار عالَم
نگاہِ عشق میں تیرا ہی ایک عالَم ہے

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ طے کرنا ہو تو حضرات صحابہ کرام کی طرح عشق و محبت والی راہ اختیار کرنی پڑے گی کہ لوگ ملامت کریں مجنوں کہیں بیوقوف کہیں مگر سچا عاشق اپنے عشق سے پیچھے نہیں ہٹتا ہے اگرچہ عقل ان ملامتوں سے بچنے کی تدبیریں سکھاتی ہے اور مختلف حیلے بہانے بتاتی ہے لیکن اللہ کے صحیح سچے عاشق اپنی جان دینے میں ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں اسی لیے قرآن نے اللہ کے عاشقوں کی یہ خاص صفت ذکر فرمائی ہے کہ وہ لوگ ملامت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور درحقیقت اپنے شیخ سے بھی انسان پورے طور پر جبھی نفع حاصل کر پاتا ہے جب کہ اس کو خوب خوب محبت شیخ حاصل ہو۔

اسی لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے یہاں دو ہی قسم کے لوگوں کو نفع ہوتا ہے یا تو وہ بلا کا عالم ہو یا بلا کا عاشق ہو اور میرے دوستو حضرت والا دامت برکاتہم کے وعظ میں ہے کہ قرآن پاک کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کو مرتدین کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محبت کی یہ کرامت ہے کہ یہ انسان کو ارتداد سے بھی محفوظ رکھتی ہے اور یاد رکھئے کہ یہی محبت شیطان کے مقابلے میں سب سے قیمتی ہتھیار ہے کیونکہ عقل سے سوچی ہوئی دلیلوں کا جواب اس کو خوب آتا ہے لیکن جب بندہ دیوانہ وار یہ صدا لگاتا ہے کہ میں تو بلا دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں تب شیطان اس کے سامنے عاجز ہو جاتا ہے اور ہار مان لیتا ہے۔

تو حضرت والا ارشاد فرما رہے ہیں کہ یا اللہ آپ سے محبت کی جو چسک دل کو لگی ہے تو اب ساری تمنائیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئی ہیں اور ہم اپنی عقل سے اپنی زندگی کی چمک دمک اور آب و تاب کی جتنی اسکیمیں اور پروگرام بناتے تھے اب وہ سب فیل ہو چکے ہیں۔

اب آپ کی محبت میں وہ مزہ مل رہا ہے اور وہ لطف آیا ہے کہ اس کے سامنے ساری لذتیں اور سارے مزے مٹ چکے ہیں اور سارے دل کے ارمان اور تمنائیں فناء کے گھاٹ اتر چکی ہیں اور اس کی ایک وجہ بہت واضح ہے حسی مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اگر ایک شخص چٹنی روٹی کھاتا ہو اور دوسرے لذیز کھانے اسے نصیب نہ ہوتے ہوں لیکن ایک دن شامی کباب اور بریانی مل جائے اور وہ اس کا ٹیسٹ اور مزہ چکھ لے تو کیا وہ چٹنی کے مزے کو پھر یاد کرے گا نہیں ہرگز نہیں اور یہ مثال صرف تقریبِ فہم کے لیے ہے ورنہ غیر محدود ذات کی محبت اور اس کا نام لینے میں جو مزہ ہے اس کا دنیا کے مزوں سے کوئی تقابل ہی نہیں ہے ایک مرتبہ حضرت والا نے ایک عجیب مثال ارشاد فرمائی کہ اگر طاقت ور اور تگڑی حسین عورت کسی ضعیف و نحیف اللہ والے کے سینے پر چڑھ کر اس کو دبائے اور

اپنے ہاتھوں سے اس کی آنکھیں کھولے کہ مجھے دیکھنا پڑے گا، تم بڑے متقی بنتے ہومگر وہ اگر واقعی اللہ والا ہوگا تو اپنی شعاعِ بصری کو محدود وکنٹرول کرکے اس کے حسن پر بھرپور نظر ہرگز نہ ڈالے گا اور اپنے اللہ کی محبت کے سمندر میں ڈوبا ہوا اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرے گا تو وہ عورت اپنے دل میں یہ سوچے گی کہ یہ تو یقیناً مجھ سے بھی زیادہ کسی حسین و دلکش منظر کے مشاہدے میں لگا ہوا ہے ورنہ میرے ہوتے ہوئے تو لوگ پاگل ہوجاتے ہیں اور مجھے دیکھ کر لوگ ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے دل میں جس حسین وجمیل ذات کو لیے ہوئے ہے وہ تو وہ ہے کہ جو ساری دنیا کی لذات کا خالق اور ساری دنیا کی لیلاؤں اور حسیناؤں کو ان کے حسن کی بھیک دینے والا ہے تو ظاہر ہے کہ خود اس کا کیا حال ہوگا اس لیے جب جنتی اللہ تبارک وتعالیٰ کا جنت میں دیدار کریں گے تو جنت کی ساری نعمتوں کو بھول جائیں گے اور اللہ والوں کو اس دنیا ہی میں جنت کا مزہ آتا ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''**ولمن خاف مقام ربه جنتٰن**'' کی تفسیر میں صوفیہ ومشائخ کی ایک تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ ایک جنت انسان کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے **بالحضور مع المولٰی** اور ایک جنت آخرت میں **بلقاء المولٰی والدرجات العلٰی** حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہوکر
تو اپنا بوریہ بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اسی کو حضرت والا کے خلیفہ تائب صاحب نے فرمایا ہے ؎

مولیٰ کی حضوری میں تو جنت ہے یہ دنیا
دنیا میں تو جنت کا مزہ اور ہی کچھ ہے

اور حضرت والا کا شعر ہے ؎

یادِ خدا کا ہر نفس کون و مکاں سے کم نہیں
اہلِ وفا کا بوریہ تکتِ شہاں سے کم نہیں

اللہ تعالیٰ جسے اپنے قرب کا عالم دیتے ہیں تو اس کی نگاہوں میں سارے عالم اس لیے گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان کی دوستی کسی ملک کے صدر و وزیراعظم سے ہو تو پھر وہ پولیس والے اور S.P. ایس پی اور ڈی ایس پی سے تعلقات کے چکر میں نہیں پڑتا ہے اور نہ اس کی کوئی تمنا ہوتی ہے اور پھر اسے اپنے مسائل کے حل کے لیے دردر کے دھکے اور ٹھوکریں کھانی نہیں پڑتی ہیں کیونکہ وہ چھوٹے سب اس بڑے کے آرڈر کے محتاج ہوتے ہیں اور اس بڑے کے آرڈر کے خلاف کبھی نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کا دوست ہے اور حقیقی دوست اپنے دوست کا بدخواہ نہیں ہوسکتا ہے تو بس میرے دوستو ہم سب دنیا والے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قبضہ میں اس طرح ہیں کہ ہمارے دل

کے اندر آنے والے خیالات وارادے اور ہمارے پروگرام اور نظام سب کچھ ذرہ ذرہ اس کی اجازت کے بغیر وجود میں نہیں آتا ہے حتی کے دل کے اندر کے چلنے والی حرکتیں اور دھڑکنیں بھی حکم الٰہی کی محتاج ہیں اور وہ خود سارے عالم سے مستغنی ہے تو ایسے مالک و وقار کے در کو جس نے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہو اور اس سے مضبوط دوستی کا رشتہ بنا رکھا ہو پھر اسے مثبت و منفی مسائل کے لیے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی نہ وہ اپنے نفع میں کسی کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ضرر کے دفع میں کسی کے در کو کھٹکھٹاتا ہے اور نہ اس کو نفع وضرر میں کسی کی جانب التفات ہی ہوتا ہے بلکہ اس کے ذہن میں یہ بات مضبوطی سے جمی ہوتی ہے کہ جو مخلوق اپنے ارادوں تک میں کسی اور ذات کی محتاج ہے تو ایسے محتاج کا محتاج بننا تو جہالت و نادانی ہے اور خود اپنے مسائل ومشکلات میں اضافہ کرنا ہے۔

اس تشریح سے آپ یہ سمجھ گئے ہونگے کہ خرد سے مراد وہ اہل خرد یعنی اہل عقل ہیں جو اللہ کی محبت کے درد سے محروم ہو دنیا کی سوچ اور ظاہری عقل والے مراد ہیں ورنہ حقیقی خرد اور عقل تو نام ہی اس کا ہے کہ جو انسان کو دنیا سے بے رغبت کردے اور آخرت کے کاموں کا دیوانہ بنادے اور جس کا صبح وشام دن ورات وظیفہ ہی اپنے اللہ کو یاد کرنا ہو اور جو دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتا ہو اور مابعد الموت کے لیے اپنا ذخیرہ جمع کرتا ہو چنانچہ قیامت کے دن ایسے ہی لوگوں کو عقلمندوں کے خطاب سے پکارا جائے گا اور صراحتاً آیات واحادیث میں ایسے ہی لوگوں کو ''الکیس'' اور ''اولو الالباب'' فرمایا گیا ہے جبکہ ایمان نہ لانے والے اور دنیا کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے والوں کو قرآن نے ''الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون'' فرمایا ہے کہ حقیقی بیوقوف لوگ یہی کفار ومشرکین ہیں۔

مگر حضرت والا کا منشاء یہ ہے کہ بظاہر جو لوگ صرف اپنی عقل ورائے پر چلتے ہیں اور ان کے فیصلے اللہ کے عشق ومحبت کے تابع نہیں ہوتے ہیں ایسے لوگ اپنے ہزار ارمانوں اور امیدوں کے بڑے بڑے محل اپنے دلوں میں تعمیر کئے رہتے ہیں اور پوری دین کی پابندی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نہیں کرتے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ سلم کے طریقوں کو چھوڑ کر اپنی عقل پیروی کرتے ہیں وہ ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں یہی دراصل شعر بالا میں حضرت والا کا منشاء ہے۔اسی کو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

فرزانہ جسے بننا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو آئے یہاں آئے
سو بار بگڑنا جسے منظور ہو اپنا
آئے وہ یہاں اور بچشم و بسر آئے

اللہ خوش ہوں تو ہر سُو بہار کا عالَم

جو آپ خوش ہیں تو ہر سُو بہار کا عالَم
وگرنہ سارا یہ عالَم ہی عالَمِ غم ہے
جو خوش ہیں آپ تو عالَم ہمارا عالَم ہے
نہیں تو اپنا بھی عالَم تباہ و برہم ہے

ایک مومن کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے اور ہر عمل میں رضائے الٰہی پیشِ نظر ہو اسی کا نام اخلاص ہے تو حضرت والا فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو اگر ہم سے ہمارا اللہ راضی ہے تو ہر چہار سو زندگی میں بھی بہار ہے اور آخرت کی نعمتیں اور راحتیں بھی سب ہمارے لیے ہیں اور ابدی اور ہمیشہ کی خوشیاں اور لذتیں بھی ہمارا حصہ ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر سمجھ لو کہ دارین میں عذاب ہی عذاب ہے نافرمان کو نہ اس دنیا میں حقیقی راحت و آرام ملتا ہے اور نہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ ہے" وماله في الا خرة من نصيب"

اس لیے میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکموں میں دونوں جہاں کا چین وسکون چھپا ہوا ہے اور اس کی ناراضگی سے یہ دنیوی حیات بھی تلخ اور کڑوی ہو جاتی ہے اور آخرت کا عذاب تو ہے ہی ایسے انسانوں کو اسی دنیا مین جہنم کی زندگی کا نقشہ سامنے آنے لگتا ہے۔

حضرت والا اپنی کتاب (روح کی بیماریاں اور ان کے علاج) کے شروع میں یہ واقع نقل کیا ہے کہ ایک جوان یورپی ممالک میں انجینئرنگ کی ڈگری لینے کے لیے گیا جب واپس لوٹا تو اس کے گھر والوں نے اس کی شادی کی اور اس نے بیوی کے ساتھ رہنا شروع کیا مگر چند دنوں میں اس کی بیوی نے اس سے طلاق لے لی کیونکہ وہ انجینئرنگ ساتھ ساتھ دوسری غلط حرکتوں میں مبتلا رہ کر اپنی جوانی تباہ کر کے آیا تھا اس نے خود حضرت والا کو سنایا کہ بس آج کل جینے میں جینا نہیں اور مرنے میں مرنا نہیں، گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرم آتی ہے اور قرآن کریم نے یہی نقشہ جہنمیوں کا ذکر کیا ہے کہ" لا يموت فيها ولا يحيى" کہ نہ ان کو موت آئے گی نہ زندگی ملے گی اسی کو حضرت شاہ احمد پرتاب گڈھی نے یوں فرمایا ہے کہ ؎

ہم بھٹک جائیں تیری راہ سے دوزخ ہے یہی
اور لگ جائیں تیری راہ پہ جنت ہے یہی
جس طرف کو رخ کیا تو نے گلستاں ہو گیا
تو نے رخ پھیرا جدھر سے وہ بیاباں ہو گیا

آج مسلمانوں کے دلوں سے یہی چیز نکل گئی ہے اور آج وہ اس فکر کو بھول گئے ہیں کہ ہماری حیات کا

مقصد اصلی صرف رضاء الٰہی ہے اور ہمارا چین وسکون ایک اللہ کو راضی کرنے میں منحصر ہے بلکہ آج کا مسلمان مال و دولت کے کمانے میں حلال وحرام کے امتیاز کو ایک طرف رکھ کر صرف جمعِ مال مقصود بنائے ہوئے ہے اور زندگی گزارنے کے وہ تمام طریقے جو مغضوب اور گمراہ قوم کے طریقے ہیں ان کو اپنا کر اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے امن واطمینان اور چین وسکون کا متلاشی ہے۔

حالانکہ پوری تاریخ اٹھا کر دیکھئے جب کوئی قوم اللہ کو ناراض کرنے پر اتر آئی اور اس کے احکام کے خلاف کھلی بغاوت شروع کر دی تو ساری دولت وحکومت کے نقشوں میں اور سارے عزت اور کوشی کے نقشوں میں ان کی زندگی بگڑ گئی اور وہ قعرِ مذلت میں گر گئے اور یہ اعلان خدا ہے کہ فان بالمعصیة حل سخط الله کہ جب اللہ کی نافرمانی زمین پر وجود میں آتی ہے تو پھر اللہ کی ناراضگی اترتی ہے۔

کتنی ہی مثالیں ایسی اٹھا کر دیکھو کہ سارے نقشے بظاہر تباہی کے مگر جب خدا کی رسی کو کسی نے مضبوط پکڑا تو اللہ نے ایسی سرخروئی اور عزت عطا فرمائی کہ ساری دنیا حیرت میں پڑ گئی۔ اسی لیے قرآن نے اعلان کیا کہ سکون و اطمینان سے جینے کا نسخہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر ہے جو چوبیس گھنٹے کی زندگی کی ہر سانس اور سر کے بالوں سے پیر کے انگوٹھے تک کے تمام اعضاء بدن پر ہر وقت قائم ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حصر کے ساتھ کیوں فرمایا اطمینان صرف میری یاد ہی سے ملے گا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور مومن بغیر اللہ کی یاد کے ایسا بے قرار ہے ''کما ان السمکة تطمئن فی الماء لا بالماء'' جیسے مچھلی پانی کے بغیر بے سکون اور بیقرار رہتی ہے آج کل لوگ اپنے تمام مسائل کا حل ڈھونڈتے اور تلاش کرتے ہیں لیکن دوسری راہوں سے جیسے سب سے آسان تعویذات کا راستہ ہے تو یاد رکھئے کہ یہ سب بڑا دھوکہ ہے اور اعلان خداوندی کے خلاف ہے۔

چنانچہ ایک جگہ احقر کا جانا ہوا تو دیکھا کہ گھر میں ایک نقش لگا ہوا ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے کہ جو اس نقش کو صبح وشام دیکھ لے گا اس کی ساری مشکلات دور ہو جائیں گی تو احقر نے عرض کیا کہ آخر اس قدر عمدہ اور شاندار نسخہ ہے کہ ساری مشکلات دور کرتا ہے تو پھر خود یہ تعویذ بنا کر بیچنے والے شخص کو اس کاروبار اور دھندے کی کیا ضرورت تھی وہ خود اس تعویذ کو گھر کے اندر لگا لیتا اور اس کی ساری مشکلات حل ہو جاتی اور پھر آپ خود باقی مسائل اور معاملات میں تعویذ پر اعتماد کئے ہوئے ہیں مگر صبح ہی نوٹ کمانے کیوں نکلتے ہیں بس اس تعویذ کو دیکھ لو اور آپ کی ساری مشکلات حل ہیں مگر درحقیقت یہ ایک دھوکہ ہے اور پھر میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو اپنے اللہ کا ایک اعلان سناتا ہوں جو سچی کتاب خداوندی قرآن کریم میں ہے آپ اس پر عمل کریں اس میں اللہ تعالیٰ نے عدہ فرمایا ہے کہ ساری مشکلات حل ہو جائینگی اور وہ وعدہ قرآن کی اس آیت میں ہے۔

تجلیاتِ الٰہیہ کی بدولت آرزوؤں کا عالَم غائب ہے

یہ پوچھتا ہے مرے دل میں اب ترا جلوہ
کہاں ہے اور کدھر آرزو کا عالَم ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت دل میں حاصل ہونے کے بعد جو میری دنیوی آرزوئیں اور امیدیں تھیں آج کہیں ان کا نام ونشان بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ اب تو بس ایک ہی کے ساتھ ہر دم شغل ہے اور اسی کے نام میں ساری لذتوں کا مزہ مل رہا ہے اور اس کی دوستی نے سارے دوستوں سے دل کو الگ کر دیا ہے اور اب اور اب بس دن رات ایک ہی دعا ہے خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ رحمہ اللہ اسی کو فرماتے ہیں کہ ؎

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں تجھ سے فقط شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے

دراصل اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ معرفت جب دل کو عطا ہوتی ہیں تو انسان ان میں ایسا مست و دیوانہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی ہی خدا کی یاد ہوتی ہے اور اس کے بغیر اس کو چین و سکون میسر نہیں آتا ہے۔ دنیا کے جھمیلوں میں رہتے ہوئے بھی وہ باخدا رہتا ہے ؎

دنیا کے مشغلوں میں بھی وہ باخدا رہے
وہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

اگرچہ بظاہر وہ دنیا کے سب کام کرتے ہوتے ہیں مگر دل سے ایک آن بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت والا نے اس کی مثال اس ہرن سے دی ہے جو اپنے اندر مشک کا نافہ لیے ہوئے ہوتا ہے تو وہ دوسرے ہرنوں کی طرح باقاعدہ سوتا نہیں ہے بلکہ ہر وقت چوکنا اور مستعد رہتا ہے اور جب سونا ہو تو کھڑے کھڑے ہی اونگھ لیتا ہے کہ کہیں اس کا وہ قیمتی نافہ کوئی اس کا شکار کر کے اس سے نہ نکال لے۔ بس اسی طرح اہل اللہ ذرا بھی غافل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ان کے سینوں میں بھی وہی قیمتی جوہر ہوتا ہے اور غفلت سے اس پر شیطان کا حملہ ہو سکتا ہے۔

درحقیقت اہل اللہ جو دنیا اور اہلِ دنیا کے ساتھ رہتے ہیں وہ صرف ادائیگی حقوق کی حد تک ہوتے ہیں یعنی ان پر جس کے جو حقوق بشریہ واجب ہیں ان کی ادائیگی کرنا ورنہ دل سے وہ ہر وقت واصل مع اللہ ہوتے ہیں۔
چنانچہ ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی دنیا دار شخص نے ایک اللہ والے کو بڑی نعمتوں اور آرام و راحت میں دیکھا

تو اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ یہ کیسے اللہ والے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے اردگرد دنیا کی اتنی چیزیں تو ان کو کسی ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ اس آدمی کے ہاتھ میں دودھ کا ایک گلاس دے دو اور اسے بازار میں لگوا کر لاؤ اور خادم کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر کہا کہ اگر اس نے ایک قطرہ بھی گرا دیا تو فوراً لگاؤ۔ وہ شخص بڑی ہوشیاری اور توجہ و دھیان کے ساتھ اسے لے کر چلتا رہا اور واپس ہوا تو ان اللہ والوں نے ان سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے کچھ بازار میں کھیل تماشے وغیرہ دیکھے اور وہاں کے کچھ احوال بتاؤ تو اس پر اس نے کہا کہ حضرت مجھے تو فکر تھی کہ اگر میں نے ذرا سی غفلت برتی اور دودھ کا قطرہ گر گیا تو فوراً خادم کی طرف سے زور سے لگے گا، اس لیے مجھے بازار کا حال احوال کچھ پتہ نہیں۔

تو ان بزرگ اللہ والے نے فرمایا کہ میرے عزیز جو خدا کے بندے اللہ کو پہچان جاتے ہیں وہ اللہ سے اس سے کہیں زیادہ ڈرتے رہتے ہیں اور وہ ہر آن ہر گھڑی اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں ان سے کوئی ایسی بات ہوگئی اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے تو ان کی دارین کی عافیت و سلامتی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس لیے وہ دنیا میں رہتے ہوئے اور دنیا کی چیزوں اور نعمتوں میں رہتے ہوئے بھی اس طرح لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور ایک گھڑی بھی دل سے وہ دنیا میں مشغول ہو کر خدا سے غافل نہیں ہوتے۔

روحِ عارف ماورائے عالم رہتی ہے

نظامِ ہوش کا ابتر ہے اب خدا حافظ
ہماری روح کہیں ماورائے عالم ہے

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت وقرب میں کبھی ایسے لمحات واوقات بھی آتے ہی ں کہ انسان بظاہر ہوش وحواس کے عالم میں نظر آتا ہے لیکن بباطن وہ کہیں اور پہنچا ہوا ہوتا ہے اور ایسے موقعہ پر وہ اپنے قریب سے قریب اور خاص سے خاص آدمی کو بھی نہیں پہچان پاتا ہے۔ اس وقت یہ کہنا بجا ہوگا کہ ہماری روح ماورائے عالم ہے۔ اس سلسلہ میں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ سب صوفیاء کے غلو کی باتیں ہیں ورنہ بھلا ایک صحیح سمجھدار آدمی سے کہیں یہ تصور ہوسکتا ہے کہ وہ ہوش وحواس کے ہوتے ہوئے اپنے ادراک وعلم ومعرفت کی چیزوں سے بے خبر ہو جائے۔

کیونکہ رات دن اس بات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے دیدار اور اس کے قرب کے وقت میں دائیں بائیں کی تمام چیزوں سے نہایت درجے بے خبر ہوتا ہے۔ تو جب اس مجازی عشق اور فانی حسن کے پیچھے انسان کے دل کی دنیا اس طرح تبدیل ہو کر سب کچھ فراموش کر دیتی ہے تو پھر اللہ کی ذاتِ عالی کے قرب میں جتنا بھی انسان کھویا جائے وہ غلط نہ ہوگا۔ اور یہی حقیقت میں اعلیٰ درجے کا مقامِ فنائیت اور

غایت درجے کی حضوری ہے۔

تو یہ وہ مقام استغراقی ہے کہ انسان اللہ کی عبادت میں اور اس کی یاد میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اپنے چہار سو سے بالکل بےخبر ہو جاتا ہے۔

حضرت والا اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کا واقعہ سنایا کرتے ہیں کہ ایک بار کسی کاغذ پر دستخط کرنے تھے تو منشی ماسٹر عین الحق صاحب نے وہ کاغذ پیش کیا تو حضرت مولانا قلم ہاتھ میں لے کر کافی دیر تک سوچتے رہے اور پھر منشی جی سے پوچھا کہ میرا نام کیا ہے انہوں نے حضرت کو ان کا نام یاد دلایا تب آپ نے دستخط فرمائے۔ اسی واقعہ کو حضرت والا نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے کہ ؎

گئے تھے بھول مرشد پھولپوری نام بھی اپنا
حضورِ حق میں اپنی ذات پہچانی نہیں جاتی

عشق کو حاجتِ بیاں نہیں

گو میرا وعدہَ بیاں نہیں مجھ سے ملنا بھی کیا بیاں نہیں
قلب تو ہے اگر زباں نہیں آہ تو ہے اگر فغاں نہیں
زخم تو ہے اگر نشاں نہیں عشق کو حاجتِ بیاں نہیں
چشمِ تر جو کہ خوں فشاں نہیں دردِ ہجراں کی رازداں نہیں
میرے غم کی جو ترجماں نہیں وہ زبانِ عشق کی زباں نہیں

اللہ والوں کی صحبت بھی نافع ہے

گو میرا وعدہَ بیاں نہیں
مجھ سے ملنا بھی کیا بیاں نہیں

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ اس شعر میں اہل اللہ سے ملاقات کے نفع کو بیان و وعظ پر منحصر سمجھنے کی غلطی کی تردید فرما رہے ہیں لہٰذا اس نیت کے ساتھ آنے کے بجائے صرف ملاقات اور زیارت اور دیدار کی نیت سے آئیں تو وہ بھی نفع سے خالی نہیں ہے، ہاں اگر بیان بھی ہو تو نور علیٰ نور۔ اب اس دعویٰ پر ہم قرآن و سنت کے آئینہ میں غور کرتے ہیں کہ کیا صرف اہل اللہ سے ملاقات کا نافع ہونا کہیں مذکور ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت: ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔

روح المعانی میں ہے خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ اہل اللہ کے ساتھ اتنا رہو کہ ان کے مثل ہو جاؤ۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا ہے، خاص طور پر ان کے بیان و وعظ اور تقریر و خطاب میں بیٹھنے اور اس کو سننے کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ مطلقاً اہل اللہ کے پاس بیٹھنا بھی اللہ کی یاد دلاتا ہے اور گناہوں سے بُعد اور دوری پیدا کرتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

(سورۃ الکہف، آیت: ۲۸)

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ابن کثیر، ص: ۴۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:

﴿قَالَ الطَّبْرَانِيْ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ نَزَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَعْضِ اَبْيَاتِهٖ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ فَخَرَجَ يَلْتَمِسُهُمْ فَوَجَدَ قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْهُمْ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَ جَافُّ الْجِلْدِ وَ ذُو الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلَمَّا رَاٰهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ وَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ اَمَرَنِيْ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ﴾

اس کا خلاصہ حضرت والا دامت برکاتہم کے مختلف وعظوں میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکالا جا رہا ہے کہ میرے عاشقوں میں اپنے بیٹھنے کو مقید رکھئے جو صبح شام یعنی بقول حضرت تھانوی علی الدوام اپنے رب کی عبادت محض اُس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور اس میں کوئی دنیاوی غرض نہیں ہوتی یعنی وہ مخلص ہیں اور ان کی مراد و مقصود صرف رضائے باری تعالیٰ ہے اور یہی عاشقوں اور اہل اللہ کا خاص وصف ہے کہ ان کے ہر عمل سے مقصود صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے تو آپ میرے ایسے مخلص چاہنے والوں کے پاس بیٹھئے۔ وہ لوگ اہلِ دنیا کے معیار کے لوگ نہ تھے کہ بڑے دولت و منصب والے ہوں اور خاندان ونسب کے لحاظ سے اونچے ہوں یا شہرت یافتہ ہوں بلکہ ان کی ظاہری حالت فقر و فاقہ اور بے کسی و بے بسی کی تھی کہ بال بکھرے ہوئے، کھال خشک اور ایک کپڑے والے تھے مگر آسمانوں میں وہ اتنے قیمتی تھے کہ سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا حکم ہوا اور مزید برآں یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اظہارِ شکر کیا کہ الحمد للہ شکر ہے اس خدائے پاک کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں جن کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم ملا ہے۔ اس قدردانی کی وجہ بھی آیت میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے والے ہیں اگرچہ غریب و فقیر ہیں جیسا کہ روایت سے معلوم ہوا۔

بہرحال میرا مدعا یہ ہے کہ تقریر و بیان کے بغیر صحبت مطلوب بھی ہے اور نافع بھی ہے کیونکہ اس آیت میں بھی صراحتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں ہے کہ ان کے درمیان جا کر وعظ و تقریر اور بیان کرو بلکہ بقول مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کہ آپ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیں، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ کسی وقت جدا نہ ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ تعلقات اور توجہات سب ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رہیں۔ (معارف القرآن، ج:۵،ص:۵۸۷)

اب احقر چند حدیثیں اس موضوع پر پیش کرتا ہے جن سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اہل اللہ سے صرف ملنا بھی اسی طرح مفید اور نفع بخش ہے جس طرح ان کا وعظ و بیان نافع ہے چنانچہ چند حدیثیں بطور نمونہ احقر پیش کرتا ہے جو اس موضوع پر بالکل صریح ہیں:

(۱)...... معارف القرآن، ج:۶،ص:۱۷۴ بحوالہ قرطبی یہ روایت ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی سیاست، ص:۲۰ پر بحوالہ جامع صغیر اس مضمون کی روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ہماری مجلس کے دوستوں میں کون بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا کہ من ذکر کم باللّٰہ رؤیتہ وزاد فی علمکم منطقہ وذکر کم بالاٰخرۃ عملہ رواہ البزار وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔ (قرطبی)

(۲)...... بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ آتی ہے جس کو حضرت شیخ الحدیث نے اسلامی سیاست، ص:۱۹ پر ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صالح اور بہتر ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مُشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو تو پہنچے ہی گی اور برے ہمنشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی تو بدن یا کپڑے کو جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی اُڑے تو اس کا دھواں اور بو تو پہنچے ہی گی۔

(۳)...... اسی جگہ بحوالہ درمنثور نقل ہے کہ حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر، اس سے تو بھلائی کو پہنچے گا اور جب ان پر رحمت نازل ہوگی تو تو اس میں شریک ہوگا اور بروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ ان سے بھلائی کی توقع نہیں اور کسی وقت ان پر آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائے گا۔ (درمنثور، ج:۵،ص:۱۶۴)

(۴)...... ایک روایت جو حضرت والا کے ملفوظات میں ہے

﴿قال فی نفائس المجالس جاء فی الحدیث حبب الی من دنیا کم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلاۃ فلما سمعہ ابو بکر رضی اللہ عنہ قال یارسول اللہ حبب الیّ من دنیا کم ثلاث النظر الیک وانفاق مالی علیک والجلوس بین یدیک وقال عمر رضی اللہ عنہ حبب الیّ من دنیا کم ثلاث النظر الی اولیاء اللہ والقہر لاعداء اللہ والحفظ لحدود اللہ﴾

کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تین چیزیں بہت پسند ہیں ایک خوشبو، دوسرے نیک و صالح عورت اور تیسرے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں (۱) اور آپ کی زیارت و دیدار کرنا (۲) اور اپنا مال آپ پر خرچ کرنا (۳) آپ کے سامنے بیٹھے رہنا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں (۱) اللہ کے دوستوں اور اولیاء کا دیدار (۲) اور اللہ کے دشمنوں پر غیظ وغضب اور غصہ کرنا (۳) اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔

(۵)...... جامع صغیر کی مشہور روایت ہے:

﴿لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ وَ مَعْدِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ﴾

(جامع صغیر، ج:۲، ص:۹۲۶)

ہر چیز کی کان ہوتی ہے (جیسے کوئلہ کی کان، نمک کی کان) اور تقویٰ کی کان اللہ والوں کے دل ہیں یعنی ہر چیز کے ملنے کی جگہ ہے اور اس کا ایک محل ہے وہ چیز وہیں ملے گی دوسری جگہ نہیں ملے گی مثلاً سونا چاندی اس کی کان سے ملے گا اسی طرح اللہ کی محبت و معرفت کہاں ملے گی؟ اس کا مرکز اور محل عارفین کے قلوب ہیں۔ تو یہ سب سے مؤثر اور مفید طریقہ ہے کہ اہل اللہ کی محبت اور ان کی صحبت اختیار کی جائے اگرچہ اس میں تقریریں اور بیان ہو یا نہ ہو جبکہ اس حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ (اصلاح باطن کی اہمیت، وعظ نمبر ۲۱، از: حضرت شاہ ہردوئی)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تصوف کیا ہے؟ میں، صفحہ:۶۶ پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ بدن کے قرب کا دلوں کے قرب پر اثر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ (مکتوبات، ج:۱، ص:۲۰۵)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''ارشاد الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ غیر صحابہ سے افضل ہیں حالانکہ علم و عمل میں صحابہ و غیر صحابہ مشارکت رکھتے ہیں اس کے باوجود حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ نے راہِ خدا میں جو نصف صاع جو خرچ کیا ہے اگر دوسرا احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو دونوں برابر نہیں۔ یہ فرق ان باطنی کمالات کی بنا پر ہے جو ان حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوئے تھے۔ (تصوف کیا ہے؟ ص:۶۶-۶۷)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام غزالی نے فرمایا ہے:

﴿مُجَالَسَةُ الْحَرِيْصِ وَ مُخَالَطَتُهٗ تُحَرِّكُ الْحِرْصَ وَمُجَالَسَةُ الزَّاهِدِ وَ مُخَالَطَتُهٗ تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا لِاَنَّ الطَّبَائِعَ مَجْبُوْلَةٌ عَلَى التَّشَبُّهِ وَالْاِقْتِدَاءِ بَلْ يَسْرِقُ مِنَ الطَّبْعِ مِنْ حَيْثُ لَا يَدْرِيْ﴾

(المرقاة، ج:۹، ص:۲۵۷)

یعنی حریص کی مخالطت حرص کو ابھارتی ہے اور زاہد کی ہم نشینی دنیا کی بے رغبتی پیدا کرتی ہے کیونکہ انسان کی طبیعت نقل واقتداء کے فطری تقاضے پر پیدا کی گئی ہے بلکہ طبیعت دوسری طبیعت کے عادات اور فضائل غیر شعوری اور غیر اختیاری طور پر چوری کر لیتی ہے۔

اس لیے انسان جب اہل محبت کی صحبت میں رہے گا، ان کی بابرکت مجلس میں شرکت کرے گا اور ان کی باتوں کو سنے گا تو اس کی برکت اور فیض سے اس کے اندر بھی اللہ کی محبت اور خشیت پیدا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا ہو جائے گا، تھوڑے دن محنت اور مجاہدے کرے پھر تو مزے ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

اور حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ صحبت اہل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (بصائر حکیم الامت ص:۱۴۶، بحوالہ ''الافادات الیومیہ'')

میرے دوستو! کیا ان تمام آیات واحادیث واقوالِ علماء ربانیین سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی ہے کہ صرف اہل اللہ کی صحبت میں رہنا اور ان سے ملنا اور ان سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب اور پسندیدہ عمل ہے اور اللہ کا نیک بندہ بننے کے لیے کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے تقریر و بیان ہو یا نہ ہو بہر حال انسان کو اللہ والوں سے تعلق رکھنا چاہیے، ان شاء اللہ ایسا آدمی محروم نہیں رہتا ہے اور اسے ایک نہ ایک دن وصول الی اللہ ضرور عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اٹھے اٹھ کر چلے

ہم نے حضرت والا سے ان کے شیخ شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ بار بار سنا ہے کہ جس طرح مٹھائی مٹھائی والوں سے، گوشت گوشت والوں سے اور سبزی سبزی والوں سے ملتی ہے ٹھیک اسی طرح سے اللہ اللہ والوں سے ملتا ہے مگر تعجب ہے کہ آج لوگوں کو مادّی اور دنیاوی چیزوں میں تو اصول معلوم ہے مگر جب دین کے معاملہ میں آتے ہیں طرح طرح کے شکوک وشبہات اور اوہام وخیالات کا دروازہ کھول دیتے ہے اور بجائے خود مستفید ہونے کے اللہ والوں کے طریق تربیت پر اعتراض کرنا، ان کے پاس خانقاہوں میں جانے والوں پر ملامتیں کرنا اور ان کے اس عمل پر مختلف انداز سے اظہارِ بیزاری شروع کر دیتے ہیں۔ و الی اللہ المشتکی.

دلوں سے دلوں کو روشنی ملتی ہے

قلب تو ہے اگر زبان نہیں
آہ تو ہے اگر فغاں نہیں

اس شعر میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اللہ والوں کے پاس آنے سے اگر آپ کو بیان وتقریر نہ بھی ملی تو سن لو کہ ان کا دل گناہوں کے زنگ سے بالکل صاف ستھرا نکھرا مثل آئینہ کے ہوتا ہے اور بقول حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کہ جس طرح بعض آئینے ایسے ہوتے ہیں کہ دھوپ میں رکھ کر اگر ان کا رخ سائے اور اندھیرے کی طرف کرو تو ان کے توسط سے سورج کی روشنی اندھیرے میں پہنچتی ہے جبکہ بعض آئینے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر سورج کے سامنے ان کو رکھ کر ان سے گذرنے والی سورج کی روشنی چند منٹ تک کاغذ پر ڈالو تو کاغذ میں آگ لگ جاتی ہے بالکل اسی طرح اہل اللہ کے قلوب ان کے اپنے اپنے مجاہدات اور ریاضتوں کے اعتبار سے مثل آئینے کے ہوتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس بیٹھ کر اپنے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت کے انوار محسوس کرتے ہیں اور بعض اللہ والے ایسا جلا بھنا دل رکھتے ہیں کہ ان کے پاس رہنے والوں کے دلوں میں بڑی تیزی سے اللہ کی محبت کی آگ لگ جاتی ہے اور بہت جلد اللہ کے قرب ومعرفت کی خوشبو خود ان کے دلوں میں مہکنے لگتی ہے یعنی طاعات ان کی غذا بن جاتی ہیں اور معاصی سے وہ نفرت کرنے لگتے ہیں اور ان کے ہر قول وفعل سے صرف اللہ کی محبت وعظمت کی باتیں ہی نظر آتی ہیں اور سنی جاتی ہیں اور دل میں چھپے اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات چہرے سے جھلکنے اور آنکھوں سے چھلکنے لگتے ہیں اور پھر اگر لمبی چوڑی تقریریں نہ بھی ہوں مگر اس اللہ والے انسان کے سیدھے سادھے جملوں کی بڑی عجیب تاثیر ہوتی ہے۔

اس مضمون کو حضرت والا نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے کہ قلب تو ہے یعنی اللہ کی محبت میں تڑپتا ہوا دل تو بفضلہٖ تعالیٰ مجھے حاصل ہے اگر میرے پاس زیادہ تقریر وخطاب نہیں ہے دراصل معاملہ یوں ہے کہ حضرت والا تقریباً چالیس سال تک اس طرح رہتے تھے کہ کوئی وعظ وتقریر وغیرہ نہیں فرماتے تھے بس اللہ کے عشق ومحبت کی گرمی جو حضرت شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہم اللہ کی خدمت وصحبت میں رہ کر حاصل کی تھی اس کو اپنے دل میں اس طرح چھپائے ہوئے تھے کہ لوگوں کو اس کا کچھ اندازہ نہ ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی صاحبِ نسبت اللہ والے ہیں اور یہ بھی اپنے سینے میں قلب منیب وقلب سلیم کا خزانہ رکھتے ہیں اور ان کی آہ و فغاں بھی حضرت پھولپوری نوراللہ مرقدہ کی شبِ آخر کی آہ وفغاں کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

جب علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کی معارف مثنوی دیکھی تو ارشاد فرمایا کہ **لا فرق بینک و بین مولانا روم** اور پھر فرمایا کہ میں تو حکیم اختر کو حضرت شاہ عبدالغنی کا خادم بھی نہیں نوکر سمجھتا تھا کہ پھٹے پرانے کپڑوں پر تیل کے دھبے لگے ہوئے ہیں۔ حضرت اپنے شیخ کی خدمت میں اپنے کو بالکل بھلا کر اور مٹا

کر رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں جیسے لوگ اپنے مشائخ کی خدمت کیا کرتے تھے جو تم کتابوں میں پڑھتے ہو ویسی خدمت حکیم اختر نے اپنے شیخ کی کی ہے اور اسی کے یہ ثمرات ہیں کہ آج پوری دنیا میں لوگ انہیں اٹھائے اٹھائے پھر رہے ہیں۔

تو حضرت والا شروع میں بالکل بیان نہ کرتے تھے اور یہ سلسلہ کم وبیش چالیس سال تک رہا، حضرت نے اپنی زندگی کا سب سے پہلا شعر جو کہا وہ اسی کیفیت دردِ محبت کا عکاس ہے ؎

دردِ فرقت سے میرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں اِک ماہیِ بے آب ہے

لیکن ایک مرتبہ جیسا کہ حضرت والا کے وعظ میں ہے کہ حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت کی زندگی کا سب سے پہلا بیان جدہ میں ہوا اور بس جب حضرت کے حکم پر یہ بیان ہوا تو پھر تو مسلسل بیانات کا سلسلہ شروع ہوا اور ایسے درد بھرے بیانات کہ جن لوگوں نے سنے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ واقعی ایسا درد بھرا بیان ہم نے کہیں نہیں سنا۔ اس طرح کا تاثر کئی لوگوں سے سنا ہے اور خود احقر ناچیز کا بھی قریب قریب یہی خیال ہے کیونکہ جب بات دل سے نکلتی ہے تو دل پر لگتی ہے جیسا کہ فارسی کا مقولہ ہے کہ از دل خیزد بر دل ریزد کہ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر لگتی ہے اور ایک دوسرا مقولہ ہے کہ دل را بدل راہ است کہ دل کو دل کے ساتھ خاص رابطہ اور تعلق ہوتا ہے۔

ایک عالم ہندوستان سے تشریف لائے جو تقریباً دس پندرہ سال سعودی عرب میں بھی رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت اس دور کے اس دردِ محبت خداوندی کے مجدد ہیں اور حضرت کو کئی لوگوں نے رومی وقت کا خطاب دیا اور عارف باللہ کا خطاب تو خود حضرت کے شیخ حضرت شاہ ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا اور ایک عالم نے فرمایا کہ اگر اللہ اپنی محبت کو کوئی حسی شکل دیتا تو وہ شاید حکیم اختر کی صورت ہوتی اور تائب صاحب کا ایک شعر ہے ؎

کب کہا کہ یہ دنیا اہل دل سے خالی ہے
لیکن اپنے مرشد کی بات ہی نرالی ہے

تو دراصل میرا منشا اس پس منظر سے یہ ہے کہ حضرت والا کی تربیت بفضلہٖ تعالیٰ اس طریق سے ہوئی کہ جو اصل طریقِ تربیت ہے کہ پہلے دل بنایا جاتا ہے اور پھر اس دل میں اللہ تعالیٰ اپنے علوم کی بارش فرماتے ہیں اور پھر زبان سے ان کو بلواتے ہیں اور یہ بات دل کو غیر اللہ سے پاک صاف کر لیا جائے اس سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں روایت موجود ہے جس کو ان شاء اللہ کسی دوسرے مقام پر عرض کروں گا کہ جس میں زہد کی بنیاد پر علم و حکمت کا ملنا اور زبان کو گویائی عطا ہونے کا ذکر ہے اور یہی اصل علم ہوتا ہے۔

باقی کتابوں کی عبارتیں محفوظ کرنا تو یہ تو معلومات ہیں علم نہیں ہے، حضرت والا کی شروع کی زندگی کا حال بھی یہی

تھا اور اب بوجہ امراض جسمانیہ حضرت کی آخری زندگی کا حال بھی یہی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خود بتائیں کہ جب حضرت والا صحت کی حالت میں تھے تو ہفتہ میں دو مجلسیں ایک جمعہ کے دن اور ایک پیر کے دن ہوا کرتی تھیں اور اس میں حضرت کی تقریریں ہوا کرتی تھیں اور لوگ شریک ہوتے تھے مگر یہ ہفتہ میں صرف دو مرتبہ ہوتی تھیں۔

اور اب جبکہ حضرت باضابطہ تقریر نہیں فرماتے اور بالکل اسی شعر کا مصداق ہیں کہ ؎

قلب تو ہے اگر زبان نہیں
آہ تو ہے اگر فغاں نہیں

مگر اب حضرت کی مجالس ایک ہفتہ میں کل ملا کر اٹھائیس ہیں یعنی ہر روز چار مجالس ہوا کرتی ہیں اور اس عرصیمیں جس قدر فیض ہوا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اس لیے کہ اہل اللہ کے سینہ میں جو تڑپتا ہوا دل ہوتا ہے اور ان کے چہرہ پر جو اللہ کی محبت و معرفت کے انوار جھلکتے ہوئے ہوتے ہیں اور آنکھوں سے چھلکتے ہیں ہوئے وہ خود اپنی جگہ بیان و تقریر ہیں اور ان کو دیکھ کر اپنے تو اپنے غیر بھی ایمان میں داخل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کو راہِ حق نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس نوع کے بہت سے واقعات ہیں۔

اللہ والوں کے دلوں پر بے نشان محبت کا زخم

زخم تو ہے اگر نشان نہیں
عشق کو حاجتِ بیان نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت و الفت کے زخم سے جو قلب گھائل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خوشبودار پھول ہو کہ اگرچہ اس کی خوشبو دکھائی نہیں دے رہی ہے اور اس کے فضاء کو خوشگوار کرنے کے لیے کوئی تقریر نہیں ہو رہی ہے اور کوئی وعظ نہیں کہا جا رہا ہے، مگر وہ جو قریب بیٹھنے والے ہیں وہ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور مزے لے رہے ہیں اور دل و دماغ معطر ہو رہے ہیں۔

اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ ٹرین میں سوار تھے اور ٹرین کے ڈبے میں گرمی کی وجہ سے برف کی ایک سلّی رکھ لی جب تھوڑی ہی دیر میں وہ پورا ڈبہ ٹھنڈا ہونے لگا تو حضرت نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کہا ہم اس وقت برف کی ٹھنڈک سے جو محظوظ ہو رہے ہیں، اس کے لیے برف کو کوئی تقریر کرنی پڑ رہی ہے یا خود اس کی صحبت سے ہی ہمیں ٹھنڈک حاصل ہوگئی ہے تو اللہ والے جب اپنے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حقیقی عشق اور اس کی محبت کا درد رکھتے ہیں وہ خود دلوں میں ایمانی حرارت پیدا کرنے کے لیے کافی ووافی ہوتا ہے۔

اور اس کی ایک عقلی وجہ حضرت والا نے ذکر کی ہے کہ دراصل اللہ والوں کے دل میں خود اللہ اپنی تجلیات خاصہ کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی تمام تجلیات کے ساتھ دل میں تشریف فرما

ہوں گے جس کو مولانا رومی نے فرمایا کہ ؎

در دل مؤمن بگنجیدم چوں ضیف

میں مؤمن کے دل میں مہمان کی طرح رہتا ہوں۔ تو گویا ساری کائنات کے چین وسکون کا خالق اور ساری لذاتِ عالم کا مرکز وہاں پر ہے تو ظاہر ہے پاس بیٹھنے والے اور ساتھ رہنے والے ان تجلیات سے کیوں متجلی نہ ہوں گے اور اس سکون کے دریا سے کیوں سیراب نہ ہوں گے اور ان پر کیوں انوارِ خداوندی کی کرنیں نہیں پڑیں گی اور وہ کیوں عشق ومحبت خداوندی کی خوشبو سے معطر نہ ہوں گے تو حضرت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! میرے الفت خداوندی سے گھائل دل کے بے زبان گلستان سے معطر ہوتے رہو اور میرے سکوتِ عشق کو زباں سے کم نہ سمجھو۔

چشمِ تر کی خونفشانی پر دردِ ہجراں کی رازدانی

چشم تر جو کہ خوں فشاں نہیں
دردِ ہجراں کی رازداں نہیں

میرے دوستو! حضرت والا اس شعر میں مؤمن کامل اور عاشق صادق کی ایک بڑی صفت کا بیان فرما رہے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی خوشی کی راہوں میں اپنی ناجائز حسرتوں اور خواہشوں کا خون کر کے اپنے سینہ میں درد بھرا دل رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو اللہ کی محبت میں اور کبھی خوف خشیت میں اپنی آنکھوں سے ندامت کے آنسوؤں کا دریا بہانے والے بھی ہوتے ہیں اور یہ اشک ندامت بارگاہِ الٰہی میں اتنے پسندیدہ ہیں کہ حق تعالیٰ ان کو شہید کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو قطرے خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہیں ایک تو خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہتا ہے اور دوسرا آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلتا ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ شَیْءٌ أَحَبَّ إِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَأَثَرَیْنِ قَطْرَةٌ مِّنْ دُمُوْعٍ فِیْ خَشْیَةِ اللّٰہِ وَقَطْرَةُ دَمٍ تُھَرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ﴾

(الترغیب، ج ۲، ص ۲۳۱، بحوالہ ترمذی وقال حدیث حسن)

اور اس مضمون کی ایک دو روایات نہیں ہیں بلکہ بہت سی روایات ہیں جن کا قدر مشترک مضمون یہ ہے کہ یہ آنکھوں سے نکلنے والے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتے ہیں یہ اللہ کی نگاہ میں بہت ہی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں کہ ان کی برکت سے جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور ایک آنسو سے کبھی جہنم کی آگ کے سمندر کے سمندر بجھ جاتے ہیں۔ جیسا کہ الترغیب میں ہے کہ اَلاَ الدَّمْعَةُ فَاِنَّهٗ تُطْفِؤُ بِهَا اَبْحَارًا مِّنَ النَّارِ کہ ہر چیز کی ایک مقدار اور ایک میزان ہے لیکن آنسو کے ایک قطرہ سے جہنم کی آگ کے سمندر بجھا دیئے جائیں گے۔ اسی مضمون سے ملتا جلتا حضرت والا کا دوسرا شعر ہے کہ ؎

میں کس طرح سے مان لوں اے درد تو بھی ہے
گریہ کہیں نہیں کہیں آہ و فغاں نہیں

اور یہ بھی یہاں ذکر کرتا چلوں کہ یہ آنسو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہیں اور جب دل میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے تب یہ آنسو نہیں نکلتے جبکہ قساوت و قلبی غفلت سے ہو۔

﴿جُمُوْدُ الْعَيْنِ مِنْ قَسْوَةِ الْقَلْبِ وَقَسْوَةُ الْقَلْبِ مِنَ الْمَعْصِيَةِ وَالْمَعْصِيَةُ مِنَ الْغَفْلَةِ وَالْغَفْلَةُ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا وَ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ﴾

یعنی آنکھوں کا خشک ہونا دل کی سختی سے ہے اور دل کی سختی گناہوں کی وجہ سے ہے اور گناہوں کا سرزد ہونا غفلت سے ہے اور غفلت حب دنیا سے ہے اور حب دنیا ہر خرابی کی جڑ ہے۔

تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ چیز سکھائی ہے، اسی لیے اسلاف میں ایک بڑی تعداد ایسے اولیاء اللہ کی گذری ہے جو راتوں میں اُٹھ کر خاص طور پر آخری حصہ میں بڑی آہ وزاری کرتے تھے۔ خود یہی حال ہمارے دادا پیر حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کا تھا جو رات تین بجے اُٹھ کر دن کو گیارہ بجے تک عبادت میں مشغول رہتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں بڑی آہ وزاری کرتے اور بہت تڑپتے تھے۔

چنانچہ اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں کہ جن میں دموع الصالحین کا ذکر ہے یعنی اللہ والوں کے آنسو بہانے کے قصے ہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی کی کتاب ''پچاس قصے'' آخرت کے فکرمندوں کے پچاس قصے میں صفحہ ۵۶ پر مذکور ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت سپرد کی گئی تو رونے لگے اور فرمایا کہ مجھے اپنے متعلق آخرت کا بڑا ہی خوف ہے۔ آپ کی بیوی کا بیان ہے کہ لوگوں سے خلافت پر بیعت لینے کے بعد جب آپ گھر میں آئے تو آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر پوچھا کہ خیر تو ہے؟ فرمایا کہ خیریت کہاں میری گردن پر ساری اُمت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے، اب ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو جائے اور مجھ سے جواب نہ بنے، اسی فکر میں رو رہا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

اور آپ کی بیوی کا بیان ہے کہ زمانۂ خلافت میں آپ کی یہ حالت رہی کہ باہر سے آ کر سجدہ میں سر رکھ دیتے اور روتے روتے اسی حالت میں سو جاتے، آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے۔

الغرض میرے دوستو! ان قصوں کو ذکر کر کے احقر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ جتنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد اور اللہ کی معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ہی انسان خوف وڈر اور آہ وزاری کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے حضرت اسماء فرماتی ہیں:

﴿عَنْ اَسْمَآءِ قَالَتْ مَا كَانَ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ يُغْشٰى عَلَيْهِ وَلَا يَصْعَقُ عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَاِنَّمَا كَانُوْا يَبْكُوْنَ وَيَقْشَعِرُّوْنَ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللهِ﴾

(التکشف، ص: ۲۹۴)

یعنی حضرت اسماء سے روایت ہے کہ سلف یعنی صحابہ وتابعین میں سے تلاوت کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی چیختا تھا صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ پھر خدا کی یاد کی طرف اُن کے پوست (کھال) اور قلوب نرم ہوجاتے تھے۔

تو غرض یہ کہ اللہ کے خوف سے آنسو بہانا یہ گویا انبیاء وصحابہ وتابعین سب کی سنت اور سب کا طریقہ رہا ہے اور یہی آنسو ترجمانِ دردِ دل ہیں، انہیں سے دل کا حال کھلتا اور ظاہر ہوتا ہے۔

عاشق کی زباں اور ہے عاقل کی زباں اور

میرے غم کی جو ترجمان نہیں
وہ زبانِ عشق کی زبان نہیں

دوستو! ایک تو وہ زبان و بیان ہے کہ جس میں فصاحت و بلاغت لفظی بہت ہے اور ظاہری اعتبار سے بڑے اونچے کلمات اور بڑے دقیق معانی پر مشتمل ہو لیکن اس زبان میں اللہ کی محبت کا دردِ دل شامل نہ ہو تو حضرت فرماتے ہیں کہ اس زبان سے میرے غمِ محبت خداوندی کی ترجمانی نہیں ہوسکتی اور لوگ اللہ کی محبت کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور کوشش بھی کرتے مگر حضرت والا بڑی اونچی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ ان محدود الفاظ سے محبتِ خداوندی کی کیا ترجمانی ہوسکتی ہے۔ درحقیقت اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان خود اندر اس محبت کو دل میں سجائے ہوئے ہو اور دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو اور دل گناہوں سے بچنے اور حسینوں کے لڑکیوں سے نظر بچا بچا کر اپنی آرزوؤں کا خون کرکے جلے بھنے کباب کی طرح ہو اور مخلوق کی ایذاؤں کو سہہ سہہ کر دل غمِ محبتِ خداوندی کا حامل ہو تو اب اس کو حق تعالیٰ وہ زبان دیتے ہیں جو درحقیقت اس درد کی ترجمان ہوتی ہے۔

جو انسان خود سیب وشکر وشہد کے مٹھاس وذائقہ کو چھکا ہوا ہو وہ جس طرح اس کو تعبیر کرسکتا ہے اس طرح دوسرا آدمی خواہ بڑی بڑی کتابیں سیب وشکر وشہد پر پڑھ لے نہیں بیان کرسکتا ہے اور وہ بھی صرف قریب الی الفہم کرسکتا ہے ورنہ حقیقی اس کا مزہ چکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور تبھی ان کے مٹھاس میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ سادہ طریقہ پر بیانات ومواعظ کرتے ہیں لیکن ان کے بیانات سے زندگیاں بدلتی دکھائی دیتی ہیں اور کتنے ہی عمر بھر کے پاپی اور شرابی وکبابی ان کے ایک بیان کو سن کر تائب ہوجاتے ہیں جس کا مشاہدہ لیے آپ کسی بھی اللہ والے کے پاس جاکر کرسکتے ہیں۔ خود ہمارے حضرت کی خانقاہ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے کہ جو پہلے لڑکے لڑکیوں کی محبت میں رات ودن سرگرداں وپریشان رہتے اور تڑپتے رہتے تھے مگر جب ایک دو مرتبہ یہاں آئے تو ان کو وہ چین وسکون نصیب ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر صحیح راہ پر لگ گئے اور وہ کیف ومزہ پایا کہ اب وہ خود کہتے ہیں کہ ہائے ہماری زندگی کے لمحاتِ غفلت وبے چینی اور ہائے کس قدر جہنم کدہ تھی ہماری حیات۔

اور یہ روزمرہ کی باتیں ہیں کہ عمر بھر کے عشقِ مجازی کے مبتلا اور عمر بھر گناہوں کے عادی ایک دو بیان سن کر خود وہ سب کچھ چھوڑنا شروع کردیتے ہیں۔ تو دراصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات اہل اللہ جو باتیں زبان سے نکالتے ہیں وہ دل کی گہرائیوں سے ہوتی ہیں اور ان باتوں کے ساتھ ان کا دردِ دل بھی ہوتا ہے اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ وہ تاثیر ڈال دیتے ہیں کہ بڑے بڑے وقت کے مشہور مقررین وخطباء کے بیانات اور تقریروں سے لوگوں کے قلوب پر وہ اثر نہیں ہوتا۔ میں ایک بات اپنے مختصر مطالعہ کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے اکابر کا بہت زیادہ زور اور دھیان اسی دل کی صفائی پر تھا، تزکیہ تھا اور محبتِ خداوندی کے حصول پر تھا اور آج یہی سبب ہے کہ پورے عالم کی دینی خدمات کا اگر بغور جائزہ لیں تو ان سب کا سہرا ان کے سر ہے جس کا اقرار اپنوں اور غیروں سب نے کیا ہے۔

نہیں مخصوص ہے اس کی تجلّی طورِ سینا سے

غرض اتنی ہے بس پیر مغاں کے جام و مینا سے
کہ ہم مالک کو اپنے دیکھ لیتے قلبِ بینا سے

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلّی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلّی طورِ سینا سے

جو ناداں ہیں وہ اہل اللہ کی عظمت کو کیا جانیں
کوئی دیکھے مقامِ اہل دل کو چشمِ بینا سے

بہت روئیں گے کرکے یادِ اہل مے کدہ مجھ کو
شرابِ دردِ دل پی کر ہمارے جام و مینا سے

خدا کے ذکر سے وہ کیف ہے ہر قلب عارف میں
کہ یہ بکتے نہیں دنیا کے فانی وجام و مینا سے

یہ مانا کہ شکستِ آرزو ہے تلخ تر اخترؔ
مگر اے دل خدا ملتا ہے بس خونِ تمنا سے

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ **غرض:** مقصود۔ **پیر مغاں:** شراب بیچنے والا مراد شیخ ہے۔ **بینا:** دیکھنے والا۔ **طورِ سینا:** جزیرہ نمائے سینا کا ایک پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر تجلّی الٰہی کا ظہور ہوا تھا۔ **ناداں:** بے وقوف۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ پیر مغاں اور شیخ کامل کے جام و مینا سے بس اتنی تمنا ہوتی ہے اور اُس کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنے سے صرف اتنا مقصد ہوتا ہے کہ ہم اپنے پالنے والے اللہ کو اپنے قلبی بصیرت سے دیکھ لیں یعنی قلب میں ایسی بصیرت حاصل ہوجائے اور نورِ تقویٰ نصیب ہوجائے اور یہ آرزوؤں کو توڑ دینے سے حاصل ہوتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلیات دل پر ڈال دیتے ہیں جیسا کہ طورِ سینا پر اللہ نے تجلی ڈالی تھی۔

اور یہ اہل اللہ کے قلوب ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ موجود رہتی ہیں لیکن جو لوگ نادان ہیں وہ اہل اللہ کی عظمت و مقام سے واقف نہیں ہیں۔ اگر اُن کو چشمِ بینا حاصل ہو جائے اور ایمانی بصیرت اور نورِ تقویٰ عطا ہو جائے تب یہ پتہ چلے گا کہ اہلِ دل کا کیا مقام ہوا کرتا ہے۔ اختر بھی یہ کہتا ہے کہ جب اہلِ مے کدہ مجھے یاد کریں گے میرے جام و مینا سے میری شرابِ درد دل پی کر تو بہت رویا کریں گے۔ یعنی حق تعالیٰ نے اختر کو محبتِ خداوندی اور معرفت الٰہیہ پیش کرنے کا ایسا خاص اسلوب اور انداز اپنی رحمت سے عنایت کیا ہے کہ جب سالکین اور مریدین میرے پاس آ کر یہ نعمت حاصل کرتے ہیں تو وہ محبتِ خداوندی کے نشے میں مست ہو جاتے ہیں اور بڑی آسانی اور لذت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا راستہ طے ہو جاتا ہے جب بعد میں مجھے یاد کریں گے تو سوچ کر رویا کریں گے۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر قلبِ عارف میں ایسا کیف رہتا ہے کہ وہ دنیا کے فانی جام و مینا سے کبھی بک نہیں سکتے۔ ہاں اس کا اُلٹ خوب ہوا کرتا ہے کہ دنیا کے فانی جام و مینا کے دلدادہ اور عاشق آئے دن اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پی کر مست ہوتے ہیں اور اپنے فانی جام و مینا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

آگے حضرت والا وہی نصیحت فرماتے ہیں کہ اختر یہ بات تو مسلّم ہے کہ آرزوؤں کا توڑ دینا آسان کام نہیں ہے، بلکہ تلخ اور تلخ تر ہے لیکن یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تب تک نہیں ملتے جب تک انسان شکستہ آرزو نہ ہو۔ بس آرزوؤں کا خون پی لینے سے دل میں خدا جلوہ فرماں ہو جاتے ہیں، اس لیے اے دل! خونِ تمنا پینے سے بچنے اور کترانے کی کوشش نہ کر کیونکہ اس کے بعد تو اپنے مولا کی ملاقات کے قابل ہو جائے گا۔

بعض خاص وصایا

ازحکیم الامت مجدد الملت محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

بعض ایسی وصایا جو عام نفع کی ہیں اور سب کے لیے ہیں، ملخصًا بقدر ضرورت ذیل میں نقل کی جاتی ہیں اور اگر بالتفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو ''اشرف السوانح'' حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)...... میں اپنے سب دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے معاصی صغیرہ وکبیرہ عمد وخطا کے لیے استغفار فرمائیں۔

(۲)...... میرے بعض اخلاقِ سیئہ کے سبب بعض بندگانِ خدا کو حاضرانہ وغائبانہ میری زبان وہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں۔ خواہ اہلِ حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہوئیں، نہایت عاجزی سے سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے ان کو معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگذر فرمائیں گے۔ میں بھی ان کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دارین میں عفو وعافیت عطا فرمائیں۔ معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

(۳)...... اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں، بطیب خاطر گزشتہ اور آئندہ کے لیے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

(٤)...... میں اپنے سب دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علمِ دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے۔ خواہ بذریعہ کتاب، یا بذریعہ صحبت، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنِ دینیہ سے حفاظت ہوسکے۔ جن کی آج کل بے حد کثرت ہے، اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں۔

(۵)...... طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں، اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے، اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظرِ عنایت پر۔ اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں

بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(٦)...... جو مدرسہ دینیہ فی الحال یہاں میرے تعلق میں جاری ہے وہ ایک خاص شان کا مدرسہ ہے۔ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد اس کے بقاء کی طرف توجہ رکھی جاوے اور خدا تعالیٰ اس مدرسہ کی خدمت کی جس کو توفیق دے تو وہ اس کے طرز کو جس کا ایک مہتمم بالشان جزو تربیتِ اخلاق واصلاحِ نفس ہے نہ بدلے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر وبرکت کی اُمید ہے۔

(۷)...... دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں: (۱) شہوت وغضب کے مقتضاء پر عمل نہ کریں۔ (۲) تعجیل نہایت بُری چیز ہے۔ (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کرے۔ (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔ (۵) کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرت اختلاط خلق بلاضرورتِ شدیدہ وبلامصلحت مطلوبہ اور

خصوصاً جبکہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جاویں۔ پھر خصوصی جبکہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنالیا جاوے نہایت مضر چیز ہے۔ (۶) بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔ (۷) بدون سخت تقاضہ کے ہمبستر نہ ہوں۔ (۸) بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔ (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔ (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔ (۱۱) سخت مزاجی وتندخوئی کی عادت نہ کریں، رفق اور ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بناویں۔ (۱۲) ریا وتکلف سے بہت بچیں، اقوال وافعال میں، طعام ولباس میں بھی۔ (۱۳) مقتداء کو چاہیے کہ امراء سے نہ بدخلقی کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الا مکان مقصود بناوے، بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لیے۔ (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔ (۱۵) راویات وحکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاط کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔ (۱۶) بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت وتجویز طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔ (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت سے دلا یعنی سے احتیاط رکھیں۔ (۱۸) حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں۔ (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں۔ (۲۰) کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۸)...... میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۂ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے مگر اور کوئی امر خلافِ سنت بدعات عوام وخواص میں سے نہ کریں۔

(۹)...... حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگاویں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں۔ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آجائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔ لولا اخرتنی الٰی اجل قریب فاصدق واکن من الصّٰلحین اور ہر وقت یہ سمجھے

شاید ہمیں نفس، نفسِ واپسیں بود

اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں۔ اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۱۰)...... خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل واکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ لَئِنْ شَکَرْ تُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ، یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔

(۱۱)...... میرے ایصالِ ثواب کے لیے بھی جمع نہ ہوں، نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہوجاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہوجاویں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعا وصدقہ وعبادات نافلہ سے نفع پہنچاوے۔ نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں، اس کا اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جاوے۔

بس یہ گیارہ وصایا ہیں جن کا اَحَدَ عَشَرَ کَوکبًا سے بلحاظِ عدد تشابہ ہے ہدایت اور عمل کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ووافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر بخشیں۔ آمین ثم آمین۔ (خاتمہ سوانح: جلد۴، صفحہ ۹۵-۹۸)